بانی — زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی

مدیرہ — قیصر آرا

نائب مدیرہ — سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین — نزار رضوان

مدیر خصوصی — طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	04
فروری	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

تذکرہ اس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

ملاقات

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر مشتاق احمد قریشی نے ... حسن پرنٹنگ پریس
ہائی اسٹیڈیم کراچی ... دفتر کا پتہ ... عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: ٹینا ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رض

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ای میل: Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
فروری ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

نئے سال میں ہر طرف نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں بڑی سپر پاور کو چلانے والے بدل گئے انہوں نے آتے ہی اپنا اصل رنگ دکھانا شروع کردیا چھ اسلامی ممالک کو اپنے نشانے پر رکھتے ہوئے معتوب کردیا اور دیگر اسلامی ممالک کو خبردار کردیا کہ ان کے شہریوں کے لیے اب امریکا جانا آسان نہیں رہے گا، امریکی صدر کے یہودی نژاد ہونے کے باعث اس نے آتے ہی فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیاں آباد کرنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ سرپرستی کا بھی فرمان جاری کردیا۔ دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ امریکا میں مقیم مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

وطن عزیز میں عدالت عظمیٰ میں چلنے والے مقدمے نے سیاسی طور پر ہلچل مچار کھی ہے تمام متعلقین بے صبری کا اظہار کررہے ہیں حکمران وقت پر گو کہ بظاہر کڑا وقت ہے جسے حزب اختلاف کی جماعتوں نے مزید سخت کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے ان کا بس نہیں چل رہا کہ گھڑی کی چوتھائی میں وزیراعظم کو نااہل قرار دلوادیں۔ عدالتی فیصلہ تو اپنی تمام قانونی کارروائیوں کے مکمل ہونے پر ہی آئے گا لیکن تمام سیاسی جماعتیں روز اپنی اپنی عدالت لگا کر اپنے خیالی غباروں میں ہوا بھر کر اڑا رہی ہیں کون جانے کہ عدالتِ عظمیٰ اس مقدمے کو خوب چھان پھٹک کر کیا فیصلہ کرتی ہے یہ بات تو طے ہے اور ہر کوئی مان رہا ہے کہ فیصلہ جو بھی آئے گا اسے درست تسلیم کیا جائے گا۔

تمام بہنوں کی میں اور میری ساتھی بہنیں تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری محنت کو سراہا اور ہماری حوصلہ افزائی کی یہ آپ کے محبت نامے ہی تو ہیں جو ہمیں آپ کا حجاب اور آنچل سجانے سنوارنے کی راہ دکھاتے ہیں ہماری رہنمائی کرتی رہیں آپ کی آرا اور مشوروں کا انتظار رہے گا چلتے ہیں اب شمارے کی جانب۔

اس ماہ کے ستارے

☆شب آرزو تیری چاہ میں — خوب صورت اندازِ بیاں میں نائلہ طارق سلسلے وار ناول کے سنگ شریک ہیں۔
☆کیسی ہار کیسی جیت — اقبال بانو اپنی منفرد انداز میں افسانہ کے ساتھ شریک محفل ہیں۔
☆زلمولی — عابدہ احمد عالی منفرد انداز و منفرد تحریر کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆لاحاصل سفر — لاحاصل سفر کی داستان سلمیٰ فہیم گل کے اصلاحی انداز میں۔
☆ہوگیا ہے مجھے پیار — ہجر و وصال کے رنگوں کی ترجمانی کرتا حنا عندلیب کا مکمل ناول۔
☆محبتاں سچیاں — یوم محبت پر سچی محبتوں کا احوال پیش کرتی زینب اصغر مغل ایک دلکش کاوش کے سنگ حاضر ہیں۔
☆محبت کی ہوا — سمیرا ستار را جھانی اپنے افسانے کے سنگ پہلی مرتبہ شریک محفل ہیں۔
☆محبت راستہ ہے ایسا — محبت کے پر پیچ راستوں کی عکاسی کرتا قرۃ العین سکندر کا افسانہ۔
☆قلم برائے فروخت نہیں — شمسہ فیصل ایک منفرد و دلکش انداز میں حاضر ہیں۔
☆میں تینوں سمجھاواں کی — صبا عشل اپنے افسانے میں کیا سمجھانا چاہتی ہیں آپ بھی جانیے ایک منفرد انداز میں۔
☆یوم محبت — یوم محبت منانے والوں کے لیے تحریم اکرم کی ایک خوب صورت پیغام کی حامل تحریر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

حمد

کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر کیا چیز ہے دنیا بھول گیا
یوں ہوش وخرد مفلوج ہوئے دل ذوق تماشا بھول گیا

پھر روح کو اذنِ رقص ملا خوابیدہ جنوں بیدار ہوا
تلووں کا تقاضا یاد رہا نظروں کا تقاضا بھول گیا

احساس کے پردے لہرائے ایماں کی حرارت تیز ہوئی
سجدوں کی تڑپ اللہ اللہ سر اپنا سودا بھول گیا

جس وقت دعا کو ہاتھ اٹھے یاد آ نہ سکا جو سوچا تھا
اظہار عقیدت کی دھن میں اظہار تمنا بھول گیا

پہنچا جو حرم کی چوکھٹ پر اک ابرِ کرم نے گھیر لیا
باقی نہ رہا یہ ہوش مجھے کیا مانگ لیا کیا بھول گیا

ہر وقت برستی ہے رحمت کعبے میں جمی اللہ اللہ
ہادی ہوں میں کتنا بھول گیا عاصی ہوں میں کتنا بھول گیا

عبدالستار نیازی

نعت

وہ جیسے ہیں کوئی ویسا نہیں ہے
یہی لکھا ہے تاریخ بشر میں

ہوں سوئے دربار رسالت
ہے میرے ساتھ اک خوش بو سفر میں

یہاں بے مانگ ملتا ہے گدا کو
نہیں کوئی بھی در ایسا نظر میں

مواجہ پر کھڑا ہوں ہاتھ اٹھائے
دعائیں سب ہیں آغوش اثر میں

انہی کے نور سے تاباں ہے سورج
انہی کی بھیک کشکول قمر میں

مدینے جاؤں آؤں پھر سے جاؤں
خدا تا عمر رکھے اس سفر میں

صبیح ان کا ہوں میں اک نام لیوا
سو میرا نام ہے اہلِ ہنر میں

صبیح الدین رحمانی

مسکان

السلام علیکم حجاب کے تمام قارئین کو اور اسٹاف کو مجھ نا چیز کا محبتوں الفتوں چاہتوں اور شدتوں بھرا اسلام قبول ہو، جی تو نام ہے میرا مسکان 28 اگست کو آنکھ کھولی ہم پانچ بہن بھائی ہیں سب سے بڑا بھائی سہیل اس کے بعد مس مسکان پھر وقاص وقار شعبان بھائی سہیل شادی شدہ ہیں ان کی چار بیٹیاں جویریہ، اریبہ، لائبہ، عروج۔ عروج میں جان اریبہ دل لائبہ جگر اور جویریہ معدہ (جو کہ ہر وقت خراب ہی رہتا ہے) میرے ابو بہت اچھے ہیں بس اتنا کہنا چاہوں گی آئی لو یو ابو جی، جی تو میں نہم کلاس کی طالبہ ہوں پڑھائی میں بس نارمل ہوں ماں جیسی نعمت نہیں ہے سچ کسی نے کہا ہے کسی بدنصیب کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لو جس کی ماں نہیں ہے اس لیے ہم بدنصیب ہیں امی کو فوت ہوئے نو سال ہو گئے ہیں سات سال ماں کا پیار دیکھا باقی ساری زندگی ترستے گزارتی ہے جو خدا کو منظور ہم کیا کہہ سکتے ہیں خوبیاں یہ ہے نفرت نہیں کرتی کسی سے' کسی کے لیے دل میں حسد نہیں رکھتی دل میں کھوٹ ہو اور منہ سے تعریف کرو ایسا ممکن نہیں جس کے ساتھ جیسی ہوں ویسے ہی ملتی ہوں خامیاں غصہ بہت آتا ہے گھر کے برتن اس بات کے گواہ ہیں اعتبار بہت جلد کر لیتی ہوں اس لیے دھوکہ مقدر بنتا ہے پسند ناپسند کی بات ہو جائے اب' کھانوں میں بریانی، اروی کا سالن، گوشت صرف مرغی کا پسند، آلو مٹر گوبھی سب پسند ہیں اور کریلے، کدو، پالک نہیں پسند، لباس میں شلوار قمیص، ساڑھی، فراک پسند ہے ساڑھی کبھی نہیں پہنی جیولری میں صرف ٹاپس، چوڑیاں پسند ہیں چپل صرف سادہ سی ہو، بڑی ہیل والی نہیں پسند۔ ذرا اپنا حلیہ بتادوں گول سا منہ بڑی بڑی آنکھیں نارمل سا ناک ہاہاہا پیارے سے ہونٹ تھوڑی پر تل قد پانچ فٹ چار انچ رنگ صاف مطلب فل والا سفید نہیں نہ گندمی ہے لمبے لمبے ہاتھ جو کہ کلاس فیلو کو پسند ہیں بہت بہت جی تو اب پہچان لو گی ناں سب مجھے رنگوں میں سفید اور کالا سرخ پسند ہے آنچل بہت اچھا رسالہ ہے نازیہ کنول نازی آنچل کی جان ہیں وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا یہ چاہتیں یہ شدتیں، پتھروں کی پلکوں پر قراقرم کا تاج محل آتش عشق اور عشق آتش بہت بہت پسند ہے پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے خدا سب کو نمازی اور تلاوت کرنے کی توفیق دے، آمین۔ دوستیں بہت سی ہیں مگر بیسٹ دوست کوئی نہیں وہ اب آپ سب میں سے بنانی ہیں جن کے گی پریوں حجاب کے بغیر زندگی ادھوری ہے حجاب جن کے بغیر ادھورا ہے ان کے نام نازیہ کنول نازی، بشریٰ، مائزہ ملک، عروسہ شہوار، رملہ اہل، عطروبہ، شگفتہ خان، صائمہ قریشی، انعم خان، سباس گل، کرن وفا، صنم ناز اور بھی بہت سی وہ پھر کبھی ان کے نام پسندیدہ فلم دھڑکن پسندیدہ گانا او صنم او صنم کاش ہوتا' اگر بس اس بات کے ساتھ اجازت۔ اگر تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آ جاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کر لو بتانا ضرور کیسا لگا تعارف۔

فرح ناز

حجاب کے تمام ریڈرز اور رائٹرز کو میرا پیار بھرا اسلام، میرا نام فرح ناز ہے میں رسال پور میں 21 مارچ 1998ء کو پیدا ہوئی لیکن اب سرگودھا کے گاؤں مٹیلہ میں رہتی ہوں، ہم نو بہن بھائی ہیں میرا نمبر ساتواں ہے مجھے اپنی امی سے بہت پیار ہے آج ہم سب بہن بھائی جس مقام پر ہیں صرف اپنی امی کی وجہ سے ہیں مجھے فخر ہے خود پر کہ میں ان کی بیٹی ہوں، اللہ تعالیٰ میری امی کو دائمی صحت اور لمبی عمر عطا فرمائے اور بیت اللہ کا حج نصیب فرمائے آمین تھرڈ ایئر کی طالبہ ہوں تعلیمی میدان میں الحمدللہ اچھی کارکردگی دکھائی ہے میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قائداعظم رحمتہ اللہ ہیں بات آجاتی ہے پسند ناپسند کی مجھے سبزیاں کچھ خاص پسند نہیں، دالیں پسند ہیں سوائے ماش کی دال کے، پھلوں میں آم، انگور اور کیلا پسند ہے پسندیدہ ڈش بریانی ہے۔ میٹھے میں کھیر اور کسٹرڈ پسند ہے موسم خزاں کا پسند ہے خزاں رسیدہ درخت اچھے لگتے ہیں، بارش پسند ہے وہ بھی سردیوں کی چاندنی راتیں اٹریکٹ کرتی ہیں کلر بلیک اینڈ اونلی بلیک از موسٹ فیورٹ، لباس میں فراک چوڑی دار پاجامہ اور شلوار قمیص پسند ہے مجھے پاکستان اور

پاک آرمی سے جنون کی حد تک عشق ہے میرا فیورٹ کرکٹر احمد شہزاد ہے فیورٹ سنگر راحت فتح علی خان ہے شاعری سے لگاؤ ہے میرے پسندیدہ شاعر علامہ محمد اقبال، محسن نقوی اور احمد فراز ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، نگہت عبداللہ اور راحت وفا شامل ہیں بات آجاتی ہے خوبیوں اور خامیوں کی خامیاں بے شمار ہیں اور خوبیاں برائے نام میری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں نماز کی پابند نہیں ہوں دعا کیجیے گا کہ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھنے لگوں اور سنت نبوی ﷺ پر عمل کروں میں حساس بہت ہوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا آجاتا ہے میں ہر فن مولا ہوں سوائے گھر کے کاموں کے یعنی ہانڈی روٹی کے آپ بھی سوچ رہے ہوں گے پھر آتا کیا ہے مجھے خودغرض لوگوں اور مطلبی لوگوں سے سخت نفرت ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اسی لیے میرا حلقہ دوست زیادہ وسیع نہیں گنتی کے صرف چند دوست ہیں میرے سب سے مخلص دوست چاند اور ستارے ہیں نہیں سمجھ میں آیا ارے جو آسمان پر رات کو چمکتے ہیں میں ان ستاروں کی بات کررہی ہوں یہ لوگوں کی طرح خودغرض نہیں ہیں اس لیے یہ میرے بہت پیارے دوست ہیں میں ان سے باتیں بھی کرتی ہوں میری خواہشات بہت عجیب ہیں میرا دل چاہتا ہے ایسی جگہ ہو جہاں میں چلی جاؤں وہاں صرف سکون ہو، میرے اردگرد کوئی نہ ہو (کیوں ہوں نا پاگل) میں جب آسمان پر پرندوں کو اڑتے دیکھتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے میں بھی ان کے سنگ اڑنے لگوں میرا رشتوں پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ہر رشتے سے دھوکا کھایا ہے زندگی میں بہت سے دکھوں کا سامنا کیا ہے اور ہر رشتے سے سبق سیکھا ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے دل میں کوئی آرزو اور تمنا نہیں اور نہ زندگی کی طلب بالکل اسی طرح

سانسوں کے سلسلے کو نہ دو زندگی کا نام
جینے کے باوجود بھی کچھ لوگ مر گئے

زیادہ تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے میں تشریف کی ٹوکری لے جارہی ہوں دعا کیجیے گا میرے لیے اور میرے بہن بھائیوں کے لیے جو وہ چاہیں انہیں زندگی میں ملے اور وہ ہمیشہ خوش رہیں پاکستان اور پاک آرمی کے لیے دعا کیجیے گا اگر تعارف پسند آئے تو ضرور بتایئے گا، اللہ حافظ۔

زارا فریاد

السلام علیکم! تمام قارئین رائٹرز اینڈ آل حجاب اسٹاف، ہمارا نام تو یعنی پیارا سا نام زارا آپ جان ہی چکے ہیں اس دنیا میں 27 دسمبر 1997ء کو تشریف لاکر جو کمی رہ گئی تھی وہ پوری کردی ہمارے والدین کی زندگی میں جو اندھیرے تھے وہ پورے کے پورے دور کردیے اور نک نیم مشہور ہوگیا "زیری" پوری فیملی میں تو زارا کا کسی کو کچھ پتا ہی نہیں (بقول خاندان کے زیری) میری ایک پیاری سی شہزادی سی کزن بل بتوڑی شزارہ میرے ساتھ ہی اس دنیا میں آئی تھی تو جناب آئیں اپنی طرف تو ہم تین بہن بھائی ہیں بڑی میں ہوں پھر بہن پھر بھائی میں بی کام کررہی ہوں میرا تعلق کوٹ جیمل سے ہے جو آزاد کشمیر کا گاؤں ہے خوبیوں اور خامیوں پر آئیں تو ابھی سوچا بھی نہیں خوبیاں ختم اور خامیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع بقول میری کیوٹ سی فرینڈ عائشہ کے غصے کی بہت تیز ہوں میری اور میری کزن کی مشترکہ عادت ناخن چبانا بہت دفعہ مار کھا چکی ہوں (اپنی نانی اماں سے)

پسند کی بات کی جائے تو پسندیدہ شخصیات میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پسندیدہ رنگ بلیک سی گرین اور ریڈ ہیں جیولری میں بریسلیٹ پسند ہے موسموں میں موسم خزاں بہت پسند ہے مہندی لگانا بہت پسند ہے کپڑوں میں فراک اور قمیص، ٹراؤزر بہت پسند ہیں میک اپ میں لپ اسٹک پسند ہے ڈائجسٹوں اور ناولوں کی شیدائی ہوں کوئی بھی ناول لاؤں تو مجھ سے پہلے شزارہ پڑھنا اپنا فرض سمجھتی ہے پسندیدہ مصنفین میں نازیہ کنول، شازیہ مصطفیٰ، سمیرا شریف، اقرا صغیر ہیں اور ناول بھی ان ہی کے پسند ہیں اب آئیں دوستوں کی طرف تو سرفہرست عائشہ گل (پیاری اور بیسٹ فرینڈ) صوفیہ، سنبل، رئیسہ، نوشابہ، سدرۃ، روشان، زینب، یمنیٰ، سعدیہ ہیں اور عطیہ، عاصمہ، سعدیہ، شازیہ، آسیہ سے جو کہ ماسیاں (خالہ) ہیں بہت پیار ہے میں اپنی جان تک ان سے پیار کرتی ہوں دنیا کی بیسٹ ماسیاں ہیں میری اور میری تو پھوپیاں ہیں سب بہت اچھی ہیں مجھے ان سے بھی بہت زیادہ پیار ہے آئی لو یو آل پھپھو اور خالاؤں۔ پسندیدہ ٹیچرز میں (میڈم طاہرہ،

سرنوید، سرشہباز، سرعظیم، سرمستنصر سرفیضان، میڈم جمیلا، میڈم شازیہ، میڈم صائمہ ہیں سب شادی شدہ بال بچوں والے ہیں)

اب میں اپنے پسندیدہ بندے کی بات کروں تو وہ میری نانی اماں ہیں اور والد صاحب آئی لو یو نانی اماں جس چیز کی ضرورت ہو وہ لادیتی ہیں مجھے ٹیبلٹ کا بہت شوق تھا وہ والد صاحب نے بھیج دیا ہر شوق اللہ کا شکر ہے پورا ہوجاتا ہے اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ تو پھیلتی ہی جا رہی ہے پتا نہیں کب بس کرے گی آپ سے التماس ہے کہ اس کو ردی کی ٹوکری میں نہ پھینک دینا اس کو حجاب کے صفحوں پر لٹکا دینا امید اکٹھی کرکے ڈرڈر کے یہ سب کچھ لکھا ہے کہ پتا نہیں شائع کریں گے بھی یا نہیں امید پر دنیا قائم ہے۔ اسے میری اور میری کزن کی سالگرہ کا تحفہ سمجھ کر شائع کردیں۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہوگا اور آپ کی طرف سے کبھی بھی نہ بھولنے والا تحفہ ہوگا اب میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں حالانکہ بس کرنے کا دل ہی نہیں کررہا لیکن جانے والوں کو کون روک سکتا ہے اس امید پر اجازت چاہتی ہوں کہ اگر یہ شائع ہوگیا تو پھر سے حاضر ہوجاؤں گی، (رب راکھا)

عمارہ عباس

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ حجاب اسٹاف اور پیاری بہنو، آپ سب کو ڈھیروں دعائیں اور محبت بھرا سلام قبول ہو، میرا نام عمارہ عباس ہے، یکم مئی کو جلوہ افروز ہوکر شورکوٹ شہر ضلع جھنگ کو رونق بخشی یہ شہر اپنے دربار مائی باپ کی وجہ سے شہرت یافتہ شہر ہے ہماری کاسٹ راجپوت ہے ہم ماشاء اللہ آٹھ بھائی اور تین بہنیں ہیں میرا نمبر آخری ہے تین بھائی اور دو بہنیں شادی شدہ ہیں انٹرمیڈیٹ کے بعد تعلیمی سلسلہ چند وجوہات کی بنا پر جاری نہ رکھ سکی جس کا بے حد افسوس ہے غصے کی تیز ہوں لیکن بہت جلد نارمل ہوجاتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ میری ذات کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے میری سب سے بڑی خامی صبح دیر سے اٹھنا ہے گھر والے کہتے ہیں عمارہ تم بہت ضدی ہو، فرینڈز بنانے کے معاملے میں بالکل صفر ہوں ایک دوست عائشہ ہے جوکہ شادی کے بعد سسرال کو پیاری ہوچکی ہے۔ میری پسندیدہ رائٹرز سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، رخسانہ نگار عدنان اور عنیزہ سید ہیں میرے فیورٹ ناول پیر کامل ﷺ جنت کے پتے، ماہی ماہی کوک دی میں، جو چلے تو جاں سے گزر گئے اور زندگی ایک روشنی ہیں' خوشبوؤں میں مجھے مٹی اور موتیا کی خوش بو پسند ہے پھولوں میں مجھے ریڈ روز اچھا لگتا ہے (سرخ گلاب) پسندیدہ رنگ وائٹ، بلیک، پنک اور گرے ہیں قدرتی مناظر سے مجھے عشق ہے موسموں میں مجھے سردیاں اچھی لگتی ہیں (شمالی علاقہ جات میں رہتی تو شاید گرمیاں بھی اچھی لگنے لگتیں لیکن اب گرمیاں مجھے جبین سسٹرز کے ناول میں صرف پڑھنے کی حد تک اچھی لگتی ہیں) لباس میں لانگ شرٹ ٹراؤزر، کلیوں والا گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ پسند ہے میک اپ اور جیولری کا شوق بالکل بھی نہیں ہے کھانے میں چاول، بھنڈی گوشت، پالک گوشت اور سموسے بہت پسند ہیں ویسے جو ملے صبر شکر سے کھالیتی ہوں نخرہ بالکل بھی نہیں کرتی پسندیدہ شاعر احمد فراز، وصی شاہ، پروین شاکر، علامہ اقبال اور فیض احمد فیض ہیں ڈائری لکھنا اچھا لگتا ہے جب بھی ٹائم ملے اور کچھ اچھا لگے تو ضرور ڈائری میں نوٹ کرتی ہیں۔

مزے کی بات بتاؤں مجھے دوسروں کی ڈائریاں پڑھنے کا بہت شوق ہے بارش اچھی لگتی ہے لیکن سردیوں کی بارش ہو چائے کا مگ بمع گرما گرم پکوڑے اور میری موسٹ فیورٹ رائٹر نمرہ احمد کا ناول ہو تو کیا ہی بات ہے کیوں آپ کا بھی دل مچلنے لگا نا، سیدہ جیا کاظمی، اریبہ شاہ، شاہ زندگی، جاناں، ام ثمامہ، عطرو بہ سکندر، نوشین اقبال نوشی، طیبہ نذیر، صدف سلیمان، پروین افضل شاہین، کرن وفا اور امبر گل آپ سب کو میرا خلوص بھرا سلام اپنا خیال اور دعاؤں میں یاد رکھا کریں کوشش کریں کہ آپ کی وجہ سے کبھی کسی کی آنکھ میں آنسو نہ آئیں، اس سے پہلے کہ آپ بور ہوں اجازت چاہوں گی۔ اللہ نگہبان۔

اقبال بانو سے ملاقات

سخن میں محبت کی بات ہوتی ہے
ہر ایک لفظ میں چھپی ایک ذات ہوتی ہے
دلوں کو چھو کر گزرتی ہے گفتگو جن کی
نہال جن کے فسوں سے سماعت ہوتی ہے
وہ لوگ آپ سے ہوتے ہیں روبرو ہر ماہ
ہم آپ آپ سے یہ ملاقات ہوتی ہے

اقبال بانو ایک نام ایک شخصیت' ایک پہچان نہ صرف قلم کے حوالے سے بلکہ حرف عمل کے حوالے سے بھی ہم نے اقبال بانو کو بہت معتبر پایا ہے۔ خوش اخلاق سادہ مزاج اور دوستانہ انداز گفتگو کی مالک ہماری پیاری اقبال بانو آپی نے ناول اور افسانے کے بعد ڈرامہ نگاری میں بھی اپنی الگ پہچان رکھی ہے۔ ان دنوں آپ ان کا لکھا ہوا ڈرامہ "بے چاری مہر النساء" جیو چینل سے دیکھ رہے ہوں گے۔

حجاب کے قارئین کے لیے انہوں نے اپنی بے حد مصروفیت کے باوجود وقت نکالا جس پر ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔ آئیے اقبال بانو جیسی نرم مزاج اور پرخلوص شخصیت کو آپ بھی ہمارے ساتھ جانئے۔

☆ السلام علیکم اقبال آپی!

ج: وعلیکم السلام گل! جیتی رہو۔

☆ پہلے تو آپ اپنے بارے میں کچھ بتایئے؟ کہاں اور کب پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؛ تعلیم کتنی ہے؟

ج: جی میں گدا' گردو گورستان کے شہر ملتان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئی۔ دو سال کی تھی تو بڑی خالہ نے اڈاپٹ کیا' ابا میاں (خالوجی) پاکستان ریلوے پولیس میں ملازم تھے۔ یوں خالہ مجھے کراچی لے آئیں' وہیں اسلامیہ اسکول میں پانچویں کلاس تک پڑھا پھر میٹرک

گورنمنٹ ریلوے بائی اسکول کراچی کینٹ سے کیا۔ بی اے کراچی کالج سے ایم اردو ایل ایل بی کراچی یونیورسٹی سے جبکہ ایم اے سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے پرائیوٹ کیا' ملتان آنے کے بعد۔

☆ اب بورے والہ میں رہائش ہے؟

ج: جی ہاں! ملتان میں میرا میکہ ہے اور شادی کے بعد وہاڑی آ گئی' میرے میاں زمیندار ہیں۔ یہاں بھی گاؤں میں رہتے تھے پھر اپنے بیٹے ٹیپو کی ایجوکیشن کے لیے ایجوکیشن سٹی بورے والہ آنا پڑا جو ہمارے گاؤں سے تقریباً ایک گھنٹہ کی ڈرائیو پر ہے۔ البتہ ہر ویک اینڈ گاؤں چلے جاتے ہیں۔ ٹیپو میٹرک میں ہے' ان شاء اللہ ٹیپو میٹرک کرے تو ملتان یا لاہور چلا جائے گا پھر ہم واپس اپنے گاؤں چلے جائیں گے۔

☆ پہلی کہانی یا افسانہ کون سا تھا اور اس کا رسپانس کیا ملا تھا آپ کو؟

ج: پہلی چھپی کہانی تھی "رم جھم کا سماں ہو جیسے" ماہنامہ گھرانہ کراچی میں فروری 79ء میں شائع ہوئی تھی۔ جب میں دسویں کلاس میں تھی بس بہت خوشی ہوئی تھی' سرہانے تلے ڈائجسٹ رکھا تھا اور رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھتی تھی۔ اگلے ماہ رسالے میں جو خطوط شائع ہوئے تو پتا چلا کہ یہ کہانی بہت پسند کی گئی ہے' بس اسی حوصلہ افزائی نے قلم ایسا تھمایا کہ کتنی بھی مصروفیت ہو سب چھوڑ کر لکھنا پہلی ترجیح رہا۔ 1993ء تک بہت لکھا' مسلسل لکھا اور ہر پرچہ کے لیے لکھا۔

☆ کیا لکھنا آسان ہے؟

ج: نہیں...... بہت بہت مشکل ہے اور جب آپ کا نام بن جائے تو پھر اسے قائم رکھنے کے لیے لکھنا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

☆ اپنے بچپن کے بارے میں بتائیں کیسی تھیں شرارتی یا سنجیدہ؟

ج: بچپن میں کون سنجیدہ ہوتا ہے گل! بہت شرارتی تھی لڑکوں والے کھیل کھیلتی تھی۔ پتنگ اڑانا' کنچے کھیلنا' لٹو لڑانا وغیرہ وغیرہ۔ لڑکوں کے ساتھ کھیلتی تھی' گڑیا تو پانچویں کلاس میں میرے پاس آئی جو میرے ماموں ناصر نے لا کر دی تھی پھر گڑیا کھیلی اور گڑیا کی شادی بھی کی مگر دوسرے روز ہی اپنی سہیلی "کوکو" سے واپس بھی گڑیا لے لی کہ میری گڑیا زیادہ خوب صورت ہے اور کوکو کا گڈا فضول تھا' بدشکل' چھوٹے قد کا ایک آنکھ بھی چھوٹی تھی۔ یہ سارے الزام لگا کر "کوکو" کو روتا چھوڑ کر گڑیا لے آئی تھی (کتنا خوب صورت بچپن تھا اور کتنی بدلحاظ تھی نا میں؟ توبہ توبہ......)

☆ کس ٹاپک پر لکھتے ہوئے لگتا ہے کہ آپ نے قلم کا حق ادا کر دیا؟

ج: حق...... گل کبھی بھی کوئی حق ادا نہیں ہو سکتا' جس قدر بھی کوشش کی جائے یوں بھی کوئی مخصوص ٹاپک نہیں ہے جو میں کہہ سکوں کہ حق ادا ہو گیا۔ ابھی بہت لمبا سفر ہے' کچھ سال ستانے کو رک گئی' بہت دکھ تھا کہ لکھنا چھوٹ گیا اب دوبارہ قلم تھاما ہے شاید کوئی ایسی تحریر لکھ پاؤں اور کہوں کہ "قلم کا حق ادا کر دیا" کہا نا کہ حق ادا نہیں ہو سکتا چاہے کوئی بھی حق ہو۔

☆ زندگی سے کوئی گلہ؟

ج: نہیں...... شکر الحمدللہ بہت اچھی گزری اور گزر رہی ہے۔ بس ایک دکھ ہے کہ اپنے والدین کی خدمت نہیں کر سکی' دونوں جلد دنیا سے چلے گئے۔

☆ آپ کی فیملی میں کسی کو لکھنے کا شوق ہے؟

ج: ناں جی ناں' صرف میں ہی قلم کی مزدور ہوں البتہ سب پڑھنے کی شوقین ہیں۔

☆ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیے کون کون ہے؟

ج: ہماری فیملی چھوٹی سی ہے' میرے میاں ملک فیض رسول لنگڑیال جو ریٹائرڈ ٹیچر ہیں۔ اپنی مرضی سے ریٹائرمنٹ لی' آج کل زمینداری کرتے ہیں' ایک بیٹا محمد اسماعیل ٹیپو کلاس 10th کا اسٹوڈنٹ ہے۔ یہ ہی میری کل کائنات ہے' میرا گھر میری جنت۔

☆ بھائی بہنوں کی تعداد؟

ج: ہم پانچ بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ سب شادی شدہ اور اپنے گھروں کے ہیں۔ ایک بھائی محمد اعجاز سعودی عرب جدہ میں ہوتا ہے باقی سب ملتان میں ہیں' میں بورے والا میں۔

☆ آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں؟

ج: چار ناول اور سات افسانوی مجموعے اور ایک ناول سرائیکی میں اور میں سرائیکی ادب کی پہلی خاتون ناول نگار

ہوں' پہلی شاعرہ بھی۔

☆ آپ کی کتابوں کے نام؟

ج: ناول شیشہ گر' گونگے دکھ' دروازہ کھلا رکھنا' تجھے ہر جگہ پکارا۔ سرائیکی ناول "سانوں موڑ مہاراں" یہ ناول بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے سرائیکی شعبہ میں سرائیکی ایم اے کی کلاس کے سلیبس میں شامل ہے۔ نظموں کا مجموعہ "دل تانگھ تانگھے" میں سرائیکی کی پہلی صاحب کتاب شاعرہ بھی ہوں۔ ناولٹ کے یہ مجموعے ہیں "چاندنی اور آنگن' اک بار ملو ہم سے' عشق میں روگ ہزار سائیں' کوئی بجن موڑے آوے' خواہش' میرے ساجن' میں تیرے ساتھ چلتی رہی۔" سرائیکی افسانوے مجموعہ "کچ دے کھڈاتے" زیر طبع ہے۔

☆ یاد ہے اب تک کتنے افسانے لکھے؟

ج: یاد تو نہیں لیکن لگ بھگ چھ سو سے اوپر ہی افسانے لکھے ہیں بمعہ ناولٹ۔ اس کے علاوہ سرائیکی کے بھی تیں سے پینتیس افسانے ہیں۔

☆ ہمارے ہاں خواتین رائٹرز کو فیملی سپورٹ کم ملتی ہے' شادی کے بعد آپ کے خیال میں ان حالات میں رائٹرز کو کیا کرنا چاہیے کیا لکھنا چھوڑ دینا چاہیے؟

ج: میرے خیال میں تو حالات سے سمجھوتہ بہت ضروری ہے عورت نام ہی ایثار اور کمپرومائز کا ہے۔ گھر عورت کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے' لکھے بغیر عورت رہ لے گی مگر گھر کے بغیر کیسے رہے گی؟ سپورٹ نہ ملے تو لکھنا چھوڑ دے گھر خراب نہ کرے۔

☆ آپ کو فیملی سپورٹ ملی؟

ج: شروع میں جب میں نے بچوں کے لیے لکھنا شروع کیا تو امی (خالہ) بہت خفا ہوئیں مگر ابا میاں (خالو) نے کہا تم لکھو جب میں پانچویں کلاس میں تھی اور ابا میاں میری کہانیاں خود پوسٹ کرکے آتے۔ میرے میاں کی بھی مجھے بہت سپورٹ ہے جن دنوں میں نہیں لکھتی تھی تو کہتے تم لکھا کرو موٹو (یہ محبت سے بولتے ہیں) تمہارا لکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے مجھے شوہر کی بھی بھرپور سپورٹ ہے۔

☆ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ لکھنا چھوڑ دیں تو......؟

ج: کون کہے گا؟ ارے بھئی میرے میاں چاہتے ہیں میں لکھوں اور کسی کی کیا ماننی ہے۔ پہلے بھی چند سال نہیں لکھا تو اپنی مرضی سے کسی نے مجھے روکا نہیں اور کوئی روکے بھی کیوں؟

☆ کس جگہ کی سیر کرنے کو جی چاہتا ہے؟

ج: مجھے اگر بہت پسند ہے تو کراچی کا کلفٹن، ساحل سمندر، منوڑہ۔ سمندر میرے لیے بہت اہم ہے، سمندر مجھے بہت متاثر کرتا ہے، کوئی بھی بیچ ہو۔ جب میں کراچی میں تھی ہر دوسرے ہفتے کلفٹن جانا، اونٹ کی سیر کرنی، لہروں سے کھیلنا اور ریت پر جلتی چولوں والی لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھ کر فرائی فش کھانا، وہ دن لوٹ آئیں تو...... میری دوست نگار ہوتی کبھی میمونہ طاہر بھی ہم تینوں ملنگیاں جاتے خوب انجوائے کرتے۔ امت الصبور اور ناظمہ طالب کے ساتھ بھی جاتی تھی۔ احل تو ساحل پر کھڑی ہوتی میں اور ناظمہ پانی میں دور تک چلے جاتے اور احل زور زور سے بلاتی ''آگے مت جاؤ'' ہاوہ دن......

☆ اقبال بانو مزاجاً کیسی ہے، بہت غصہ آتا ہے؟

ج: نہیں اب غصہ نہیں آتا اور مزاجاً کیسی ہوں دوسرے بتاسکتے ہیں۔ شاید نرم مزاج ہوں بقول عامرہ شاہد کے ''بانو آپ بہت سیدھی خاتون ہیں'' شاید ایسا ہو بھی۔

☆ کوکنگ کا شوق کس حد تک ہے؟

ج: مجھے کوکنگ کرنا بہت اچھا لگتا ہے، شادی سے پہلے میں کچھ بھی نہیں پکاتی تھی حتیٰ کہ چائے بھی نہیں مگر سب کچھ شادی کے بعد سیکھا۔ خود بخود ہی پکانا آگیا' میں کچھ اور گھر کے کام کروں یا نہ کروں مگر کوکنگ میں خود کرتی ہوں۔

☆ شادی کے بعد پہلی ڈش کون سی پکائی تھی؟

ج: کھیر پکائی تھی بغیر کسی ہیلپر کے اور چکن جنجر میں نے سیکھنے میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی جو چیز سمجھ نہ آئے پوچھ لیتی ہوں۔

☆ کبھی باہر کھانے کا موڈ ہو تو کیا کھانا پسند کرتی ہیں؟

ج: مہینے میں دو تین بار ہوٹلنگ کرتے ہیں ہم، ٹیپو کی خواہش پر اور مینو بھی ٹیپو کی پسند کا ہی ہوتا ہے جو بھی وہ آرڈر کردے، ہماری مرضی پر تو صرف آخر میں چائے یا آئس کریم ہوتی ہے۔

☆ کون سی ڈش بہت اچھی پکالیتی ہیں؟

ج: پائے، یخنی پلاؤ اور سرسوں کا ساگ گوشت، میرے شوہر کا خیال ہے کہ یہ چیزیں بہت مزے کی پکاتی ہوں البتہ چکن اور مٹن کی ہر طرح کی ڈشز بھی پکالیتی ہوں۔ چائنیز بھی پکالیتی ہوں، فش پلاؤ میرے میاں کو بہت پسند ہے۔

☆ آپ کی اپنی پسندیدہ ڈش؟

ج: ثابت مسور کی دال اور تڑکے والے چاول مجھے بہت پسند ہیں اور کڑھی بھی۔ یہ میری مرغوب خوراک ہے، میرے میاں میری محبت میں کھالیتے ہیں مگر بیٹا ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ اس کے لیے مجھے لازمی کچھ اور تیار کرنا پڑتا ہے۔

☆ آپ کی زندگی کا خوب صورت لمحہ؟

ج: جب میں ماں بنی۔

☆ زندگی کا کل اثاثہ؟

ج: میری کتابیں اور میرا بیٹا۔

☆ ایسی بات جس سے چڑ ہو؟

ج: جھوٹ منافقت سے چڑ ہے۔

☆ کوئی ایسی بات جس پر پچھتاوا ہوا ہو؟

ج: ویسے تو زندگی میں جو کچھ بھی کیا کبھی نہیں پچھتائی، ہر فیصلے پر کہ وقت نے ثابت کیا وہ فیصلہ درست تھا البتہ جب کوئی وعدہ کروں اور وہ پورا نہ کرسکوں تو دکھ بھی ہوتا ہے اور پچھتاوا بھی۔

☆ موسم، رنگ، خوشبو، تہوار کون سا پسند ہے؟

ج: ساون پسند ہے۔ رنگ پنک، گیلی مٹی کی سوندھی خوشبو اور تہوار دونوں عیدین کے علاوہ شب برات بھی بہت پسند ہے۔

☆ فیس بک پیجز اور گروپس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج: سچ بتاؤں ہنسے گا مت، مجھے ان کا پتا ہی نہیں مجھے تو تب پتا چلتا ہے جب مجھے گروپ میں شامل کرکے بتایا جاتا ہے کہ ''بانو آپا ہم نے آپ کو اپنے گروپ میں شامل کرلیا ہے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں'' اور پھر اس کا جواب تو یہی ہے کہ ''نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے'' کیا خیال ہے؟

☆ شہرت کیسی لگتی ہے؟

ج: ابھی کہاں مشہور ہیں گل ہم، ویسے جب لوگ جانتے ہیں بہت اچھا لگتا ہے۔

☆ آپ بہت سے لوگوں کی پسندیدہ رائٹر ہیں آپ کے پسندیدہ رائٹرز کون سے ہیں؟

ج: میرے پسندیدہ رائٹرز بہت سے ہیں جس کی تحریر

بھی پسند آجائے وہی میرے پسندیدہ رائٹرز میں شامل ہوجاتا ہے ابتدا میں ابن صفی کی عمران سیریز سے شروع کی جب میں ساتویں کلاس میں تھی' ناصر ماموں یہ کتابیں لائے تھے اور میں بھی ان کے تکیے کے نیچے سے نکال کر پڑھتی تھی۔ میں یہ کہتی ہوں کہ مسلسل پڑھنے کی ''لت'' ابن صفی صاحب نے لوگوں کو لگائی اور مطالعہ روم کی غذا بن گیا یعنی کچھ پڑھے بغیر نیند ہی نہ آتی تھی' آج بھی مجھے ابن صفی کی کوئی کتاب مل جائے تو پڑھے بغیر نہیں رہتی۔ اور پسندیدہ رائٹرز میں منٹو کو بہت پڑھا'' کرشن چند' بلونت سنگھ بیدی' ممتاز مفتی بھی میرے پسندیدہ رائٹرز رہے پھر ڈائجسٹوں میں بشریٰ پسندیدہ ٹھہریں' رفعت ناہید سجاد کی تحریریں دل میں اتر جاتی ہیں۔ نگہت سیما بہت پسند ہیں پھر اپنی ہم عصر میں غزالہ نگار اور کزئی۔ عنزہ سید' رفعت سراج' شمیمہ نقوی مرحومہ یہ بھی میری پسندیدہ رائٹرز ہیں اور آج کل بھی بہت اچھا ادب لکھا جارہا ہے۔ پسندیدہ رائٹرز کی بہت طویل فہرست ہے' پڑھتی میں سب کو ہوں ان دنوں مطالعہ ذرا کم ہے کہ پرچے آئے رکھے رہتے ہیں اور نئے پرچے آنے تک بھی پڑھ نہیں پاتی۔

صائمہ اکرم چوہدری' سمیرا شریف طور' نازیہ کنول' عشنا کوثر' صدف آصف پسند ہیں۔ پھر تمہارا نام بھی لے لوں سباس گل کہ تمہاری تحریریں بھی مجھے پسند ہیں۔ تمہاری شاعری اور انٹرویو بھی اچھے لگتے ہیں۔ نسیم نیازی اور فصیحہ خان بھی اچھا لکھتی ہیں اور ہاں قرۃ العین خرم ہاشمی' امت العزیز' اقراء صغیر صدیقی' نفیسہ سعید' عفت سحر اور سحر ساجد' راحت جبین' فاخرہ گل کی تحریریں بھی میں شوق سے پڑھتی ہوں۔ ہاں کچھ رائٹرز فضول کی طوالت کر کے کہانی کا حشر بگاڑ دیتی ہیں۔ انجم انصار نثر کے ساتھ مزاح بھی بہت زبردست لکھتی ہیں۔ نفیسہ سعید اور آمنہ ریاض' تنزیلا ریاض کو بھی ضرور پڑھتی ہوں اور راشد رفعت کی گھریلو اور سادہ سی تحریریں بھی اچھی لگتی ہیں۔ ثمینہ عظمت علی کی کرنٹ ایشو پر لکھی کہانیاں زبردست ہیں' کنیز نبوی اور سدرۃ المنتہیٰ ان کی تحریر کا سندھی ٹچ اور ان میں عبداللطیف بھٹائی کا کلام مجھے بہت پسند ہیں۔

☆ شاعری پسند ہے تو شاعر کون سا پسند ہے؟ مزاح بھی پڑھتی ہیں تو کون پسند ہے؟

ج: شاعروں کی بھی لمبی فہرست ہے' غالب اور اقبال بہت پسند ہیں۔ ایم اے میں اقبالیات میرا پسندیدہ مضمون رہا۔ پروین شاکر کو بہت پڑھا' ادا جعفری کمال کی شاعرہ ہیں۔ فہمیدہ قمیم شکیل اور نوشی گیلانی بھی زیر مطالعہ رہیں' نیلما سرور کی نظمیں کمال ہیں۔ مزاح نگاروں میں تو کرنل محمد

خان، شفیق الرحمن بہت پسند ہیں۔ اب بھی کبھی بھی بچنگ آمد ضرور پڑھتی ہوں کہ بچنگ آمد میرے بچپن کی دوست ہے۔

☆ سفرنامے بھی پڑھے؟

ج: جی ہاں، مجھے سفرنامے صرف مستنصر حسین تارڑ کے پسند ہیں۔

☆ ڈرامہ نگاری کی طرف کیسے آنا ہوا؟

ج: بس آ گئی اس طرح یہ دسمبر 2011 کی بات ہے جب عامرہ شاہد ہم ٹی وی پر ہوتی تھیں انہوں نے میرا ناول ''گونگے دکھ'' پڑھا تو کہیں سے نمبر لے کر مجھے فون کیا (آج تک عامرہ نے مجھے نہیں بتایا کہ میرا فون نمبر کہاں سے لیا کیونکہ میں لکھنا چھوڑ کر ایک گاؤں میں بیٹھی تھی) عامرہ نے کہا کہ آپ کا ناول ہے ''گونگے دکھ'' ہم سوپ بنانا چاہتے ہیں آپ رائیلٹی لے لیں اور ہمیں دے دیں یا آپ لکھ سکتی ہیں؟ میں نے کہا میں خود لکھ سکتی ہوں آپ مجھے کوئی اسکرپٹ بھجوادیں میں اسکرپٹ لکھنے کا اسٹائل دیکھ لوں تو لکھ لوں گی تو یوں میں نے لکھنا شروع کیا یعنی مجھے ڈرامے کی طرف عامرہ شاہد لے کر آئیں۔ میرا وہ سوپ ''مرجائیں بھی تو کیا'' کے نام سے آن ائر ہوا۔ اب تک میں عامرہ شاہد کے ساتھ اٹیچڈ ہوں، وہ جہاں بھی ہوتی ہاں کرواتی ہیں یعنی لکھواتی ہیں۔

☆ کیا دور دراز علاقوں میں رہنے والی رائٹرز کو ٹی وی ڈرامے لکھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: میرے خیال میں تو نہیں، لکھنے والا کہیں بھی بیٹھ کر لکھ سکتا ہے اب میں نے وہاڑی کی ایک چک (گاؤں) میں بیٹھ کر ''مرجائیں بھی تو کیا'' اور ''جینا دشوار سہی'' لکھا (یہ سیریل تھا پی ٹی ہوم سے ٹیلی کاسٹ ہوا 2015-16 میں۔

☆ پسندیدہ ڈرامہ نگار کون ہے؟

ج: اشفاق احمد، بانو قدسیہ، منو بھائی، اصغر ندیم سید اور امجد اسلام امجد۔ پی ٹی وی کا ہر ڈرامہ رائٹرز پسندیدہ ہے۔ انور مقصود بہت اچھے ڈرامہ رائٹر ہیں، آج کل میں بورے والا میں ہوں تو اسے اس گاؤں سے ذرا ایڈوانس سمجھ لیں کہ کراچی، لاہور، اسلام آباد والی بات تو نہیں۔

☆ ڈائجسٹ اور ٹی وی ڈرامہ لکھنے میں آپ کو کیا واضح فرق لگتا ہے؟

ج: بالکل فرق ہے، ڈائجسٹ کی کہانی میں آپ کے اپنے جذبات و احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ منظر نگاری ہوتی ہے جبکہ ڈرامہ میں تو تابڑ توڑ ڈائیلاگ ہوتے ہیں، بات سے بات نکلتی ہے۔

☆ ڈرامہ لکھنا آسان ہے کہ افسانہ؟

ج: دونوں ہی مشکل ہیں آپ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بہترین کہانی ہو تو ڈرامہ اور افسانہ لکھنے میں مزا آتا ہے۔ میرے لیے افسانہ لکھتے ہوئے صرف پہلا صفحہ لکھنا دقت طلب ہوتا ہے۔ اسٹارٹ پسند نہ آئے تو کئی صفحات پھاڑتی ہوں اور جب اسٹارٹ پسند آجائے تو پھر چل سو چل اور ڈرامے میں بھی یہی ہے کہ ہر قسط کا پہلا سین لکھنا دوبھر ہے پھر اللہ کا شکر ہے کہ فریز تک آسانی سے لکھ لیتی ہوں۔

☆ آج کل کن پروجیکٹ پر کام کر رہی ہیں، ڈرامے کے حوالے سے بتائیں؟

ج: آج کل میرا لکھا ہوا سوپ ''بے چاری مہر النساء'' جیو سے آن ائر ہے ساتھ ساتھ لکھ بھی رہی ہوں، یہ مکمل کر رہی ہوں 7th Sky پروڈکشن کے ساتھ ایک سیریل کر رہی ہوں، اس کی تین چار اقساط رہتی ہیں۔ ان شاء اللہ فروری 17ء سے اور سیریل اے پلس کے ساتھ کرنا ہے مزید بھی تین ڈرامے لاک ہیں یعنی 2017ء پورا ہی ڈرامہ لکھنے میں جائے گا، ان شاء اللہ (اگر صحت اور زندگی رہی تو)۔ عنیزہ سید بہت اچھی رائٹر ہونے کے ساتھ ساتھ میری بیسٹ فرینڈ بھی ہیں، ان کے کہنے پر ایک ناول شروع کیا ہے کہ روز کے پانچ صفحات لکھتی ہوں، ابھی تو صرف چند صفحات ہوئے ہیں تو دل چاہتا ہے یہ ناول مکمل کروں۔

☆ موسم کا اثر آپ کے موڈ پر بھی ہوتا ہے؟ بارش، ٹھنڈی ہوا، سردی؟

ج: میں چاروں موسم انجوائے کرتی ہوں، بارش، ہاں کبھی موسم سرما کی پہلی بارش ہوتی تھی تو کچھ نہ کچھ ضرور لکھتی تھی اور موڈ ایسا ہوتا تھا کہ افسانہ یا ناولٹ ایک نشست میں مکمل کر کے اٹھتی تھی ...... ہا کیا زمانے تھے سردی اچھی تو لگتی ہے مگر اب یہ ہڈیوں میں گھستی ہے اس لیے ہیٹر استعمال کرنا پڑتا ہے۔

☆ محبت کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟ کیا محبت

کے بغیر زندگی میں کوئی خلا یا کمی رہتی ہے؟

ج: محبت بہت خوب صورت پاور فل جذبہ ہے۔ محبت کے بغیر تو زندگی کچھ بھی نہیں' ضروری تو نہیں کہ ہم وہ فضول سی محبت کریں جس میں شادی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ محبت تو پھولوں سے' تتلیوں سے' رنگوں سے' بارش سے' آسمان پر اڑتے بادلوں اور پرندوں سے' بچوں سے بھی ہوتی ہے۔ اپنے وطن سے محبت کی تو کیا ہی بات ہے تو اتنی ساری محبتیں ہیں کرنے کو' مجھے تو انہی چیزوں سے محبت کرنے سے فرصت نہ ملی اور وہ ساری محبتیں میں نے اپنے قلم کے ذریعے کورے کاغذ پر بھی بکھیری ہیں۔ باقی سب خواب تھا' خیال تھا' محبت اب بھی کر رہی ہوں' اپنے گھر سے' اپنے شوہر سے' اپنے بیٹے سے اور اپنے ڈھیر سارے ریڈرز سے۔

☆ کوئی ایسی ہستی جس سے آپ اپنے دل کی باتیں کہہ دیتی ہیں؟

ج: دل کی باتیں...... رہنے دو گل! کسی سے کہہ کر اپنا مذاق اڑوانے والی بات ہے البتہ کبھی کبھی وہ دل کی باتیں عنیزہ سید سے کہہ دیتی ہوں وہ آرام سے سن لیتی ہے' مذاق نہیں اڑاتی۔

☆ خواب دیکھتی ہیں اور کیا آپ کے خواب پورے ہوتے ہیں؟

ج: اب خواب دیکھنے کی عمر کہاں ہے گل! کبھی خواب دیکھتی تھی اللہ کا شکر ہے سب پورے ہوئے۔ اب تو ایک ہی خواب ہے جو کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہوں۔ میرا بیٹا اعلیٰ مقام تک پہنچے اور اس کی ترقی میں دیکھ سکوں۔

☆ کوئی ایسی شرارت جسے یاد کر کے آج بھی ہنسی آتی ہے؟

ج: ایسی کوئی شرارت یاد نہیں آ رہی۔

☆ اسکول کے دور میں کیسی طالب علم تھی؟

ج: درمیانی سی ٹاپ ٹین میں آتی تھی کبھی ٹاپ تھری میں نہیں آئی اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچویں کلاس سے تو میں لکھنے لگی تھی۔ روزنامہ امن کے بچوں کے صفحہ پر ہر ہفتے میری کہانی لگتی تھی۔ بس اس شوق میں پڑھائی بہت نہیں کرتی تھی کہ لکھنا اچھا لگتا تھا۔ اسکول میں بھی لڑکیاں پہچانتی تھیں مزا آتا تھا' شاید اس لیے پڑھائی پر زیادہ توجہ نہ تھی۔

☆ آپ کا پسندیدہ مضمون کون سا تھا؟

ج: اسلامیات اور کیمسٹری' میٹرک میں میرے اسلامیات میں 100 میں سے 94 نمبر تھے اور کیمسٹری میں 92 نمبرز اب تک یاد ہے۔

☆ بچپن میں سوچتی تھیں کہ بڑی ہو کر کیا بننا ہے؟

ج: ہاں سوچتی تھی ڈاکٹر بنوں گی مگر جب مینڈک سے ہی خوف آئے تو کیا ڈاکٹر بنتے ایف ایس سی کے بعد بی اے کر لیا اور پھر اردو میں جامعہ کراچی سے ماسٹرز کیا۔

☆ زندگی کا کون سا دور اچھا لگتا ہے؟

ج: اسکول کا زمانہ اور پھر کراچی یونیورسٹی میں پڑھائی کا دور بہت مزا آیا' اساتذہ بھی بہت اچھے تھے اور دوست بھی۔ میں نے ابوالخیر کشفی سے پڑھا' شمیم اختر صاحب' حنیف فوق صاحب' جمیل اختر خان صاحب' یونس حسنی صاحب اور سحر انصاری صاحب جیسے جید اور بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ میری کلاس کی دوستوں میں روبینہ زریں' سائرہ وسیم' فرحت تنویر بہت اچھی شاعرہ۔ ساحرہ انور' فرزانہ فرح اور شہپال تھیں۔ ہمارا گروپ سیون اسٹار کے نام سے مشہور تھا' میں یونیورسٹی دور میں بھی مشہور تھی اور ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیاں (جو ڈائجسٹ پڑھتی تھیں) مجھے تلاشتی ہوئی آ جاتی تھیں۔ وہ میری تحریروں کی تعریف کرتیں اور نہ جانے کیوں مجھے شرم سی آتی' آج بھی یہی حال ہے۔

☆ پاکٹ منی کتنی ملتی تھی؟

ج: کوئی مخصوص نہیں تھی پاکٹ منی' کبھی ملتی تھی اور کبھی نہیں۔ نہ کبھی ڈیمانڈ کی' آج کل کے بچے جس طرح کہتے ہیں رکھواتے پیسے یہاں ہتھیلی پر' ہم شریف بچے تھے شاید یا اچھے بچے تھے جو بھی سمجھ لو۔

☆ گول گپے' چورن' گجک کیا شوق سے کھایا کرتی تھیں؟

ج: گجک ہمیشہ پسند رہی' آج بھی شوق سے کھاتی ہوں۔ بے شک شوگر بھی ہے کوئی پروا نہیں۔ کھٹی چیزیں زیادہ پسند نہیں رہیں' البتہ امت الصبور (ایڈیٹر خواتین ڈائجسٹ) کے ساتھ جامعہ کلاتھ کے باہر کئی بار دہی بھلے کھائے' بہت مزا آتا تھا۔ امل اور ناظمہ کے ہمراہ برنس

روڈ سے حلیم کھاتے تھے‘ کیا دور تھا وہ بھی بھولا بھالا سا۔
☆ وقت سے کیا سیکھا؟
ج: کتابوں میں لکھا ہی نہیں تھا
جو سبق سکھایا زمانے نے
وقت تو بہت بڑا استاد ہے
لوگوں کے رویے سکھائے ہیں وقت نے
☆ گرہستی کو شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنانے کا کوئی گر ہے؟
ج: ہاں‘ ایثار اور قربانی کے ساتھ ساتھ خاموشی۔
☆ سیاست سے دلچسپی ہے؟ پسندیدہ لیڈر؟
ج: کسی زمانے میں بہت تھی اب نہیں رہی‘ سب جھوٹے لگتے ہیں۔ پسندیدہ لیڈر ذوالفقار علی بھٹو شہید ہیں۔
☆ آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟
ج: اچھا ادب وہ ہے جو معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرے۔
☆ ڈائجسٹوں میں چھپنے والی تحریروں کو آپ ادب میں شمار کریں گی؟
ج: بالکل یہی ادب ہے اور میں تو کہوں گی کہ ڈائجسٹوں نے ہی ادب کو زندہ رکھا ہوا ہے‘ چاہے ادب کے ٹھیکے دار مانیں یا نہ مانیں۔
☆ اقبال بانو اپنی شخصیت کو ایک جملہ میں کیسے بیان کریں گی؟
ج: قائداعظم یونیورسٹی کی پروفیسر ہیں کرن احمد امریکا سے پی ایچ ڈی کررہی ہیں‘ افسانوی ادب پر۔ میرا انٹرویو کرنے وہ میرے گھر پچھلے سال آئی تھیں اور یہی سوال انہوں نے میرے شوہر سے کیا تھا تو ملک صاحب نے انہیں کہا تھا ”بانو میں صبر بہت ہے“ میں سمجھتی ہوں اس سے بڑھ کر کوئی جملہ نہیں ہوسکتا۔
☆ اللہ سے کیا رشتہ ہے؟
ج: بہت اچھا‘ بہت ہی قریبی‘ کوئی بھی پریشانی ہو تو مصلے پر بیٹھ کر اپنے اللہ سے باتیں کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے یقین ہوتا ہے کہ میرا اللہ میرے بہت قریب ہے اور سب سن رہا ہے‘ کبھی کبھی تو لیٹے لیٹے بھی اللہ سے باتیں کرتی ہوں۔
☆ دعائیں قبول ہوتی ہیں؟
ج: جی ہاں اللہ کا شکر ہے ہر دعا قبول ہوتی ہے‘ چاہے دیر سے سہی مگر اللہ نے قبول کی ہے۔
☆ پاکستان کے لیے کیا جذبات و احساسات ہیں آپ کے؟ حالات کو دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟
ج: پاکستان ہمیشہ تاقیامت رہے گا‘ اللہ کا خاص کرم ہے ہم پر ہمارے ملک پر‘ نہیں تو ہمارے حکمراں جو ہمارے وطن کے ساتھ کررہے ہیں۔ یہ ڈول جاتا مگر اللہ کا احسان ہے یہ محفوظ ہے اور ہمیشہ قائم و دائم رہے گا‘ ان شاء اللہ۔
☆ حجاب کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟
ج: حجاب ابھی کم عمر ہے مگر اس نے اپنا آپ منوایا ہے۔ حجاب کو ہم بڑے اور پرانے پرچوں کے برابر رکھ سکتے ہیں‘ اللہ سے دعا ہے کہ آنچل اور نئے افق کے ساتھ ساتھ حجاب بھی دن دگنی ترقی کرے اور کامیاب ٹھہرے‘ آمین اور اس کی ترقی قارئین کی ترقی ہے اور اسے کامیاب اس کے رائٹرز اور قارئین ہی کریں گے ان شاء اللہ۔
☆ بہت شکریہ اقبال بانو آپ کا کہ آپ نے اپنی مصروفیت میں سے وقت دیا۔
ج: کل! آپ کا بھی شکریہ کہ آپ نے مجھے آواز دی اور ہم نے بہت اچھی باتیں کیں‘ اللہ حافظ۔
یہ تو تھی اقبال بانو سے ملاقات بہنو! بتایئے گا کیسی لگی۔ بھئی ہمیں تو بہت ہی مزا آیا پھر ملیں گے ایک نئی مہمان کے ساتھ‘ اللہ حافظ۔

سب کو اپنی ماں کے بارے میں پیارے اور خوب صورت الفاظ میں بتاتے ہوئے دیکھا تو میں نے بھی سوچا کیوں نہ میں بھی اپنے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اپنی ماں کے گوش گزار کروں، ماں کے بارے میں لکھنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے برابر ہے ایک ایسا سمندر جس کی گہرائیوں کا اندازہ بھی کرنا انسانی عقل سے بالاتر ہے، ہر رشتے کی محبت کو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے مگر ماں کی محبت ناقابل بیاں ہے جو بے لوث ہوتی ہے۔ ماں کہنے کو تو تین حروف کا مجموعہ ہے لیکن اپنے اندر کل کائنات سموئے ہوئے ہے، ماں کی عظمت اور بڑائی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ خداوند کریم جب انسان سے اپنی محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لیے ماں کو مثال بناتا ہے ماں وہ ہستی ہے جس کی پیشانی پر نور آنکھوں میں ٹھنڈک، الفاظ میں محبت، آغوش میں دنیا بھر کا سکون، ہاتھوں میں شفقت اور پیروں تلے جنت ہے ماں وہ ہے جس کو ایک نظر پیار سے دیکھ لینے سے ہی ایک حج کا ثواب مل جاتا ہے جب میں دنیا کے ہنگاموں سے تھک جاتی ہوں اپنے اندر کے شور سے ڈر جاتی ہوں تو اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر جی بھر کر رو لیتی ہوں۔'' یہ فرمان تھا حضرت رابعہ بصری کا ماں وہ ہستی ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ماں ایک گھنے درخت کی مانند ہے جو مصائب کی تپتی تیز دھوپ میں اپنے تمام بچوں کو اپنی مامتا کے ٹھنڈے سائے تلے چھپا کے رکھتی ہے جیسے ایک مرغی مصیبت کے وقت اپنے تمام چوزوں کو پروں میں چھپالیتی ہے یہ سوچ کر کے اسے چاہے کچھ بھی ہوجائے مگر اس کے بچے محفوظ رہیں ایسی محبت صرف ایک ماں ہی دے سکتی ہے، ساری عمر بھی اس کے نام کی جائے تو بھی حق ادا نہ ہو، اس کی ایک رات کا بدلہ بھی پورا نہ ہو۔

میری امی اس دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں (شاید ہر بیٹی یہی سوچتی ہوگی) میری امی کا 7 اگست کو آپریشن ہوا (رسولیوں کا) میں رو رو کر ان کی صحت کی دعا مانگ رہی تھی کیونکہ میں ان سے کبھی اتنا دور نہیں ہوئی تھی تو ان کے جانے کے بعد مجھے سب کے ہونے کے باوجود گھر میں ڈر سا لگنے لگا ہر بات پر میری آنکھیں نم ہوجاتیں، مجھے ہر کوئی اجنبی لگ رہا تھا میری بڑی بہن نگینہ کو میرے پاس چھوڑ کر گئیں کہ اس کے پاس رہنا رات کو اٹھ کر اسے دیکھتی رہنا اس کو ڈر لگتا ہے مجھے ان کی یہ محبت دیکھ کر بہت رونا آرہا تھا آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برس رہی تھیں چار گھنٹے ان کے آپریشن کو لگے اور مجھے ایسا لگا جیسے میرے جسم سے جان نکلی جارہی ہے، وہ میرے سامنے بے ہوش پڑی تھیں ان کو اس حال میں دیکھ کر میرا دل چاہا میں اتنا روؤں کہ میرے آنسو ختم ہوجائیں۔ گھر آکر میں نے پہلی رات بہت مشکل گزری مجھے ان کے بغیر ایسا لگ رہا تھا جیسے میں بالکل تنہا ہوگئی ہوں مگر وہ کہتے ہیں نا کہ بڑی بہنیں ماؤں کی جگہ ہوتی ہیں میری بہن نے بھی مجھے ماں جیسا ہی پیار دیا اور خیال رکھا میں کھانا نہ کھاتی تو وہ مجھے فورس کرتی کہ کھاؤ پھر باجی شہلا اور بھائی منیر بھی لاہور سے خاص طور پر امی سے ملنے آگئے تو بہنوں کے ساتھ وقت بہت اچھا گزرا یہ ماں بہنوں اور بھائیوں کے رشتے بھی عجیب ہیں چوٹ ان کو لگتی ہے اور درد ہمیں ہوتا ہے، ہم چھ بہن بھائی ہیں چار کی شادی ہوگئی ہے میں اور تقی رہ گئے ہیں جو ہر وقت لڑتے رہتے ہیں اور امی کہتی ہیں کہ پہلے چار اتنے شرارتی نہیں تھے جتنے تم دونوں ہو اف ناک میں دم کر رکھا ہے ہماری اکثر باتوں پر وہ روٹھ جاتی ہیں پھر میرے دو آنسو دیکھ کر فوراً تڑپ کر گلے لگالیتی ہیں ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھتی ہیں ان کو مکمل صحت یاب دیکھ کر میں بہت خوش ہوں، میں سوچتی ہوں اور کیسے زندگی گزارتے ہوں گے جن کے سروں پر ممتا کا ٹھنڈا سایہ نہیں ہوتا وہ خود کو کتنا تنہا سمجھتے ہوں گے خاص کر بیٹیاں، وہ کس سے باتیں کرتی ہوں گی کس کو مناتی ہوں گی کس سے روٹھتی ہوں گی کس سے ضد کرتی ہوں گی کہ بس مجھے وہ چیز لینی ہے تو بس لینی ہے جب میں والدین کا یہ پیار دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ سب والدین ایسے ہی پیار سے اولاد کو پالتے ہوں گے اور جب یہی اولاد ان کو دنیا کی ٹھوکروں پر چھوڑ دیتی ہے تو کیا ان کو وہ وقت یاد نہ آتا ہوگا کہ جب ان کو والدین نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اپنے منہ سے نوالہ نکال کر ان کو کھلایا اپنے آرام و سکون کو ایک طرف کر کے ان کی ضروریات

پوری کرنے کے لیے دن رات کام کیا آج وہی اولاد ان کو بوجھ سمجھ کر پھینک گئی ہے اگر کچھ کہہ دیا تو کہتے ہیں انہوں نے ہماری زندگی کا سکون تباہ کردیا ہے، کیا وہ یہ نہیں سوچتے کہ کل ان کو بھی بوڑھا ہونا ہے ان پر بھی یہ وقت آنا ہے اللہ ہر کسی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے، آمین۔ ہم سب بہن بھائی اپنے والدین سے بہت پیار کرتے ہیں میرا بڑا بھائی تو ماں کے پیچھے دیوانہ ہے اگر کبھی ماں نظر نہ آئے تو دیوانہ ہوا پھرتا ہے اور پھر امی کو دیکھ کر ایک مسکراہٹ ان کے چہرے پر نمودار ہوجاتی ہے اللہ کا شکر ہے ہمارے گھر میں پرسکون ماحول ہے ماں تو ماں ہوتی ہے نا جس کے دم سے گھر جنت سا لگتا ہے اللہ میری ماں اور باپ دونوں کو لمبی عمر دے اور ان کا ٹھنڈا، درخت سے بھی گھنا، پرشفیق سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ رہے ماں کتنی اپنائیت مقدس، مٹھاس والا رشتہ ہے۔

جدا مجھ سے نا ہونا ماں
میری عیدیں تمہی سے ہیں
میں جب بھی یاد کرتی ہوں
جدائی کے وہ سب لمحے، امیدیں مر چکی تھیں جب
دن اگلا عید کا تھا ناں، مگر مجھ سے کوئی پوچھے
اذیت کے وہ سب لمحے، میں تب سوچتی تھی یہ
مجھے پھر کون عید کے دن، مہندی ہاتھوں پہ لگائے گا کون
میں آدھی مر چکی تھی ماں بنا آنکھوں سے کہا تم نے
تمہیں میں یاد آؤں گی، دعا ہوئی قبول کسی کی
ملی زندگی تمہیں پھر سے اب جب بھی عید آئی ہے
میں رب سے فریاد کرتی ہوں سایہ میری ماں کا مجھ پر
رکھنا ہمیشہ میرے اللہ، آمین

ثنا اعجاز

☆......☆......☆......☆

میری ماں میرا جہاں
اٹھایا جو قلم تو پھر رکا ہی نہیں (اقرا)
میں جو کہتی تھی لفظ ماں پہ لکھا نہ جائے گا

السلام علیکم! آج بالآخر لفظ ماں پر لکھنے کی جسارت کر ہی ڈالی اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے بے شک بہت ہمت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ تین حروف پر مشتمل لفظ ماں اپنے اندر کل کائنات کی گہرائی سمیٹے ہوئے ہے انسان اس پر جتنا بھی لکھ لے نہ احساسات ختم ہوتے ہیں اور نہ ہی جذبات۔

کتنی ہی غلط بات ہوگی کہ اس پر ہی قلم نہ اٹھایا جائے جس نے قلم تھامنا سکھایا۔ مجھے یاد پڑتا ہے جب میں تین سال کی تھی تو امی جان میرے ہاتھوں میں قلم تھما کر مجھے لکھنا سکھاتیں اور جب کوئی درست لفظ لکھ لیتی تو بے اختیار میرا چہرہ چوم لیتیں (یہ میری پھوپو کہتی ہیں) آج ان کی بدولت مجھے قلم تھامنا آیا ہے ماں کے احسانات تو شمار کرنا مجھ ناچیز کے بس کی بات ہی نہیں، لیکن پھر بھی اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہوں گی، ماں جس کا نام لیتے ہی دل میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے آنکھوں میں کئی دیپ جلتے ہیں لب پھولوں کی مانند کھل جاتے ہیں دل جھوم اٹھتا ہے ماں جس کے پیار کا رب کے پیار سے مماثلت ہے اپنے اندر ایسے جذبات سمیٹے ہوئے ہے کہ کوئی شخص بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا، کوئی بھی انسان چاہے کتنا ہی بدصورت کیوں نہ ہو اپنی ماں کے لیے دنیا کا خوب صورت ترین انسان ہوتا ہے اگر کسی ماں کے بس میں یہ ہوتا کہ وہ بہترین انسان دنیا میں سے منتخب کرے تو یہ بات میں انتہائی وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ہر ماں اپنے بیٹے/ بیٹی کو ہی سلیکٹ کرتی ماں جس کے اندر اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ اولاد کے لیے طوفانوں سے ٹکرا جائے اولاد ہی کی خاطر وہ تمام تلخیاں بھلا دیتی ہے، ماں ایسا بادل جس سے ہمیشہ محبت کی ہی برسات ہوتی ہے ایسا شجر جو بچوں کو زمانے کی دھوپ سے بچا کر اپنے ٹھنڈے سائے میں بٹھادے۔

اولاد ماں کے لیے باعث سکون اور آنکھوں کا نور ہوتی ہے اور وہ اپنے سکون اور نور کے لیے ہر ممکنہ حد عبور کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے چٹانوں سے ٹکرانے کی ہمت رکھتی ہے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جن کی مائیں ہوتی ہیں انہیں ان کی قدر معلوم نہیں ہوتی شاید ہوتا ہوگا ایسا لیکن میرا دل نہیں مانتا ہر کسی کا پیار کا اظہار مختلف ہوسکتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ پیار نہ قدر نہ ہو بھلا ماں سے پیار کیسے نہیں ہوتا (اور جن کو قدر نہیں ہوتی وہ دنیا کے بدبخت ترین انسان ہوتے ہیں۔

لوگ جنت کی جستجو کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں اکثر لوگ اسی فکر میں ہیں کہ کسی طرح جنت کا حصول

ممکن ہو لیکن ان میں سے بعض بے خبر ہیں کہ جنت تو ان کے گھر میں موجود ہے یہ جنت اگر خوش تو پھر جنت میں جانا بھلا کون سا مشکل کام ہے لیکن اگر گھر کی جنت ہی راضی نہیں تو پھر جنت خوش آمید کیسے کہے گی"ماں کے قدموں تلے جنت ہے" اس سے تقریباً تمام لوگ ہی آگاہ ہیں لیکن اس کو حاصل کرنے کی کوشش بہت کم کرتے ہیں حالانکہ ماں کی محبت تو سب کے لیے ہی یکساں ہوتی ہے بقول شاعر

اک مدت سے میری ماں نہیں سوئی تابش
اک بار میں نے کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

ماں میری زندگی کا حاصل، میرے خوابوں کی تعبیر، میرے سسکتے جذبات کی ترجمان میری ماں آج سے بارہ سال پہلے اس جہاں فانی سے کوچ کر کے ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئیں بھلا اقرا کیا لکھے ماں کی عظمتوں کو جس نے ماں کی محبت کا لمس محسوس ہی نہیں کیا جس نے ماں کی آغوش کی ٹھنڈک محسوس ہی نہیں کی وہ کیسے لکھے ماں پر...... ہاں مگر چند ٹوٹے بکھرے ارماں اور خواب چند اجڑی بکھری خواہشیں چند بھیگی بھیگی یادیں۔

لوگ کہتے ہیں میری ماں محبتوں کے خمیر سے گندھی ایک ایسی عورت تھی جس نے زندگی بھر بھی کسی کا دل نہیں دکھایا اتنی باحیا کہ باپ کے سامنے بھی نگاہ نہیں اٹھائی اتنی شرمیلی کے بھائیوں کے سامنے جھک کر پیار لینے پر لرز اٹھے، شوہر کی اتنی تابعدار کہ اس کی اجازت کے بغیر ایک حرف بھی منہ سے نہ نکالے ماں کی اتنی تابعدار کے تھک ہار کر (روزمرہ کے کاموں سے) ماں کے قدموں میں رات بسر کر دے، بچوں کی سہیلی، ہنس مکھ، چلبلی جس کے ساتھ بچے کھیل کر خوشی محسوس کریں اقرا کی ماں کا کوئی ثانی نہیں ہو سکتا ہے؟

انہوں نے زندگی کی محض 26 بہاریں دیکھیں بھلا یہ کوئی عمر تھی ان کے جانے والی (آہ) اگر ماں دل میں زندہ ہو تو منوں مٹی تلے دفنا دینا کم اذیت دیتا ہے (بعض اوقات سب سے مشکل کام اپنے پیاروں کو مرحوم لکھنے یا کہنے کا ہوتا ہے) اس کی محبت کی لو احساسات کو گرمائے رکھتی ہے یادوں کی آنچ من محرم کو دربدر نہیں ہونے دیتی یہ یادیں ہی تو انسان کا کل اثاثہ ہوتی ہیں اور اسے بکھرنے نہیں دیتیں

میری ماں ایک یاد ہے ایک زندہ حقیقت جسے میں روز محسوس کرتی ہوں جس کے تصور سے مخاطب ہو کر خواہش نا تمام کا اظہار کرتی ہوں، ماں تو میرے اندر زندہ ہے (میرے سامنے ہوتی تو میں بتاتی تم کو کہ ماں کیا ہے...... پر افسوس)

میری ماں علم و ہنر میں بے مثال تھی پڑھی لکھی سمجھدار پر خلوص، کم گو، ہنس مکھ سگھڑ، تابعدار، مشرقی حسن کا مرقع ایک نہایت ہی خوب صورت عورت۔

وہ ہم تینوں بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتی تھیں لیکن میں بڑی تھی تو مجھ سے لگاؤ کچھ زیادہ تھا (شاید مائیں واقعی ہی بیٹیوں کی سہیلیاں ہوتی ہیں) میری اور امی جان کی بہت بنتی تھی وہ اکثر مجھے کہتی "ایک ہی تو بیٹی ہو میری اس کے بھی لاڈ نہ اٹھاؤں کیا۔" اور اگر کوئی مجھ سے لڑتا تو فوراً سے کہہ دیتی "اتنی تو معصوم ہے میری بیٹی اس نے کسی کو بھلا کیا کہنا ہے۔"

میرے بعد میرے چھوٹے بھائی عثمان کا نمبر آتا ہے اس سے وہ بہت مانوس تھیں اگر اسے کوئی کچھ کہتا بالفرض میں بھی تو اس سے مصنوعی ناراض ہو جاتی اور عمر تو تھا ہی ان کا دل وہ ان کی وفات کے وقت محض 2 سال کا تھا (شاید انہیں علم میں تھا کہ وہ جلد ہی ہم سے بچھڑ جائیں گی (سو اس سے بہت محبت کرتیں دیر تک اسے سینے پر لٹائے رکھتیں ابو اکثر کہتے یوں پیار کرتی ہو جیسے خدانخواستہ تم سے کہیں دور جا رہی ہوں امی ہنس دیتیں۔

آہ...... کاش کاش وہ ہمارے ساتھ ہوتیں انسان کا المیہ ہے کہ جو چیز نہ ہو وہ ہی اہم اور ناگزیر لگتی ہے ہمیں تو ماں سے بڑھ کر کچھ بھی خاص نہیں لگتا جو مائیں رکھتے ہیں خدا ان کی مائیں سلامت رکھے آمین، عنزہ یونس نے کیا خوب شعر لکھا ہے کہ

ماں کی ذات میں پنہاں ہے سکون حیات
یوں تو آنے کو عنزہ لوگ ہزاراں آئے
میری ماں کے مسکرانے سے کھل جائے کلی
یوں لگے جیسے صحن چمن میں بہاراں آئے

ماں کی مسکراہٹ، پرندوں کی خوش کن، چہچاہٹ سے زیادہ لطف اندوز ہے ماں کی مسرور کن طبیعت موسموں سے زیادہ حیرت انگیز ہے ماں کی نعمت دنیا کی عظیم نعمتوں میں

سے ایک نہایت عظیم نعمت ہے قدرت کی طرف سے ایک بہت بڑاانعام ہے۔

باپ مرن تے سر ننگا ہوندا، ویر مرن کنڈ خالی
ماواں بعد محمد، بخشا کون کرے رکھوالی

کتنی عجیب بات ہے نا کہ ماں کی کمی ہزاروں لوگوں کی چاہت بھی پوری کرنے سے قاصر ہوتی ہے تمام رشتے باہم مل کر بھی ماں کی کمی پوری نہیں کر سکتے خواہ وہ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہو ہر کسی کی اپنی جگہ ہوتی ہے نہ تو کوئی کسی کی جگہ لے سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی کمی پوری کرسکتا ہے۔

گھر میں گونجتے سب قہقہے سب قہقہے معدوم ہونے لگتے ہیں ہونٹوں پہ آنے والی مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہوجاتی ہے جب آغوش مادر کی ضرورت ہو لیکن وہ دستیاب نہ ہو تو سب کچھ بے معنی لگتا ہے۔

اچیاں لمیاں ٹالیاں تے ٹھنڈیاں جناں دیاں چھاواں
ہر اک چیز بازاروں ملدی پر نہیں ملدیاں ماواں

ہر ایک شے پیسے سے خریدی جانے والی تھوڑی ہوتی ہے مائیں نہ خریدی جاسکتی ہیں اور نہ ہی ایک بار چلی جائیں تو لوٹ کر آتی ہیں چاہے انسان کی زخمی روح انہیں جہاں مرضی تلاش کرتی رہے تلاش کا لامتناہی سفر شروع ہوجاتا ہے اور روح پر ایسے گھاؤ لگتے ہیں کہ وہ چھلنی ہوجاتی ہے لیکن مائیں لوٹ کر کب آتی ہیں۔

میں محض سات برس کی تھی جب میری امی جان کی ڈیتھ ہوئی لیکن آج لگتا ہے کہ ان کو دیکھے سات سو سال بیت گئے ہوں گھر میں جب وہ نظر نہیں آتی تو ذہن میں گونج اٹھتی ہے کہ بجنا بنا گھر سونا لاکھ بار آوازدے لیں لیکن وہ نہیں آتیں آئیں بھی کیسے آخر اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا ہے پھر بھلا کیسے آئیں۔

سو سو جوڑے سنگت دے ویکھے تے آخر وتھاں پئیاں
جناں بنا اک پل نئیں سی لنگدا او شکلاں یاد نہ رہیاں

انسان جینا سیکھ جاتا ہے لیکن ماں کے بغیر زندگی بوجھ لگنے لگتی ہے عیدیں، شب براتیں مدرز ڈے یہ سب تو ان کے لیے ہوتی ہیں جن کی مائیں ہوتی ہیں بھلا اقرا کے لیے ان کا کیا مزہ۔

مجھے نہیں معلوم کہ قبروں پر جانے سے ثواب ملتا ہے یا گناہ لیکن مجھے تو سکون ملتا ہے ماں سے ملاقات ہوجاتی ہے اور بھلا کیا چاہیے ہوتا ہے اکثر میں امی جان (زاہدہ) کی قبر پر جاؤں تو سوال کرتی ہوں کہ آپ کو بھلا یہاں آنے کی جلدی کیا تھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہولے سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہوں اور کہہ رہی ہوں کہ تم تو ویسے کی ویسی ہو بھولی، میری یہاں پر ضرورت شاید وہاں سے زیادہ تھی تو پھر میرے اندر سکون کا لمحہ ٹھہر جاتا ہے۔

اللہ کا کرم ہے کہ کبھی کسی نے نفرت نہیں کی چاچو، ماموں، نانو، دادو، پھوپو، آنٹی یہ سب اپنی اولاد سے بڑھ کر ہمیں پیار کرتے ہیں اور میرے ابو تو ہیں ہی بہت عظیم وہ دنیا کے سب سے اچھے ابو ہیں آئی لو یو ابو سب ہی ہماری غلطی کو نظر انداز کردیتے ہیں اور ہمیں اپنے بچوں سے زیادہ اہمیت اور ان پر ہم کو فوقیت دیتے ہیں مائیں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں اللہ تمام دوستوں کی مائیں سلامت رکھے سب بہت پیار کرتی ہیں اس ڈھیر سارے پیار پر ایک بات ذہن میں آتی ہے۔

نیازی یہ زمانہ جو مجھ سے پیار کرتا ہے
یہ میری ماں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

یقیناً یہ ان کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ اتنی محبت سمیٹنے کو مل رہی ہے آخر میں سب کے لیے نصیحت ہے کہ جن کی مائیں زندہ ہیں خدارا ان کی قدر کریں یہ نہ ہو وقت گزر جائے اور آپ کا دامن بالکل خالی ہو اور آپ تہی دست رہ جائیں اپنی جنت کو جنت جیسی اہمیت دیں تاکہ جنت کا حصول ممکن ہو وقت گزرنے سے پہلے ماں کی قدر کرلیں خدا سب کے سروں پر ماں کا شفیق سایہ قائم رکھے آمین اور جن کی مائیں حیات نہیں ان کی مغفرت کرے اور اولاد کو وسیلہ نجات بنائے اور بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین، آپ سب سے التماس ہے کہ میری امی جان کے ایصال ثواب کے لیے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھیں اپنی قیمتی آرا سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ اللہ حافظ

اقرا لیاقت

ملاقات سندس جبین

ایڈمنز پینل

السلام علیکم!

ایک بار پھر ہم آپ کی پسندیدہ مصنفہ کو آپ سے ملاقات کی غرض سے آئے ہیں۔

سندس جبین کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں جس قدر خوب صورت یہ لکھتی ہیں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت شخصیت کی مالک ہیں۔ ان کے کئی ناولز کتابی شکل میں مارکیٹ میں بھی دستیاب ہیں سندس جبین کی مشہور و معروف تحریریں جنہیں قارئین نے بہت پسند کیا۔ کاسہ دل، اس کارجنوں میں، شب آرزو کا عالم، قافلے راہ بھول جاتے ہیں، وہ ایک ستارہ مہربان، مجھے مکمل کردو، شکست ذات، لکیریں اور تقدیریں، محرک، چاند نگر کی شہزادی، روایت شکن، زیست کا سفر، ہاری مات نہیں۔

اللہ پاک آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

آیئے اب چلتے ہیں قارئین کے دلچسپ سوالات اور سندس کے جوابات کی طرف۔

حنا اشرف

☆ السلام علیکم سندس جی کیسی ہیں؟ اپنے بارے میں کچھ بتایئے کہاں سے ہیں اور تعلیم کتنی ہے؟ لکھنے کا آغاز کب کیا پہلی کہانی کون سے ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی؟

سندس جبین: وعلیکم السلام الحمدللہ، گوجرانوالہ پنجاب سے ہوں ایم اے انگلش لٹریچر اور بی ایڈ کیا ہوا ہے، میں نے 2009ء سے لکھنا شروع کیا تھا پہلی کہانی حنا ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی۔

ایمان عائشہ

☆ آپ نے کس بات سے انسپائر ہو کر اس کارجنوں میں لکھا یہ میرا پسندیدہ ناول ہے؟

سندس جبین: مجھے ہمیشہ سے پولیٹکس انسپائر کرتی تھی اور جب میں نے کارجنوں لکھنے کا سوچا تو مجھے یہی بیسٹ ٹاپک لگا اپنے والد سے ڈسکس کیا تھا اور نیوز چینلز بہت دیکھے تھے

فری چیمہ

☆ السلام علیکم سندس جبین جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو آپ کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

سندس جبین: وعلیکم السلام ڈیئر مجھے فیملی نے بہت سپورٹ کیا اور مجھے فیملی میں کوئی مشکل فیس نہیں کرنا پڑی۔

☆ میں تحریر کے پبلش ہونے کے حوالے سے پوچھ رہی تھی ڈائجسٹ وغیرہ میں آپ نے پہلی تحریر سے ہی اپنی جگہ بنا لی تھی؟

سندس جبین: جی اللہ پاک کا کرم رہا ہے کبھی ریجیکشن فیس نہیں کرنی پڑی۔

رائو رفاقت علی

☆ السلام علیکم سندس جبین کیسی ہیں آپ؟ اب تک آپ کی سب سے بہترین اسٹوری کون سی ہے جس کو قارئین نے سب سے زیادہ پسند کیا ہو اور آپ کی نظر میں سب سے زیادہ بیسٹ کون سی ہے؟

سندس جبین: ایک رائٹر کو اپنی تمام اسٹوریز بیسٹ لگتی ہیں مگر کاسہ دل میری ایسی اسٹوری ہے جس پر میں نے بہت ریسرچ ورک کیا تھا اور سب سے زیادہ وقت بھی لگا تھا اسے لکھنے میں، سو میرا خیال ہے میری کہانیوں میں سب سے بہترین یہی ہے۔

☆ آج کے ادب کے متعلق آپ کیا کہنا چاہیں گی؟

سندس جبین: اللہ پاک کا کرم ہے بہت اچھا لکھا جا رہا ہے۔

☆ ادب کے فروغ کے لیے آج کے رائٹرز کو کیسا ہونا چاہیے؟

سندس جبین: رائٹر کو باؤنڈ نہ کریں آزاد چھوڑ دیں اور یقین کریں کہ وہ اچھی سوسائٹی کو لکھیں گے۔

عروشمہ خان

☆ میم کیسی ہیں آپ میرا آپ سے یہ سوال ہے نئے لکھاریوں کو لکھتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

سندس جبین: الحمدللہ ٹھیک ہوں، رائٹرز کو اپنے لکھے کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے آج کل بس ہم لکھتے ہیں کوئی تھیم یا مین آئیڈیا کچھ میں نہیں آتا۔ سو آئی تھنک ایک تھیم بیسڈ اسٹوری ہونی چاہیے۔

ماورا طلحہ

☆ آپی کیا حال ہے، آپی ایسا کون سا ناول ہے جس کا

آپ پارٹ 2 لکھنا چاہیں گی؟

سندس جبین: ماورا ڈیئر ایسا کوئی بھی ناول نہیں جس کا پارٹ ٹو لکھنا چاہوں۔

☆ آپ کا ایسا کوئی ناول، جس کا اختتام آپ دلی طور سے کچھ اور کرنا چاہتی تھی مگر ناول کچھ اور ڈیمانڈ کرتا تھا نیز آپ نے دل کی مانی یا ناول کو مدنظر رکھا۔

سندس جبین: اللہ پاک کا شکر ہے کہ میں ہمیشہ اپنی مرضی سے لکھتی ہوں اور کسی کی اوپینین یا خواہش پر بھی نہ تو کچھ ایڈ کیا ناول میں نہ ہی کچھ تبدیل کیا میں اپنے سب ناولز کی اینڈنگ سے مطمئن ہوں۔

☆ آپ نے بہت کمال کی تحریریں لکھی ہیں تو کیا آپ کچھ ایسا لکھ چکی ہیں جسے آپ زیست کا حاصل کہہ سکیں یا ابھی یہ تشنگی باقی ہے؟

سندس جبین: ابھی تو کچھ بھی نہیں لکھا ابھی تشنگی باقی ہے۔

☆ ایک سوال دل کی طرف سے ہم کب ملیں گے ایک علاقے دے تے نالے پنجابی وی۔ ہمیشہ خوش رہیں اور زور قلم زیادہ ہو آمین۔ والسلام۔

سندس جبین: ضرور ملیں گے۔

روشن ستارہ

☆ السلام علیکم آپ کا ایسا کون سا ناول ہے، جس کے کردار میں آپ کی جھلک ہو؟

سندس جبین: وعلیکم السلام جھلک تو نہیں کہہ سکتے روشن، ہاں کچھ عادتیں ملتی ہیں اور میرے خیال میں اٹس وری نیچرل۔

مریم جہانگیر

☆ سندس میں بھی آپ سے سوال کرنے آ گئی ہوں، السلام علیکم امید ہے خیریت سے ہوں گی آپ بہت سا پیار اور بہت سی دعائیں آپی یونہی اچھا اچھا لکھتی رہیں آمین۔

الف کتاب کے ایک بہت بڑے مقابلے کی آپ ونر ٹھہری جس میں ملک کے نامی گرامی ناول نگار بھی شامل تھے اس جیت کو آپ لفظوں میں کیسے بیان کریں گی؟ آپ کے ناول کی تھیم کیا تھی؟ آپ ناول کو اپنے مائنڈ میں کتنے حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ہم عصر لکھاریوں میں سے کون پسند ہے۔ یونہی کامران وکامیاب رہیں آمین۔

سندس جبین: وعلیکم السلام پیاری مریم میں ٹھیک ہوں نیک تمناؤں کے لیے شکریہ، داستان محبت کے بارے میں میری فیلنگز آپ جلد ہی پڑھ سکیں گے۔ باقی آپ کے سوال کا جہاں تک تعلق ہے کہ ناولز کے پارٹس تو اس کے تین حصے ہیں اچھا اسٹارٹ، کلائمکس اور اطمینان بھرا اختتام، مجھے بہت سے رائٹرز پسند ہیں اور میں تقریباً سب کو پڑھتی ہوں آج کل بپسی سدھوا کو پڑھ رہی۔

حرا قریشی

☆ پرخلوص سندس جبیں اور ایک عظیم لکھاری کو سلام بصد احترام!

کیا ایسے بھی حرف کا داخلہ ہوا آپ کی زیست میں جو صفحات کا حصہ نہ بن سکیں مگر ہونٹوں سے کئی بار ادا ہوئے ہیں؟

سندس جبین: وعلیکم السلام۔ جی ابھی تشنگی باقی ہے۔ بہت سے لفظ باقی ہیں ابھی۔

☆ زندگی کو پرکھنے کا موقع ملا تو کس اصول پر پرکھیں گی؟

سندس جبین: میں زندگی کو پرکھنا نہیں چاہتی کیوں کہ پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا۔

☆ ان لوگوں کے نام جو بالخصوص آپ کے دل میں بستے ہیں۔

سندس جبین: دل میں بہت سے لوگ بستے ہیں نام لینا مناسب نہیں۔

☆ محبت سے کب یاری ہوئی اتنی کہ میدان ہی لوٹ لیا۔

سندس جبین: محبت سے بڑا پرانا ناتہ ہے میدان اس لیے نہیں لوٹا کہ محبت پہ لکھا ہے بلکہ محبت کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ آپ کو پڑھ کے ان شاء اللہ اندازہ ہو جائے گا۔

☆ اگر سمندر اور جنگل کے درمیان کا حصہ خوابوں سے بنا ہو تو آپ کی پہلی ترجیح کیا ہوگی۔ اپنی تحریر پڑھ کر جو مسرت آپ کو ملتی ہے اگر اس کا اعادہ کرنے کو کہا جائے تو کیسے کریں گی؟

سندس جبین: میں ایک باعمل انسان ہوں اس لیے حقیقت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ اپنی اسٹوری پڑھ کے ہمیشہ سوچتی ہوں کہ اس میں اور بھی بہتری کی جا سکتی ہے۔

☆ اگر کوئی شخص میلا کچیلا سیاہ کوٹ پہنے قہوے کی کیتلی اور کپ لے کر آپ کے سامنے آ جائے اچانک تو آپ کا پہلا تاثر کیا ہوگا؟

سندس جبین: میں اس سے قہوہ ضرور پیوں گی۔

☆ ان سوالات پر آپ کے احساسات۔

سندس جبین: میں حیران ہوں آپ کے سوال بہت مختلف تھے۔

☆ حرا کے لئے ایک جملہ جو اندھیرے میں چراغ کا کام دیں۔ نو آموز لکھاریوں کے لئے کوئی سی پانچ ٹپس؟

سندس جبین: نو آموز رائٹرز کے لیے کافی کچھ لکھ چکی ہوں۔

اس دعا کے ساتھ اجازت

پروردگار کائنات آپ کو سدا صحت و زندگی سے نوازے اپنی حفظ وامان میں رکھے اور جو لوگ آپ سے منسلک ہیں ان سب کی محبتوں کو ثبات عطا ہو آمین!

میرے شعر پر آپ کی رائے

جیسے کسی نو مولود بچے کی سانس ٹوٹتی ہے

ایسی صدا میری ہر تحریر میں گونجتی ہے

سندس جبین: شعر کے لیے واہ واہ۔

فوح بھٹو

☆ السلام علیکم آپ اب تک کن ڈائجسٹوں میں لکھ چکی ہیں؟

سندس جبین: وعلیکم السلام میں حنا، شعاع، کرن، آنچل میں لکھ چکی ہوں۔ کبھی آن لائن نہیں لکھا۔ الف کتاب آن لائن لکھنے کا پہلا تجربہ تھا۔

☆ آپ کو پہلی تحریر سے قبولیت کی سند ملی یا رجیکشن کا سامنا کرنا پڑا؟ رائٹنگ کی فیلڈ میں آپ کس لکھاری سے متاثر ہیں؟

سندس جبین: رائٹنگ فیلڈ میں سب پسند ہیں۔ متاثر نہیں ہوتی کافی مشکل ہے مجھے متاثر کرنا۔ یہ میری خامی ہے۔

آمنہ نور

☆ سندس میرا سوال یہ ہے کہ اپنے لکھے گئے کرداروں میں سے آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے؟

جواب: اپنے نئے ناول "ستارہ زیست" کا کردار "سردار ہاشم الامین" میرا پسندیدہ کردار ہے؟

☆ کون سا کپل آپ کا اپنا پسندیدہ ہے؟

سندس جبین: حبا اور اصید کاسہ دل ناول سے میرا پسندیدہ کپل ہے؟

☆ آپ کا لکھا کون سا ناول آپ کے فینز نے توقعات سے زیادہ پسند کیا اور کس اپنے لکھے گئے ناول سے آپ مطمئن نہیں ہیں؟

سندس جبین: "کاسہ دل" بے تحاشا پسند کیا گیا جب کے مجھے امید نہیں تھی۔

صائمہ سکندر سومرو

☆ السلام علیکم ڈیئر سندس جبیں۔ آج کل ہر رائٹر اپنی اسٹوری میں انگلش زبان کا استعمال اپنا فرض سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔ کیا اس سے اردو کا نقصان نہیں ہو رہا۔ بطور رائٹر آپ کی کیا رائے ہے؟

سندس جبین: وعلیکم اسلام۔ اصل میں بات انگلش کو اردو میں مکس کرنے کی نہیں ہے، ہم ایک غلام قوم ہیں جہاں بچپن سے ہی بچوں کو انگلش پڑھائی جاتی ہے تو وہاں اسے ادب میں دھکیل دینے سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔

☆ آپی جو ادب آج کل لکھا جا رہا ہے۔ آپ کس حد تک اس سے مطمئن ہیں؟

سندس جبین: آج کل کے ادب سے میرا مطمئن ہونا ضروری نہیں ہے۔ جس کے ہاتھ میں قلم ہے وہ لکھ رہا ہے۔

اللہ پاک آپ کو بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرتا جائے۔ اس مالک دو جہاں کے دربار میں اس دعا کو سند قبولیت ملے۔ آمین۔

ملائکہ خان

☆ السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟

سندس جبین: وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں۔

آپ نے پہلی کہانی کون سی اور کب لکھی؟

سندس جبین: میں نے پہلی کہانی لکھی تھی "زیست کا سفر"

☆ آج کی رائٹر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہیں؟

سندس جبین: آج کل کے رائٹر کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ رائٹرز کو بھی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لیے ایڈیٹر ہیں آج کل آن لائن رائٹنگ نے یہ بات، بہت آسان کر دی ہے کچھ بھی لکھ کر قارئین تک پہنچا دیا جائے میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتی آپ ڈائجسٹ میں لکھیں راہنمائی اور رجیکشن کے بعد آپ کو لکھنے کا اصل مزہ آئے گا یہ میری ذاتی رائے ہے کسی کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ ایسی کوئی اسٹوری جس میں آپ کو لکھتے ہوئے رونا آیا؟

سندس جبین: "کاسہ دل" کی "حبا" کے کردار نے مجھے بے حد اور بے تحاشا رلایا۔

صابر خان

☆ آپ کا اپنا فیورٹ ترین ناول کون سا ہے؟ اور کس رائٹر کو بہت شوق سے پڑھتی ہیں؟

سندس جبین: میرا اپنا پسندیدہ ناول "چاند نگر کی شہزادی" اور

"کاسول" ہے۔
☆ اگر آپ رائٹر نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
سندس جبین: اگر میں رائٹر نہ ہوتی تو ڈاکٹر ہوتی۔
☆ زندگی میں کبھی کسی فین نمبرون کا سامنا ہوا؟
سندس جبین: جی ہاں ایک فین سے سامنا ہے جو واقعی ہی نمبرون ہے۔
☆ کیا آپ کے ٹوتھ پیسٹ میں نمک ہے؟
سندس جبین: جی ہاں میرے ٹوتھ پیسٹ میں نمک ہے۔

صالحہ عزیز

☆ لو جی میں بھی کچھ سوال پوچھتی ہوں۔ آپ بڑی ہو کر کیا بننا چاہتی تھی؟
سندس جبین: میں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی میں نے رائٹر بننے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔
☆ آپ نے بچوں کے لیے کچھ لکھا تو کیا لکھا؟
سندس جبین: میں نے بچوں کے لیے کچھ نہیں لکھا۔

دلکش مریم

☆ السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟
سندس جبین: وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں۔
☆ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ لکھاری قدرتی ہوتا ہے یا کوشش سے بھی لکھاری بنا جاتا ہے؟
سندس جبین: میرے خیال سے لکھنا قدرتی خوبی ہے اور اس کو مزید محنت سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔
☆ دوسرا سوال یہ کہ سوشل میڈیا پر سبھی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے اگر آپ کا واسطہ پڑا تو آپ کا ردعمل کیا تھا اور غیر ضروری تنقید کو آپ نے کیسے فیس کیا؟
سندس جبین: جی ہاں میں کافی کچھ دیکھ چکی ہوں اور اللہ کا شکر ہے میں اس سب سے محفوظ ہوں مجھے کبھی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا، میں لڑائی جھگڑے سے دور رہتی ہوں شائد اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔
☆ تیسرا سوال یہ کہ لکھنے کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں آپ کی کبھی سوچا کہ بس اب نہیں لکھنا؟
سندس جبین: میں انگلش کی لیکچرار ہوں لکھنا میرا شوق ہے اور کتابیں پڑھنا میرا پیشن ہے۔ اس کے علاوہ گھومنا پھرنا مجھے بہت پسند ہے آئی لائک آؤٹ ڈور ایکٹیویٹی ابھی تک ایسا نہیں سوچا کہ نہیں لکھنا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے، آمین۔

اسماء علی

☆ سندس ڈرامہ رائٹنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟
سندس جبین: ڈرامہ رائٹنگ کی طرف آنے والی ہوں کچھ مصروفیات کی وجہ سے اسکرپٹ نہیں لکھ پا رہی۔
☆ کیا آپ میریڈ ہیں؟
سندس جبین: آئی ایم سنگل۔

نرمین

☆ السلام علیکم میں نے اکثر دیکھا ہے آپ کی تحریروں میں نفسیات اور اس کے علاج کا گہرا مشاہدہ موجود ہوتا ہے جو کہ ناول کو مزید دلچسپ بنا دیتا ہے۔ کیا آپ کا یہ سبجیکٹ رہ چکا ہے یا خاص ریسرچ ہوتی ہے؟
سندس جبین: وعلیکم السلام نفسیات ایک ایسا ٹاپک (موضوع) ہے جس میں میری ذاتی دلچسپی بہت زیادہ ہے میں نے چار سال نفسیات پڑھی ہے اور میں نے اپنے ناولز میں جو بھی نفسیاتی مسئلہ دکھایا میں نے پہلے اس پر ریسرچ کی اور کچھ سائیکولوجسٹ اور سائیکٹرسٹ سے کنسلٹ کیا۔
☆ اس کار جنون میں جو ہیروئین کے ردعمل تھے جیسے وہ سب قبول نہیں کر پائی لیکن فطری ردعمل بھی موجود تھے ناول کو مزید دلکش بنا دیا اکثر دیکھا گیا ہے ایسا نہیں لکھتے لکھاری مطلب سرد ہے تو فطری رویوں میں بھی سرد مہری آجاتی ہے تو آپ نے ایسا کیوں لکھا یا ایسا خیال کیوں کر آیا؟ اس طرح لکھنے کی خاص وجہ کوئی؟
سندس جبین: میں نے یہ ناول 2010 میں لکھا اور اس وقت جو ناولز پبلش ہو رہے تھے یا ٹرینڈ جو چل رہا تھا وہ یہ تھا کہ ہیرو ہیروئن کی زبردستی شادی ہو جاتی ہے اور یا تو اختتام تک ناراض رہتے ہیں یا دو چار دن میں ہی سب سیٹ ہو جاتا ہے مجھے اس چیز سے بہت اختلاف تھا کیوں کہ عام طور پر انسان ایسا رویہ نہیں رکھ سکتے میں نے حجاب (ہیروئن) کا رویہ بہت فطری دکھایا کہ وہ شادی سے خوش نہیں تھی مگر اس نے اپنے شوہر کے فرائض ادا کیے۔
☆ چاند نگر کی شہزادی میں نفسیات کی جو گہری جانچ تھی اس نے ناول میں بہت اچھا تاثر دیا یہ ناول لکھنے کے پیچھے کیا سوچ کارفرما تھی یا کون سا واقعہ تھا؟ تھوڑی تفصیل کے ساتھ پلیز۔
سندس جبین: چاند نگر کی شہزادی میں جو میں نے ٹاپک لیا

دوسرا ذاتی مشاہدہ تھا دراصل میری نانی کو سیلف ٹاک (خود کلامی) کی عادت تھی میں نے اس چیز کو بچپن میں بہت قریب سے دیکھا اس لیے جب میں نے اس موضوع پر لکھا تو ریسرچ کر کے لکھا باقاعدہ اس کے ٹریٹمنٹس (علاج) پر بھی میری اچھی خاصی ڈسکشن (بات چیت) ہوئی تھی۔

☆ قافلے راہ بھول جاتے ہیں ناول میں ونی (خون بہا) کی رسم کو خوب بیاں کیا گیا اس ناول کا پس منظر یا انسپائریشن کیا تھی اور اس کے اختتام پر جو ہوا اس کے متعلق کیا خیالات تھے؟ میرے خیال میں اس میں بھی نفسیاتی پہلو تھا کہ سب کچھ برداشت کرنے کے بعد ہیروئن کے اندر یہ سوچ پختہ ہوگئی تھی کہ بات جو بھی تھی واضح ہونی چاہیے آخر تک۔

سندس جبین: قافلے راہ بھول جاتے ہیں یہ ایسا ناول تھا جو حقیقی کہانی پر مبنی تھا مگر کہانی صرف اتنی ہی تھی کہ لڑکی کی شادی ہوگئی تھی آگے کی کہانی میری خود کی لکھی ہوئی ہے میں نفسیات پر لکھنا پسند کرتی ہوں اور آج کا قاری بہت باشعور ہے۔

☆ اگر کوئی اس طرح ہی نفسیات لکھنا چاہے تو کوئی مشورہ یا کوئی اصلاح؟

سندس جبین: آپ لکھیے اور اس بات کو چھوڑ دیجیے کہ شائع ہوگا یا نہیں کیوں کہ جب آپ ہمت ہار جاتے ہیں تو منزل دور چلی جاتی ہے۔

☆ نئے لکھنے والوں کے لیے پیغام، اصلاح یا مشورہ؟

سندس جبین: نئے لکھاریوں کے لیے میں کیا کہہ سکتی ہوں اس کوئسچن پر میں پہلے ہی بات کر چکی ہوں۔

☆ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ بجائے اصلاح کے معیاری نہیں کہہ کر رد کر دیتے ہیں نا صرف لوگ بلکہ معروف ادارے بھی، اس صورت حال پر کوئی تبصرہ؟

سندس جبین: میں سمجھتی ہوں جب پڑھنے کی عمر ہوتی ہے ہم لکھنے کی طرف آجاتے ہیں سب سے ضروری چیز ہے پڑھنا میں اپنی بات کہوں تو سچ یہ ہے کہ میں آج بھی تقریباً ہر نئے لکھاری کو پڑھ رہی ہوں اور دوسری زبانوں کے ادب جیسے رشین اور انگریزی ادب...... جب ہم پڑھیں گے ہی نہیں تو لکھیں گے کیسے؟

نجمہ شاہین

☆ اسلام علیکم آپ نے سب سے پہلے کون سی تحریر لکھی؟

سندس جبین: سب سے پہلے زیست کا سفر لکھی تھی۔

☆ کس تحریر پہ سب سے زیادہ ٹائم لگا؟ لکھتے ہوئے؟

سندس جبین: کاسۂ دل پر لگا 2010 سے لے کر 2014 تک اسے لکھا۔

☆ کاغذ پہ لکھتی ہیں یا کمپیوٹر پر۔

سندس جبین: کاغذ پر۔

☆ کہانی بھیج کر بھول جاتی ہیں یا انتظار کرتی رہتی ہیں میری طرح؟

سندس جبین: اللہ کا شکر ہے جب بھی بھیجوں فوراً لگ جاتی ہے، بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا ابھی۔

☆ سوشل میڈیا کو کیسا پایا؟ فیس بک پہ آپ کی کئی دوست بنی ہوں گی؟ ان سے دوستی کیسی لگی؟

سندس جبین: سوشل میڈیا پر بہت کچھ دیکھا، میں سوشل میڈیا پر 2013 سے ہوں، بہت اچھے دوست ملے کبھی برا تجربہ نہیں ہوا شاید اس لیے کہ میں زیادہ تر ریزروڈ رہتی ہوں۔

زینب علی خان

☆ سندس آپ کو اپنے ناول میں سے سب سے زیادہ کون سا ناول پسند ہے؟

سندس جبین: کاسۂ دل۔

☆ اور آپ کا زندگی میں ایم (مقصد) کیا ہے؟

سندس جبین: میں ایک لیکچرار ہوں اور ساتھ میں ایک مصنفہ بھی سو میں خوش ہوں۔

صائقہ مشتاق

☆ آپ کے انسپائریشن کون ہے؟ آپ نے کس بات سے متاثر ہو کر لکھنا شروع کیا؟

سندس جبین: کوئی بھی نہیں تھی انسپائریشن۔

☆ کبھی ایسا ہوا کہ کہانی آپ کے دماغ میں ہو اور سمجھ نہ آئے کہ کیسے صفحے پر اتاریں؟

سندس جبین: جی بالکل ایسا ہوتا ہے کہ معروف ہوتی ہوں کہانی تنگ کرتی ہے اور اس صورتِ حال میں بہت مشکل ہوتا ہے لکھنا۔

اراکین ایڈمنز چینل

صباء عیشل، حنا مہر، راؤ رفاقت علی، ماورا طلحہ، نرمین نعیم، عصر خان۔

کیسی ہار کیسی جیت

اقبال بانو

وہ بک شیلف میں سجی کتابوں کو کتنی ہی دیر تک غور سے دیکھتی رہی مگر شاید اسے اپنی مطلوبہ کتاب نہ مل رہی تھی۔ یاسر نے کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائے ٹکائے اسے سترہویں مرتبہ دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے گلابی لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے سیاہ گھنے لانبے چمکیلے بال اس کی پشت پر پڑے تھے۔ وائٹ پرس بغل میں دبا ہوا تھا' فلیٹ نازک پٹیوں والی سفید چپل اس کے گلابی پیروں میں نہایت بھلی لگ رہی تھی۔

یاسر کی نظریں اس کے پیروں پر جم گئیں۔ گلابی نیل پالش سے اس کے ناخن رنگے ہوئے تھے اور پیروں کی انگلیوں میں چاندی کے چھلے بہت ہی اچھے لگ رہے تھے۔

''لڑکیوں کو کیل کانٹے سے لیس ہونے کے تمام گر آتے ہیں۔'' یاسر نے دل ہی دل میں سوچا تب ہی وہ جھک کر شیلف کے نچلے خانے میں کتابیں دیکھنے لگی تو بالوں کا آبشار ایک طرف جھک گیا۔

رسی نما گلابی دوپٹہ نیچے گر پڑا جس کو اس نے جلدی سے کندھے پر ڈال لیا مگر اسے اپنی مطلوبہ کتاب نہ ملی' وہ پلٹی اور کاؤنٹر کی طرف بڑھی۔

یاسر نے فوراً رخ موڑ کر ''میگ'' کے صفحات پلٹنے شروع کردیئے۔ جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ اس کے بالکل قریب آکر کھڑی ہوگئی اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک نے یاسر کو سرشار کردیا۔

یہ کچے بور جیسی کنواری مہک۔

ان چھوئی لڑکی کی اپنی ایک خوشبو ہوتی ہے جو مرد کے دل کے علاوہ اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے......

اس میں سے بھی کیکر کے شگوفوں جیسی مہک آرہی تھی اور یہ مہک یاسر کے دماغ کو معطر کیے جارہی تھی۔

یاسر نے دیکھا وہ کاؤنٹر پر پرس رکھ کر کاؤنٹر بوائے سے کہہ رہی تھی۔

''آپ کے پاس خدیجہ مستور کا ناول 'آنگن' ہوگا؟''

''جی نہیں۔'' وہ لڑکا بچھا جارہا تھا۔

''کہاں سے ملے گا؟'' گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔

''وہ ہے ہی نہیں مارکیٹ میں۔''

''آپ کہیں سے منگوا کردے سکتے ہیں؟'' اس نے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو ہٹاتے ہوئے کہا۔

''کوشش کروں گا' آپ اپنا کوئی فون نمبر یا ایڈریس دے دیجیے اگر مل گیا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔'' کاؤنٹر بوائے نے کہا۔

''نہیں' میں پرسوں آکر پتہ کرلوں گی۔'' وہ نہایت لاپروائی سے بولی۔

''بہتر۔'' اور پھر وہ کھٹ کھٹ کرتی بک شاپ سے نکل گئی۔ یاسر بھی جلدی سے باہر آیا اور اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''آنگن کی تلاش ہے آپ کو۔''

''جی......! آپ کے پاس ہے؟'' اس کی آنکھوں میں عمر خیام کی ساری شاعری سمٹ آئی۔

''ہاں ہے تو مگر......'' یاسر نے نچلے ہونٹوں کا کونا دانتوں تلے دبالیا۔

''مگر کیا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''خدیجہ مستور کا نہیں ہے وہ آنگن......'' یاسر شوخ ہوگیا۔

''اور کس نے اس نام کا ناول لکھا ہے۔'' اس نے تحیر

آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ ناول نہیں بلکہ اصلی آنگن ہے...... میرا آنگن چاہیے آپ کو؟" یاسر شرارت سے بولا۔

"اسٹوپڈ......" اس کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہوگیا' وہ قہر کی بجلیاں گراتی ہوئی پارکنگ لاٹ میں کھڑی سفید گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ باوردی ڈرائیور نے جلدی سے دروازہ کھولا اور وہ ایک انداز تفاخر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ چند لمحے بعد وہ گاڑی نظروں سے دور ہوگئی' تب یاسر چونکا اور جلدی سے اپنی بائیک کی طرف بڑھا۔ چند منٹوں میں اس کی بائیک ہوا سے باتیں کررہی تھی اور اس کا ذہن اسی لڑکی کی طرف الجھا ہوا تھا۔

یقیناً کسی اونچے گھرانے کی تھی' تبھی تو دماغ ہی نہیں ملتے تھے۔ محترمہ ہم بھی کسی سے کم ہیں بھلا' یاسر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ چند منٹوں میں وہ ہاسٹل پہنچ گیا اور پھر یاسر کی آنکھوں کے سامنے اس کا گلابی چہرہ ہلالی ابرو اور یاقوتی لب تھے وہ لڑکی لحظہ بھر میں ہی یاسر کے دل کی دنیا تہہ وبالا کرگئی تھی۔

"وہ جو بھی ہے اللہ نے اسے میرے لیے ہی زمین پر اتارا ہے۔" یاسر کے دل سے صدا ابھری تو اس کے لبوں پر بہت خوب صورت سا تبسم مچل گیا۔

......

کھٹکے کی آواز پر محمود نے پڑھتے پڑھتے کتاب سے نظریں ہٹائیں تو کرسی پر بیٹھتے ہوئے یاسر پر اس کی نظریں جم سی گئیں۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ شش وپنج میں پڑگیا کیونکہ اسے علم تھا کہ یاسر بلا ضرورت نہیں مسکراتا۔

"کیا بات ہے یاسر؟" محمود نے کتاب بند کرکے گود میں رکھ لی۔

"ہے ایک بات۔" یاسر نے شوخی سے کہا۔

"بتاؤ۔"

"مجھے ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔"

"رئیلی......" محمود کو حیرت ہوئی' وہ جو کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا آج نہایت سچائی سے یہ اعتراف کررہا تھا کہ اسے ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔

"میں مذاق نہیں کررہا۔" یاسر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کون ہے...... کہاں رہتی ہے؟" محمود نے ایک سانس میں سوال کرڈالے۔ "کوئی پتہ نہیں۔" محمود نے حیرت سے کہا۔

"ناں۔" یاسر نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"پھر......" اور یاسر نے اسے بک شاپ میں ملنے والی اس نازک سی لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔

"پرسوں وہ پھر آئے گی دکان پر۔"

"تم جاؤ گے؟" محمود نے پوچھا۔

"آف کورس۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"میں بھی چلوں گا۔" محمود بچوں کی طرح بولا۔

"نہیں۔"

"بھئی میں تمہاری پسند پر ڈورے نہیں ڈالوں گا۔"

محمود نے شوخی سے کہا۔

''مجھ سے زیادہ خوب صورت نہیں ہو تم؟'' یاسر نے فخر سے کہا۔ اسے بہت ناز تھا اپنی خوب صورتی پر اپنے ہینڈسم ہونے پر وہ بہت اتراتا تھا۔

''منہ دھو رکھو۔'' محمود نے چڑایا تو یاسر نے اٹھ کر اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

''پرے ہٹو...... کوئی لڑکا آگیا تو کیا سمجھے گا؟'' محمود نے اسے دھکیلنا چاہا تو یاسر زور سے ہنسا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

محمود اور یاسر روم میٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے دوست بھی تھے۔ دونوں میڈیکل کالج میں فائنل ایئر کے طالب علم تھے۔ محمود جہلم سے آیا تھا اور یاسر کا تعلق حسین وادی کشمیر سے تھا۔ محمود اور یاسر کی دوستی مثالی تھی۔ دونوں بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ محمود کا تو شروع سال ہی سے اپنی کلاس فیلو مونا سے زبردست چکر تھا جس کے چکر میں وہ خود بھی گھن چکر ہو کر رہ گیا تھا۔ مونا سے اس نے فلرٹ نہیں کیا تھا بلکہ گزشتہ سال ہی وہ دونوں اٹوٹ بندھن میں بندھ گئے تھے۔ محمود کے والدین لاہور آئے تھے اور مونا کے والدین سے مل کر دونوں کا نکاح کر دیا تھا۔ رخصتی محمود کے ہاؤس جاب کے بعد ہونی تھی۔

جبکہ یاسر محبت وغیرہ کے معاملے میں کورا ہی تھا۔ اسے کوئی لڑکی پسند ہی نہ آتی تھی' جبکہ یاسر کی شاندار پرسنلٹی پر کتنی ہی لڑکیاں مرتی تھیں۔ کتنے ہی دل یاسر کے نام پر دھڑکتے تھے' مگر یاسر نے کوئی دھڑکن سننے کی کوشش نہ کی تھی۔ اسے طالب علمی کے دور میں عشق و محبت فضول چیز لگتی تھی اور نہایت سکون سے ساڑھے چار سال گزر گئے تھے۔

مگر آج اچانک ہی اس نازک سی لڑکی نے یاسر کے دل کی پرسکون ندی میں ہلچل مچا کر رکھ دی تھی۔ کہتے ہیں کہ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کہ بغیر کسی پلاننگ کے دل میں جنم لے لیتا ہے۔

محبت کو خود رو پودے سے بھی تشبیہ دی گئی ہے بغیر آبیاری کے دل کی بنجر سرزمین پر اگ آتا ہے اور ایسا ہی یاسر کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

☺......()......☺

یاسر آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا کہ سیل فون کی بپ ہوئی۔

''ہیلو؟''

''اوہ...... امی آپ بھی نا۔ میں نہیں آسکتا۔'' یاسر تلملا کر بولا۔

''دیکھو تمہارے ماموں لندن سے آگئے ہیں بمعہ فیملی۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''پھر یہ کرو کہ تم گھر آجاؤ۔''

''آج کل میری ہاؤس جاب ہے اور میں نہیں آسکتا۔''

''یہ تو تم فضول کی بات کر رہے ہو۔''

''یقین کریں امی......''

''دفعہ ہو جاؤ۔'' امی نے غصہ سے فون پٹخا۔

''او کے۔'' یاسر ہنسا۔ تبھی محمود گنگناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کیوں بھئی یہ باچھیں کیوں کانوں تک جا رہی ہیں۔''

''بس یونہی۔''

''کس کا فون تھا؟''

''امی کا......'' یاسر نے کہا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟''

''یہی کہ لندن سے میرے ماموں واپس آگئے ہیں بمعہ میری نام نہاد منگیتر ماریہ سلطان کے جس نے گزشتہ سال ہی سنیئر کیمرج کیا ہے۔''

''یعنی تمہاری منگیتر بھی ہے؟'' محمود کو اس بات کا آج تک پتہ نہیں تھا۔

''ہاں...... جب میں چار پانچ سال کا تھا تب وہ پیدا ہوئی تھی' پھر ماموں اور میری امی نے مل ملا کر ہماری منگنی

کردی تھی جبکہ ہم دونوں کو پتہ ہی نہیں تھا' میں بھی قسمت پرشاکر ہوگیا...... مگراب......"

"اب......!" محمود نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اب یہ ممکن نہیں' میں اسی لڑکی سے شادی کروں گا' جسے آج بک شاپ میں دیکھا ہے۔" وہ بولا۔

"باؤلے ہوئے ہو...... نہ جانے کون ہے' شادی کرنے چلے ہو۔" محمود نے ٹوکا۔

"کچھ بھی کہہ لو۔"

"اگر نہ ہوسکی اس سے شادی پھر......" محمود نے خدشہ ظاہر کیا۔

"پھر...... پھر محمود فائق میرا یہ عہد ہے کہ کسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔"

"بڑکیں مت مارو۔"

"یہ بڑک نہیں' عہد ہے میرا خود سے اور اس محبت سے جو ایک دم ہی میرے دل کے دالان میں پائل بجاتی اتری ہے۔" یاسر کا لہجہ مضبوط تھا۔

"یاسر اپنے فیصلے میں لچک پیدا کرو' میرے دوست' انسان کو ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" محمود نے سمجھایا۔

"میری بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے۔ وہ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں...... پسندیدہ ہستی نہ ملے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے' میں شدت پسند ہوں...... تبھی تو محبت نہیں کرتا تھا' مگر کم بخت اچانک ہی ہوگئی اور جب چاہا ہے تو پالوں گا' اگر شکست کھا گیا تو پھر کسی کو بھی اپنے دل میں داخل نہیں ہونے دوں گا صرف وہی ہوگی ان آنکھوں میں اور......" یاسر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اس دل میں......"

"تم نے اپنی منگیتر کو دیکھا؟" محمود نے پوچھا۔

"نو......" یاسر نے کہا۔

"دیکھ لو کیا خبر وہ اس سے بھی حسین ہو۔"

"کچھ بھی ہو' اگر وہ لڑکی نہیں تو کوئی بھی نہیں۔" وہ اپنے فیصلے سے ہٹنے کو ایک انچ تیار نہ تھا۔

"تم نے ماریہ کی تصویر تو دیکھی ہوگی؟"

"اونہوں۔"

"کیوں......!" محمود نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ماریہ کی خواہش تھی کہ ہم دونوں تصویری حد تک بھی ایک دوسرے کو نہ دیکھیں' خواہش ہی رہے ایک دوسرے سے ملنے کی اور پتہ ہے وہ ساجدہ آپا کو فون کرتی تھی تو نہایت بے تکلفی سے ان سے میرا ذکر کرتی اور میں بھی جب اس کے بھائی عمران کو فون کرتا تو میں بھی اس کا ذکر ضرور کرتا مگر یقین جانو محمود میرے دل کے سمندر میں کبھی بھی ماریہ کے نام سے ایسی ہلچل نہیں مچی جیسی کہ آج اس لڑکی کو دیکھ کر مچی ہے اور میں نے اسے سترہ مرتبہ دیکھا۔"

"پھر بھی سوچ لو جذباتی فیصلے ناپائیدار ہوتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"مگر میرا فیصلہ جذباتی نہیں...... جو فیصلے میں لحوں میں کرتا ہوں' وہی میری زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کبھی غلط فیصلہ نہیں کیا۔" یاسر نے اپنے گلے میں پڑی چین کو مسلتے ہوئے کہا۔

اور محمود تو بس اسے دیکھ کر رہ گیا کہ اب اسے سمجھانا فضول ہے' اسے علم تھا کہ یاسر جو کہتا ہے کر گزرتا ہے اسے ترس آرہا تھا ان دیکھی ماریہ سلطان پر کہ وہ اتنی دور سے آئی بھی' مگر اس کا منگیتر کسی اور کی زلف کا اسیر ہوگیا۔ وہ جواب تک ان ریشمی جالوں سے بچتا آیا تھا بالکل اچانک ہی بک شاپ میں نظر آنے والی لڑکی کے جال میں پھنس گیا کہ اب باہر نکلنے کا کوئی راستہ بھی نظر نہ آرہا تھا۔

☺......●......☺

دو دن یاسر نے بڑی مشکل سے گزارے' وہ دن جو کہ چٹکی بجاتے گزر جاتا تھا' اب لگتا جیسے سورج ایک ہی جگہ پر رک گیا ہو۔ دو دن دو صدیاں بن کر گزرے اور تیسرے دن وہ محمود کے ساتھ بک شاپ پر جا پہنچا۔ قسمت اچھی تھی یا پھر اس کے جذبے سچے کہ صرف دس منٹ کے جان لیوا

انتظار کے بعد وہ آ گئی۔ یاسر نے محمود کو ٹہوکا دیا۔

آج وہ بالکل وائٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔ فل سلیوز کا ڈھیلا ڈھالا لباس اس کے بید مجنوں جسم پر نہایت بھلا لگ رہا تھا' بال پہلے کی طرح کھلے ہی تھے۔ سفید باریک باریک پٹیوں والی نازک سی ہائی ہیل کی سینڈل اس کے گلابی پیروں میں جچ ہوئی تھی۔ سفید نگینوں سے جڑے کنگن اس کی دونوں کلائیوں میں عجیب بہار دے رہے تھے' ناک میں ہیرے کی لونگ لشکارے مار رہی تھی اور اس کا لشکارا یاسر کے دل میں چاندنی کی طرح اتر رہا تھا۔ محمود بھی اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ واقعی وہ تھی ہی ایسی چاہے جانے کے لیے اگر اس نے یاسر کے دل کے گوشے مہکا دیئے تھے تو اس کا کوئی قصور نہ تھا تب ہی دونوں نے سنا وہ کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے سے کہہ رہی تھی۔

''میں آپ سے ناول آنگن کے بارے میں کہہ گئی تھی۔''

''ہاں جی' مل جائے گا مگر شام کو۔'' وہ بولا۔

''اوہو..... جلدی نہیں مل سکتا۔'' وہ بے چین ہوئی۔

''آپ کل لے لیجیے گا۔''

''مگر شام کو تو میں اسلام آباد واپس جارہی ہوں۔''

''مجبوری ہے۔'' لڑکا بولا۔

''اچھا کل ڈرائیور آئے گا اسے دے دیجیے گا۔''

''بہتر۔'' پھر وہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی چلی گئی۔ یاسر نے دیکھا اس کا رخ اپنی موٹر کی طرف نہیں تھا اب وہ ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان میں گھس گئی تھی۔

''تم اس پر نظر رکھو' میں ذرا اس کے ڈرائیور سے گپ لگا کر آؤں۔'' یاسر نے محمود سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' محمود بولا۔

''مطلب پھر بتاؤں گا بس جیسے ہی یہ آنے لگے سیٹی بجا دینا۔'' یاسر نے جلدی سے کہا اور سفید موٹر کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں ڈرائیور موٹر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''سنیے جناب۔'' یاسر نے آہستگی سے نہایت شائستہ انداز میں کہا۔

''جی۔''

''یہ جو آپ کے ساتھ بی بی ہیں' کون ہیں؟''

''کیوں؟'' ڈرائیور غرایا۔

''وہ جی ان کی تصویر میں نے اپنی بیوی کے پاس دیکھی تھی۔ نام تو بتایا تھا پر یاد نہیں رہا۔'' یاسر نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے سوچا کہ شادی شدہ آدمی ہے اور کیا خبر کہ واقعی اس کی بیوی کی سہیلی ہو یہ..... ایسا نہ ہو ڈانٹ دے' بعد میں جلدی سے بولا۔

''جی سویٹی نام ہے۔''

''اچھا..... اچھا' یاد آ گیا یہی نام بتایا تھا بیوی نے۔'' یاسر جلدی سے بولا۔

''اسلام آباد میں رہتی ہیں نا؟'' یاسر نے اس طرح پوچھا جیسے کہ سب کچھ جانتا ہو۔

''ہاں جی' آج واپس جارہی ہیں۔ یہاں اپنی بڑی بہن سے ملنے آئی تھیں۔ انہوں نے نئی کوٹھی بنوائی ہے گارڈن ٹاؤن میں۔'' ڈرائیور نے بتایا اور یاسر کے ذہن میں تو سویٹی نام امرت گھول رہا تھا۔ پھر اس نے سویٹی کو آتے دیکھا تو جلدی سے کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد شالا مار باغ کے سبزہ زار پر وہ محمود کو بتا رہا تھا کہ اس نے ڈرائیور سے کیا گفتگو کی ہے اور محمود تو اس کی ہمت پر حیران رہ گیا تھا۔ اور دل ہی دل میں عش عش کر رہا تھا۔

پھر بہت سارے دن بنا آہٹ کے گزر گئے۔ محمود اور یاسر فائنل ائیر سے فارغ ہوئے تو یاسر بجائے اپنے گھر جانے کے محمود کو ساتھ لے کر اسلام آباد چلا آیا۔ محمود کے بڑے بھائی مقصود فائق جو کہ آرمی میں تھے اور پنڈی میں رہتے تھے۔ انہی کے ہاں دونوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔

یاسر نے اسلام آباد کی ہر جگہ پر سویٹی کو کھوجا مگر وہ نجانے کہاں چھپ گئی تھی کہ اس کی ایک جھلک بھی نظر نہ آئی اور آخر کار وہ مایوس ہو کر گھر چلا گیا۔

امی بجھ بجھ گئیں۔ ساجدہ آپا نے حسب معمول

ماریہ کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کردیے۔ امی کی خواہش تھی کہ اب یاسر کی جلد شادی ہوجائے۔ اس سے بڑا بھائی ناصر جو کہ واپڈا میں انجینئر تھا اس کے لیے لڑکی زور وشور سے دیکھی جارہی تھی مگر ابھی تک پسند نہ آئی تھی۔

''امی ایک مشورہ ہے؟'' یاسر نے کہا۔

''کیا......؟'' جمیلہ خاتون نے پوچھا۔

''آپ ماریہ سے ناصر بھائی کی شادی کردیں۔''

''باؤلا ہوا ہے کیا......!'' ساجدہ آپا تنک کر بولیں۔

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''وہ تمہاری منگیتر ہے۔'' امی نے یاد دلایا۔

''کچھ بھی ہو میں ماریہ سے کسی طور بھی شادی نہیں کرسکتا اور اگر آپ نے زبردستی کی تو میں کہیں چلا جاؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔'' یاسر کے لہجے میں تحتی' دھمکی سب کچھ تھا۔ جمیلہ خاتون کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''یاسر تم اچھی طرح سوچ لو۔'' ساجدہ آپا نے کہا۔

''میں نے بہت سوچا ہے۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''ماریہ نہیں مانے گی۔''

''یہ آپ لوگو کا معاملہ ہے۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔'' وہ شانے اچکا کر رہ گیا۔

''تمہیں پتا نہیں وہ کتنی حساس لڑکی ہے۔'' ساجدہ آپا نے کہا۔

''ہر کوئی حساس ہوتا ہے۔''

''اس نے بچپن سے تمہارے خواب دیکھے ہیں۔''

''میں نے کہا تھا کہ میرے خواب دیکھے؟'' یاسر تنک کر بولا۔

''مغرب میں رہ کر بھی اس نے مشرقی لڑکیوں والے روایات کو نبھایا' اس نے ہمیشہ تمہیں چاہا۔'' ساجدہ آپا اس کی وکالت کررہی تھیں۔

''میں کچھ نہیں جانتا' بس اپنی مرضی سے شادی کروں گا۔'' یاسر کا لہجہ حتمی تھا۔

"تم ایک بار اسے دیکھ تو لو۔" ساجدہ آپا نے ہولے سے کہا۔

"دیکھنے سے کیا میں اسے پسند کرنے لگوں گا' ساجدہ آپا یہ بھول ہے آپ کی اور سب کی۔" یاسر کے لہجے میں غصہ تھا۔

"تمہاری پسند کون ہے؟" ساجدہ آپا نے پوچھا۔

"جب اس کا اتا پتہ معلوم ہوجائے گا' بتادوں گا۔" یاسر نے نہایت بے پروائی سے کہا۔

اور پھر محبت اور سختی سے سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر یاسر کا انکار اقرار میں نہ بدلا۔

رزلٹ آچکا تھا اور وہ واپس لاہور آ گیا۔ میو ہسپتال میں ہاؤس جاب بھی شروع کردی۔ یونہی چھ ماہ بیت گئے' یاسر کو سویٹی پھر نظر نہ آئی اور وہ اس کو دیکھنے کے لیے پاگل ہوا جارہا تھا' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے' اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جیسے ہی وہ نظر آئی تین لفظ کہہ دے گا۔

"آئی لو یو...... پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر وہ نظر آتی تب نا۔"

انہی دنوں امی نے فون کر کے بتایا کہ ناصر بھائی کی شادی ہے وہ بھی ماریہ کے ساتھ تو یاسر نے ایک پرسکون سانس لی۔ ناصر کی شادی ماریہ سے ہورہی تھی۔ مصروفیت اس قدر تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی نہ جاسکا۔ یا وہ خود ہی جانا نہ چاہتا تھا' لوگوں کی باتیں سننے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

اسے علم تھا کہ شادی والے دن بھی وہی موضوع سخن ہوگا۔ کیونکہ سب رشتہ داروں کو علم تھا کہ ماریہ کی یاسر سے شادی ہوگی اور اب جبکہ وہ ناصر کی بن رہی تھی سب طرح طرح کی باتیں بناتے اور یاسر وہ باتیں نہ سن سکتا تھا۔

ناصر کی شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی یاسر کو ساجدہ آپا نے فون کر کے پہلے تو بھائی کی شادی پر نہ آنے پر خوب ڈانٹا اور پھر بتایا کہ ناصر بہت خوش ہے اور ماریہ بھی۔

"دیکھا میں جانتا تھا وہ خوش رہے گی۔" وہ ہنسا۔

"تمہیں نہیں پتہ یاسر جب دل مرجائیں تو اوروں کی خوشی کے لیے خوش رہنا پڑتا ہے۔" ساجدہ آپا کہہ رہی تھیں۔

"سب فضول باتیں ہیں۔" یاسر نے زوردار قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "اچھا بات تو کرائیں میری بھابی سے۔"

"وہ اور ناصر سوات گئے ہوئے ہیں۔"

"یعنی ہنی مون۔"

"ہاں...... لاہور بھی آئیں گے۔"

"موسٹ ویلکم۔"

"میں نے ماریہ کو منع کیا تھا کہ لاہور نہ جانا۔ اگر جائے تو تم سے نہ ملے مگر......"

"مگر کیا......؟" یاسر کا دل نجانے کیوں دھڑک اٹھا۔

"کہنے لگی' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون سا راجہ اندر ہے' جس نے مجھے ٹھکرایا۔"

"دیکھے گی تو غش کھا جائے گی۔" یاسر شوخی سے بولا۔

"کہیں تمہارے ساتھ ایسا نہ ہوجائے۔" ساجدہ آپا بولیں۔

"جب حشر کا وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔" یاسر ہنسا۔

"تمہاری پسند کی لڑکی جو کوئی بھی ہے بتادو اب۔" ساجدہ آپا بولیں۔

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"وقت آنے پر ہر کام اچھا لگتا ہے۔"

"تم ہمیشہ اپنی منواتے ہو۔"

"اسی میں تو مزہ ہے۔" وہ لہک کر بولا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" ساجدہ آپا ہار سی گئیں۔

"اور سنو......" جیسے کہ ساجدہ آپا کو ایک دم ہی کوئی بات یاد آ گئی۔

"کہیے۔"

"ماریہ سے کوئی غلط بات مت کرنا۔"

"ارے میں کیوں کرنے لگا۔"

"بس احتیاط کرنا۔"

"جو حکم۔" یاسر نے ہنس کر کہا اور پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ساجدہ آپا نے سلسلہ منقطع کردیا۔

اس روز یاسر ہاسپٹل سے آیا تو دینو نے اس کے فون کی اطلاع دی۔ یاسر جلدی سے پہنچا تو لائن پر ناصر بھائی تھے۔ یاسر کی آواز سنتے ہی بولے۔

"بہت برے ہو تم...... میری شادی پر نہیں آئے۔"

"یہ کام فرصت کے ہوتے ہیں مجھ سے پوچھنا تو تھا کہ میرے پاس وقت ہے یا نہیں۔" یاسر نے شوخی سے کہا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب اب بتایئے وقت ہے آپ کے پاس۔"

"نکالنا پڑے گا۔" یاسر بن کر بولا۔

"بس پھر آجاؤ' کنجوس کہیں کے' میری بیوی کے لیے اچھا سا گفٹ بھی لیتے آنا۔"

"ضروری ہے' گفٹ اچھا سا ہو۔"

"کیونکہ وہ اچھی بلکہ بہت اچھی ہے...... اور تحفہ اس کے شایان شان ہونا چاہیے۔" ناصر کی آواز میں چھنک تھی وہ بہت خوش تھا۔

"اپنی چیز ہر ایک کو ہی پیاری لگتی ہے سمجھے آپ...... خیر مجھے بتایئے کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں آپ بمعہ اپنی پیاری سی بیوی کے۔"

"فی الحال تو میں ضمیر کے ہاں ہوں۔ شام کو ہم لوگ ماریہ کی بہن فائزہ کے ہاں ٹھہریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں کل آؤں گا۔" یاسر نے کہا۔

پھر ناصر نے اسے گھر کا ایڈریس بتایا اور یاسر نے آنے کا پکا وعدہ کرلیا حالانکہ وہ بالکل فارغ تھا اس کی شام خالی تھی مگر بھائی پر رعب ڈالا تھا کہ مصروف ہوں۔

سرمئی شام پھیل چکی تھی۔ وہ سو کر اٹھا' نہا کر لباس تبدیل کیا اور پھر ناصر کو سرپرائز دینے کے لیے فائزہ سکندر کے ہاں پہنچ گیا۔ بائیک پورچ میں کھڑی کر کے وہ ملازم کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں آگیا اور چند لمحے بعد ہی کھٹکے کی آواز پر چونکا تو اس کا سر گھوم کر رہ گیا۔ دروازے میں سبز حریری پردوں کے بیچوں بیچ کالی پھول دار ساڑھی میں وہ دشمن جاں کھڑی تھی۔

آج پورے ڈیڑھ برس بعد وہ بالکل اچانک نظر آئی تھی' وہ جس کا خیال کسی لمحے بھی یاسر کے ذہن سے محو نہ ہوا تھا۔ وہ شہزادیوں کی سی چال سے آگے بڑھی تو یاسر چونکا۔

"آپ...... آپ سویٹی؟" یاسر کے لب کپکپائے' اس نے صوفے کی پشت کا سہارا لیا۔

"ماریہ ناصر......" اس کے پنکھڑی جیسے لب وا ہوئے۔

"نہیں......" یاسر کے دل میں تعمیر شدہ تاج محل دھڑام سے گرا۔ دل کی دنیا میں شور مچ گیا۔

"آپ غالباً یاسر ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ہوں......" اس نے خود پر قابو پایا۔ مگر اسے علم تھا کہ اس نے اگر صوفے کی پشت کا سہارا نہ لیا ہوتا تو یقیناً گر جاتا۔

"آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیے نا۔" ماریہ اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

یاسر نے کچھ نہ کہا بیٹھ گیا اور ماریہ کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ جواب اس کی بھابی تھی۔ بہت قریب آ کر ایک دم سے ہی دور ہوگئی تھی۔ اس لمحے یاسر کا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ ساجدہ آپا نے کتنی منتیں کیں کہ صرف ایک بار ماریہ کو دیکھ لو۔

"کاش میں دیکھ لیتا اسے...... تو آج یہ سچویشن نہ ہوتی۔ میں جس کے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا وہ تو میری ہی تھی' میں نے خود ہی کنارہ کشی کی تھی...... اف اللہ......"

یاسر نے اپنا چکراتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں یاسر؟" ماریہ کی آواز اسے دکھوں کے گرداب سے چند لمحے کے لیے کھینچ لائی۔

"آں...... کچھ نہیں۔" یاسر نے مسکرانے کی کوشش کی مگر لب کھلے ہی نہیں۔ بھلا دل میں خون کی ندیاں بہہ

رہی ہوں تو لب کیسے کھلے گے۔

"مجھے علم ہے کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" وہ ایک دم ہی نہایت بے تکلفی سے بولی۔ یاسر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"حیران مت ہو یاسر۔" ماریہ بولی۔

یاسر نے دیکھا اس کی آنکھوں کی وہ چمک ختم ہو چکی تھی۔ جس نے اسے زندگی کی راہ بتائی تھی۔ ماریہ نے جب اسے غصے سے "اسٹوپڈ" کہا تھا تو اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس نے یاسر کے دل کے دالان میں قمقمے جلا دیے تھے۔

ماریہ اب نہایت خاموشی سے ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھی۔ کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔ پھر دونوں کا دم اس خاموشی سے گھٹنے لگا۔ آخر ماریہ نے اس خاموشی کی چادر میں شگاف کیا۔

"یاسر میں نہایت سچی اور کھری لڑکی ہوں' مگر جب سے میری شادی ہوئی ہے میں اپنے خول میں سمٹ گئی ہوں۔ جھوٹ کا ملمع چڑھا لیا ہے۔ کیونکہ میری آئندہ زندگی کا انحصار اسی جھوٹ پر ہوگا..... مگر میں تم سے صرف یہ پوچھوں گی کہ مجھے ٹھکرانے کی وجہ کیا تھی؟ میری انا کی شکست ہے یاسر کہ میری طرف کتنے ہاتھ بڑھے مگر میں نے صرف اس لیے وہ ہاتھ جھٹکے کہ مجھے علم تھا کہ میں نے صرف تمہارا ہاتھ تھامنا ہے۔ بن دیکھے ہی میں نے اپنے دل کی دنیا سجالی اور بسالی اور..... اور کتنے خوب صورت خواب پلکوں پر سجا کر میں وطن آئی مگر تم نے میری پذیرائی اس طرح کی کہ میرا قصور بتائے بغیر دامن چھڑا لیا۔ میں بزدل نہیں ہوں زندگی گزر جائے گی اور شاید بہت اچھی گزرے گی' مگر ایک پھانس ہے میرے دل میں' میں وہ نکالنا چاہتی ہوں' مجھے بتاؤ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے' کیا وہ بہت اچھی ہے' بتاؤ وہ کون ہے' مجھے ٹھکرانے کا سبب بتاؤ۔" ماریہ نے یاسر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ یاسر نے نہایت زخمی نظروں سے اس کامل ہی ماریہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں نمی تھی لب کپکپا رہے تھے تب اس نے نہایت سچائی سے کہا۔

"وہ سبب تم ہو ماریہ..... صرف تم....."

"کیا مطلب؟" ماریہ یوں پیچھے ہٹی جیسے کہ بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"ہاں میں نے جب پہلی بار تمہیں بک شاپ پر دیکھا تو میرے دل نے چپکے سے سرگوشی کی کہ تم میری جیون ساتھی بن جاؤ تو زندگی کتنی خوب صورت ہو جائے گی۔ زندگی تمہاری زلفوں کی چھاؤں میں گزر کر شاداب ہو جائے اور میں نے سوچ لیا کہ اس ماریہ سلطان سے کبھی شادی نہ کروں گا جو کہ میرے نام پر لندن میں بیٹھی ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ وہ تم ہو' لوٹ آئی ہو' زیادہ تفصیل سے کسی نے نہ بتایا' میں تمہیں کھوجنے کے لیے اسلام آباد گیا مگر تمہاری جھلک بھی نہ ملی' ہاں سویٹی میں نے سوچا تھا تم جب بھی ملیں..... تو تم کو آئی لو یو کہوں گا..... چاہے تم برا مانو' تم مسز ناصر ہو مگر میں تو سویٹی کا دیوانہ ہوں' ہاں سویٹی آئی لو یو....."

یاسر نے ماریہ کے گلابی ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگالیے اور پھر کتنے ہی آنسوؤں نے ماریہ کے ہاتھ بھگو دیے۔ دونوں انجانے ہی میں لٹ گئے تھے۔

انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ لٹ جاتا ہے' تقدیر کے سامنے سب بے بس ہوتے ہیں یاسر نے آہستہ سے پوچھا۔

"ناصر بھائی کہاں ہیں؟"

"تم نے کہا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔ وہ اپنے دوست کے ہاں گئے ہیں' فائزہ آپی اور سکندر بھائی لبرٹی گئے ہیں۔"

"تم اکیلی؟" یاسر نے کہا۔

"میں تو ہمیشہ سے اکیلی ہی تھی یاسر' اب ناصر ہے اور..... اور میں خوش ہوں' بہت خوش' آج مجھے ایک اور خوشی ملی ہے کہ میں نے کسی اور لڑکی سے شکست نہیں کھائی' مجھے میرے ہی دوسرے نام سویٹی نے شکست دی ہے۔" اس کے لب مسکرائے۔

''مگر...... میں اپنی محبت کی مقدر کی شکست کا کیا کروں؟'' یاسر ٹوٹ گیا۔

''تم شادی کرلو۔'' ماریہ نے مشورہ دیا۔

''نہیں۔'' یاسر کے دل میں شگاف پڑ گیا۔

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میرا عہد ہے کہ تم نہیں تو کوئی اور نہیں۔'' یاسر نے آہ بھر کر کہا۔

''یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

''میں جذبات کو گھٹیا ترین ہتھیار سمجھتا ہوں' وقت بتائے گا تم کو۔ محبت مار دیتی ہے۔''

''پلیز یاسر۔'' ماریہ منمنائی۔

''اب تو ممکن ہی نہیں' کیا بتاؤں گا ساجدہ آپا کو اپنی پسند کی لڑکی کے بارے میں؟'' یاسر کی آنکھوں میں وحشت بھر گئی' ماریہ نے بڑی مشکل سے آنسوؤں کو پلکوں کی باڑ میں روکا۔

پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو وہ دونوں چونک گئے۔ فائزہ اور سکندر آگئے تھے۔ ناصر بھی آگئے۔ یاسر نے نہ چاہتے ہوئے بھی رات کا کھانا ان کے ساتھ کھایا۔

''بھئی تم میری بیوی کے لیے کیا تحفہ لائے؟'' ناصر ہنستے ہوئے بولا۔

''میں بذات خود ہی تحفہ ہوں۔ کیوں بھابی؟'' یاسر نے ماریہ کی طرف جھکتے ہوئے شوخی سے کہا تو ماریہ مسکرا کر رہ گئی۔

''اس شریر سے جیتنا بہت مشکل ہے ماریہ۔'' ناصر نے یاسر کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے محبت سے کہا۔

پھر ناصر نے بہت روکا اسے کہ ہاسٹل نہ جائے مگر یاسر نہ مانا اور لوٹ آیا۔ محمود اس کے انتظار میں جاگ ہی رہا تھا۔

''کہاں گئے تھے؟'' محمود نے غصے سے کہا مگر وہ محمود سے لپٹ کر بالکل لڑکیوں کی طرح رو دیا۔

''کیا ہوا؟'' اسے بزدلوں کی طرح روتے دیکھ کر محمود پریشان ہوگیا اور یاسر کو خود پر ایک دم ہی غصہ آ گیا' بھلا یہ بھی کوئی رونے کی بات ہے' ہر ایک کو تو من پسند شے نہیں مل جاتی' میں بھلا کیوں رونے لگا؟ یاسر نے زور سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''کیا ہوا دوست؟'' محمود نے کچھ اتنی محبت سے پوچھا کہ وہ اس کے خلوص کے سامنے ہار گیا۔ وہ سب سے ہر بات چھپا سکتا تھا مگر محمود کو وہ اپنے وجود کا ایک حصہ ہی سمجھتا تھا۔ اس سے کچھ بھی چھپانا ناممکن تھا۔ اسی لیے یاسر نے اسے سب کچھ بتا دیا' یاسر کے دکھ پر محمود بھی دکھی ہوگیا۔

''تمہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ایک بار ماریہ سے مل لو۔''

''سب نے کہا تھا مجھے' امی' ابو جی' ساجدہ آپا' پر ہر ایک کی خواہش تھی کہ میں ماریہ کو ایک بار دیکھ لوں' مگر یہ بھی مقدر کی بات تھی محمود...... وہ میری قسمت کا ستارہ ہی نہ تھی' اس نے تو ناصر بھائی کے آنگن میں چمکنا تھا۔ حالانکہ میں نے آنگن کی آفر بھی کی تھی۔'' یاسر کے دل میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں' پھر محمود اسے کتنی ہی دیر تک سمجھاتا رہا کہ وہ قسمت کے لکھے پر شاکر ہوجائے' ضروری نہیں کہ ہر کوئی پسندیدہ چیز اپنا بھی لے۔

''محرومیوں کے ساتھ بھی تو جینا پڑتا ہے۔'' یاسر کے لب کپکپائے۔ ''ہاں میں بھی جی لوں گا۔''

یاسر نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور محمود دکھ سے اسے دیکھتا رہا کہ کبھی کبھی انسان مقدر سے یوں بھی ہار جاتا ہے۔

زرملونی

عابدہ احمد عابی

نوے کی آخر دہائی کی صبح کا سورج دھیرے دھیرے مشرق سے سر اٹھا رہا تھا۔ گرمی کی حدت سرگودھا کی اس چھوٹی سی تحصیل میں بڑھتی جارہی تھی۔ وہ ابی کے ساتھ مارننگ واک سے واپس آئی ان کے تیز قدموں کا ساتھ دیتے میں ہلکان ہوئی جارہی تھی۔ اپنی گلی کا موڑ مڑتے ہی ابی کی رفتار چیونٹی کو بھی مات دینے لگی تھی۔

"بھاگاں والیو...... نام چپو مولا نام...... مولا نام......"

ابی کی بھرپور، تازگی بھری صدا اس محلے کی اس بڑی سی گلی میں گونجی تھی۔ رات کو گلی میں ایک لائن میں لگی چارپائیوں پہ سوئے کسمساتے جوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کو جگانے کے لیے یہ صدا کافی تھی یہ نماز کا اشارہ تھا۔ کئی مرد نماز کی تیاری کرنے اندر گھروں کو بھاگے۔ یہ اس محلے کے کیا بلکہ تحصیل کے مشہور حکیم خلیل اللہ تھے۔ عمر کی ساٹھ دہائیاں گزار کر اب سترھویں کی سیڑھی چڑھنے کو تیار لیکن بلا کے چاق وچوبند تھے۔

"او چاچا جی...... آپ کیوں نور تڑکے ویلے جاگے ہوؤں کو جگانے آجاتے ہو؟" ایک جھنجلائی ہوئی سی آواز آئی۔ ابی مسکرائے تھے۔ اس نے ابی کے ست پڑتے قدموں کو دیکھ کر اپنی رفتار تیز کرلی یہ کہتے ہوئے کہ۔

"ابی...... میں چلوں آپ کو تو یہاں ٹائم لگ جائے گا۔" اور ابی اب پوری طرح تیار تھے اس جوانی کی لے پہ مست ناچتے نوجوان کی کلاس لینے کو۔ ابی نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر مسکرا کر آواز کی سمت ذرا سی گردن موڑی۔

"او پتر...... آکھ کھلی ہونی کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ جاگ رہا ہے۔ میں تو بھاگاں والیوں کو جگا رہا ہوں۔ تو سو جا دوبارہ اپنے نصیب کی طرح۔" چارپائی پہ لیٹے وجود کی طرف دیکھ کر ٹھنڈے میٹھے لہجے میں کہا گیا یہ جملہ اس کے سر پر سے گزرا تھا۔

"پا...... اس کم باخت (کم بخت) کو چھوڑ۔ یہ تو ویلا مسٹنڈا ہے۔ نہ کسی کام جوگا نہ ہی نماز قرآن جانے......" یہ آواز قطار میں بنے گھروں میں سے ایک میں سے نکلتی ہاتھ میں میٹھی لسی کا جگ اور دوسرے میں گلاس پکڑے اس ویلے مسٹنڈے کی ماں (مینا بیگم) کی تھی۔ معلوم پڑتا تھا کہ ناکوں ناک آئی ہوئی تھی وہ اپنے سپوت سے۔

حکیم خلیل اللہ ذرا سا مسکرا کر کسی معمول کی طرح اسی مسٹنڈے کی چارپائی کے کنارے ٹک گئے اور مینا بیگم نے جھٹ سے اسٹیل کے چمکتے دمکتے (خاص حکیم جی کے لیے مخصوص) گلاس میں لسی انڈیلنی شروع کردی۔

"بے بے...... ساری کیا حکیم جی کو ہی لسی پلا کر ٹھنڈا کردے گی؟ کہ ہمارے اوپر بھی رحم کرو جناب عالی......" اسی مسٹنڈے نے چڑانے والی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کر بے بے کو دیکھا جو کہ "ہونہہ" کہہ کر سر جھٹک ان سنی کردی گئی۔

"چل...... بوحتی بکواس نہ کر جا کے بوتھا دھوتا کہ تجھے کچھ ہوش آئے۔ نیش نہ ہوتو۔" حکیم صاحب سے مزید لسی پینے پہ اصرار کرتی بے بے نے اس کو لتاڑا تھا۔ جواب بڑے مدہوش انداز میں سینے پہ ہاتھ دھرے یک ٹک سامنے والے گھر کی چھت پہ نظریں جمائے لیتا تھا۔ جہاں پہ دیوار کی اوٹ سے جھانکتا میک اپ سے سجا چہرہ مسکرا مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں سرگوشیاں کررہا تھا۔ حکیم جی نے ہاتھ کے اشارے سے مینا بیگم کو دوسری بار گلاس

بھرنے سے روکا۔

"وے...... آسمانوں سے کیا پری اترے گی تیرا بوتھا دھلانے۔ چل اٹھ کہ اٹھاؤں جوتی۔" نیش ٹس سے مس نہ ہوا تو مینا بیگم نے اپنی کراری آواز میں اسے دھمکی لگائی اور عملی طور پر اپنے کہے کی لاج رکھنے پاؤں میں پہنی سوفٹی اتارنے کو جھکیں۔

"ہائے......اوئی......" اگلے ہی پل وہ منہ سے مختلف آوازیں نکالتی پیر پکڑے چارپائی پہ لڑھک سی گئیں۔

"مینا بیگم...... کہتے ہیں کہ گونگے کی رمزیں اس کی ماں ہی جانے۔ خیر نال جوان بیٹوں کی ماں ہے تو سمجھ ان کی رمزیں۔ سارا محلہ سمجھ گیا تو ابھی تک گواچی گاں کی طرح بوھے بوھے پھر رہی ہے۔ پتر کی صلاح لے لے۔ تیرے پیروں کا چکر تو ختم ہو تو ایڈی (ایڑھی) کا درد بھی دم دبا کر بھاگے۔" جانے کو پر تولتے حکیم جی نے یہ بات کہہ کر جیسے مینا بیگم کے سہوت کی مشکل حل کی۔ اس نے ممنون نظروں سے انھیں دیکھا اور پھر اس کو جو کب سے گھر کی چھت پہ بنے پانچ فٹی دیوار سے چپکی اس کے نظروں سے تحسین سمیٹ رہی تھی۔

"حکیم جی...... مرن چوگھاٹ (چارپائی) پہ بیٹھی ہوں۔ کبھی اس بیچ فٹی کو اپنی نوں نہیں بناؤں گی۔" جیسے جلتے توے پہ پانی کا قطرہ ٹپکائیں تو وہ چھل چھل اچھلتا ہے ویسے ہی مینا بیگم کو تاؤ چڑھا تھا۔

"پوار محلہ ان کو موم بتیاں یونہی نہیں کہتا تھا...... پتہ نئی کہاں کہاں چانن کیا ہوا ہے۔" مینا بیگم کو محسوس ہی نہ ہوا حکیم صاحب کب کے اپنی بات کر کے جا چکے تھے اور وہ ابھی بھی منہ اونچا کیے بولتی طبل جنگ بجائے جا رہی تھیں۔ جہاں سے اس نازنیں کا سر غائب ہو چکا تھا۔

"وے نیشا...... یہ نہ سمجھ کہ میری ان آنکھوں پہ کھوپے (چشمے) چڑھے ہوئے ہیں اور مجھے نظر نہیں آتا سب جانوں ہوں۔" اب بیٹے کی شامت آئی تھی جو دوسری طرف کروٹ بدل کر کھیس تان چکا تھا۔ جانتا تھا کہ اب اماں کی زبان اس کے اپنے قابو میں بھی آنے والی نہیں تھی۔

☆☆☆

"پھوپو...... آپ پھر آ جائیں گی نا چھٹی کے وقت۔" چاروناتواں، جواں سی بچیاں اس چھوٹے سے قد اور فربہی جسم کی تیس، بتیس سال کی عورت کے دائیں بائیں چلتی اس کی رفتار کا ساتھ دینے میں ہلکان ہوئے جا رہی تھیں۔ جب ان میں سے ایک مسکین سی شکل والی نے پوچھا۔

"پہلے کبھی ناغہ ہوا ہے میرا جو آج کروں گی۔" چہرے پہ نرمی اور آواز خاصی کرخت تھی۔ شاید اس کی تسلی ہو گئی تھی اس لیے گہرا سانس خارج کیا۔

"چلو اسکول آ گیا...... ڈرنے کی بات نہیں۔ کل کی دھلائی کے بعد ادھر آنے کی ہمت نہیں کریں گے پلے۔" اسی لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اسے تسلی دی۔ تو وہ سب سر ہلاتی، مریم کو کورس میں سلام کر کے اسکول کا گیٹ پار کر گئیں۔

مریم وہیں کھڑی پہلے تو ان کو آدھ کھلے گیٹ سے اسکول کی لمبی سی روش پہ چلتا دیکھتی رہی اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو گردن گھما کر سارے روڈ کا بھرپور جائزہ لیا جبکہ ذہن کی اسکرین پر کل کا واقعہ پورے سیاق و سباق سے چلنے لگا۔

اپنے جلو میں ان چاروں کو حسب معمول اسکول چھوڑنے جانے والی پھوپو (مریم) کو راستے میں ہی محلے کی ایک عورت آ ٹکرائی اور اپنے کسی گھریلو مسئلے کا ذکر کرنے لگی۔ مریم نے ان چاروں کو آگے چلنے کا اشارہ کیا اور خود وہیں کھڑی ہو کر اس سے بات کرنے لگی۔ البتہ کبھی کبھی بات کرتے اچٹتی نظروں سے لڑکیوں کو بھی دیکھ لیتی جو کہ اب مین روڈ پہ جا کھڑی ہوئی تھیں۔

اچانک ہی وہ ہوا تھا جس نے ایک پل کو تو مریم سمیت اس سڑک پہ چلتے ہوئے ہر شخص کو حیرت کا شدید جھٹکا دیا تھا۔ سڑک کنارے کھڑی پھوپو کا انتظار کرتی ایک دوسری سے خوش گپیوں میں مصروف ان چاروں میں سے سب سے چھوٹی (عائشہ) کے سر پر آسمان ٹوٹا تھا۔ مخالف سمت سے موٹر سائیکل پہ آنے والے لدوا باشوں میں سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پیچھے بیٹھے لڑکے نے اپنی دھن میں مگن لڑکیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر سے لپٹی چادر کھینچ لی تھی۔ اس کی چیخ اور ان لڑکوں کی مستی بھری آوازیں ایک ساتھ ابھری تھیں۔ سارا ماحول اس لمحے کے طلسم کی زد میں تھما گیا تھا۔ اگلے ہی پل کئی غیرت مند اس منظر کی تاب نہ لا کر ان کے پیچھے للکارتے دوڑے تھے۔ اوباشوں نے اپنی موٹر بائیک روڈ سے متصل بھیڑی (تنگ) گلی میں شارٹ کٹ کا سوچ کر موڑ دی۔ جہاں پہ مریم ساکت سی کھڑی یک ٹک انہیں گھور رہی تھی۔

پچھلی سیٹ پہ موجود لڑکے نے عائشہ کا چھینا گیا دوپٹہ اپنا ہاتھ اوپر کر کے گول گول گھماتے ہوئے پیچھے پھینک دیا دونوں کے قہقہے اور ہو ہا سے گلی میں ایک شور سا مچ گیا تھا اپنے پیچھے بھاگنے والوں کا اپنی سواری کی رفتار سے موازنہ کرتے ہوئے ان کے دلوں میں عجیب سی گدگدی ہو رہی تھی۔ بائیک کی رفتار ان دو خواتین کے پاس پہنچ کر ذرا تھمی تھی کہ اب ان پہ ناگہانی آفت ٹوٹ پڑی ان بے ضرر سی خواتین میں سے ایک (مریم) نے دونوں ہاتھ اٹھا کر پوری قوت سے آگے بیٹھے ہوئے لفنگے کو دھکا دیا تھا اس کے اوسان اس بلائے ناگہانی سے ایک پل کو خطا ہوئے اور پھر وہ بائیک کا کنٹرول کھو بیٹھا اور دوسرے ہی پل وہ دونوں زمین بوس ہو گئے تھے مریم کے ساتھ کھڑی عورت بھی غصے سے بھری ان دونوں پر جوتوں سے پل پڑی تھی پیچھے بھاگے آنے والے بھی سر پہ آ پہنچے تھے۔

.......☆☆☆.......

"کہاں سے آ رہے ہو؟" لال (غصے کا رنگ) چہرے اور کرخت آواز میں بانو بیگم نے گھر میں داخل ہونے والے سپوت سے پوچھا تھا۔ ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ماں کا غصہ اسے سمجھتے دیر نہ لگی۔ ایک گہرا سانس بھرا۔

"تو خبر مل گئی آپ کو؟" اس نے ان کے قریب رکھے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔ جس پہ اب سے کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنی راولپنڈی والی بہن سے بات کر کے فارغ ہوئی تھیں۔

''منع کیا تھا نا میں نے تمہیں...... آخر تم اتنے ضدی کیوں ہو؟'' غصے سے زیادہ وہ عاجز آئی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''ضد تو آپ کر رہی ہے والدہ ماجدہ...... آپ کو میں بارہا اپنا موقف سمجھا چکا ہوں لیکن آپ......'' نرم لہجے میں وہ ہر بار کی دہرائی بات کر رہا تھا۔

''دیکھو ضیاء لایعنی بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں تمہاری پسند کی کوئی ملانی ٹائپ بہو ہرگز برداشت نہیں کر سکتی...... اور ایسا نمونہ ملنا بھی محال ہی ہے تو پھر رابی (بھانجی) سے بہتر لڑکی تمہیں نہیں مل سکتی۔'' انہوں نے اسے بہلانے کی ایک اور بے سود کوشش کی۔

''یہ صرف آپ کی خام خیال ہی ہے کہ کوئی نہیں مل سکتی۔ اور اگر کوئی نہ بھی ملے تو میں رابی جیسی لڑکی سے بیاہ رچا کر اپنے آنے والے بچوں سے زیادتی نہیں کر سکتا۔'' وہ اطمینان سے ان کے سامنے والے صوفے پہ بازو پھیلائے بیٹھا تھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا اس...... 'جیسی' سے...... کیسی ہے وہ ہاں؟'' ان کا پارہ چڑھا۔

''میرے خیال میں اس سوال کی گنجائش ہی نہیں بچتی آپ اور خالہ دونوں جانتی ہیں کہ میرا اپنی ہونے والی بیوی سے متعلق ایک بالکل مختلف نظریہ ہے۔ پھر خوامخواہ کی یہ ضد؟'' وہ بڑے رسان سے کہہ رہا تھا اور اپنی ماں کے چہرے کے بدلتے تاثرات بھی اس کے پیش نظر تھے۔

''میری طرف سے یہ ڈھول آپ اور آپ کی بہن جس کے مرضی گلے میں ڈال دیں۔'' اپنی بات جاری رکھی۔ دوٹوک، سنجیدہ لہجہ تھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟ ہاں......'' شدید غصے میں آ کر وہ بات کرنے کے قابل کہاں رہتی تھیں یہی اب ہوا تھا۔

''مطلب صاف ہے امی جی...... مجھے رابی سے شادی کرنی ہی نہیں کوئی تک نہیں بنتی اس رشتے کی۔'' پُرسکون سا بیٹھا صوفے کی ہتھی کو انگلیوں سے بجا رہا تھا۔ بانو بیگم کے سر میں دھماکے شروع ہو چکے تھے۔ اس لڑکے نے ہر جگہ یونہی ذلیل کروایا تھا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہے...... حاجی صاحب کی۔ ذہن میں کثیف خیالات کے بادل چھا چکے تھے۔

''تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ سارے خاندان میں ایک راشی (رابی کی امی) کے سوا کوئی تمہیں بیٹی دینے کو تیار نہیں۔ اور شرطیں اور نخرے دیکھو بھنے خان کے۔'' غصے کی شدید لہر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ چکی تھی اب کہیں کہیں غصہ انہوں نے ضرور دکھانا تھا۔ کہ اپنے اس اکلوتے سپوت سے وہ کسی معاملے میں بھی زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتی تھیں اور یہاں تو وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ وہ کیوں رابی جیسی ماڈرن اور خودسر لڑکی سے شادی کے نام پر رسے تڑوانا شروع کر دیتا تھا لیکن بہن کے آگے سبکی ہونے کے ڈر سے وہ اسے اب تک سمجھاتی آ رہی تھیں...... لیکن وہ ضیاء ہی کیا جو کسی اور کی عقل کا چراغ اپنے آگے جلنے دے......

آج خود اس نے اپنی خالہ کو فون کر کے رابی کے لیے کوئی اور بر تلاشنے کا کہہ دیا تھا اور فون پہ اپنی بہن سے ان کی کافی منہ ماری ہوئی تھی۔ بچپن کی منگ کو بھی بھلا کوئی یوں دھتکارتا ہے؟

''میں بہت خوش ہوں کہ آپ کا پورا خاندان ماشاء اللہ اس معاملے میں بڑا سمجھدار ہے اور اپنی اوقات پہچانتے ہیں۔'' زیرلب مسکراہٹ ڈاڑھی سے سجے چہرے پہ ڈیرہ جمائے بیٹھی تھی۔ بانو بیگم کو پھر سے پتنگے لگنا شروع ہو گئے تھے۔

''بہت ہی کوئی ٹیڑھی کھیر ہو تم پتہ نہیں کس پر گئے ہو...... بہرحال شادی تو تمہاری میں نے رابی سے ہی کرنی ہے چاہے جتنے مرضی رسے تڑوالو'' اب سکون میں آنے کی باری ان کی تھی ٹانگ پہ ٹانگ جما کر نظریں اس کے چہرے پہ گاڑیں۔ جہاں ہنوز سکون تھا۔

''پیاری امی جی...... میں کوئی پندرہ سالہ لڑکی نہیں جسے آپ ڈرا دھمکا کر ڈولی چڑھا دیں گیں۔ مرد ہوں میں وہ بھی تحمل و شعور رکھنے والا...... شادی تو میں اپنی پسند سے

ہی کروں گا یا پھر آپ کوئی ڈھونڈ لائیں میری مطلوبہ بیوی۔'' چیلنج کرنے والے انداز میں اپنی بات مکمل کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹا یہ بیسویں صدی ہے کوئی پتھر کا دور نہیں کہ پانچ وقت کی نمازی، باپردہ، سمجھدار لڑکی اٹھا کر تمہاری سیج پہ لا بٹھاؤں۔ یہی تمہاری لن ترانی رابی کے بارے میں بھی ہے وہ کیوں کرے خود کو تبدیل؟ شوہر بننے کی تیاری کرو داروغہ جہنم نہیں۔'' بانو بیگم نے اپنے تئیں اس کی بے عزتی کی تھی اتنی باتیں سنا کر۔ لیکن جب وہ بولا تو ان کا غصہ سے مزید خون کھول اٹھا۔

''امی جی...... سو باتوں کی ایک بات آپ اپنی ماڈرن بھانجی کا گھر کسی اور سے بیاہ کر آباد کردیں کیونکہ میرے ساتھ تو بقول اس کے اور آپ کے اس کی بربادی ہی ہے۔ جیسے میں نے اپنی بیوی کو رکھنا ہے اس سے بہتر آپ کی بھانجی پنکھے سے لٹکنا مناسب سمجھے گی۔'' مزے سے اپنی بات کر کے وہ جاچکا تھا۔

''میں دیکھتی ہوں کیسے لاؤ گے تم اپنی مرضی کی دلہن اس گھر میں...... میرا گھر ہے یہ میرا...... ایک سیکنڈ میں بوریا بستر باہر پھینک دوں گی۔'' اسے یوں آرام سے جاتا دیکھ کر بانو بیگم کا غصہ پھر سے عود کر آیا تھا۔ وہ چیخی تھیں۔

......☆☆☆......

نام تھا اس کا مریم۔ اپنے ابے کی چھٹی اولاد...... پانچ بیٹوں پر اور بڑھاپے میں ملنے والی بیٹی کی نعمت۔ ابا نے رج رج کر سارے محلے میں لڈو بانٹے تھے اتنے کہ سارا محلہ کئی دن تک سیر ہو کر کھاتا اور سر دھنتا رہا تھا ابے کی سخاوت پر۔ اس کی پیدائش کے وقت اماں جو کہ ابا کی چوتھی بیوی تھی وفات پا گئی تھی ابا (بلال میاں) بڑے رنگین و سنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ پہلی شادی بڑی امی (فرسٹ کزن) سے بڑی دھوم سے رچائی تھی۔ دادا ابا (شجاعت حسین) ایک لمبے عرصے تک معاش کی جدوجہد میں لڑکھڑاتے رہے۔ ایک چھوٹا سا کٹ پیس کپڑوں کا تھڑا تھا ان کی ملکیت جہاں وہ کٹ پیس ہر ہفتے سے جمعرات تک لگاتے اور پھر جمعہ سارا سائیکل کے کیرئیر پر تھان اٹھائے پھرتے۔ چار لڑکے اور بیوی کا ساتھ۔ کنبہ بڑا آمدنی کم۔ بڑے ہاتھ پیر مارے۔ کہ روزی تھوڑی سی تو بڑھے سارے حیلے کرلیے۔ پیروں سے لیے روزی میں برکت کے تعویذ سب اکارت رزق کو چیونگم کی طرح تھوڑی کھینچ کر بڑھایا جاسکتا ہے۔ ساری بھاگ دوڑ کے بعد یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اس کے پیرو ہیں تک بھاگیں گے جہاں تک رزق کی حد ختم ہوتی ہے۔ نہ وہ اس حد سے بڑھ سکتا ہے جب تک ایک ''کن'' نہ ہوجائے۔ صبر کر کے شکر کا ٹکر کھانا شروع کردیا سب سے بڑا بیٹا بلال جب باپ کے قد سے اونچا ہوگیا تو انہوں نے پکڑ کر کٹ پیس کے تھڑے پر جا بٹھایا۔

''اب تو سنبھال تھڑا۔ میری تو یہاں بیٹھ بیٹھ کر ہی جم گئی سالوں سے۔'' دادا مسکرائے تھے۔ سیدھا وقت اور سادے لوگ تھے۔ ابا چپ کر کے تھڑا سنبھال کے بیٹھ گئے اور پھر تو جیسے رب نے ہاتھ تھام لیا اور دادی کی یہ بات کہ ''بلال کے ابا...... ہمارے چولے کی طرح تیرا نصیب بھی ٹھنڈا ہی ہے۔'' دادا کو سولہ آنے سچ لگی پہلی بار کہ ابھی کچھ مہینے پہلے ہی تو بلال نے تھڑا سنبھالا تھا اور اس کے نصیب کی برکت ان کے گھر کی ظاہری حالت سے بھی عیاں ہونے لگی تھی۔ دو چار مہینے اور گزرے تو دادا دادی کو ابا کی شادی کا سیاپا پڑ گیا۔

اماں نے یونہی منہ دیکھے کو ابا سے پسند پوچھی ابا نے بے شرمی سے (دادی کے نزدیک) اپنے چاچے کی کلثوم کا نام لے دیا۔ خیر دادا دادی نے ابا کے نام کا سکہ چچا کے گھر پھینکا جسے انھوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اب تو منڈے کا کاروبار چل نکلا تھا۔ بڑا بختوں والا تھا بیٹی اس کے پلو باندھ اچھے نصیب کی دعا دے کر رخصت کی۔ جلد ہی اللہ نے پہلے بیٹے سے نوازا جہاں کلثوم کا سر غرور سے اونچا ہوا وہیں ابا کے چوڑے سینے میں ایک اور عشق آ سمایا۔ وہ بھی کلثوم کی سہیلی اور دونوں کی پھوپو کی بیٹی خالدہ سے۔ ابا اس کے فراق میں پاگل تو وہ بھی ابا کے وصل کی آگ میں

بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔ ابا شروع سے ہی من مانی کرنے اور اپنی چلانے والے تھے۔ اماں کے کان میں اپنی اور خالدہ کی بات نہیں گویا پگھلا سیسہ انڈیلا تھا۔

"کیا.....!" وہ چیخی تھیں۔

"تو بوٹی تو پی کر نہیں آیا کہیں؟" دادی کو ابے کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

"او ہو اماں..... کلثوم والے ڈرامے تو تو نہ شروع کر۔ پھوپو کے گھر سوال ڈال میرا بس۔" ابا جھنجلایا تھا۔

"تو گھاس چر گیا ہے کیا؟ شادی شدہ ایک پتر کا پیو اور میں تیری پھوپو کے گھر سوال ڈالوں تیرا۔ کیوں رشتوں میں کوڑ ڈال رہا ہے؟" دادی ہکا بکا سی تھیں۔ یہ کیسی بات کردی تھی لالے نے۔ انھیں سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"اماں..... تو جا تو سہی۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ بات کرلی ہے میں نے پھوپو اور پھپا دونوں سے..... بس اب تو نے اور ابے نے پھیرا ڈالنا ہے ان کے گھر اور گل پکی۔" منہ سے چچ کی آواز نکالی تو اماں نے ابا کی عمر کا لحاظ کئے بغیر جوتی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

قبل اس کے کہ اماں چپل اتار کر ابا کی طرف اچھالتی ایک ہلکی سی سسکاری بھری چیخ ان دونوں کے کانوں میں پڑی بیک وقت دونوں نے گردن گھما کر صحن کے ستون کی آڑ میں کھڑی کلثوم کو مختلف تاثرات سمیت دیکھا تھا۔ مطلب اس کے کانوں میں بات پڑ گئی تھی۔ ازحد شرمندگی اماں اور "چلو" خود ساختہ بے نیازی ابا کے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

"کیوں صاحب؟ ایسا کیا گناہ کردیا شادی کے دو سالوں میں کہ آپ مجھ پر سوکن کی لعنت ڈالنا چاہتے ہیں اور سوکن بھی کون..... میری گوڑی سہیلی؟" شاید صدمے سے کلثوم کی آواز بیٹھ چکی تھی یا دنیا کے سننے کے خوف سے آواز دبائی تھی۔

"چل..... اب تو شروع ہوجا..... نہ میں ایسی کون سی توپ تیرے پہ چلانے لگا ہوں کہ بین ڈال کے بیٹھ گئی ہے۔" کلثوم کی آنکھ میں دو آنسو کیا چمکے کہ ابا پہ بیزاری کا حملہ ہوا تھا اسے روتی ہوئی عورت مگرمچھ ٹائپ کی ہی کوئی چیز لگا کرتی تھی۔

"میں بھی اس ناس پیٹے کو یہی سمجھا رہی ہوں کیوں قیامت اٹھا رہا ہے پورے خاندان میں؟" اماں جیسے عاجز آ کر بولی تھیں۔

"کیا مصیبت ہے؟ میں بتا رہا ہوں اس ہفتے کے آخر تک نکاح کی تاریخ آجانی چاہیے ورنہ میں خود اسے اس گھر میں لے آؤں گا دو بول پڑھا کر۔" اماں کی ناراضی اور کلثوم کے آنسو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھتا وہ ہوا ہو چکا تھا۔ پیچھے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنے اپنے انداز میں آنسو بہانے لگیں۔ ایک نے منہ دوپٹے میں چھپا لیا تو دوسری ستون سے لگ کر رونے لگی۔

......☆☆☆......

پھپا، پھوپو کو بڑے جتنوں سے اس نے راضی کیا تھا اور پھر جیسے اس کا کاروبار جو اب تھڑے سے ایک بڑی دکان میں منتقل ہو چکا تھا۔ قلانچیں بھرتا امارت کی منزلیں طے کر رہا تھا خاندان میں کئی لوگوں کی رال ٹپکنے لگی تھی لڑکیاں سب کی بیاہنے لائق ہی تھیں۔ کاش کہ کلثوم کی بجائے میری سے ہو جاتا اس کا نکاح۔ یہ خواہش پھوپو کے دل میں بھی مچلی تھی لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ سنا تھا اس نے کلثوم کو پسند کیا تھا اب پسند کے آگے ضد نہیں چلتی وہ بھی کسی دوسرے کی..... اس لیے بھائی کا جذباتی استحصال کرنے کا سوچتی پھوپو نے اس خیال پہ ہی مٹی ڈال دی تھی۔ جب بیٹی نے ایک دن اپنے دل میں دبی راکھ میں پیار کی چنگاری کا رولا ڈالا۔ پہلے تو پھوپوس کے گھبرائی دو ہاتھ بھی جڑے بے حیاء کو۔ خاندان کا خیال کلثوم کے باپ کا خوف۔ پر اس سب کو لالے نے ایک ہی جھٹکے میں پھوپو کی سونی کلائیوں میں پیلے موٹے کڑوں سے بھر کر باہر کا راستہ دکھا دیا۔ بظاہر نہ..... نہ کرتی پھوپو نے اپنے پیچھے سے سرتاج کی آواز آوئے لے لے تیرا اپنا پتر ہے۔ کیا تو توقیر کو نہ کرتی تحفہ دینے سے۔" سن کر جھٹ کڑے کلائیوں میں سجا لیے تھے۔ سارے واہموں اور خاندان

کے خوف پر پیلا رنگ غالب آ گیا تھا۔
"بہت دے رہا ہے اللہ لالے کو۔ ہماری خالدہ کے ساتھ ہمارا بھی بھلا ہو جائے گا۔ کوئی اچھا پھل' کپڑا لتھا ہمیں بھی مل جایا کرے گا جوائی کے گھر سے۔" پھپا کے منہ میں کڑے دیکھ دیکھ کر ہی پانی بھر آ رہا تھا۔ بیوی کی بانہہ پکڑ کر کڑے ایک دوسرے میں بجا کر جانے کس شے کا سواد آیا تھا دونوں بے اختیار ہنسے تھے۔
"پر پھپو...... وہ وڈے پائی نے یہ ہونے نہیں دینا۔" پھوپو کا اندیشہ پھپا نے ہوا میں اڑا دیا۔
"او چل...... کس میں دم ہے جو یہ ہوا کے بگولے (بلال) کو روکے۔ وہ بھی ہماری طرح بیٹوں کا محتاج نکلا۔ کیا کرلے گا سوائے آسمان پہ تھوکنے کے جو سیدھا اپنے بوتھے پہ ہی آ کے گرتا ہے۔" گہرائی والی بات کی تھی پھپا نے اور ہوا بھی یہی تھا۔

......☆☆☆......

شور تو سارے میں بڑا مچا تھا لعنت، اللہ خوفی کی کئی آوازیں، دھمکیاں، قطع تعلقی کی وعید۔ پر لالے کی سب پہ لات تھی۔ پورے خاندان کی ہر قسم کی مالی مدد کو وہ ہر وقت تیار تھا راشن و دیگر سامان جب چاہے جو چاہے گھر سے آ کر لے جاتا۔ خاندان والوں کو ادھار دے کر وہ شاید بھول ہی جاتا تھا۔ سب تھوڑا بہت سمجھا ڈرا کر نکاح میں شرکت کرنے چلے آئے۔ اپنے پیٹ پہ کون لات مارتا۔ کتنے تو خاندان کے لڑکے اس کی دکان میں کھپے ہوئے تھے۔
"دوسری چھوڑ دو اور کر سکتا ہے...... بڑا دیا ہے اللہ نے۔" خاندان کے چیدہ چیدہ افراد نے ہاتھ جھاڑ کر متفقہ عندیہ دیا۔
کلثوم روٹھ کر میکے جا بیٹھی۔ سب کی منت ترلہ ہر چیز اکارت۔ ماں باپ نے پتھر سے بھاری بیٹی کو بھاری دل سے چند دن کا سوچ کر رکھ لیا کہ غصہ اترے گا غم غلط ہوگا تو چلی جائے گی۔
"مچھلی پتھر چاٹ کر ہی واپس آتی ہے ابھی تو چپ کر تھوڑا غم غلط ہونے دے اس کا۔ چلی جائے گی۔"
کلثوم کی ماں کے اس مشورے کے جواب میں کہ اسے زبردستی واپس بھیج دیتے ہیں اس کے ابا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔
"مرے کا سوگ تین دن کا ہوتا ہے پر جس عورت پر سوت آ جائے وہ اپنی زندہ میت اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے۔ کبھی دفن نہیں کرتی۔ اس کے بین اس کے اندر ہی کرلاتے رہتے ہیں اس کا سوگ ختم ہی نہیں ہوتا۔ وہ کبھی اس سوگ سے باہر نہیں آ سکتی......" لالے نے ایک دو بار کلثوم کو منایا۔ پر پکی لکیر تھی اس کی پتھر پہ۔
"نہیں" اور وہ "نہ ہی"۔
اللہ حوالے کر کے نئی بیوی کے چونچلوں میں مصروف ہو گیا۔ خیر قصہ مختصر۔ سال بعد بجھا بجھا کر اس کا باپ لالے کے گھر کی دہلیز تک لے آیا۔ یہ لمبا پینڈا تھا۔ وہ بھی جل جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ اب تو اندر صرف دھواں ہی تھا...... دونوں سوکنوں میں اینٹ کتے کا بیر تھا اور یہ بیر تب تک رہا جب تک ابا کو تیسری عورت کے عشق کے بھوت نے تھا تھیا نچا نہیں دیا۔ ایک بار پھر سارے میں فیل مچا اب کی بار روٹھنے کی باری خالدہ کی تھی۔ جسے اس کی سمجھدار ماں شام سے پہلے جن پیروں آئی تھی انہی پیروں چھوڑ گئی۔ ابا تو اپنی عشق کی مستی میں گم تھا اسے کیا خبر تھی کہ کون کس کرب سے گزرا؟ کس کے اندر ایک جیتا جاگتا وجود مر گیا؟ تیسری بھی چلی آئی اور پہلی دو کو یہ عقل بھی کہ یہ کسی گھڑے کا چین نہیں۔ ایک دوسرے سے بیر رکھنے کا فائدہ نہیں۔ دماغ کا بند در کھلا تو دل میں ایک دوسرے کے خلاف بھری گھٹن کو باہر کا راستہ مل گیا۔
"اب نہیں لڑیں گی کبھی۔" مشترکہ معاہدہ ہوا جس کو نبھانے میں دونوں نے جان لڑا دی۔
شوہر سے جو ایک بیوی کو امیدیں ہوتی ہیں ان کا گٹھڑ اٹھا کر پڑچھتی پہ پھینکا اور شانت ہو گئیں۔ تیسری جانے کس قبیلے سے تھی۔ وہ دونوں اس کی آنکھ میں تنکے کی طرح کھٹکتی۔ ابا کو خوب کانا پھوسی کرتی کہ کسی ایک بلا سے تو جان چھوٹے۔ پر وہ ابا ہی کیا جو کسی کے کہے میں آ کر

دوسری پر چڑھائی کرے۔ کتنے نشانے پہ پکے بیٹھنے والے تیر رائیگاں گئے۔ ابا میں نہ شک تھا اور نہ وہ لائی لگ۔ تیسری اسے "بونڈو" کے خطاب سے نوازتی' جھلاتی۔ ابا سب کو دو دو رات دیتا اور دن کا ٹائم سارے گھر میں گھوم پھر کر گزارتا (کسی مرغے کی طرح) کہ پہلی دو کے ساتھ اس کے بیٹے تھے جبکہ تیسرے بوٹے پہ ابھی کوئی کونپل نہ پھوٹی تھی۔

اور اس بوٹے پہ کوئی پھول کھل بھی کیسے سکتا ہے جسے حسد کے زہریلے پانی سے سینچا جا رہا ہو۔ قصہ مختصر ابا کا گھر تین تین بیویوں اور پہلی دو کے بچوں اور ان کے بچوں سے گزرتے وقت کے ساتھ بھر چکا تھا۔ بیویوں کی کھینچا تانی اور مکروں سے بے نیاز عمر کی سیڑھیاں طے کرتے کرتے پچاسویں سن کے وسط میں پہنچ چکے تھے۔ تینوں بیویاں سالہا سال "اب ایک اور آئی کے" عفریت سے بھی باہر نکل آئیں تھیں کہ ابا کو پشاور چچا کے پاس جانے کی سوجھی۔ چچا (خلیل اللہ) جو سالوں پہلے گھر سے حکمت سیکھنے نکلے تھے۔ کبھی کسی بہانے تو کبھی کوئی عذر غرض کے وہیں کے ہو رہے تھے۔ شادی ابھی تک کی نہ تھی اور نہ کرنے کا ارادہ تھا۔ صوفی طبیعت، دوسرے ذمہ داریاں اٹھانے کی سکت خود میں نہ پاتے۔ اکیلے کھکیلے جہاں منہ اٹھتا چل پڑتے۔ بڑے بھائی کی ہمت کو خوب داد دیتے اتنی بیویاں اور بچے اور ان سب میں انصاف کرنے کی بیشمار نصیحتیں دادی اماں کے مرنے سے دو دن پہلے پہنچے اور تدفین کے فوراً بعد پھر سے پشاور جا بسے۔ جہاں ان کا اپنا مطب تھا۔ ماں باپ بھائی سب حربے آزما چکے تھے کہ خدارا یہاں آ کر بڑا سا مطب بنا لو لیکن جانے پشاور میں ایسی کون سی کشش تھی جو انہیں باندھے ہوئے تھی۔ بہرحال سال آدھ میں بھائیوں میں سے کوئی جا کر چکر لگا آتا۔ اب کے برس ابا نے جانے کی ٹھانی تھی۔

جوانی کا گھوڑا کب کا تھک کر سر نیہوڑائے پڑا تھا۔ اب کیا خطرہ ہو سکتا تھا؟ سو سب نے ہنسی خوشی ابا کو وداع کیا واپس آئے تو کیا کمال کر لائے تھے ایک سائیڈ پہ چچا اپنا ساز و سامان تھامے کھڑے تھے تو دوسری سائیڈ پہ دبلا پتلا، سفید ہاتھوں پیروں والا نسوانی وجود۔ جملہ افراد خانہ نے اس انکشاف کے بعد کہ ابا کی چوتھی بیوی ہے انگلیاں چبا ڈالیں۔ ساتھ چچا کے بھی لتے لے لیے کہ "کیسے بھائی ہو؟ اپنے بھائی کو روکا ہوتا ٹوکا ہوتا کچھ تو کیا ہوتا۔"

"ابا...... کچھ تو دوسروں کے آگے پیچھے کا سوچا ہوتا۔ جوانی چلی گئی پر آپ کے شوق پورے نہیں ہوئے ابھی تک۔" سب سے بڑے لڑکے نے ہمت پکڑی اور تن کر باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا...... ابا نے گھبرائی کھڑی نئی نویلی کو اندر کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود برخوردار کی طرف متوجہ ہوئے اور مزے سے جوتے اتار چارپائی پر نیم دراز ہو گئے۔

"دکان کی مالیت کتنی ہوگی؟" سوال گندم جواب چنا ایک تو ابا کا رعب اتنا تھا اوپر سے وہ خوامخواہ جذبات میں آ کر ابا سے ٹکر لے چکا تھا۔ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

"کون سی دکان ابا؟" دکانیں بلکہ پوری کلاتھ مارکیٹ کے دو فلور ان کی ملکیت تھے اس لیے اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ ابا کس دکان خاص کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

"جناب کی۔" ابا نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"یہی کوئی دس لاکھ۔" اب کی بار جناب کی آواز پست تھی کہ ابا کی کلاسیکل بستی کلاس میں وہ چھلانگ مار کر گھس آیا تھا۔

"او...... تو پتر جی دکان آپ کے باپ کی ہی ہے نا ابھی تک؟" ابا کے چہرے پہ ذلیل کرنے والی مسکراہٹ تھی۔

"جی۔" انتہائی مرے مرے انداز میں جواب آیا۔

"تو بیٹا جی...... جس کی لاٹھی اس کی بھینس یہ بھی سنا ہوگا پھر تو؟" ابا نے اب جانے کون سا سانپ نکالنا تھا۔ وہ اکتایا اور بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں تم لوگوں کا باپ ہوں...... اگر میں بولوں کہ آسمان کا رنگ نیلا نہیں بلکہ سرخ ہے تو تم لوگوں کا کیا

جواب ہوگا؟'' ابا نے پچکارنے والے انداز میں باری باری سب افرادِ خانہ کے تنے چہروں کو دیکھا۔

''سرخ ابا......'' وہ سب کورس میں بولے تھے۔

''شاباش......'' ابا نے سر دھنا تھا۔

''چلو سب اپنی نئی ماں کو سلام کر کے آؤ'' ابا آرام سے چارپائی پہ سیدھا لیٹ گئے۔

مطلب اب کوئی اور بات نہیں۔ سب بیٹے بہوئیں ساسوں سے آنکھیں چراتے لائن بنا کر اس کمرے میں داخل ہو گئے جہاں پہ نئی اماں کو بھیجا گیا تھا اور ساسیں کھڑی ناک بھوں ہی چڑھاتی رہ گئیں۔

☆☆☆......

نئی اماں بی گل کوئی تیس بتیس سال کی بیوہ تھی۔ ابا کو جانے کہاں کہاں سے عورتیں مل جاتی تھیں۔ بقول کلثوم ''لنڈے کو کھنڈا سو کوس دور سے بھی مل جاتا ہے۔'' یہ بھی ملی پسند آ گئی اور گھر میں سج گئی کلثوم اور خالدہ بیگم کو تو کوئی خاص فرق نہ پڑا پر صدیقہ جلے پیر کی بلی بن گئی۔ ابا سے لڑائی یہاں تک کہ ہاتھا پائی تک کر کے دیکھ لی پر وہ ابا ہی کیا جو پروں پر پانی پڑنے دیتے۔ سیدھی سادی، گھبرائی سی بی گل سارے میں منہ چھپائی بے آواز پھرا کرتی کہ صدیقہ بیگم ہر لمحے اس پہ جھپٹنے کو تیار رہتی تھی۔ پہلی دو کے لیے تو اس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ ان کا اس سے نہ کوئی بیر تھا اور نہ بہناپا وہ سمجھ گئی کہ شوہر تو بس رات کے کچھ لمحوں کا ساتھی تھا باقی عورت کے اوپر سے ٹرک گزر جائے ابا کو پروا نہیں تھی۔

''میاں...... کچھ تو شرم کھالیں اب...... اولاد کی اولاد گود میں اٹھائے پھرتے ہیں اور ایک اور نکاح کر کے لے آئے۔ وہ بھی اپنی سے تیس سال چھوٹی عمر کی عورت سے۔'' صدیقہ بیگم کا جلاپا ان کے چہرے کی رنگت تک سیاہ کر دیتا۔

''مرد ہوں مرد...... کوئی ہیجڑا نہیں اور مرد شادی کرتے ہی ہیں۔'' ان کے طنزیہ انداز میں ابا کی نئی شادی پہ جملہ کسنے پہ وہ بڑے سکون سے بولے تھے۔

بی گل کی اردو بڑے مزے کی تھی اسے ان کی اپنے خلاف پنجابی میں کی جانے والی باتیں تو سمجھ میں نہ آتیں پر منہ کے بنتے بگڑتے زاویے اسے سب سمجھا دیتے۔ وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ اس گھر میں سب ہی کو اس سے بیزاریت تھی وہ شاید ایک اضافی فرد تھی۔

''لالے...... ہم کو تمہارا بچہ لوگ پسند نہیں کرتا۔ سب کا منہ ٹیڑھا میڑھا رہتا ہے۔'' رات کے مہماں سے بھی وہ منہ بسور کر کہہ دیتی تو وہ ہنس پڑتا۔

''تمہیں ان سے کیا مطلب؟ کسی کا منہ بنے یا آنکھ چڑھے تو ان کی فکر نہ کر۔'' خیر کچھ ہی عرصہ میں اس کے ہاں بھی خوش خبری آن ٹھہری۔ ابا بڑا خوش ہوا۔ ''اس بار اللہ دے ہی دے تو......'' ایک ہی خواہش تھی ابا کی اللہ نے پہلی دو سے چار چار بیٹے دے کر گھر بھر دیا تھا تیسری سے نہ تو کوئی آس تھی نہ امید گو کہ اس نے پورا جہاں کا علاج کروا ڈالا تھا وہ ڈالی ابھی تک سوکھی ہی تھی۔ اللہ کی اللہ جانے۔ پر بی گل کے امید سے ہونے نے پر ابا کو نئی امید کا دیا پکڑا دیا تھا۔

دن گزرتے رہے بی گل کی زچگی والے دن ابا نے بڑے دو لڑکوں کو ساتھ لیا اور پشاور کا رختِ سفر باندھا سردی کی آمد آمد تھی گرم مرینہ اور لیلن کے کپڑوں کی مانگ ہر سال ہی پہلے سے بڑھ جاتی اس لیے ابا ایک دو ماہ پہلے ہی کنٹینرز بک کروا لیتے اب بھی اسی سلسلے میں روانگی ہوئی تھی۔

صبح کمر کے نچلے حصے میں ہونے والے درد کو عام سا درد سمجھتی بی گل نے اپنے کمرے سے گھر کے کچن تک کتنے ہی چکر لگا ڈالے کچن میں کام کرتی بہوؤں اور بڑے سے صحن میں نیم کے درخت تلے چارپائیوں پہ بیٹھی اپنی بڑی دو سوکنوں کو کرب کے عالم میں دیکھا۔

''کیا بات ہے گلے؟'' کلثوم کا اپنا ہی انداز تھا اس کا ناپ لینے کا۔ بالآخر اس نے پوچھا کب سے دیکھ کر نظر انداز کر رہی تھی وہ اسے اندر باہر آتے جاتے۔

''باجی...... بڑا درد ہے صبح سے۔'' کمر پہ ہاتھ رکھ کر وہ مڑی تھی۔ ستا ہوا گلابی چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔

"ہیں تو بتایا کیوں نہیں کہ دائی کو بلا لیتے۔" وہ دونوں ہی چونکی تھیں بڑی بے ضرر سی تو تھی بی گل۔ نہ تین میں نہ تیرہ...... میں سب کے کام میں پیش پیش کہ کیا پتہ کوئی زینہ اس گھر کے مکینوں کے دلوں تک جاتا ہو۔

"خالدہ جلدی سے دائی رحمتے کو صد (بلا) لا مجھے اس کی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔" کلثوم نے اپنی جگہ سے تھوڑا پرے کھسکتے ہوئے بی گل کے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا اور ہاتھ سے اسے پاس آنے کا اشارہ کیا بی گل کا بڑھایا ہوا قدم ہوا میں ہی رہ گیا اور وہ دھڑام سے کمر کے بل گری تھی۔

"ہائے میں مرگئی......" کلثوم اور خالدہ زمین پہ پڑی بی گل کی طرف لپکی تھیں جس کے منہ سے سفید جھاگ نکل رہا تھا۔

......☆☆☆......

بی گل چلی گئی اور اپنے پیچھے مریم کی شکل میں ایک ننھا کھلونا چھوڑ گئی۔ کلثوم اور خالدہ نے اسے سینے سے لگالیا بھائیوں کی تو عید ہوگئی تھی۔ ابا بھی اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے اور چچا حکیم (ابی) کہ اس میں جان تھی۔ کتنے عرصے بعد اللہ نے اپنی رحمت (بیٹی) سے نوازا تھا۔ صدیقہ کو اسے دیکھ کر جانے کیوں سینے میں جلکڑن کا احساس ہوتا تھا۔

سارے گھر کے ہاتھ کے چھالے کو اس کا دل کرتا پھوڑ ہی ڈالے۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی اس کی شخصیت کے پہلو اجاگر ہو کر سب کے سامنے آگئے سنجیدہ، روحانی سکون سے مالا مال، پراعتماد۔ چچا کی صوفی طبیعت کے کتنے ہی رنگ اس نے چرا ڈالے تھے سارا سارا دن چچا کے کندھوں کی سواری کرنے والی نے بڑی ہو کر ان کے کمرے میں سامان سے زیادہ پڑی ساری کتابیں چاٹ ڈالیں تھیں۔

لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کی ماں نہیں ہے اسکول سے کالج کے تمام مدارج فرسٹ پوزیشن سے پاس کیے کتابوں کی وہ رسیا تھی چاہے مصحف ہو یا حدیث، انگلش لٹریچر ہو یا اردو افسانے اسرار و رموز۔

بیسویں میں لگی تو ابا نے اپنی پسند کے لڑکے کی ڈولی میں بٹھا دیا شادی کی پہلی ہی رات جس چیز کا اس پہ انکشاف ہوا تھا۔ وہ کسی بھی نئی نویلی بیاہتا کو حواس باختہ کرنے کو کافی ہوتا تھا پر مریم کے اطمینان میں جو ذرہ بھر فرق آیا ہو۔

"آپ کو اگر یہ مسئلہ تھا تو آپ کو پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔" غازہ، پاوڈر منہ سے جھاڑ کر وہ سکون سے میاں کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ پہلو پہ پہلو بدلنے لگا۔ اتنی بے باکی سے سوال جواب کی اسے امید نہ تھی۔

"تمہیں پتہ ہے کہ اس معاشرے میں ماں، بہن کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ میں نے تو بڑا منع کیا لیکن......" اس کی آواز کافی پست تھی۔

"آپ ایک مرد ہیں اور میرا نہیں خیال کہ کسی مرد کو اتنا کمزور ہونا چاہیے۔ یہ صرف آپ کی زندگی کا نہیں بلکہ آپ کی زندگی سے جڑی اس عورت کا بھی استحصال ہے۔" ہمیشہ کی صاف گو مریم نے اس کے جھکے سر کو دیکھ کر ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"پتہ ہے مجھے......آپ میری استانی بننے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے۔" اس نامرد کا اندر کا مرد آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔

"نکاح کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آیا شوہر اپنی بیوی کے حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔" مریم بغور اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھتے ہوئے بولی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟" اس کی بھنویں اوپر کو چڑھی تھیں۔

"مطلب یہ کہ میں اس نکاح کو ختم کرنے کی مجاز ہوں۔" مریم کا ٹھہرا ہوا جواب۔ اسے کپکپی سی چڑھی تھی۔

"کیا......! تم طلاق کی بات کر رہی ہو ابھی سے؟" وہ حیران رہ گیا تھا اس عورت کے اعتماد پر اس کا تو خیال تھا کہ رو دھو کر چپ کر کے اس کے ساتھ گزارہ کرے گی کہ شادی

تو ہو ہی چکی تھی لیکن یہ تو۔
"نہیں ابھی سے نہیں میں آپ کو ایک سال کا ٹائم دے رہی ہوں علاج کروالیں شاید کوئی بہتری ہوجائے۔" اس نے اس کی غلط فہمی دور کی۔
"تم..... تم مجھے ٹائم دے رہی ہو؟ میں تمہیں اچھی طرح صاف صاف بتاچکا ہوں کہ میں سب کرواچکا ہوں کوئی فائدہ نہیں اس لیے یہ خناس ذہن سے نکال دو اور اس بات کو یہیں دفن کردو۔" وہ غصے سے اپنی بوسکی کی قمیص کا دامن جھاڑ کر کھڑا ہوگیا۔
"اسے بتا کیا دیا۔ سر پر ہی چڑھتی آرہی ہے۔" حقائق سے نظریں چراتا وہ اپنے اندر کے ادھ موئے مرد کو جگانے کی کوشش کرنے لگا۔
"ٹائم لے لیں آپ..... بہتر ہے ہم دونوں کے لیے اور دوسری بات اس بات کو یہیں دفن کرنے کی تو سمجھ لیں ہوگئی۔ ابھی آپ میرے ابا کو فون کرکے بلادیں پلیز۔" مضبوط لہجہ۔ وہ چکرایا۔
"کیا؟ ابا کو کیا کرنا ہے بلا کے اس وقت۔" اسے تیزاب کی طرح اس کی بات جلاگئی تھی۔ "اب یہ سارے میں میرا ڈھنڈورا پیٹے گی۔" زہریلی سوچ فوری در آئی۔
"میرا یہاں رہنے کا کوئی تک..... کوئی جواز نہیں اس لیے میں اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس کا جواب میاں کو ٹھنڈے پانی سے نہلا گیا وہ ہک دک اسے دیکھے گیا۔

.....☆☆☆.....

"آخر کیا بات ہوئی کہ یوں اس نے تمہیں پہلی ہی رات نکال باہر کیا؟" یہ صدیقہ بیگم تھیں۔ اس کے کمرے میں موجود آنکھیں گول گول گھماتی۔
"کوئی بات نہیں چھوٹی امی آپ اپنے چھوٹے سے ذہن پر دباؤ نہ ڈالیں۔ اپنے کرنے کو کوئی اور کام ڈھونڈیں۔" اس نے الفاظ چبائے تھے۔ لہجہ ابھی بھی احترام کی آمیزش لیے ہوئے تھا۔ چھوٹی امی پہ جیسے اس نے کھینچ کر پتھر پھینکا تھا وہ تڑپی تھیں۔
"ہاں بی بی..... میں تو کرنے کو کوئی کام ڈھونڈ لوں گی تم بھی اپنا کوئی ٹھکانہ ڈھونڈو کہ یہاں تو میں تمہیں چین سے ٹکنے نہیں دوں گی۔ اللہ جانے ایسا کیا ہوا کہ اس شریف انسان نے رات ہی رات میں باوا کے ہاتھ میں ہاتھ دے گھر سے باہر نکال دیا۔" وہ شروع ہوچکی تھیں اس نے ایک جھٹکے سے کھڑے ہوتے ہوئے انہیں گھور کر دیکھا پر بولی کچھ نہیں اور ان کے پہلو سے "ایکسکیوز می" کہتی نکل گئی وہ وہیں کھڑی ہاتھ نچا نچا کر اس کی شان میں قصیدہ گوئی شروع کرچکی تھیں۔

.....☆☆☆.....

"یہ کوئی تک ہے بھلا..... دھی رانی رس کے آگئی اور آپ نے اسے گوڈے سے لگا کر یہیں بٹھالیا۔" آج پھر مریم کا نام نہاد سسرال گھر کی بیٹھک میں جمع تھا۔ سب کچھ سنتی بیٹھک کے پچھلی طرف بنے باغیچے میں بیٹھی مریم نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔ ابھی اس کی طلبی ہونے والی تھی۔ یہی ہوتا تھا ابا جانے کیوں ان لوگوں کو کوئی جواب نہ دے پاتے اور اسی کو آوازیں دینا شروع کردیتے اب بھی یہی ہوا تھا۔
"مریم۔" ابا کی آواز پر وہ ایک اور گہرا سانس بھرتے ہوئے باغیچے میں کھلنے والے بیٹھک کے دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔
"السلام علیکم!" اچٹتی نظروں سے کمرے میں بیٹھے نفوس کا جائزہ لے کر سب کو پراعتماد انداز میں سلام کیا اور ابا کے ساتھ والے خالی صوفے پر جابیٹھی۔
"ہاں بیٹا..... اب یہ پھر آئے ہیں۔ کیا سوچا تم نے؟" حقیقت حال سے ناواقف چچا خلیل اللہ نے اس سے پوچھا تو ابا نے صوفے پہ پہلو بدلا تھا۔ وہ کچھ دیر تولتی نظروں سے سر جھکائے بیٹھے نصیر کو دیکھتی رہی۔ حسب معمول وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل اجتناب برت رہا تھا۔
"ہمارے درمیان ایک مقررہ مدت تک کا معاہدہ طے پاچکا ہے۔ نصیر صاحب سے تفصیلات آپ لوگ پوچھ

لیں۔" بالآخر اس نے آج سب سے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی روز روز کے ان جرگوں سے وہ بھی تنگ آچکی تھی۔ نصیر میاں کے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست اور سر کالر بون کو چھونے لگا۔

"ارے کیا پوچھیں اس سے؟ تم پتہ نہیں کیا منتر جنتر پڑھ کے آئی ہو کسی بات کا جواب نہیں اس لڑکے کے پاس۔ سوائے اس کے کہ ابھی مہارانی کو تنگ نہ کیا جائے۔" اس کی ماں اس روز روز کی چخ چخ اور ان کے گھر کے چکر لگا کر عاجز آئی ہوئی تھی۔

"آرام سے آپا...... آج نکال لیتے ہیں اس مسئلے کا حل۔" چچا کو اس عورت کا یوں چیخنا ناگوار محسوس ہوا تھا۔

"کیا آرام سے پا جی...... سارے منہ متھے لگنے والے منہ کو آنے لگے ہیں کہ کوئی بات تو ضرور ہے جو کڑی پہلی رات ہی نس گئی۔ کس کس کو کیا کیا کہانی سناؤں۔ یہ دونوں تو منہ سے کچھ پھوٹتے نہیں۔ عذاب مجھے پڑا ہوا ہے خاندان والوں کے سوالوں کا...... نصیر کا باپ الگ طعنے دیتا ہے کہ میری پترئی (بھتیجی) چھوڑ کر مرجم (مریم) کو پسند کیا اب چکھ سواد۔" لمبی تقریر بس رونے کی کسر ہی رہ گئی تھی۔ سب افراد خانہ اس ڈرامے سے بیزار پہلو پہ پہلو بدل رہے تھے۔

"پتر جی...... کوئی مسئلہ ہے۔" (نصیر کی لمبی ٹانگیں بے چینی سے ہلنے لگیں۔ "کچھ تو بتا پتری......" چچا کی نرم آواز۔ وہ تنگ پڑنے لگی۔

"نہ مسئلہ کیا ہونا ہے خاوند کی نرمی سے اس کے سر پہ چڑھی ہوئی ہے اور وہ بیچارہ بھی جانے کس مجبوری سے زبان تالو سے چپکائے ہوئے ہے۔" اب چھوٹی امی کی باری تھی میدان میں کودنے کی۔

"تم چپ کرو صدیقہ...... ہزار بار کہہ چکے ہیں کہ اس معاملے سے دور رہو پھر بھی پھدک پھدک کر بیچ میں آجاتی ہو۔" کلثوم امی ہمیشہ کی طرح صدیقہ کے آگے اس کی ڈھال بن گئیں۔

"ہاں تو اور ڈلواؤ کھیہ سر میں۔ رکھو اس فتنہ کو بٹھا کر۔ پتہ نہیں کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے گھنی نے جو بیچارہ شریف آدمی اپنی عزت بچائے بیٹھا ہے۔" وہ تن فن کرتی وہاں سے واک آوٹ کر گئی۔ کلثوم کا جواب کے لیے کھلتے منہ کو دیکھ کر ابا نے آنکھ کے اشارے سے اسے منع کیا۔ بیٹی کی زندگی کا معاملہ تھا اسی کی سمجھ بوجھ پہ صادر کر بیٹھے تھے اور فیصلہ تو وہ کر آئی تھی پر ابھی تک اس نامرد میں اتنی ہمت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ گھر والوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتا۔

"تو صحیح تو کہہ رہی ہے صدیقہ سیدھی بات کرو اس کا مسئلہ کیا ہے؟ کوئی اور چکر تو نہیں۔" ساس کے گھومتے دیدے بات کی وضاحت چاہتے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ نصیر تو بتانے سے رہے اور آپ لوگ باز آنے سے تو پھر میں ہی صاف صاف بتا دیتی ہوں کہ بانجھ عورت تو پھر بھی برداشت ہو جاتی ہے لیکن بنجر مرد نہیں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ پورے کمرے میں بیٹھے نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا سوائے ابا کے۔

......☆☆☆......

ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔ سارے میں یہی تذکرہ تھا عورتیں گال پیٹ منہ بسور بسور کر مریم اور نصیر کے خوب گناہ بخشواتیں۔ کہیں اس کی بے حیائی کو لے کر کلمے سرخ کیے جاتے اور کہیں نصیر کے ادھورے پن پہ ٹھٹھول کیا جاتا۔ ایک سال کی اس کی دی گئی مدت ایک ماہ میں ہی ختم کر دی گئی سسرال کی طرف سے طلاق کے کاغذات اسے ہفتے بھر میں موصول ہوئے۔ بات ختم پر لوگوں کی زبان کا چسکہ کئی دنوں تک قائم رہا اور مریم کی طرف ازلی بے نیازی۔

......☆☆☆......

"السلام علیکم!"

"تمہارا ارادہ کیا ہے آخر؟" وہ ابھی ڈیری فارم سے واپس آیا تھا جب وی سی آر پہ انڈین مووی دیکھتی بانو بیگم نے اسے دیکھتے ہی مخاطب کیا۔ وہ سلام کر کے

وہیں بیٹھ گیا۔

''جب کوئی سلامتی بھیجے تو اس پہ سلامتی بھیجنا واجب ہو جاتا ہے ماں جی......'' ہمیشہ کی طرح سلام کا جواب ندارد۔

''ارے چھوڑو پرے......نہ بھیجو سلامتی مجھ پہ۔ بڑے آئے میرے ابا۔'' وہ ہر بار اس کو یونہی رگید تیں تھیں۔

''امی کام کی بات نہ کرلیں پہلے۔'' امی کے ساتھ کچھ فاصلے پہ بیٹھی ان کی دست راست آپا کشور جہاں (عرف عام میں موم بتیوں کی ماں) نے اپنے سامنے موجود ٹیبل پہ رکھی کینو کی ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''جی فرمائیں۔'' اپنی آستینوں کے بٹن فولڈ کرتا ہوا بولا۔

''فرمانا کیا ہے مولوی صاب...... درخواست ہی ہے کہ کچھ پھوٹیں منہ سے رابی کے بارے میں کب تاریخ لینے جاؤں؟'' بانو بیگم کا انداز بے حد طنزیہ تھا۔

''دس ہزار بار صاف صاف کہہ چکا ہوں میں آپ کو کہ میں اس رشتے سے انکاری ہوں آپ پھر پانی میں مدھانی ڈال کے بیٹھ جاتی ہیں، روز روز ایک ہی بات......'' اس کا لہجہ بیزار تھا۔

''اور میں بھی تمہیں ایک سو دس ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں کہ شادی تو تمہاری اسی سے ہوگی۔'' بانو بیگم کو بھی اب ضد چڑھ گئی تھی۔

''اب اگر آپ نے مجھے دھمکی دی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' انگلی اٹھا کر اس نے وارننگ دی اسی بات سے وہ ڈانواں ڈول ہو جاتی تھیں ایک ہی بیٹا تھا ان کا۔

''امی آپ کا کیا مسئلہ ہے؟ کیا رکھا ہے اس لسوڑی میں؟'' کشور جہاں اگر اس کی سائیڈ لے رہی تھیں تو ان کا اپنا بھی اس میں کوئی مقصد نکلتا تھا اور اس سے بھی اسے خوب آگاہی تھی۔ اپنی نند کے لیے اس سے موزوں بکرا انھیں نہیں ملنے والا تھا۔ سسرال پہ ایک رعب سا قائم ہو جاتا لڑکی والے کے سر اٹھانے کے قابل نہ رہتے۔ ویسے بھی ڈرتی اور سنتی تو کسی کے باپ کی بھی نہیں تھیں۔ پورا خاندان ان کی اور ان کی بیٹیوں کی روش سے نالاں تھا لیکن ان کی جانے بلا اور ویسے بھی لوگوں کے سروں پہ چڑھ ناچنے کا ان ماں بیٹی کو بہت شوق تھا۔

''آپا...... آپا جا کے اپنا گھر سنبھالیں۔ میرے حواسوں پہ سوار ہونے کی کوشش نہ کریں آپ دونوں خواتین۔'' غصے میں وہ تلخ ہوا۔

''اچھا نہ اس سے نہ اس سے تو پھر کس ملانی سے شادی کرے گا؟'' بانو بیگم قلم بھول بھال اس کے پیچھے پڑ چکی تھیں۔

''یا اللہ......'' اس کے بال کھینچنے کی کسر رہ گئی تھی۔

''کوئی ہوتی تو بتاتا بھی دیتا۔''

''کہیں دور کیوں جاؤ اس کے مطلب کی وہ ہے نا ملانی۔ مریم پھوپو۔ بس عمر میں تھوڑی زیادہ بڑی ہے۔'' کشور جہاں نے کینو کی پھانک منہ رکھی اور ٹھٹھہ لگایا۔

''توبہ کرو...... کہاں وہ بڈھی کہاں میرا خوب صورت جوان بیٹا۔'' وہ دہل کر رہ گئیں بانو بیگم کو توبہ کا خیال بھی کیسے موقع پر آیا۔

''مریم پھوپو۔'' اس نے ذہن پر زور ڈالا تو اس کا بڑی سی چادر میں لپٹا وجود اس کے تصور کے پردے پر لہرایا۔

''ویسے آئیڈیا برا نہیں آپا۔'' کوئی سوچ سی اس کی آنکھوں میں تھی اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ بانو بیگم کی چپل اس کے سینے پہ ٹھاہ کر کے لگی تھی۔ اب کے وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

......☆☆☆......

مریم سے اس کا پہلا تعارف اس وقت ہوا تھا جب وہ دس سال کا تھا۔ بانو بیگم اس کی ٹیوشن بدلوا بدلوا کر تنگ آ چکی تھیں رزلٹ زیرو تھا۔ کشور جہاں جو کہ مریم والی گلی میں رہائش پذیر تھیں نے چھوٹے بھائی کو پکڑ کر اس کے ٹیوشن سینٹر میں لا بٹھایا سترہ اٹھارہ سالہ دھیمے مزاج اور مضبوط شخصیت کی مالک مریم باجی اسے بھی اچھی لگی تھیں۔ وہ کبھی کسی سے فیس نہیں لیتی تھی کہ باوا کا یہ بڑا کپڑے کا کاروبار اور ایک بڑا سارا حویلی نما مکان تھا اس شہر کی اس وقت مشہور سوغات کینو کے ساتھ ساتھ بلال کلاتھ ہاؤس

اور فیملی کا چرچا بھی آس پاس کے علاقوں میں تھا۔ رچ رچ کر کھاتے اور بڑھیا پہنتے تھے کسی شے کی کمی نہ تھی۔ سو محلے والے بچوں کو فری میں ٹیوشن پڑھا دیا کرتی تھی۔

وہ کوئی نالائق بچہ نہیں تھا بس ماں کی حد سے زیادہ لاپروائی نے اسے بھی تعلیم سے بیگانہ کر رکھا تھا بانو بیگم کا سارا پیار اچھا اسکول اور رزلٹ خراب آنے پر ایک کے بعد دوسری ٹیوشن تک ہی محدود تھا کبھی کبھی وہ بانو بیگم اور اپنے نام کے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً صابر باپ کا موازنہ کرتا تو اسے حیرت کے جھٹکے لگنا شروع ہو جاتے تھے۔ کہاں ابو اور کہاں امی؟

من مرضی کرنے والی، فیشن کی دلدادہ، فلموں کی متوالی، مارے باندھے گھر کے کام نپٹانے والی اور ابو ٹھنڈا میٹھا مزاج، خوش اخلاق، بانو بیگم کی ایک گھوری انھیں چپ سادھ لینے پر مجبور کر دیتی تھی سچ تو یہ ہے کہ بانو بیگم کی زبان کی تیز دھار ان کی مردانہ انا کو چیر کر رکھ دیتی تھی اس کے ابو اپنی عزت اور گھر میں سکون کی خاطر بانو بیگم کی کوتاہیاں صرف نظر کر دیتے ابو کی قلعی اور گھڑوں کی دکانیں تھیں گھر میں آسودگی تھی سو بانو بیگم کا راج پاٹ کا شوق بخوبی پورا ہو رہا تھا کشور جہاں کے چھ سال بعد پیدا ہونے والا وہ خود بس بانو بیگم نے حیلے وسیلے کر کے مزید بچوں سے جان چھڑالی تھی۔ ابو کی پہلے بھی کون سا کوئی خواہش پوری ہوئی تھی...... اس بار بھی چپ چاپ مزید بچوں کی خواہش پی گئے تھے۔

بڑی بہن بالکل بانو بیگم پہ پڑی تھی بلکہ دو ہاتھ آگے ہی تھی اور اب اس کی بچیاں جنھیں سارا محلہ موم بتیاں کے لقب سے پکارتا تھا وہ بھی اس میدان میں ماں اور نانی کی طرح فتوحات کے جھنڈے گاڑ رہی تھیں ابو کی طرح کشور جہاں کے شوہر نامدار بھی نہ تین میں تھے نہ تیرہ میں۔

.......☆☆☆.......

ماں، بہن کو دیکھ کر اس کے ذہن میں اپنی شریک حیات کے لیے ایک مخصوص خاکہ وجود میں آچکا تھا جس سے کم پر وہ ہرگز ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ اپنے بچوں کے لیے ایک درست ماں کا انتخاب ہر باپ کا فرض تھا کہ نسلیں تو اسی کی گود میں پروان چڑھتی ہیں اپنے گھر کی نسلوں کو دیکھ کر اس کا یہ یقین مزید پختہ ہو جاتا اسی لیے اس نے بانو بیگم کی بہن کی بیٹی اور کشور جہاں کی نند کو یک لفظی انکار کی سند تھما دی تھی۔

.......☆☆☆.......

خوب گھمسان کا رن پڑا تھا بھری دوپہر میں اپنے اپنے گھروں میں سوئے ہوئے لوگ نیند سے بیدار مزے سے آس پاس کھڑے کشور جہاں اور مینا بیگم (کشور جہاں کی فرسٹ کزن) کی لن ترانیاں سن رہا تھا۔

''جیسی ماں ویسی بیٹیاں...... پورے محلے میں گند ڈالا ہوا ہے۔'' مینا بیگم اپنے گھر کے آگے کھڑی ہاتھ نچا کر بولی تھی۔

''ارے جاؤ...... جاؤ ماچھی کی اولاد...... تمہارے پان کی دکان جیسے سانڈ کو پوچھتا کون ہے؟'' کشور جہاں نے لہک کر اچھو (ارشد) کے ہر وقت رنگے رہنے والے دانتوں پہ تنقید کی۔ ساتھ ساتھ مینا بیگم کے والد صاحب کے پیشے کو بھی نشانہ بنایا۔

اور جن کی وجہ سے یہ سارا تماشا ہو رہا تھا وہ اس وقت اس محلے سے چند کلو میٹر دور کورٹ کے احاطے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ دونوں اپنی اپنی ماؤں کے ڈراموں سے عاجز آچکے تھے اس لیے فیصلہ یہ ہوا تھا کہ اچھو اماں کو پنکھے سے لٹکنے کی دھمکی دے کر اس کے رشتے کے لیے اس کے گھر بھیجے گا اور امید واثق تھی کہ کشور جہاں پنجے جھاڑ کر مینا بیگ کے پیچھے پڑ جائیں گی اور یوں پورا محلہ جب یہ شو دیکھنے میں مصروف ہوگا تو وہ لوگ گھر سے نکل لیں گے کورٹ میرج کے لیے اور ہوا بھی توقع کے عین مطابق تھا۔ ابھی اچھو کی ماں نے باقاعدہ اپنے برخوردار کا رشتہ اس موم بتی یعنی کہ کشور جہاں کی بیٹی کے لیے دیا تھا بادل نخواستہ اور کشور جہاں کو گویا کسی نے تیلی دکھا دی تھی۔ وہ بھڑ بھڑ جل اٹھی پہلے تو گھر ہی میں دونوں کی منہ ماری ہوئی جس کا کلائمکس محلے کی گلی میں

ہونے جارہا تھا۔
"کوئی میرے سانڈ کو پوچھے نہ پوچھے پر تیری مدھوری ضرور اس کے پیچھے پڑی رہتی ہے چھل پیری کی اولاد۔"
مینا بیگم نے بھی کسی کا ادھار نہ رکھا تھا سواب سیر پہ سوا سیر پھینکا دور سے آتے ضیاء نے یہ ڈرامہ چہرے پہ غصے کی سرخی لیے دیکھا تھا جب بھی وہ جاب سے واپس آتا بانو بیگم یا کشور جہاں کا کوئی نہ کوئی ڈرامہ تیار ہوتا تھا۔ موٹر سائیکل سے اتر کر اس نے آہستہ آہستہ بائیک گھسیٹنا شروع کردی۔
"اپنے لڑکے کو نکیل ڈال کر رکھو ورنہ......" کشور جہاں کی دھمکی اس کے کانوں میں پڑی تھی۔
"تو بھی اپنی بکری کو سنبھال۔ ادھر ادھر منہ مارتی پھرتی ہے۔" مینا بیگم بھلا جواب دینے میں کیسے چوکتی۔
"بند کرو یہ تماشہ...... چلو اندر آپا۔" پاس آکر وہ دھاڑا تھا۔
"مجھے کیوں کہہ رہے ہو؟" کشور جہاں چلائی تھی۔ کیسے سرعام چھوٹے بھائی نے بے عزتی کردی تھی۔
"اندر جاؤ ابھی۔" اس نے کشور جہاں کے پیچھے بند دروازے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔
"اونہہ......" مینا بیگم کو ہاتھ کا پنجہ دکھا کر وہ پاؤں پٹختی اپنے پیچھے داخلی دروازہ دھاڑ سے بند کرتی چلی گئیں۔
"چلو تم سب بھی اپنے اپنے گھر بڑا مفت کا شو دیکھ لیا۔" ارد گرد جمع ہوئے تماش بینوں کو چلتا کیا۔
"اور بڑی آپا...... آپ ہی کچھ خیال کرلیا کریں۔" وہ مینا بیگم کی طرف مڑا تھا۔ مینا بیگم سر جھٹک کر کوئی بھی جواب دیئے بغیر اپنے گھر میں گھس گئی۔
اماں کی تربیت پہ افسوس کرتا وہ ابھی بائیک کو کک لگانے کو تھا جب اس کی نظر سامنے سے اپنی بھتیجیوں کے ساتھ آتی مریم پر پڑی تھی۔ کسی بے اختیاری جذبے کے زیراثر وہ وہیں ٹھہر گیا۔ بڑی سی کالی چادر میں لپٹا وجود۔ وہ وہیں کھڑا اپنی دھن میں مگن چلتی مریم کو دیکھتا رہا جب تک کہ وہ اپنے گھر کا گیٹ پار نہ کرگئی۔ لب مسکرا اٹھے تھے اسے دیکھ کر اسے اپنی روح میں طمانیت سی اترتی محسوس ہوئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ لائبریری سے ڈھیر ساری ایشو کی گئی کتابوں کا پلندہ اٹھائے چلی آرہی تھی۔ جب مخالف سمت سے آنے والے ضیاء نے اسے دیکھ کر ایک دم سے اس کے قریب بریک لگائے تھے وہ بھی چلتے چلتے چونک کر اس بائیک والے کی سمت دیکھنے لگی۔
"السلام علیکم!" دھوپ والا چشمہ آنکھوں سے اتر کر شرٹ کی اوپری جیب میں جا اٹکا تھا۔
"وعلیکم اسلام!" اسے حیرت ہوئی تھی یوں اس کے پہلی بار مخاطب کرنے پر ویسے تو وہ اسے جانتی تھی ایک ہی محلہ پھر اس کا شاگرد بھی رہ چکا تھا بہت دفعہ آتے جاتے سامنا ہوا تھا لیکن کبھی اس نے اسے روک کر نہ سلام کیا اور نہ بات چیت۔
"یہ کتابیں کافی بھاری لگ رہی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کا بوجھ اٹھانا چاہتا ہوں۔" معنی خیز جملہ کے ساتھ مسکراہٹ چہرے پہ چپکی ہوئی تھی۔
"ارے نہیں...... یہ سامنے ہی تو گھر ہے۔ بس تھوڑا سا فاصلہ ہے میں چلی جاؤں گی۔" وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔ اس نے رسان سے کہا یوں راستے میں کھڑے ہونا اسے الجھن میں مبتلا کررہا تھا وہ سمجھ گیا۔
"میں ہر چھوٹا بڑا فاصلہ آپ کے ساتھ طے کرنا چاہتا ہوں زندگی کی راہ گزر پر۔" بے دھڑک اس نے کہا تھا۔ مریم کو پہلے تو سمجھ نہیں آئی تھی لیکن جب سمجھی تب بھی وہ اس بات کو جھٹلا رہی تھی۔
"کیا تک ہے بھلا اس بات کی؟" اس کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔
"مطلب یہ کہ آپ کے ساتھ کی خواہش ہے میری۔" وہ مسکرایا تھا۔
"او بھائی...... پتہ بھی ہے کس سے بات کررہے ہیں آپ۔" اگر تو یہ مذاق تھا تو وہ اسے مزہ چکھانے والی تھی اور

اگر یہ سچ تھا تو بھی یوں بیچ راہ روک کر اسے مخاطب کرنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"جی...... میرا دماغ بالکل ٹھیک کام کررہا ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں وہ اپنے دل کی رضا سے۔" اس نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

"آپ کو یوں روکنے پہ معذرت خواہ ہوں۔ آپ کو یوں سامنے دیکھا مجھے یہی مناسب لگا پھر جانے آپ سے اسپیشل ملاقات کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے۔" دلکش آواز تھی اس کی۔ مریم نے اب اسے غور سے دیکھا اور سراہا تھا۔

"دیکھو...... ہمارے درمیان......"

"جی بالکل......" اس نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

"آپ مجھ سے کچھ سال پہلے دنیا میں تشریف لے آئی تھیں۔ جو کہ کوئی گناہ ہے نہ باعث شرم......" وہ رکا تھا۔

"میں اس نبی ﷺ کا امتی ہوں جس نے اپنے سے پندرہ سال بڑی عورت سے نکاح کیا اور کیا خوب محبت تھی دونوں میں۔ میرا خواب صرف آپ ہی پورا کرسکتی ہو۔ آپ کی شخصیت، کردار۔ مجھے جو چاہیے تھا وہ سب آپ میں موجود ہے مجھے دیکھیں، پرکھیں عقل کی کسوٹی پر ہمارا جوڑ بہترین ہے ہر لحاظ سے۔" اس کے سارے سوال، اندیشے دور کرتا وہ اسے دل کے قریب محسوس ہوا تھا۔

"سوچیے...... میں جواب لینے دوبارہ چلا آؤں گا آپ کی راہ میں۔" خوب صورت اور مہذب انداز میں اسے پروپوز کرکے وہ بائیک کو دوڑائے لے گیا اور وہ وہیں کھڑی حیرت سے خود سے پوچھتی رہ گئی۔

"یہ مجھے پرپوز کرکے گیا ہے کیا؟"

......☆☆☆......

ضیاء سے اس کی بھی اتنی ہی واقفیت تھی جتنی کہ ایک محلے دار کے طور پر دوسرے سے ہوتی ہے۔ اڑتی پڑتی اس کی خبریں بھی اسے مل جایا کرتی تھیں۔ بمشکل ایک سال اس سے ٹیوشن پڑھنے کے بعد اس کی ماں نے کلثوم امی سے ناراض ہوکر اسے وہاں سے اٹھالیا تھا اور وہ بھی کوئی اتنا اہم نہیں تھا دوسرے بچوں کی طرح ہی تھا سو وہ جلد اس کے حافظے سے اتر گیا۔ اس کی شادی ختم ہونے کے بعد کافی رشتے آئے تھے جن میں سے کسی سے بھی بات زیادہ نہیں چلی اور کچھ کو اس نے خود ریجیکٹ کردیا تھا۔

چھوٹی امی کے اعتراض کہ "اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کسی کے بھی ساتھ چلتا کردو...... ہاں یہ دیکھ لینا کہ مرد ہی ہو کہیں پھر بی بی میکے واپس آجائے۔" ابا نے درخوراعتنا نہ جانا۔

اب ابا اس کی مرضی کو اہمیت دے رہے تھے جان چکے تھے کہ بیٹی رانی کے اندر کا اجالا اس دنیا کے کالے رسم و رواج سے سیاہ نہیں ہونے والا تھا۔ کسی زمانے میں ان کا اسلام مرد کی چار شادیوں تک ہی محدود تھا لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ چھوٹے بھائی کی صحبت اور گیان سے فیض یاب ہوکر ابا کے خیالات میں انقلاب برپا ہوچکا تھا۔ چاہے لاکھ اختلافات رہے ہوں ابا اور اس کی پہلی دو بیویوں کے درمیاں لیکن مریم کے سلسلے میں مریم کی آواز میں ہی ان کی آواز شامل ہوتی تھی۔

اور اب یہ ضیاء جس کے بارے میں اس کی اپنی ماں بہنوں نے بددماغ اور ملا مشہور کر رکھا تھا بی اے کے بعد بینک کی شاندار جاب کو لات مار کر کسی ڈیری فارم میں مینیجر کے عہدے پہ جا بیٹھنے والے ضیاء...... کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتی تھی اور پھر عمر کا بھی خاصا فرق تھا۔ وہ سوچ رہی تھی دل سے بھی اور دماغ سے بھی۔

......☆☆☆......

"کیا کہا؟" بانو بیگم اس کی بات سن کر عین توقع کے مطابق چیخی تھیں۔

"وہ بڈھی...... طلاقن؟" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر پیچھے یوں اشارہ کیا جیسے وہ پیچھے ہی کھڑی ہو۔

"جی وہی۔" اس کا اطمنان قابل دید تھا۔

"تم پاگل ہوچکے ہو یا مایوس؟" بانو بیگم کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس قسم کا ردعمل دیں۔

"امی...... آپ کو معلوم ہے کہ بحث کا مجھ سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ میرے دل اور عقل دونوں کو بھا گئی ہے سو اب رشتہ تو آپ لے کر ہی جائیں گی۔" دوٹوک انداز جو بانو بیگم کو پسپائی پر مجبور کر دیتا تھا۔

"پر بیٹا...... اس کی اور تمہاری عمر میں زمین آسمان کا فرق ہے اور پھر طلاق یافتہ۔ ایک سے ایک کنواری تمہیں مل جائے گی......" بانو بیگم کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔

"وہ جو ہے جیسی ہے مجھے دل و جان اور اپنے ایمان سے قبول ہے میرے دل میں اتر گئی ہے آپ کی سمجھ کو بھی لگ جائے گی جب اس گھر میں آئے گی بس آپ اس کے والد صاحب سے بات کرلیں جلد۔" وہ اپنی کہہ کر چلتا بنا اور بانو بیگم سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئیں۔

......☆☆☆......

دنوں اس کے گھر میں محاذ جنگ سجا رہا آپا اور بانو بیگم ایک دوسرے کی ٹوٹی امیدوں کے دونوں سرے باہم جوڑے رکھتیں۔ کوسنے، منتیں، دھمکیاں کچھ بھی تو اس ڈھیٹ پر اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

"یہ کہاں سے پیدا کرلیا آپ نے...... اچھا ہوتا ایک اور لڑکی ہو جاتی اس نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے بچپن سے۔" کشور جہاں نے اکتا کر ماں کو دھائی دی۔

"ہاں...... تم نے تو لڑکیاں پیدا کر کے کوئی کارنامہ سر انجام دیا ہے نا...... ایک سے بڑھ کر ایک۔" بانو بیگم نے ان پر چوٹ کی۔

"تو کرلیں...... کرلیں آپ بھی اپنا شوق پورا کرلیں طعنوں کا پہلے ہی کیا کم ڈھول اڑ رہی ہے اس حرا کی بچی کی وجہ سے...... شریکوں کے گھر جا بسی ہے وہ کیسے دن رات میں برداشت کرتی ہوں آپ کو کیا پتہ؟ ماں تو اولاد کے سائے سے بندھی ہوتی ہے اور ایک آپ ہیں۔" وہ دوپٹہ منہ پہ رکھ کر رونے لگیں۔

"اچھا بس کرو...... ویسے ہی منہ سے نکل گیا۔" انہوں نے بیزاری سے ان کے مگرمچھ کے آنسوؤں کو دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" وہ جھٹ منہ سے دوپٹہ جھٹک ان کے قریب کھسک آئیں۔

"میں سوچ رہی تھی کچھو......" (کچھو نے اس لقب پر گھورا)۔

"لڑکی تو ہیرا ہے۔ جیسی یہ چاہتا ہے ویسی ہی۔" بانو بیگم نے ادھر ادھر دیکھ کر اس کے غیر موجودگی کا یقین کرنے کے بعد بیٹی کے کان میں کہا۔

"اے ہٹاو امی...... لڑکی کہاں سے ہوگئی؟ اس کی اور اس پاگل کی عمروں کا فرق تو دیکھیں۔" آپا سے کوئی عقل کی بات کہاں برداشت ہوتی تھی فوراً اختلاف کیا۔

"میں سوچتی ہوں کہ ایک ہی ایک بیٹا ہے میرا اسے ہمیشہ مجھ سے شکایتیں ہی رہی پر کبھی کوئی غلط بات کی ضد کوئی برائی نہیں اس میں تو پھر میں کیوں نہ اس کے من کی پوری کردوں کوئی ایک تو خوشی اسے ماں سے بھی ملے۔" بانو بیگم نے اعتراف جرم کرنے والے انداز میں کہا۔

"امی...... آپ کیوں جذبات میں آکر اس حاجن کو ہمارے سروں پر سوار کروانا چاہتی ہیں۔ ناک میں دم کر کے رکھ دیں گے دونوں...... یہاں تو یک نہ شد دو شد والا معاملہ ہے۔" کشور جہاں کو اس احمقانہ خیال کی اپنی ماں سے تو امید بالکل نہیں تھی۔

"بس میں نے سوچ لیا ہے میں اسی جمعے جاؤں گی جب بیٹی کی پسند کی شادی پورے چاؤ سے کروا سکتی ہوں تو پھر بیٹا کیا میں میلے سے پکڑ کر لائی تھی۔" بانو بیگم کی عقل کا بلب آج اچانک ہی فل روشن ہو چکا تھا۔ ان کے کشور جہاں کی لو میرج کا حوالہ دینے پہ وہ تھوڑا سا جز بز ہوئی تھیں۔

"اور تم بھی اچھو کو دل سے قبول کرلو۔ شوہر تمہارا تو روز بیٹی سے مل کر آتا جاتا ہے اب تم بھی ضد چھوڑ دو۔ بڑا تماشا بنالیا خود کا۔" اب تو کشور جہاں بے ہوش ہونے کو تھیں۔ یہ امی کو آج ہوا کیا تھا؟

......☆☆☆......

"امی...... کیا سو رہی ہیں؟" وہ دروازے پہ ہلکی سی دستک دے کر اندر چلی آئی۔

"نہیں پتر...... آؤ؟" بڑی امی لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔
"سوئی نہیں تم؟" دوپہر کو سب ہی آرام کرتے تھے لیکن مریم اپنے کمرے میں ہی موجود کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی اگر آج اس وقت ان کے کمرے میں آئی تھی تو یقیناً کوئی خاص بات تھی۔
"آپ سے ایک مشورہ کرنا تھا۔" ان کے بیڈ کے کنارے ٹک کر اس نے کہا۔
"بولو بیٹا۔" بڑی امی نے نہال ہونے والے انداز میں کہا۔
"وہ صابر ہے قلفی گر اس کے بیٹے نے مجھے پرپوز کیا ہے؟" بغیر کوئی تمہید باندھے اس نے کہا۔
"کیا...... کیا ہے؟" بڑی امی کے سر پر سے گزرا۔
"میرا مطلب ہے کہ اپنا رشتہ دیا ہے۔" اس نے وضاحت کی۔
"ہیں......!" بڑی امی کو حیرانی ہوئی۔
"وہی پھوسے جو چھوٹا ہے؟" انھوں نے ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"جی۔" اس نے مختصر جواب دیا۔
"پر وہ تو بہت چھوٹا نہیں تم سے۔" انھوں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"عمر کی چھوٹائی بڑائی بے معنی چیزیں ہیں۔ امی...... میں نے بہت سوچا ہے اس پروپوزل پر اور استخارہ بھی کیا ہے۔ میرا دل اور دماغ مطمئن ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔
"اچھا تو پھر تو یہ چنگی بات ہے جی۔" انہوں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔
"جی ان شاء اللہ...... آپ ابا سے بات کرلیں کہ جب وہ رشتہ لے کر آئیں تو میری طرف سے ہاں ہے۔" اس نے انہیں اپنا عندیہ دیا۔
"لڑکا تو بہت اچھا ہے دین دار، بالکل تیرے جیسا۔"
"الحمدللہ...... اللہ نے اچھا بر بھیج دیا اتنے سالوں بعد۔" وہ سچ میں خوش تھیں۔
"پر پتر...... اس کی ماں اور بہن تو بڑی پھاپا کٹنیاں ہیں۔" انہیں ایک دم سے اس خیال نے پریشان کیا تھا۔
"امی...... وہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ ہر گلاب کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر ان کا خدشہ ہوا میں تحلیل کیا۔ انہوں نے ایک بار پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

......☆☆☆......

بڑی امی کے کمرے سے سرشاری وہ باہر نکلی تھی۔
"سبحان اللہ...... کتنی تپش ہے۔" اس نے صحن کی دیواروں سے ڈھلتے سائے کو دیکھ کر خود کلامی کی۔ جلد کو جھلسا دینے والی گرمی سے گھبرائے ہوئے سب افراد خانہ اپنے اپنے کمروں میں محو استراحت تھے سہ پہر شام میں ڈھلنے والی تھی اور ابھی تک گرمی کا زور نہیں ٹوٹا تھا نماز پڑھنے کا ارادہ باندھ کر وہ وضو کے لیے صحن میں ایک طرف بنے باتھ کا رخ کرنے ہی لگی تھی کہ بیرونی دروازے پہ ہوتی دستک نے اسے چونکا دیا۔
"اس وقت کون ہوسکتا ہے بھلا۔" وہ تھوڑی سی حیران ہوئی تھی۔
"کون؟" دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے پوچھا۔
"ضیاء جناب......" وہ اس کی آواز پہچان گیا تھا۔
اس نے گڑبڑا کر اپنے سر سے اتری چادر سلیقے سے اپنے گرد لپیٹی۔
"کوئی کام ہے کیا؟" دروازہ کھولے بغیر اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔
"کیا پلیز آپ تھوڑا سا گیٹ کھولیں گی دو سیکنڈ کے لیے؟" اس کا مان بھرا التجائیہ انداز...... اس نے میکانکی انداز میں بڑے سے گیٹ میں نصب چھوٹا گیٹ کھولا تھا۔
"شکریہ۔" سامنے ہی روشنی سے بھرا چہرہ پرشوق تھا۔
بے ریا چہرے پہ بچی ڈاڑھی بڑی بھلی معلوم ہورہی تھی۔
"جی فرمائیے۔" وہ جو کبھی جھجکی نہ تھی اب جانے کیوں اس کی طرف براہ راست دیکھنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ جو کہانی وہ آنکھوں کی زبان سے آج کل کہتا

پھر رہا تھا وہ اس کا احوال جان کر خود میں بے چینیاں نہیں بھرنا چاہتی تھی۔

"سچ میں یہاں آتے ہوئے آپ سے سامنا ہونے کی دعا مانگ رہا تھا۔" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ مریم کا اس کا یوں بااعتماد انداز میں خود کو دیکھنا تھوڑا اسا نروس کر رہا تھا۔

"ابا سے کوئی کام تھا یا بھائیوں سے۔" اس کی آمد کے مدعا وہ بخوبی جانتی تھی لیکن اس وقت جانے کیوں دل اچانک ہی شرارت پہ مچلا تھا۔

"بالکل ان سے بھی ملیں گے تاکہ آپ کا ہاتھ کھلم کھلا پکڑ کر گھر لاسکیں۔" شرارت وہاں بھی عروج پر تھی۔ لیکن شرافت کی حد میں رہتے ہوئے اور وہ دونوں اس امر سے بخوبی آشنا تھے کہ وہ ہر حد کس حد کو پار کرنے کے بعد پار کی جاسکتی ہے۔ کچھ دیر وہ دونوں اپنے درمیان چھائی اس معنی خیز خاموشی کو محسوس کرتے رہے۔

"وہ کچھ دن پہلے آپ سے ایک درخواست کی تھی اسی کی منظوری کے بابت جاننے کے لیے حاضر ہوا تھا۔" پہل ضیاء نے ہی کی کہ مرد کی پہل عورت کو معتبری کی صف میں لاکھڑا کرتی ہے۔

جواب تو اس نے سوچ لیا تھا۔ ان دونوں میں اس نے پہلی بار دل کا کہنا مانا تھا استخارہ کر کے جو اطمینان اس کے رگ و پے میں اترا تھا وہ اشارہ تھا کہ اس محبت کی زنجیر میں قید ہو جائے۔

"آپ کی بات کا جواب یہ ہے کہ......" وہ جان بوجھ کر اس کا صبر آزمانے کو رکی تھی۔ اس نے اپنا سانس روک لیا تھا مبادا دھڑکنوں کے شور میں اسے سننے میں کوئی غلطی ہو جائے۔

"پلیز......" کالی چادر کے حصار میں اس کے صبیح چہرے کو دیکھنا اس وقت اسے اس دنیا کا سب سے دلچسپ کام لگا تھا۔

"میری طرف سے ابا جی آپ کو ہاں میں جواب دیں گے۔" اس نے جلدی سے کہہ کر گیٹ بند کر دیا۔ کیا شاندار جواب تھا ہاں میں۔ اس نے سر اٹھا کر دھوپ سے بھرے

ناری مغل

السلام علیکم! ڈیئر آنچل و حجاب اسٹاف اور جھل مل کرتی کرنوں میں ضلع مانسہرہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں خواجگان میں رہنے والی ہوں۔ میری اور آنچل کی سالگرہ ایک ہی مہینے میں ہے میں نے 10 اپریل 1997ء کو اس دنیا کو رونق بخشی۔ میرا نام ناری مغل ہے ماشاء اللہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے۔ بڑا اس لیے کہ ہمارے دادا حضور نے چار شادیاں کی تھیں میری بہت سی کزنیں ہیں۔ جی تو ہم آٹھ بہن بھائی ہیں میرا نمبر سب سے آخری ہے۔ بڑے تین بھائی اور پھر آپی یاسمین پھر تین بھائی اور پھر ہم بذات خود بڑے چار بھائی اور آپی شادی شدہ ہیں۔ اب آتی ہوں اپنی طرف آئی وش کے میں اپنے ابو کے ساتھ کچھ وقت گزار پاتی لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ میں ڈیڑھ سال کی تھی جب میرے ابو کی ڈیتھ ہوگئی۔ مجھ میں خوبی یہ ہے کہ مجھے اپنے موڈ کو کنٹرول کرنا آتا ہے ٹینشن والی بات نہیں ہے اور خامی یہ ہے کہ نماز کی پابند نہیں ہوں دل بہت چھوٹا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر رونا آجاتا ہے اور سوچتی بہت ہوں۔ اب کچھ ہابیز کا بتاتی ہوں آنچل پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ آنچل میں چار سال سے پڑھ رہی ہوں بے شک آنچل ہر لحاظ سے معقول ڈائجسٹ ہے۔ پرسنلی مجھے آنچل سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا آنچل کی رائٹرز کی تو بات ہی الگ ہے میری موسٹ فیورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی عمیرہ احمد نمرہ احمد سمیرا شریف طور سندس جبیں اقراء صغیر احمد سباس گل فاخرہ گل نگہت عبداللہ اور بھی ہیں سب کو پڑھتی ہوں۔ چھوڑتی کسی کو نہیں ہوں۔ کھانے میں مجھے چٹ پٹی چیزیں پسند ہیں۔ میری آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور طارق جمیل ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید اور آنچل ہیں لباس میں ساڑھی فراک چوڑی دار پاجامہ پسند ہیں۔ اچھا جی اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

آسمان کو دیکھا۔ دو انگلیاں ماتھے پہ جما کر سلیوٹ کیا۔ ہنسی بے ساختہ اس کے لبوں پر مچلی تھی۔

☆☆☆......

"واہ بھئی واہ...... ملانی کے رنگ ڈھنگ تو دیکھو۔" جیسے ہی وہ گیٹ بند کر کے پلٹی تھی تو سامنے کھڑی صدیقہ بیگم نے تالی بجاتے ہوئے اپنے تئیں اس کے ہوش اڑانے کی کوشش کی تھی۔

"مطلب......" اس نے ایک ابرو اچکا کر کہا۔

"مطلب ابھی بتاتی ہوں۔ عظیم، نعیم آؤ سب آ کر دیکھو بہن کے کرتوت۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے چلا کر مریم کے بھائیوں کو بلانے لگی۔ مریم وہیں جمی کھڑی اس کا تماشا دیکھتی رہی۔ سب ہی افراد خانہ اپنے اپنے کمروں سے ہراساں سے بھاگے آئے تھے۔

"کیا ہوا......؟" سب نے ان دونوں کو آمنے سامنے کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

ابا، بڑی امی، خالدہ امی، بھائی بھابیاں سب نیند سے آدھ کھلی آنکھیں مل مل کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اور ماجرا سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"دیکھو اپنے بہن کے تماشے، ویسے تو بڑی پردے کی بوبو بنتی ہے۔ حدیثیں ایک ہزار رٹی ہوئی ہیں اور کرتوت ملاحظہ فرماؤ۔ ہم سب کو سوتا بلکہ مرا سمجھ کر اپنا کوئی یار بلا لیا دروازے پہ......" صدیقہ کی بات نے عظیم اور نعیم کے نتھنے فوراً پھلا دیے تھے جبکہ بھابیاں ہائے والے انداز میں منہ پہ انگلیاں جما گئیں۔

"کیا یہ سچ ہے؟" عظیم غرایا اس نے نہایت بیزاری سے اس ساری پنچائیت کو دیکھا۔ ابا اور دونوں ماؤں کے چہرے پریشانی کا مظہر تھے۔

"کیا آپ لوگ جانتے نہیں ہیں مجھے جو ایک بے سروپا بات کی جرح شروع کر دی۔" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" عظیم کے الجھی سوالیہ نظروں سے صدیقہ کو دیکھنے پر وہ حلق کے بل چلائی تھیں۔

"کیا کوئی آیا تھا پتری؟" ابا تو بس پیار ہی پیار تھے۔

"خوب میاں جی...... یہ بتائے گی کہ کون آیا تھا۔ مجھ سے پوچھو ان دو آنکھوں سے اسے اس کے ساتھ ہنسی ٹھٹھول کرتے دیکھا ہے اس بھری دوپہر میں۔" صدیقہ بیگم کی آواز قصداً اونچی تھی۔

"آواز نیچ رکھ مرن جوگی۔" بڑی امی نے آس پڑوس کے گھروں کی طرف اشارہ کیا۔

"تیری تو کوئی عزت نہیں پر ہماری ضرور ہے خبردار جو گلا پھاڑا۔" بڑی امی کی تائید چھوٹی امی نے گردن ہلا کر کی۔

"کوئی منہ سے پھوٹے بھی کہ کیا ہوا تھا کون آیا تھا؟" نعیم اس سارے ڈرامے سے جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

"صابر قلعی گر کا بیٹا آیا تھا ابا جی! کچھ دن پہلے اس نے مجھ سے اپنے سلسلے میں بات کی تھی اسی کا جواب لینے آیا تھا۔" اس سے پہلے کہ صدیقہ بیگم پھر کفن پھاڑتی اس نے اصل بات بتا دی۔

"اور بھائی صاحبان...... آپ کی گودوں میں پل کر بڑی ہوئی ہوں میرا مزاج میرے نظریات سے آپ کیا پورا محلہ واقف ہے پھر بھی آپ نے چھوٹی امی کی چھوٹی باتوں کو اہمیت دی۔" مضبوط لہجہ اس کی بات کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔

"ہاں میں تو ہوں ہی چھوٹی...... لڑکے باہر کے باہر اس سے مل کر رشتے دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ دروازے تک آ پہنچے اور تم لوگ یہاں کھڑے اس کی بات پہ سر دھن رہے ہو۔" صدیقہ بیگم کے عناد کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ بھس میں چنگاری ڈالنے کے فن سے خوب آشنا تھیں۔

"بکواس بند کر اپنی۔" بڑی امی نے انھیں گھر کا۔

"مریم کے ابا...... اس نے مجھے بتائی ہے ساری بات تم چلو میرے کمرے میں بتاتی ہوں میں تمہیں۔" انھوں نے الجھن کا شکار ابا کو مخاطب کیا اور صدیقہ بیگم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"واہ جی واہ...... یہ بڑھیا ہی اس لڑکی کی ملاقاتیں کروا رہی ہے۔ ارے میں کہتی ہوں کوئی غیرت نام کی چیز ہے اس سارے گھرانے میں۔" لڑکوں کو للکارتے ہوئے وہ بولی تھیں۔ ان کا مقصد صرف گھر میں فساد برپا کرنا تھا۔

"اب اگر ایک لفظ بھی اور تم نے کہا تو میں تمہیں ابھی کے ابھی طلاق دے کر فارغ کردوں گا۔ اگر تمہیں میری بیٹی کی عزت کا لحاظ نہیں تو میں نے بھی تمہاری عمر رسیدگی کے خیال پر لعنت بھیج کر وہ کرنا ہے جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہیں۔" ابا ایک دم سے جلال میں آگئے تھے صدیقہ بیگم گھبرا گئی تھیں اس انتہاء کی انہیں ابا سے اب اس عمر میں توقع بالکل نہیں تھی۔

"چلو تم سب بھی اپنے اپنے کمروں میں۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" باقی کا غصہ دونوں بیٹوں پر نکل گیا۔

"معافی دے دیں ابا جی...... چھوٹی امی نے بات ہی ایسی کی۔" عظیم کھسیایا۔

"پتر...... ایک بات میری یاد رکھنا کہ اگر کوئی راہ چلتے آپ کے اجلے کپڑوں پر کیچڑ اچھالے تو کیا تم لوگ اپنے کپڑوں کو اپنے سمیت آگ لگالو گے یا دھونے کی کوشش کرو گے؟" ابا نے سنجیدگی سے ان سے سوال کیا جس کا جواب دینے کی نوبت ہی نہیں آئی ان کے سر پہلے ہی جھکے ہوئے تھے۔

"اجلے کپڑے اور اجلے لوگ خود کو داغ لگنے سے بچا نہیں سکتے پر داغ ضرور دھویا جاسکتا ہے۔" ابا کی بات کے بعد گہری خاموشی چھائی رہی وہ اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے۔

"چلو جاؤ آرام کرو۔" ابا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔

"آجا پتری...... اپنے ابے کو اب تفصیل سے بتا ساری بات۔" ابا نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے کے گرد بازو لپیٹا۔ سارا صحن خالی ہوگیا اور صدیقہ بیگم کے رہے سہے بھرم کا برتن بھی۔ وہ اکیلی کھڑی رہ گئیں۔

......☆☆☆......

"جناب من......" ضیاء اس کے پہلو میں آبیٹھا سادہ سے کمرے کی واحد آرائش دلہن ہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے سٹپٹا کر اسے سلام جھاڑا اتنی بے تکلفی۔

"میں بہت خوش ہوں اور اللہ کا شکر گزار تمہاری جیسی ہی بیوی کی مجھے ضرورت تھی۔" اس کا لہجہ خوشی سے معمور تھا۔ اس نے دھیرے سے اس کا حنائی ہاتھ تھاما تھا۔

"تمہیں یاد ہے کہ جب میں تمہارے پاس ٹیوشن کے لیے آتا تھا تو تم ایک گیت زملونی گنگنائی تھیں میرے کانوں میں وہ الفاظ آج بھی گونجتے ہیں۔ زملونی...... زملونی......" خوب صورت بھاری لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تھا وہ مسکرائی۔

"تمہیں یاد ہے؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں......"

"زملونی...... زملونی۔" اس نے اس کا حنائی ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لپیٹ کر تان اڑائی تھی۔

"زملونی دفیرونی (مجھے ڈھانپ دو مجھے سہارا دو...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدیجہ رضی اللہ عنہ کو کہے گئے الفاظ جب وہ پہلی بار نبوت کے رتبے سے سرفراز ہو کر گھبرائے ہوئے گھر آئے تھے) مریم نے آواز میں آواز ملائی تھی۔

اسے بھی ڈھانپنے والی مل گئی تھی لباس کی اہمیت ایک ننگے انسان سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا اب دونوں نے ایک دوسرے کو ڈھانپنا تھا ساری عمر وہ بہت خوش تھے ایک ساتھ مکمل...... آسودہ۔

کمرے کی کھڑکی سے جھانکتا پورا چاند اپنی اٹھکھیلیاں کرتی شعاعوں کی روشنی چہار سو پھیلا رہا تھا جہاں دودھیا روشنی میں نہائے دو سائے اللہ کے حضور سجدہ ریز تھے فضاء میں ابھی تک ان کے گائے ہوئے گیت زملونی۔ دفیرونی کی بازگشت تھی۔

قسط نمبر 15

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

باسل سے دوستی بڑھانے کی خاطر عنایہ اس کے نمبر پر فون کرتی ہے مگر باسل ایکسکیوز کر لیتا ہے، جب ہی وہ یونیورسٹی پہنچ کر اسے حیران کر دیتی ہے عنایہ کی یہ بے تکلفی باسل کو پسند نہیں آتی لیکن سونیا کی وجہ سے وہ خاموش رہ جاتا ہے۔ لالہ رخ زرتاشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد گھر پہنچتی ہے تو اسے اپنی ماں کی زبانی مومن جان کے عزائم کا پتا چلتا ہے جو اپنی بیٹی مہرو کی شادی کسی جواری سے کرنا چاہتا ہے۔ لالہ رخ کے لیے بھی یہ باتیں تکلیف کا باعث بنتی ہیں جب ہی وہ اپنی دوست کو اس مشکل وقت سے نکالنے کا سوچتی ہے مہرو لالہ رخ سے ملتی ہے تو بنّو کے رویے کی تبدیلی کا ذکر کرتی ہے، بنّو دلاور کی دلچسپی مہرو میں بخوبی نوٹ کر لیتا ہے اسی لیے وہ مہرو سے دور رہتا ہے تاکہ دلاور کو مہرو سے دور رکھ سکے۔ دلاور مہرو کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کے حسن کا اسیر ہو جاتا ہے جب ہی وہ بنّو سے اس کے متعلق استفسار کرتا ہے۔ فراز سونیا کو لے کر بے حد متفکر ہوتا ہے اس کے عزائم اور بے باک انداز اسے ہر دم اندیشوں میں مبتلا رکھتا ہیں سونیا کی تمام تر توجہ کا مرکز بھی فراز ہوتا ہے، جبکہ کامیش اپنے دفتری امور میں اس قدر الجھا ہوا ہوتا ہے کہ ان معاملات کی اسے خبر ہی نہیں ہو پاتی۔ ماریہ اپنی ذات میں تنہا ہو جاتی ہے ابرام اور جیسکا بھی اس کی دلجوئی میں ناکام رہتے ہیں۔ ایسے میں ولیم ماریہ کے اکھڑے لہجے اور بیزار انداز سے بہت کچھ سمجھ جاتا ہے جب ہی وہ جیسکا سے اس بات کا تذکرہ کرتا ہے جیسکا ماریہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اپنی کیفیت کسی سے بھی شیئر نہیں کر پاتی اور خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہے۔ فراز فون پر لالہ رخ سے دوستی کی بات کرتا ہے لیکن لالہ رخ اس قسم کی دوستی سے صاف انکار کر دیتی ہے ایسے میں فراز اس سے وعدہ لیتا ہے کہ جب بھی زندگی میں اس کی مدد کی ضرورت ہوگی تو لالہ رخ ضرور اسے آگاہ کرے گی فراز کے خلوص کو مدنظر رکھتے لالہ رخ حامی بھر لیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

وہ دونوں بنّو کے اس طرح وہاں سے بے حد گھبراہٹ کے عالم میں بھاگنے پر ششدر کھڑی تھیں کہ اسی پل وہاں پہنچنے والی سیاہ جیپ نے آن واحد میں لالہ رخ اور مہرینہ کی توجہ پوری طرح اپنی جانب مبذول کی تھی...... داور حبیب بڑے کروفر سے ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان دونوں کے قریب آ پہنچا جب کہ دونوں لڑکیاں کافی خود اعتمادی سے اپنی جگہ پر کھڑی داور حبیب کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہیلو لیڈیز میرا نام داور ہے داور حبیب...... میں آپ کے زمیندار صاحب کا بیٹا ہوں' پچھلے ماہ ہی امریکہ سے آیا ہوں۔" داور ان دونوں سے تہذیب و شرافت کا لبادہ اوڑھے بڑے مہذب لب و لہجے میں بات کر رہا تھا مگر اس کے انداز و اطوار کا ساتھ اس کی آنکھیں ہرگز نہیں دے رہی تھیں جو اس کی اندرونی شخصیت کی اس پل بھرپور غمازی کر رہی تھیں۔

"جی السلام علیکم۔" لالہ رخ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی تو داور ایک پل کے لیے تھوڑا اسٹپٹایا پھر دوسرے ہی لمحے بڑی بردباری سے "وعلیکم السلام" کہا پھر یہاں وہاں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بڑی خوش دلی سے گویا ہوا۔

"ماشاءاللہ ہماری وادی کا حسن تو دن بہ دن نکھرتا جارہا ہے۔ یقین کیجیے آپ کہ اس علاقے سے خوب صورت اور بہترین دنیا کا کوئی گوشہ نہیں...... بس ذرا ہم اس کی تھوڑا اور تراش خراش کرلیں کچھ سہولیات مہیا کردیں تو یقین جانیے دنیا کے کونے کونے سے یہاں لوگ سیاحت کے لیے آئیں گے۔"

"جی آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔" لالہ رخ مروتاً جواب دیتے ہوئے بولی۔

"دراصل ہمیں اپنی خوش بختی کا اندازہ نہیں ہے کہ ہم کتنے خوب صورت خطے کے باسی ہیں...... بس جی کیا کریں ہمیں اپنے وطن کی قدر ہی نہیں......" اور ایسے مدبرانہ انداز میں گفتگو کررہا تھا جیسے آل پاکستان سیمینار میں لیکچر دے رہا ہو اس دفعہ لالہ رخ محض خاموش ہی رہی دونوں کو نجانے کیوں اس شخص سے اندر ہی اندر بے حد الجھن و بے زاری محسوس ہورہی تھی حالانکہ وہ دیکھنے میں خاصا پرکشش تھا مگر......

"او کے پھر میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔" وہ اپنے ہنوز لہجے میں بولا تو دونوں نے ہی دل میں ڈھیروں شکر ادا کیا اور اسے اللہ حافظ کہہ کر گویا لالہ رخ اور مہرو نے اپنی جان چھڑائی تھی داور کے وہاں سے نکلتے ہی لالہ رخ بے حد کڑوا سا منہ بنا کر بولی۔

"اف یہ کیا چیز تھی...... خوامخواہ اپنی علمیت کا رعب ڈال رہی تھی اسے بڑا شاک تھا یہاں کی ناقدری کا اور خود موصوف امریکہ میں مقیم تھے۔"

"افوہ...... لالہ تم اس شخص کو گولی مارو یار مجھے تو بٹو کا انداز بے حد پریشان کررہا ہے تم نے دیکھا نہیں تھا کہ وہ کس قدر گھبراہٹ اور وحشت کے عالم میں یہاں سے بھاگا تھا میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر ہمارے بٹو کو ہو کیا گیا ہے کس بات سے وہ اتنا ہراساں اور خوف زدہ ہے۔" مہرو حقیقی معنوں میں پریشان ہی ہوکر تیزی سے بولی۔ "لالہ مجھ سے بٹو کا یہ طرز عمل بالکل برداشت نہیں ہورہا یقیناً وہ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہے۔" مہرو کی بات پر لالہ رخ بھی اندر ہی اندر بے حد ڈسٹرب ہوگئی۔

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو مہرو...... مگر وہ ہم سے اپنے دل کی بات نجانے کیوں نہیں شیئر کررہا حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا...... وہ ہر چیز ہمیں بتاتا تھا ہمیں سب کچھ بتائے بنا بھلا اسے چین کہاں آتا تھا۔"

"تو لالہ پلیز بتاؤ نا اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" مہرو کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک ہی پل میں جادو کی چھڑی گھما کر بٹو کی تمام پریشانیوں کو ختم کرکے اسے پہلے جیسا کردے۔ اس لمحے مہرو کے لب و لہجے میں بے قراری ہی بے قراری تھی لالہ رخ نے مسٹرڈ رنگ کے گرم سوٹ پر سیاہ شال اوڑھے مہرو کو بغور دیکھا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

"تم فکر نہیں کرو مہرو، ہم بٹو سے ضرور سب کچھ اگلوا لیں گے اور تم دیکھنا یقیناً اس کی پریشانی چاہے کتنی ہی گھمبیر کیوں نہ ہو ہم اس کا حل بھی ضرور نکال لیں گے۔" لالہ رخ کی بات پر مہرو نے محض خاموشی سے اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

......O......

"سر آپ یہ بالکل ٹھیک نہیں کررہے ہے مجھ پر زور زبردستی کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا...... آپ صرف میرے استاد ہی نہیں بلکہ میرے انکل بھی ہیں۔" ماریہ بے حد ڈسٹرب ہوکر مقابل سے بولی جو اپنے روم میں آرام دہ کرسی پر بیٹھے شاید ماریہ کے وہاں آنے سے پہلے کتاب بینی میں مصروف تھے۔

"مائی ڈیئر ماریہ...... مائی کیوٹ چائلڈ میں اس بات کا لحاظ کررہا ہوں کہ میں تمہارا انکل ہوں...... جیکولین کو میں آج سے نہیں پچھلے بیس سالوں سے جانتا ہوں...... وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور مائی چائلڈ مجھے اس کی بیٹی سے ایسی

امید ہرگز نہیں تھی۔“ ماریہ کے لفظوں اور لہجے میں جس قدر کاٹ اور تلخی تھی سرپال کے لب و لہجے میں اتنی ہی چاشنی اور مٹھاس تھی ماریہ نے کافی الجھ کر سرپال کو دیکھا جو نظر کا چشمہ اپنے سر پر چڑھائے کتاب ہاتھ میں پکڑے جب کہ دوسرا ہاتھ اپنی تھوڑی پر مخصوص انداز میں پھیرتے ہوئے وہ اسے بہت پراسرار لگ رہے تھے۔ اپنی عمر کی ساٹھ بہاریں دیکھنے والا یہ شخص اپنی فٹ فاٹ پرسنیلٹی کی بدولت محض چالیس بیالیس سال کا ڈیسنٹ مرد لگتا تھا۔

”کیا مطلب سر آپ کا......! اب میں نے ایسا بھی کیا کردیا۔“ وہ اندر ہی اندر بے پناہ جز بز اور خائف ہو کر بظاہر خود اعتمادی سے بولی تو اس پل سرپال کے چھوٹے سے دہانے پر بڑی گہری و معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی وہ اپنی چیئر پر تھوڑا سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بے حد بھاری لہجے میں بولے۔

”مائی ڈیئر تم غداری کررہی ہو......ہم سب کے ساتھ اور خود کے ساتھ بھی......“ تلوار کی دھار اور نیزے کی انی سے بھی زیادہ تیز الفاظ اس پل ماریہ کو سرپال کے محسوس ہوئے تھے جس نے ایک ہی پل میں اس کے جسم میں پیوست ہو کر اسے زخم خوردہ کردیا تھا۔

”نہ......نہیں......آ......آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں میں غداری ہرگز نہیں کررہی۔“ اس کی آواز جیسے تاریک و گہرے کنویں سے ابھری تھی جواباً سرپال پوری طرح مسکرا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے گویا ہوئے۔

”یہ غداری ہے......صرف غداری اور تم جانتی ہو نا کہ غداری کی سزا کیا ہوتی ہے؟“

”آپ مجھے ڈرا دھمکا رہے ہیں؟“

”بالکل نہیں مائی چائلڈ......“

”تو پھر یہ کیا ہے؟“

”حقیقت......میں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔“

”میں اپنا حق استعمال کررہی ہوں سر غداری نہیں کررہی۔“

”بالکل نہیں تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں ہے ڈیئر۔“ پھر یک دم وہ اپنی نشست سے اٹھے۔

”مجھ سے بحث مت کرو ماریہ۔ میں نے اب تک صرف جیکولین کی وجہ سے تمہاری باتوں کو برداشت کیا ہے ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے اتنی لمبی مہلت ہرگز نہ ملتی۔“ یک لخت سرپال کا لہجہ اور انداز دونوں ہی بدلے تھے اس لمحے ان کے حلاوت آمیز چہرے پر چٹانوں جیسے کھردرے اور پتھریلے تاثرات ابھر آئے تھے ماریہ چپ کی چپ رہ گئی پھر بے حد خاموشی سے باہر جانے کی غرض سے دروازے کی جانب پلٹی کہ عقب سے جیسے اژدھوں کی پھنکار سنائی دی۔

”آج کی گفتگو کو آخری وارننگ سمجھنا ڈیئر۔“ ماریہ کے قدم بالکل منجمد ہو گئے جسم پتھر کی مانند بے حس و حرکت ہو گیا پھر اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے جسم کو جنبش دی اور دوسرے ہی پل وہاں سے نکل گئی۔

......O......

کامیش شاہ نے اپنے ڈپارٹمنٹ میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی وہ کچھ وقتوں سے کسی خفیہ مشن پر مامور تھا اللہ کا شکر تھا کہ وہ مشن اس نے اپنی ذہانت اور بہادری سے کامیابی کے ساتھ پورا کیا تھا۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ تو کیا میڈیا میں بھی اس بات کا خوب چرچہ ہورہا تھا۔ حکومت وقت نے بھی کامیش کی خدمات کو سراہا تھا جبکہ سمیر شاہ اپنے بیٹے کی کامیابی میں بے حد شاداں و فرحاں تھے۔ ساحرہ نے بھی اپنی گردن غرور و فخر سے کچھ اور بھی اکڑائی تھی میڈیا بھی کامیش شاہ کو خوب کوریج دے رہا تھا سارا اور اعظم بھی اپنے داماد کی پذیرائی پر بہت مسرور تھے فراز اپنے بھائی پر پراؤڈ فیل کررہا تھا ایک واحد سونیا کی ذات ایسی تھی جس پر اس خبر کا کوئی فرق نہیں پڑا تھا اس نے محض دکھاوے کی خاطر بھی کامیش کو مبارک باد نہیں دی

تھی۔ جب سے سونیا خان کامیش کی زندگی میں آئی تھی اسی دن سے ہی کامیش شاہ نے سونیا کی شخصیت میں بہت سی باتیں پرکھ لی تھیں جو اس کے لیے ناپسندیدہ تھیں مگر حقیقت تو یہ تھی کہ سونیا کی ذات سے زیادہ اہم اور توجہ طلب کامیش کی نگاہ میں اس کا کام تھا لہٰذا اس نے سونیا کے طرزِ عمل اور انداز کو محسوس کر کے اس پر مشتعل یا افسردہ ہونے کے بجائے اسے بالکل ہی نظرانداز کردیا تھا اگر سونیا کامیش کی ذات میں دلچسپی نہیں لیتی تھی تو اسے بھی اس بات کی مطلق پروا نہیں تھی اس کا اوڑھنا بچھونا آرام و سکون صرف اس کا کام ہی تھا۔

کامیش اپنے دوستوں، ساتھیوں اور دیگر لوگوں کی مبارک بادیں سمیٹتا رہا وہ رات کو کافی تھکا ماندہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو سونیا کو سیل فون پر کسی سے محوِ گفتگو پایا اس نے ایک سرسری نگاہ اس کے وجود پر ڈالی پھر اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابی کارنر ٹیبل پر رکھتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ نیم گرم پانی سے باتھ لے کر سلیپنگ گاؤن میں ملبوس اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا باہر نکلا تو سونیا کو ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا پایا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

''تم جلدی سے پلان کرلو میں تو جانے کے لیے بالکل ریڈی ہوں۔'' ڈارک بلو مہین سی نائٹی میں ملبوس سونیا مقابل سے کہہ رہی تھی کامیش نے چند ثانیے کے لیے اسے بغور دیکھا پھر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا برش اٹھا کر اپنے بالوں میں چلانے لگا اب سونیا فون سے فارغ ہو کر کامیش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''تم صبح سات بجے گھر سے نکلے تھے کامیش اور اب رات کے دو بج رہے ہیں......؟'' سونیا بے تاثر لہجے میں بولی تو کامیش نے بے ساختہ آئینے کی سطح پر ابھرتے سونیا کے عکس کو دیکھا۔

''ہوں ایم سوری یار یہ میڈیا والے تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' کامیش شاہ کے ایکسکیوز کو اس نے یکسر نظرانداز کر کے بیڈ پر اپنا تکیہ سیٹ کیا اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔

''میری فرینڈز ملائیشیا جانے کا پروگرام بنا رہی ہیں میرا بھی جانے کا ارادہ ہے میں بھی کچھ فریش ہو جاؤں گی ورنہ یہاں تو بس ایک سی روٹین سے طبیعت اکتا گئی ہے۔'' سونیا بے حد عام سے انداز میں ایسے بولی جیسے وہ ملائیشیا نہیں بلکہ اپنی مام کے گھر جانے کا بتا رہی ہو کامیش شاہ چونک کر اس کی جانب مڑا۔

''یہ تم مجھے انفارم کر رہی ہو یا پھر پوچھ رہی ہو؟'' سونیا یونہی لیٹے لیٹے بڑی لاپروائی سے بولی۔

''تم جو بھی سمجھو ڈیئر بٹ یہ بات کنفرم ہے کہ جیسے ہی میری فرینڈز ملائیشیا کا پلان کریں گی میں ان کے ساتھ لازمی جاؤں گی۔'' چند ثانیے تو کامیش خاموش سا کھڑا رہا پھر بے ساختہ اپنے عنابی لبوں کو زور سے بھینچ کر بے حد سپاٹ انداز میں گویا ہوا۔

''اور اگر میں تمہیں نہ جانے دوں تو؟'' سونیا جو بڑے پرسکون انداز میں لیٹی ہوئی تھی یک دم جیسے کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی پھر بڑے کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''کیوں..... تم مجھے کیوں نہیں جانے دو گے؟ آفٹر آل میں تم سے پوچھ ہرگز نہیں رہی بلکہ بتا رہی ہوں۔'' آج شادی کے بعد پہلی بار ان کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی۔

''اوہ تھینک یو سوچ..... سونیا صاحبہ کہ آپ نے مجھے بتانے کی زحمت گوارا کی مگر آپ یہ بات کان کھول کر سن لیں کہ آپ کو میں ملائیشیا جانے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔ ازاٹ کلیئر۔'' وہ سہولت سے کہتا بیڈ کے دوسری جانب اپنی جگہ پر بیٹھتا تو..... پہلے تو سونیا نے کافی حیران کن نگاہوں سے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر یک اس کی آنکھوں میں ضد اور اشتعال کے رنگ ابھر آئے۔

''مسٹر کامیش شاہ تم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے آج تک میرے کسی بھی عمل پر میرے پیرنٹس نے منع کرنا تو دور پوچھا

تک نہیں میرا جو دل چاہتا ہے وہ ہی میں کرتی ہوں اس کے لیے میں کبھی کسی سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی او کے۔"
"مگر آج کے بعد تم ہر بات مجھ سے پوچھ کر کرو گی اور رہا اس بات کا سوال کہ میں ہوتا کون ہوں تو کیا تم یہ بات نہیں جانتیں؟" وہ آخر میں استہزائیہ انداز میں بولا تو سونیا نے جیسے مکھی اڑائی۔
"اچھا تو تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ تم میرے شوہر ہو۔" وہ بھی اسی طرح کے لہجے میں دوبدو بولی پھر سر جھٹک کر قدرے دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔
"اونہہ..... تم سے اچھا تو فراز ہے تم سے زیادہ ٹائم دیتا ہے مجھے اور تم سے بہتر طریقے سے مجھے جانتا اور سمجھتا ہے۔" کامیش جو لیٹنے کے موڈ میں تھا سونیا کے جملے پر اس کے اعصاب کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا تھا سونیا اب مزے سے لیٹ کر کمبل اوڑھ کر اس کی جانب سے کروٹ لے چکی تھی کامیش نے الجھی نگاہوں سے اس کی پشت کو چند ثانیے دیکھا پھر سر جھٹک کر وہ بھی کروٹ لے کر لیٹ گیا جب کہ دوسری جانب اس وقت سونیا کے لبوں پر بڑی زہریلی سکراہٹ در آئی تھی۔

.....O.....

"میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا بدتمیز جنگلی اور بداخلاق آدمی نہیں دیکھا..... دیکھو ذرا اس چنگیز خان کے جانشین کو کیسے جان کو آ گیا تھا میرا تو قسم سے دل چاہ رہا تھا کہ کوئی پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے ماروں جاہل انسان۔" زرینہ اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے پورے کمرے میں چکر لگا رہی تھی جب کہ زرتاشہ بے حد اطمینان سے امرود کھانے میں مصروف تھی۔
"نجانے خود کو سمجھ کیا رہا تھا..... اونہہ اینگری ہیرو بننے کی بے حد ناکام کوشش تھی ناشپاتی جیسا تو منہ تھا اس کا اور تم نے آنکھیں دیکھی تھیں اس کی....." زرینہ یک دم اپنی جگہ پر رکتے ہوئے زرتاشہ کو دیکھ کر بولی تو امرود کھانے میں مگن زرتاشہ بے پناہ بےزاری سے گویا ہوئی۔
"ہاں بابا بٹاٹے جیسی تھیں اس کی آنکھیں..... تم گزشتہ دو دن سے یہی مکالمے دہرا رہی ہو اللہ کے واسطے اب بس بھی کر دو یہ سب سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔" زرتاشہ کی بات پر زرینہ نے اسے چڑ کر دیکھا۔
"ہاں..... ہاں اس کمینے نے بےعزتی تو میری کی ہے نہ اور تاشو..... کان کھول کر سن لو تم میں اس ایڈیٹ کو چھوڑنے والی ہرگز نہیں ہوں۔"
"یہ جملہ بھی تم مسلسل دو دن سے دہرا رہی ہو..... کہ میں اسے چھوڑنے والی نہیں ہوں۔"
"تو میں کروں بھی تو کیا کروں میرا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا یار..... اور یہ کیا تم طوطے کی طرح سارے امرود کھا گئیں میرے لیے تو بچا لیتی ندیدی کہیں کی۔" یک دم زرینہ کی خالی پلیٹ پر نگاہ گئی تو وہ تپ کر بولی۔
"ویسے زری بہت غلط بات ہے مہوش بے چاری کئی بار تم سے اپنے بھائی کے کیے کی معافی مانگ چکی ہے اور تم ہو کہ سریے کی طرح اکڑی ہوئی ہو یار اس غریب کو تو معاف کر دو۔"
"تمہیں مہوش کی حمایتی بننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔" اس نے تاشو کو جھاڑا تو زرتاشہ نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔

.....O.....

ماہ دسمبر کا آغاز ہو چلا تھا لوگوں سے اکثر کہتے سنا تھا کہ دسمبر کا مہینہ یادوں کا مہینہ ہوتا ہے ماضی کی ان گنت ولا تعداد کھٹی میٹھی تلخ وترش اور شہد آگئیں یادیں بنا دستک دیے دل وروح میں آسماتی ہیں اور دماغ تک رسائی حاصل کر کے پورے وجود میں طاری ہو جاتی ہیں..... انسان سرتاپا یادوں کے طلسم میں ڈوب جاتا ہے لالہ رخ بھی اس وقت یادوں

کے آکٹوپس میں پوری طرح جکڑی ہوئی تھی اپنے بچپن کی مزے دار شوخیوں سے بھرپور یادیں جس میں اس کے ساتھ زرتاشہ مہرو امی اور ساتھ ساتھ ابا بھی تھے...... ابا کو یاد کرتے ہوئے بے ساختہ اس کی پلکیں بھیگ چلی تھیں وہ ابھی یادوں کے ساغر میں مزید ڈوبتی کہ اپنے سیل فون پر بجتی بیپ پر وہ چونک کر حال کی دنیا میں واپس آئی تھی پھر بے اختیار ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے سرسری سا اسکرین پر دیکھ کر یس کا بٹن آن کیا۔

"آئی ہوپ میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا ہوگا۔" زندگی سے بھرپور فراز شاہ کا جاندار لہجہ اس کے کان کے پردے سے ٹکرایا تو اداسی پر مائل طبیعت نا چاہتے ہوئے بھی خوش گوار سی ہوگئی۔

"نہیں...... کچھ خاص نہیں۔" وہ مختصراً گویا ہوئی۔

"اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ تھوڑا بہت ڈسٹرب ہوئی ہیں آپ۔" وہ ہنس کر بولا تو لالہ رخ فوراً بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فراز قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"دراصل میں نے ایک بات بتانے کے لیے آپ کو فون کیا ہے۔" جبکہ لالہ رخ فراز کے لہجے کے بھاری پن کو محسوس کر کے دھیرے سے بولی۔

"کہیے فراز میں سن رہی ہوں۔"

"میں کچھ عرصے کے لیے لندن جا رہا ہوں۔" وہ سہولت سے بولا تو لالہ رخ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئی۔

"کس سلسلے میں جا رہے ہیں آپ؟" لالہ رخ کی دلکش سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ مسکرا کر جواب دیتے ہوئے بولا۔

"بس کچھ بزنس ایشوز ہیں اور پھر تھوڑی سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔" پھر معاً اسے یاد آیا تو وہ استفسار کرتے ہوئے بولا۔ "مہرینہ اور آپ کا دوست بٹو کیسا ہے؟" بٹو کے نام پر یک دم لالہ رخ کے ذہن میں بٹو کا پراسرار رویہ یاد آ گیا تو وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ دونوں ٹھیک ہیں۔" لالہ رخ کے بجھے انداز کو فراز شاہ نے لمحہ بھر میں محسوس کر لیا تھا تب ہی نرمی سے بولا۔

"لالہ رخ...... سچ سچ بتائیے گا آپ کسی بات کو لے کر پریشان ہیں کیا؟"

"کیا یہ شخص دلوں میں جھانک لینے کا فن جانتا ہے؟" لالہ رخ اس پل بے حد حیرت سے دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی پھر اگلے ہی پل بے ساختہ اس کی زبان سے پھسل گیا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ اس بات کو چھوڑیے پہلے مجھے وہ بات بتائیے جس نے آپ کو اندر سے کافی الجھا رکھا ہے۔" وہ اس کے سوال کو درخور اعتنا نہ جانتے ہوئے نارمل انداز میں بولا تو لالہ رخ چند ثانیے خاموش رہی پھر دھیرے سے گویا ہوئی۔

"فراز بات تو زیادہ بڑی نہیں ہے مگر میں اور مہرو دراصل بٹو کو لے کر بہت حساس ہیں...... اسے کوئی تکلیف یا دکھ ہو وہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا ہمیں بہت عزیز ہے وہ۔" دوسری جانب فراز شاہ بغور اس کی بات سنتا رہا...... پھر لالہ رخ نے بٹو کے بارے میں شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ بتا ڈالا۔

"پتہ نہیں آج کل اسے کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہم سے بھی کترانے لگا ہے۔" آخر میں لالہ رخ افسوس بھرے لہجے میں بولی تو فراز شاہ کسی گہری سوچ سے یک دم چونکا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"بٹو کے ساتھ تو یقیناً کوئی بہت بڑی پریشانی ہے لالہ رخ...... اور میرے خیال میں وہ اتنی آسانی سے آپ دونوں کو بتائے گا نہیں کیونکہ اس کی پریشانی کا تعلق آپ دونوں سے ہی ہے۔"

"ہم دونوں سے...... کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟" فراز کی بات پر وہ حیرت و استعجاب سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر

استفہامیہ انداز میں بولی۔

"جی لالہ رخ وہ آج کل جس پریشانی کا شکار ہے وہ یقیناً آپ دونوں کے حوالے سے ہے کیونکہ بقول آپ کے وہ آج سے پہلے اپنی ہر بات چاہے وہ خوشی کی ہو یا پریشانی کی آپ دونوں سے شیئر کرتا تھا اور اس بار ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ آپ دونوں کو نظر انداز کررہا ہے تو اس بات کا یہی مطلب نکلتا ہے۔" فراز تفصیل سے بولا تو لالہ رخ کچھ لمحے کے لیے کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"میرے خیال میں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں فراز وہ تو ہم دونوں پر اپنی جان چھڑکتا ہے مگر...... ہماری بدولت اسے کیا فکر لاحق ہوسکتی ہے؟" وہ آخر میں الجھے ہوئے انداز میں بولی تو فراز کچھ سوچ کر بولا۔

"پچھلے کچھ دنوں میں کوئی ایسی بات تو بنو کے ساتھ درپیش نہیں آئی جو نئی اور غیر معمولی تھی۔" لالہ رخ بے ساختہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے گزشتہ دنوں کی باتیں سوچنے لگی مگر پھر گہری مایوسی سے بولی۔

"پچھلے دنوں تو میں اپنے چکروں میں ہی الجھی رہی زرتاشہ کی پریشانی پھر اسے کراچی چھوڑنے جانا اور واپس آ کر آفس کے جھمیلوں میں گھر گئی مجھے تو بنو کے ساتھ ملنے کا موقع بھی نہیں ملا۔"

"تو پھر آپ مہرینہ سے پوچھیے گا کہ پچھلے دنوں کیا کوئی بات روٹین سے ہٹ کر ہوئی تھی۔"

"ٹھیک ہے فراز...... آپ نے کوئی تو راستہ نکالا ورنہ میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہوئے جارہی تھی کہ آخر بنو کی پریشانی تک کیسے رسائی حاصل کی جائے۔" وہ بنو کی طرف سے قدرے پرسکون ہوکر فراز کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی تو فراز یک دم مسکرایا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

......O......

احمر یزدانی نے جب سے ان دونوں کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا تھا خاص طور پر عدیل تو اس کی جان کو آ گیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے انہیں ملوائے۔

"اف باسل یار تو سمجھا نا اس عقل سے پیدل انسان کو کہ ابھی تو میں خود صرف دو بار اس سے ملا ہوں اور بہت مختصر سی بات ہوئی ہے۔" احمر بے حد زچ ہوکر بولا تو کتاب میں سر دیے باسل نے ایک سرسری نظر دونوں کو دیکھا پھر کافی بےزاری سے بولا۔

"تم دونوں کبھی لڑکیوں کے علاوہ بھی کوئی بات کرلیا کرو یار۔"

"ہائیں......" دونوں اس پل بری طرح اپنی جگہ سے اچھلے تھے پھر بے حد حیرت و استعجاب میں گھر کر باسل حیات کو دیکھا جو ایک بار پھر کتاب میں مصروف ہوگیا تھا۔

"باسل تیری طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟" عدیل بے حد تحیر کے عالم میں باسل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا جو اس پل اپنی یونیورسٹی کے نسبتاً پرسکون گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں۔" باسل نگاہ اٹھا کر عدیل کی طرف دیکھتا ہوا بولا تو احمر دوسرے ہی پل بے حد شرارتی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہوں اس نیلم فرمان نے ہمارے دوست کو شریف اور نیک بچہ بنادیا ہے۔" مگر عدیل سے باسل کا یہ نیا انداز آسانی سے ہضم نہیں ہورہا تھا جب ہی ہنوز لہجے میں بولا۔

"بھلا وہ کرپٹ لڑکی باسل میں اتنی بڑی چینج کیسے لاسکتی ہے؟"

"کیوں بھئی تجھے کس بات پر اعتراض ہے باسل کے سدھرنے پر یا نیلم کی وجہ سے یہ تبدیلی آنے پر۔" احمر عدیل کو

فہمائشی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کڑے لہجے میں بولا جب کہ عدیل احمر کی بات کو یکسر نظر انداز کر کے باسل کو حیرت سے تکتے ہوئے بولا۔

"تو ایک لڑکی کی وجہ سے باقی تمام لڑکیوں سے الرجک کیوں ہو گیا یار...... اب ساری لڑکیاں نیلم فرمان جیسی بھی نہیں ہوتیں۔"

"عدیل تمہارے پاس بس لڑکیاں...... لڑکیاں کرنے کے علاوہ بات کرنے کو کچھ اور نہیں ہے کیا؟ میں اب اپ سیٹ ہونے لگا ہوں تمہاری ان باتوں سے انڈر اسٹینڈ......" باسل بے حد ناگواری سے کتاب زور سے بند کرتے ہوئے مشتعل سا ہو کر بولا پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں سے چلتا بنا جب کہ احمر اور عدیل محض خاموشی سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

......O......

فراز تیزی سے اپنے ضروری کام نمٹا رہا تھا تاکہ وہ چند دن بعد لندن کے لیے نکل سکے ابھی فی الحال اس نے گھر میں کسی کو بھی اپنے لندن جانے کے بارے میں نہیں بتایا تھا وہ عین وقت پر ہی بتانا چاہتا تھا اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھا کسی فائل کو دیکھ رہا تھا جب ہی کوئی بے حد دھیمی سی دستک دے کر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اندر آ گیا نو وارد کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بے پناہ مسحور کن اور بھینی بھینی باڈی کلون اور پرفیوم کی مہک چہار سو پھیل گئی تھی یہ خوشبو جب فراز شاہ کے نتھنوں سے ٹکرائی تو دروازے کی جانب سے پیٹھ موڑے بیٹھے فراز کو یک دم خفیف سا جھٹکا لگا تھا وہ آنے والی شخصیت کو اس کی خوشبو سے پہچان گیا تھا بے ساختہ تیزی سے اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو کمرے کے بیچوں بیچ سونیا لائٹ گرین رنگ کے سلیپنگ ڈریس میں ملبوس چھوٹی سی ٹرے میں دو مگ رکھے اسے ہاتھوں میں تھامے کھڑی تھی۔

"تم...... تم یہاں اس وقت۔" فراز اندر ہی اندر خائف سا ہو کر فقط اتنا ہی بولا جب کہ سونیا دوسرے ہی لمحے تیزی سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر ٹھہری تھی۔

"اُفوہ...... فراز ایک تو تم بھی ناں...... تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ ہم دوست ہیں وہ بھی بچپن کے بیسٹ فرینڈ۔" وہ بے حد نارمل لہجے میں بول رہی تھی فراز شاہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ "یہ مگ اٹھاؤ میں نے تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے بڑی اسپیشل کافی بنائی ہے۔" وہ مگن سے انداز میں کہہ رہی تھی فراز بے ساختہ ایک تھکن آمیز سانس کھینچ کر رہ گیا' آج ڈنر پر کامیش ندارد تھا اس کی طبیعت کچھ بوجھل تھی لہٰذا وہ اپنے کمرے میں محو آرام تھا فراز نے سونیا کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں اس وقت کامیش کے پاس ہونا چاہیے سونیا...... اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لمحا سے تمہاری ضرورت ہوگی۔"

"اوہ کم آن فراز...... کامیش کوئی سات سال کا بچہ نہیں ہے جسے بیماری میں میری ضرورت ہوگی اور تم مجھ سے کیا ایکسپیکٹ کر رہے ہو کہ میں جا کر اس کا سر دباؤں؟" وہ بے پناہ بیزار کن لہجے میں بولی پھر اگلے ہی لمحے قدرے شرارت سے گویا ہوئی۔ "ہاں البتہ اگر تمہارے سر میں درد ہو تو پھر میں دبانے کے لیے بخوشی تیار ہوں۔"

"واٹ ربش سونیا...... یہ کیا بیہودگی ہے۔" وہ بے حد ناگواری سے اسے جھڑک گیا۔

"کیوں اس میں کیا بیہودگی ہے بھلا؟ میں اپنے دوست کا سر بھی نہیں دبا سکتی کیا؟" وہ حیرانی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے نروٹھے پن سے بولی تو فراز نے بے حد چڑ کر کہا۔

"تمہیں اپنے دوست کی نہیں بلکہ اپنے شوہر کی فکر کرنی چاہیے۔"

"اونہہ...... وہ میرا شوہر بننے کے لائق نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" فراز بری طرح الجھا۔

"جو شخص مجھے پسند ہی نہیں وہ میرا شوہر کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ بڑے مزے سے کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بے پروائی سے بولی۔

"یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو سونیا..... کامیش سے تمہارا نکاح ہوا ہے اور وہ تمہیں سب کے سامنے اپنی عزت اور حرمت بنا کر اپنے ساتھ لایا ہے۔"

"اف..... فراز بھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ تمہارے اندر کسی دادی اماں کی روح سمائی ہوئی ہے کتنی دقیانوسی اور فضول باتیں کرتے ہو تم۔" اس وقت فراز کا دل چاہا کہ وہ حقیقی معنوں میں اپنا سر دیوار سے دے مارے۔

"ماما آپ نے سونیا جیسی لڑکی کو کامیش جیسے اچھے انسان کا لائف پارٹنر بنا کر اس کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کی ہے۔" بے ساختہ وہ تاسف و دکھ بھرے لہجے میں دل ہی دل میں بولا پھر یک دم اس کی طرف متوجہ ہو کر جلدی سے اٹھا۔

"اچھا چلو تم اپنے روم میں جاؤ مجھے بھی سونا ہے گڈ نائٹ۔" جواباً سونیا تھوڑا مسکرائی مگر کچھ جتاتی نظروں سے اسے دیکھا پھر بڑی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے "اوکے" کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔

کھٹکے کی آواز پر کامیش نے جلتی ہوئی آنکھوں سے دروازے کی جانب دیکھا جہاں اس وقت سونیا داخل ہوئی تھی پھر اس نے دکھتے ہوئے سر پر تکیہ رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

❁ ....O........ ❁

باہر برستی ہلکی ہلکی بارش نے پورے ماحول کو جل تھل کر دیا تھا جبکہ سردی نے وجود کو ہولے ہولے کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا ماریہ گرم اوور کوٹ میں ملبوس خود کو مفلر کی مدد سے اچھی طرح لپیٹے کلاس اٹینڈ کر کے باہر نکلی تو عقب سے جیسکا کی آواز سنائی دی۔

"ماریہ پلیز تم کاریڈور میں میرا ویٹ کرو میں ذرا سر مائیکل سے کچھ بات کر کے آتی ہوں۔" جواباً ماریہ اثبات میں سر ہلا کر کچھ الجھی الجھی سی کاریڈور کی جانب بڑھ گئی بھانت بھانت کی بولیاں بولتے اسٹوڈینٹس جن کے چہروں پر بے فکری و سکون اور خوشی کے رنگ جھلک رہے تھے اس پل کاریڈور کے اطراف میں بنی بھاری گلاس وال سے آسمان سے گرتی بوندوں کو دیکھ کر بہت انجوائے کر رہے تھے یہاں آ کر بھی ماریہ کی الجھن میں کمی نہیں آئی تھی اس نے بے اختیار اپنے اردگرد گردن گھما کر دیکھا پھر سہولت سے اپنے پیچھے مڑ کر بھی نگاہ گھمائی مگر سب کچھ اسے معمول کے مطابق ہی نظر آیا سب آپس میں محو گفتگو تھے آج صبح سے ہی وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے پہلے تو اس نے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹکا مگر کچھ ہی دیر بعد اسے پورا یقین ہو گیا کہ کوئی اسے مسلسل دیکھ رہا ہے اس نے کئی بار اچانک سر اٹھا کر کلاس میں ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی بھی اسے خود پر متوجہ دکھائی نہیں دیا تھا اس وقت بھی کاریڈور میں یہی صورت حال تھی یک دم اسے بے پناہ گھٹن اور وحشت کا احساس ہوا تو وہ بنا سوچے سمجھے وہاں سے نکل آئی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی بلڈنگ سے باہر آئی تو چند لمحے کے لیے اس کے قدم ٹھٹکے تھے باہر برستی بارش میں کچھ تیزی آ گئی تھی وہ کچھ پل یونہی کھڑی بارش کو دیکھتی رہی پھر باہر نکلنے کے ارادے سے جونہی اس نے قدم بڑھانے چاہے اسے اپنے پہلو سے گھمبیر آواز سنائی دی۔

"اتنی بارش میں کہاں جا رہی ہو ماریہ؟" بے اختیار وہ ٹھٹک کر رکی..... پھر بے حد حیرت سے اس نے اپنے بائیں جانب کھڑے شخص کو دیکھا اس کا کلاس فیلو میک پورے سیاہ لباس میں ملبوس بڑے عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا ماریہ کچھ ریزرو سی لڑکی تھی لہٰذا وہ اپنے کلاس فیلوز چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا کسی سے بھی غیر ضروری بات نہیں کرتی تھی جبکہ میک سے تو اس کی رسماً بھی ہیلو ہائے تک نہیں تھی جب ہی وہ یوں میک کے مخاطب کرنے پر کافی حیران ہوئی تھی پھر سرعت سے اپنی کیفیت کو سنبھال کر وہ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ظاہر ہے گھر ہی جاؤں گی۔" ماریہ کے جواب پر وہ تھوڑا سا مسکرایا پھر قدرے توقف کے بعد بہت ہی پراسرار لہجے میں گویا ہوا۔
"تم اتنی دیر سے مجھے ہی ڈھونڈ رہی تھیں ناں...." ماریہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا اس نے ششدر ہو کر اسے دیکھا.... اس لمحے وہ تحیر واستعجاب کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھی۔
"اس کا مطلب.... کہ.... تم.... مجھے فالو کر رہے تھے....؟" ماریہ بے حد اٹک اٹک کر انگریزی میں بولی۔ اس کی حیرت کسی طور کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ماریہ کی طرح میک بھی کسی سے بلا ضرورت بات چیت نہیں کرتا تھا ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا مگر آج اس کے اس ایٹی ٹیوڈ نے ماریہ کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔
"یس مائی ڈیئر.... میں نے ہی تمہیں فوکس کیا ہوا تھا۔" ماریہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس پل اس کی عقل و سمجھ جیسے بالکل ہی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔
"مگر کیوں.... تم کیوں مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے میک؟" وہ استفہامیہ لہجے میں بولی تو جواباً میک اپنے دونوں ہاتھ اپنی کوٹ کی جیبوں میں اڑستے ہوئے پراسرار لہجے میں بولا۔
"تاکہ تم اپنی سابقہ ایکٹوٹیز دوبارہ نہ شروع کر دو۔" میک کی بات پر ماریہ کے جسم میں گردش کرتا خون جیسے اپنی جگہ رک گیا تھا دل دھڑکنا اس لمحے بھول ہی گیا تھا وہ سانس روکے دم سادھے، بہت دیر تک اسے یونہی کھڑی دیکھتی رہ گئی۔
"تو.... تو تم بھی سرپال کے ساتھی ہو۔" وہ ہکلا کر بولی۔
"ساتھی تو تم بھی ہماری ہو مگر شاید یہ بات تم بھول رہی ہو۔"
"تو.... نیور میں تم لوگوں کی ساتھی نہیں ہوں۔"
"تم ہمارے ہی جیسی ہو ماریہ اور ہم تمہیں بدلنے ہرگز نہیں دیں گے۔"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"
"تم اچھی طرح میرا مطلب سمجھ رہی ہو؟"
"سرپال نے تمہیں میری جاسوسی پر مامور کیا ہے نا....؟"
"یہ نوبت آنے کی ذمہ دار تم خود ہو۔"
"تم لوگ مجھ پر ذہنی تشدد کر رہے ہو؟"
"صرف جیکولین آنٹی کی خاطر ہم تم سے نرمی برت رہے ہیں وگرنہ جو تم کچھ کر رہی ہو نا اس کے لیے تو تم سخت سزا کی مرتکب ہو۔" سانپ کی مانند پھنکارتے لہجے میں میک قدرے اس کی جانب جھک کر بولا پھر سرعت سے پلٹ کر وہاں سے چلتا بنا جب کہ ماریہ وہیں ہک دک سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

.....O.....
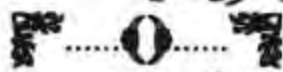
کامیش شاہ نے سونیا کو ملائیشیا جانے سے صاف منع کر دیا تھا جس پر سونیا نے اس کی شکایت ساحرہ سے کی تھی۔ سمیر شاہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے کامیش کو درست اور سونیا کی بچکانہ ضد کو غلط قرار دیا تھا جس پر ساحرہ جو بھرپور طور پر سونیا کا ساتھ دے رہی تھیں سمیر کے دوبدو آن کھڑی ہوئی۔
"ایک تو مجھے تم مردوں کی بیمار سوچ سے بہت زیادہ چڑ ہے ارے اگر بچی اپنے دوستوں کے ساتھ ملائیشیا گھومنے پھرنے جانا چاہتی ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے اور پھر کامیش.... وہ کون سا اسے ٹائم دیتا ہے ابھی تک اسے ہنی مون پر بھی لے کر نہیں گیا اونہہ.... تمہارا بیٹا بالکل تم پر ہی گیا ہے۔" آخر میں ساحرہ ناک سکیڑ کر نخوت بھرے انداز میں بولی تو

سمیر شاہ نے اسے تاسف آمیز نظروں سے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولے۔

"میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ اللہ کریم نے مجھے بیٹوں جیسی نعمت سے نوازا ہے کاش اگر میری کوئی بیٹی بھی ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا...... مگر ساحرہ آج میں اس بات کا شکر ادا کررہا ہوں کہ اللہ نے ہمیں بیٹی نہیں دی کیونکہ جس عورت کی سوچ اور ذہن تمہارے جیسا ہوگا اس کے لیے بیٹی کا نہ ہونا ہی سب سے بڑی نعمت ہوگا۔" ساحرہ سمیر کا اس قدر کٹیلا طنز برداشت نہیں کرسکی تھی۔ وہ بے پناہ تلملا کر بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا سمیر...... کیا میں بیٹی کی ماں بننے کے لائق نہیں ہوں؟ کیا میں اپنی بیٹی کو کسی غلط روش پر لگا دیتی' تم اتنا بڑا الزام مجھ پر کیسے لگا سکتے ہو بولو سمیر۔" وہ تو غصے واشتعال کے مارے بالکل آپے سے باہر ہوگئی تھی اس پل فراز اور کامیش دونوں گھر سے باہر تھے البتہ سیٹنگ روم میں بیٹھی سونیا میگزین ہاتھ میں تھامے ساحرہ اور سمیر کے بیڈروم سے آتی آوازوں سے بے پناہ حظ اٹھارہی تھی۔

"ہوں۔ جس طرح تم آج اپنی بہو کو یوں تن تنہا ملائشیاء بھیجنے کی بھرپور حمایت کررہی ہو اسی طرح اگر آج تمہاری بیٹی ہوتی تو تم ایسا ہی کرتی ناں۔" سمیر شاہ آج تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر ساحرہ پر جیسے پھٹ پڑے تھے۔

"وہ...... وہ اکیلی تو نہیں جارہی اس کے ساتھ اس کے فرینڈز بھی ہیں۔" سمیر کی بات پر ساحرہ جز بز سی ہوکر بولی تو سمیر نے اسے بے حد طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ان فرینڈز میں لڑکے بھی شامل ہیں ساحرہ میڈم۔"

"مجھے اپنی بہو پر پورا بھروسہ ہے سمیر۔" وہ چیخ کر بولی تو سمیر نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"اچھا اور ان لڑکوں پر بھی بھروسہ ہے' جو سونیا کے ساتھ جارہے ہیں؟" اس بار ساحرہ چپ کی چپ رہ گئی پھر جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو یہ کہتے ہوئے وہاں سے جانے کے خیال سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے۔" ساحرہ کمرے سے باہر نکل کر سونیا کو ڈھونڈتی ہوئی سیٹنگ روم کی جانب آئی تو سونیا نے فوراً رونی صورت بنالی تھی۔

......O......

"یار بس کیا بتاؤں اس بلبل نے تو تیرے یار کا چین وسکون سب کچھ چھین لیا ہے دیکھ کر اسے ایسا لگتا ہے جیسے چودھویں کا پورا چاند سرد موسم کی ٹھنڈی میٹھی بارش جو جسم کو بھگو کر ایک مستی میں مبتلا کردے۔" وہ ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اپنے ڈیرے پر بیٹھا بے حد عامیانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"اف...... کیا بتاؤں ایسا خطرناک حسن تو میں نے پورے امریکہ میں بھی نہیں دیکھا...... کسی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ حیاء کے پردے میں سمٹا حسن آتش شوق کو کچھ اور بھی زیادہ بھڑکا دیتا ہے اور یہاں تو سمجھو آگ ہی آگ لگ گئی ہے۔" داور حبیب اپنے خوشامدیوں اور دوستوں کے سنگ محفل جمائے مہرو کے بارے میں بے حد ریک گفتگو کررہا تھا۔

"تو...... میرے جگر ہمیں بھی تو ملواؤ آخر ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسی دکھائی دیتی ہے جسے صرف دیکھ کر ہی ہمارا یار بنا پیے ہی بہک رہا ہے۔" عنایت ایک آنکھ دباتے ہوئے لوفرانہ لہجے میں بولا تو داور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ارے تھوڑا صبر کرلو گرم گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے...... ویسے اس کی سہیلی بھی کم پٹاخہ نہیں مگر اپنا دل تو اس بلبل پر بری طرح سے آگیا ہے کہیں اور لگتا ہی نہیں۔"

"تھوڑا دل سنبھال میرے جگر بھلا اسے جانا کہاں ہے آخر کو تیری ہی بانہوں میں آکر قید ہونا ہے...... بس ذرا اس لاہور کی ارم ایمان کا قصہ ٹھنڈا ہوجائے پھر دیکھ لیں گے تیری اس بلبل کو بھی۔" داور کا دوسرا دوست مہتاب کچھ سوچتے

ہوئے بولا تو معاغیاث کو کچھ یاد آیا تو وہ قدرے پریشانی سے گویا ہوا۔

''وہ ارم ایمان زیادتی کیس کی فائل ابھی تک بند نہیں ہوئی ہے۔''

''تو بند ہوجائے گا کیس...... رانا آصف کوئی معمولی انسپکٹر نہیں ہے، بہت اونچی چیز ہے وہ۔'' داور نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر کہا تو دونوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

......O......

بارش کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا البتہ ہلکی پھلکی بوندا باندی ابھی بھی جاری تھی ماریہ انتہائی وحشت زدہ سی ہوکر عمارت سے باہر نکلی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کالج کے گیٹ سے باہر آ گئی اس پل اس کے دماغ میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے سرپال اور میک کی آوازوں کی بازگشت اسے اپنے اطراف سنائی دے رہی تھیں۔

''تم غداری کررہی ہو ماریہ...... میں نے اب تک صرف جیکولین کی وجہ سے تمہیں برداشت کیا ہے تم جانتی ہونا کہ غداری کی سزا کیا ہوتی ہے؟ تم ہمارے ہی جیسی ہو ماریہ اور ہم تمہیں بدلنے ہرگز نہیں دیں گے۔'' وہ جتنا ان آوازوں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی وہ آوازیں اتنی ہی شدت سے اس کا پیچھا کررہی تھیں، ماریہ اپنے اردگرد سے بے نیاز بس دیوانہ وار یونہی چلے چلی جارہی تھی وہ ایک ایسی جگہ پر آ کر کھڑی ہوگئی تھی جہاں اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں بس دیواریں ہی دیواریں تھیں جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ گہرے بھنور میں ڈوبتی چلی جارہی تھی کوئی ایسا نہیں تھا جو اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے اس بھنور سے نکال باہر کرتا وہ خود فراموشی کے عالم میں چلتی چلی جارہی تھی۔ ہلکی ہلکی پڑتی پھوار نے اسے اچھا خاصا بھگو ڈالا تھا مگر اسے تو کسی بھی چیز سے سروکار نہیں تھا بس اندر بڑھتی وحشت اور گھٹن اسے بری طرح بے کل کیے دے رہی تھی۔۔ بہت دیر تک یونہی چلتے چلتے یک لخت اس کے قدم خود بخود ٹھٹک کر رکے تھے اس نے سر اٹھا کر سامنے بنی بلڈنگ کی جانب دیکھا تو کچھ دیر پہلے جو اندر کی وحشت اور گھٹن اسے مارنے کے درپے تھی وہ بھاپ کی مانند یک دم اڑنچھو ہوگئی تھی اور ڈھیروں سکون و اطمینان اس کے رگ وپے میں سرائیت کرگیا تھا وہ ایک سرشاری سی کیفیت میں بلڈنگ کی جانب بڑھی اور دوسرے ہی لمحے جھپاک سے اندر داخل ہوگئی۔

......O......

شام کے دھندلکے گہرے ہوکر رات کی سیاہی میں تبدیل ہوچکے تھے وسیع و عریض آسمان نے رات کا سیاہ لبادہ کیا پہنا کہ یک لخت ہی ستاروں کی کہکشاں اپنے قافلے سمیت آن پہنچی اور چہار سو بکھر گئی جبکہ کسی اوٹ میں چھپے چاند نے بھی آسمان کے سینے پر بیٹھ کر اپنا جوبن دکھانا شروع کردیا تھا باسل حیات کلب سے اپنے گھر لوٹا تو اپنے گھر کے باہر کھڑی ہنڈا سوک کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ گھر میں کوئی مہمان آیا ہے وہ اپنی دھن میں سرخ اینٹوں سے بنی روش پر چلتا اندر کی جانب بڑھا...... اگلے ہی لمحے وہ ہال میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے خاور حیات کے علاوہ کسی اور کی بھی مردانہ آوازیں آرہی تھیں باسل کو مہمانوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ اسی لمحے حورین جو غالباً کچن سے اس جانب آرہی تھی باسل کو دیکھ کر بہت خوش گواری سے بولی۔

''ارے واہ باسل بیٹا تم تو بڑے اچھے وقت پر آ گئے۔'' باسل نے حورین کی بات پر نا سمجھی سے دیکھا تو حورین اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی۔ ''دراصل تمہارے ڈیڈی کے بہت اچھے دوست اپنی بیٹی کے ساتھ آئے ہیں آؤ تم ان سے آ کر مل لو۔'' حورین کی بات پر جان کر باسل تھوڑا بیزار سا ہوا پھر دوسرے ہی لمحے کسلمندی سے بولا۔

''اوہ...... مام میرا اس وقت کسی سے بھی ملنے کا موڈ نہیں ہورہا پلیز پھر کبھی۔''

''مگر مما کی جان آپ کے ڈیڈ تو آپ کا ویٹ کررہے ہیں اپنے فرینڈ اور ان کی بیٹی سے ملوانے کے لیے۔'' حورین

پریشان سی ہو کر بولی تو اپنی ماں کے چہرے پر تذبذب اور تفکر کے جھلکتے رنگوں کو یک دم محسوس کر کے باسل فوراً سے پیشتر بولا۔

"او کے یو ڈونٹ وری مام میں ان سے مل لیتا ہوں مگر پلیز آپ ٹینشن مت لیں۔" باسل کی بات پر حورین نے اپنے بیٹے کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھا پھر ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ حورین کے ہمراہ جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اس کی سب سے پہلی نگاہ بالکل سامنے رکھے صوفے پر براجمان عنایہ ابراہیم پر پڑی وہ یک دم بے ساختہ وہیں کا وہیں ٹھہر گیا جب کہ اسی پل عنایہ نے بھی اسے دروازے پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ بے حد دلکش اور شرارتی سی مسکراہٹ نے باسل کا استقبال کیا تھا جبکہ باسل جواباً بھی مسکرا نہیں سکا تھا اسی دوران حورین ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکی تھی اور باتوں میں مگن خاور کو مخاطب کر کے بولی۔

"خاور یہ باسل آ گیا ہے۔" خاور نے چونک کر سامنے دیکھا پھر باسل کو دیکھ کر بے حد جوش و مسرت سے بولا۔

"باسل کم آن مائی ڈیر سن...... دانش یہ ہے میرا بیٹا باسل...... باسل خاور حیات۔" اس وقت خاور حیات کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے فخر ہی فخر تھا جبکہ اس دوران عنایہ اسے ہنوز شرارت سے دیکھتی رہی۔

"کیسا لگا یہ سرپرائز۔" وہ جب عنایہ کے برابر والے صوفے پر بیٹھا تو عنایہ اپنے مخصوص شوخ و شنگ انداز میں بولی جبکہ اس پل باسل نے بغور اسے دیکھا۔ ڈیپ ریڈ رنگ کے ٹاپ پر بلو جینز پہنے اپنے ڈارک براؤن بالوں کو شانوں پر پھیلائے چہرے پر لائٹ سا میک اپ کیے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی باسل مسکرا کر گویا ہوا۔

"آپ کو شاید سرپرائز دینے کا بہت شوق ہے۔" جس پر وہ تیزی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"جی جناب...... آپ نے بالکل صحیح سمجھا مجھے سرپرائز دینے کا کریز ہے اچھا آپ یہ تو بتائیے کہ میرا یہ والا سرپرائز کیسا لگا؟"

"آف کورس مجھے اچھا لگا۔" وہ خوش دلی سے بولا پھر مزید استفسار کرتے ہوئے گویا ہوا۔ "کیا آپ پہلے سے جانتی تھیں کہ میرے ڈیڈ آپ کے فادر کے دوست ہیں؟"

"بالکل میں یہ بات پہلے سے جانتی تھی ایکچولی میں ایک بار اپنے پاپا کے ساتھ آپ کے ڈیڈ کے آفس آئی تھی وہیں ان کی ٹیبل پر آپ کی تصویر دیکھی تھی ویسے آپ کے ڈیڈ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" عنایہ دلکشی سے بولی تو باسل نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے خاور حیات کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانتا ہوں میں...... ڈیڈ اس پوری دنیا میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں ان فیکٹ وہ صرف میرے ڈیڈ ہی نہیں بلکہ میرے سب سے اچھے دوست بھی ہیں۔"

"اوہ...... یہ تو بہت اچھی بات ہے ویسے تمہاری مام بھی بہت نائس ہیں اور ایک بات بتاؤں تمہیں......" وہ ایک ہی جست میں آپ سے تم پر آ گئی تھی باسل کی جانب تھوڑا جھکتے ہوئے بولی تھی۔ "مجھے ان کی اتنی اٹریکٹو بیوٹی سے تھوڑی تھوڑی جیلسی بھی فیل ہو رہی ہے۔" عنایہ کی بات پر باسل بے ساختہ زور سے ہنس دیا پھر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

......O......

مومن جان غصے میں پھنکارتے ہوئے لال بھبھوکا چہرہ لیے لالہ رخ کو بے حد کاٹ دار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لالہ رخ کو آج ذرا فرصت ملی تو اس نے مومن جان سے بات کرنے کی ٹھانی۔ لالہ رخ کی امی نے مہرو کو اپنے پاس بہانے سے بلوا لیا تھا تاکہ لالہ رخ اس کی غیر موجودگی میں اس کے باپ سے بات چیت کر سکے۔ مہرو اصل حقیقت سے بالکل انجان بڑے خوش گوار موڈ میں امی کے ساتھ لحاف میں ڈورے ڈالتے ہوئے ساتھ ساتھ مسلسل باتیں بھی کر رہی تھی جبکہ لالہ رخ گیسٹ ہاؤس جانے کا کہہ کر سیدھی اس کے گھر آئی تھی۔

"ایک تو مجھے تمہاری ماں پر حیرت ہوتی ہے کہ بھلا اس نے کیوں اپنی لڑکیوں کو اس قدر آزادی دے رکھی ہے ایک کو اتنی دور بھیج دیا اور دوسری نہ صرف مردوں کے ساتھ نوکری کرتی ہے بلکہ دوسروں کے معاملات میں بھی دخل اندازی کرتی ہے۔ نا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم ہوتی کون ہو ہمارے گھر کے ذاتی معاملے میں بولنے والی۔" مومن جان ماتھے پر ان گنت شکنیں سجاتے ہوئے بے حد ناگواری اور کافی بدتہذیبی سے بولا تو یک دم لالہ رخ نے ضبط کے مارے اپنے لبوں کو زور سے بھینچا گڈو بیگم بھی بڑی بے قراری سے پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"بے شک پھوپا جان یہ آپ لوگوں کے گھر کا معاملہ ہے مگر مہرو ہمیں بھی بہت عزیز ہے اور یہ رشتہ اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔" لالہ رخ اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے بڑی نرمی سے گویا ہوئی مگر مومن جان کا منہ ہنوز بنا رہا اس نے رخ موڑ کر بہت غصے سے اپنی بیوی کو دیکھا پھر لالہ رخ کی طرف متوجہ ہو کر طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اچھا اب تم مجھے سمجھاؤ گی کہ مہرو کے لیے کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب۔"

"میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا پھوپا جان...... میں تو بس صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ یہ رشتہ مہرو کے لیے موزوں نہیں...... وہ لڑکا تو کسی بھی لحاظ سے مہرو کے جوڑ کا نہیں ہے بلکہ وہ تو......!"

"اچھا اب یہ چھٹانک بھر کی لڑکی مجھے بتائے گی' سمجھائے گی کہ کیا موزوں ہے کیا نہیں؟" مومن جان اپنی بیوی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا پھر مزید گویا ہوا۔ "اپنی اس حمایتی سے کہہ دے کہ اس کی اتنی عمر نہیں ہے جتنا زندگی کا مجھے تجربہ ہے...... اونہہ خود تو کنواری رہ گئی اور چاہتی ہے میری بیٹی بھی باپ کی دہلیز پر بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جائے۔"

"مومن اللہ کے واسطے خاموش ہو جاؤ' اب ایک لفظ بھی تم لالہ رخ کے خلاف نہیں بولو گے سمجھے۔" گڈو یک دم اشتعال میں آ گئیں جبکہ اس پل لالہ رخ کا دلکش چہرہ بالکل سرخ ہو گیا تھا مومن جان اونہہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا جب ہی گڈو بیگم بے حد شرمندہ اور روہانسی ہو کر اس کے پاس آ کر بولیں۔

"میری بچی مجھے معاف کر دے یہ شخص ایسا ہی ہے زبان کے ساتھ ساتھ دل کا بھی بے حد سخت' اسی لیے میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تو بات کرے اور یہ اپنی خصلت سے مجبور ہو کر تیرا دل نہ دکھاوے۔" لالہ رخ نے قدرے چونک کر انہیں دیکھا پھر ایک دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دباتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"ارے پھوپو آپ بالکل غمگین نہ ہوں میں نے خود کو پہلے سے ہی ان باتوں کے لیے تیار کر لیا تھا میں جانتی ہوں پھوپا جان کی زبان کی کڑواہٹ کو...... یقین کیجیے مجھے کچھ برا نہیں لگا۔" قدرے توقف کے بعد بولی۔ "اور پھوپو آپ اس بات کی تو فکر بالکل مت کیجیے گا کہ پھوپا جان اپنی من مانی کر کے ہماری مہرو کی زندگی سے کھلواڑ کریں گے میرے لیے جیسے تاشو ہے ویسے ہی مہرو ہے اور آج پھوپا جان کے رویے نے تو میرے اندر اور زیادہ ہمت و جرأت پیدا کر دی ہے۔ بس آپ یہ یقین کر لیجیے کہ لالہ رخ اپنے جیتے جی ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گی۔" لالہ رخ انتہائی مضبوط لہجے میں بولتی چلی گئی تو گڈو بیگم کی آنکھوں سے روانی سے آنسو بہہ نکلے انہوں نے بے حد محبت سے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

"جیتی رہے میری بچی تو ہمیشہ سلامت رہے آمین۔"

......O......

ملائشیا جانے کے معاملے کو سونیا خان نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا وہ ہر صورت ملائشیا جانے پر مصر تھی جبکہ دوسری جانب کامیش شاہ بھی ضد پر اتر آیا تھا...... کل رات بھی دونوں کے درمیان اچھی خاصی جھڑپ ہوئی تھی۔

"او مائی گاڈ مسٹر کامیش...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر روایتی اور قدامت پسند انسان نکلو گے جو انسان اپنی بیویوں

کو تو سات پردوں میں چھپا کر اپنی ایگو کی تسکین چاہتے ہیں اور خود جگہ جگہ منہ مارتے ہیں۔" وہ بے حد تنفر و حقارت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی کامیش فطرتاً ٹھنڈے دماغ کا انسان تھا اسے بلاوجہ غصہ کرنے کی بالکل بھی عادت نہیں تھی مگر سونیا کے ان لفظوں نے اسے جیسے دہکتے ہوئے الاؤ میں گرادیا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین سونیا..... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کہ میرا کریکٹر لوز ہے میں باہر یہ سب کام کرتا ہوں۔" کامیش غصے سے تلملا اٹھا.....سونیا اس کا اتنا سنگین ردعمل دیکھ کر اندر ہی اندر تھوڑا خوف زدہ ہوئی مگر پھر اپنی ازلی ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو کر بولی۔

"دیکھو کامیش بات نجانے کہاں سے کہاں جارہی ہے میں تم سے سمپل یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنی فرینڈز کے ساتھ ملائشیا جانے دو ڈیٹس اٹ۔"

"اور میں اپنی بات بار بار دہرانے کا عادی نہیں ہوں..... میں نے تم سے کہہ دیا کہ تم ملائشیا نہیں جاؤ گی تو نہیں جاؤ گی از اٹ کلیئر۔" کامیش بے حد سخت لہجے میں بولا پھر غصے سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

فراز لان میں آ کر پودوں کی تراش خراش کررہا تھا' اکثر فارغ اوقات میں وہ یہ کام بے حد شوق و ذوق سے کرتا تھا' ڈھلتی دوپہر کے ان پرسکون لمحات میں وہ ادھر آ نکلا' پہلے تو اس نے مالی سے کھرپی لے کر کچھ پودوں کی گوڈی کی اب کٹر کی مدد سے سوکھے پتوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا جب ہی سونیا بلیک رنگ کے چست پاجامے پر ریڈ رنگ کی چست سی قمیص پہنے ادھر چلی آئی۔

"کیا ہورہا ہے؟" وہ مختصراً بولی تو اپنے کام میں مگن فراز عام سے لہجے میں بولا۔

"پودوں کی صاف صفائی کررہا ہوں۔" سونیا نے چند لمحے اسے بغور دیکھا سفید شلوار کرتے میں جس کی آستینیں اس نے کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں جب کہ سفید کرتے پر جابجا مٹی کے داغ لگے ہوئے تھے' پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

"ہوں کبھی اپنے بھائی کے ذہن کی بھی صفائی کرلیا کرو..... بہت کچرا ابھرا ہوا ہے اس کے اندر۔" سونیا بے حد تنفر بھرے انداز میں بولی تو ایک دم فراز کے حرکت کرتے ہاتھ ساکت ہوئے اس نے چونک کر اپنے پاس کھڑی سونیا کو دیکھا۔

"سونیا غلط بات وہ بھی اپنے ہزبینڈ کے متعلق..... ایسی بات نہیں کرتے۔" وہ بے ساختہ اسے ٹوک گیا جب کہ سونیا نے محض کڑوا سا منہ بنانے پر اکتفا کیا۔ "سونیا کامیش بہت کیئرنگ اور اچھا انسان ہے تم اسے سمجھنے کی کوشش کرو اس کی بات کو سمجھو..... اگر وہ نہیں چاہتا کہ تم ملائشیا جاؤ تو تم اس کی بات مان کیوں نہیں لیتیں۔" فراز ناچاہتے ہوئے بھی بولا۔ اسے امید واثق تھی کہ اس بات پر سونیا بری طرح بھڑک اٹھے گی اور اسے کھری کھری سنائے گی مگر یہ کیا..... سونیا تو بے حد دلکشی سے مسکراتے ہوئے اسے بہت خاص نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"فراز ڈیئر کون کم بخت تمہیں چھوڑ کر وہاں ملائشیا جانا چاہتا ہے جہاں میں نجانے کتنی بار جاچکی ہوں میں تو تمہیں ایک پل کے لیے بھی خود کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی۔" فراز کو اس پل یوں لگا جیسے اس کے اوپر کسی نے گرم کھولتا ہوا پانی انڈیل دیا ہو..... وہ سرتاپا جھلس کر رہ گیا آہستہ آہستہ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اشتعال اور نفرت کی تند و تیز لہر اس کے اندر سے اٹھی تھی جس نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"تم ہوش میں تو ہو سونیا..... کتنی گھٹیا' سطحی اور گری ہوئی باتیں کرنے لگی ہو تم۔"

"تمہیں دیکھ کر مجھے ہوش ہی کہاں رہتا ہے ڈیئر۔" وہ جیسے گنگنائی تھی۔

"شٹ اپ..... جسٹ شٹ اپ..... اب ایک بھی لفظ منہ سے مت نکالنا۔" وہ بے حد غصے سے بولا پھر کٹر پھینک کر وہاں سے چلا گیا جبکہ سونیا اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کیے مسکراتے لبوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر یک دم اپنے

ہونٹوں کو نفرت سے بھینچ کر زہریلے انداز میں بولی۔
"مسٹر فراز شاہ آ گئے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔"

......O......

کلاسز سے فارغ ہو کر زرتاشہ اور زرینہ دونوں بڑے مگن انداز میں ہاسٹل کی طرف جاتے ہوئے ادھر ادھر باتوں میں محو تھیں جب ہی زرینہ کا موبائل بج اٹھا چلتے چلتے زرینہ یک دم رکی...... پھر زرتاشہ کو "ایک منٹ" کہہ کر اپنے بیگ سے موبائل فون نکالنے لگی' موبائل فون ہاتھ میں آتے ہی اس نے جونہی اسکرین پر نگاہ ڈالی فراز بھائی کالنگ لکھا دیکھ کر خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ...... یہ آج فراز بھائی کی کال کیسے آ گئی؟" اس کے ساتھ ہی اس نے اوکے کا بٹن دباتے ہوئے بڑے جوشیلے اور خوشگوار انداز میں بولی۔ "السلام علیکم فراز بھائی......!" جبکہ جواباً فراز مختصراً گویا ہوا۔

"وعلیکم السلام گڑیا...... یہ بتاؤ اس وقت کہاں ہو تم دونوں؟" فراز کی بات پر تھوڑا حیران سا ہو کر زرینہ نے جواب دیا۔

"یہیں پر ہیں...... میرا مطلب ہے بس کیمپس سے ہاسٹل کی طرف جا رہے ہیں۔" زرتاشہ اپنی جگہ کھڑی خاموشی سے زرینہ کو بات کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"اچھا پھر فٹافٹ ہاسٹل پہنچو میں تم دونوں کا یہیں ہاسٹل میں ویٹ کر رہا ہوں اوکے......" فراز کا مژدہ سن کر زرینہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"سچ فراز بھائی......! اچھا ہم بس پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں اوکے اللہ حافظ۔" وہ جلدی سے بول کر سیل فون آف کر گئی پھر زرتاشہ کو دیکھ کر انبساط بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔ "تاشو فراز بھائی ہم سے ملنے ہاسٹل آئے ہیں' ہمارا انتظار کر رہے ہیں چل جلدی پہنچتے ہیں۔" زرتاشہ بھی یہ سن کر کافی خوش ہوئی تھی لہٰذا اثبات میں سر ہلا گئی پھر دونوں تیز تیز قدموں سے ہاسٹل پہنچی تھیں اور اب دونوں وزیٹنگ روم میں بیٹھیں فراز کے سامنے حیرت و مسرت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"یقین کیجیے فراز بھائی اس وقت آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے...... آخر کتنے دنوں کے بعد آپ کو ہم سے ملاقات کرنے کا خیال آیا ہے نا۔" بولتے بولتے زرینہ جملے کے اختتام میں اپنے لہجے کو تھوڑا شکایتی سا بنا کر بولی تو یک دم فراز شرمندگی سے کان کھجا کر رہ گیا جبکہ زرتاشہ فراز کو تھوڑا پزل سا دیکھ کر زرینہ سے بولی۔

"افوہ...... زری ایک تو فراز بھائی ہم سے ملنے آئے ہیں اور تم ہو کہ شکایتی دفتر کھول کر بیٹھ گئی ہو تمہیں معلوم ہے نا کہ وہ کتنے بزی رہتے ہیں۔" کاہی گرین اور سرخ رنگ کے امتزاج کے خوب صورت پرنٹڈ کاٹن کے جوڑے میں حسب معمول سر پہ دوپٹہ جمائے زرتاشہ نے فراز شاہ کا فیور لیا تو وہ زور سے ہنس دیا جب کہ زرینہ زرتاشہ کو فہمائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے فراز کو مخاطب کر کے بولی۔

"دیکھیے نا فراز بھائی یہ تاشو تو ہمہ وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہے بس کوئی موقع ہاتھ آتا نہیں اور یہ مجھے لتاڑنے بیٹھ جاتی ہے۔" فراز نے مسکراتے لبوں سے زرینہ کی بات کو سنا پھر بڑی دلکشی سے دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا بابا اس مسئلے کو ہم بعد میں ڈسکس کر لیتے ہیں پہلے تم دونوں یہ دیکھ لو۔" دو بڑے سائز کے شاپنگ بیگز فراز شاہ نے ان دونوں کی جانب بڑھائے تھے جس پر دونوں نے بے اختیار فراز کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے یک بیک ہو کر کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

"خود کھول کر دیکھ لو نا۔" فراز سہولت سے بولا تو دوسرے ہی پل دونوں نے بیگ کھولا تو اس میں سے بے حد اسٹائلش اور جدید انداز کے دو بوتیک سوٹ اور اس کے ساتھ کچھ جیولری اور کاسمیٹکس کا سامان برآمد ہوا زرتاشہ نے چیزوں کو نا سمجھی

والے انداز میں الٹ پلٹ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"فراز بھائی یہ سب کیا ہے؟" ڈارک پرپل اور بلیک کنٹراسٹ کے شلوار سوٹ میں ملبوس زرمینہ کی آنکھوں میں بھی یہی سوال تھا۔

"افوہ...... یہ تم دونوں اتنی پریشان کیوں ہوگئیں...... ڈریسز ہیں اور کیا ہے؟ اور کچھ تم لڑکیوں کی پسند کی چیزیں ہیں مجھے ویسے لیڈیز شاپنگ کا آئیڈیا بالکل نہیں ہے اب پتہ نہیں یہ چیزیں تم دونوں کو پسند آئیں یا نہیں۔" آخر میں فراز شاہ تھوڑا کنفیوز سا ہوکر بولا تو زرمینہ نے جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں...... نہیں فراز بھائی یہ چیزیں تو بہت اچھی ہیں آپ کی چوائس تو واقعی لاجواب ہے مگر......" وہ تھوڑا رکی پھر جھجک کر گویا ہوئی۔ "یہ سب کچھ ہمارے لیے لانے کی کیا ضرورت تھی۔" اس بار فراز نے اسے کچھ ناراضی سے دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

"زری اگر تم دونوں نے ایسی غیروں والی باتیں کیں تو میں تم دونوں سے خفا ہوجاؤں گا اوکے۔" فراز کی بات پر وہ دونوں ہی پریشان سی ہوگئی تھیں جب ہی زرتاشہ فوراً سے پیشتر بولی۔

"اچھا فراز بھائی ٹھیک ہے، ہم رکھ لیتے ہیں آپ پلیز ناراض مت ہوئیے گا۔" جواباً فراز دلکشی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا پھر کچھ دیر ان دونوں سے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اپنے اصل موضوع کی جانب آتے ہوئے بولا۔

"زرمینہ اور زرتاشہ میں کچھ عرصے کے لیے لندن جارہا ہوں اگلے ہفتے میری فلائٹ ہے۔" فراز کی اطلاع پر دونوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر یک دم ان دونوں کے چہروں پر اداسی کے بادل چھاگئے۔

"اچھا...... مگر فراز بھائی ہم لوگ آپ کو بہت مس کریں گے آپ کے یہاں ہونے سے ہم دونوں کو بہت ڈھارس ملتی تھی۔" بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ پہنے بے حد ہینڈسم نظر آتے فراز کو دیکھ کر زرمینہ منہ لٹکاتے ہوئے بولی تو زرتاشہ نے بھی سر ہلا کر اس کی تائید کی جبکہ فراز فوراً بولا۔

"ارے گڑیا...... لندن یہاں سے اتنا دور تھوڑی ہے جیسے ہی تم کو میری ضرورت پیش آئے بس مجھے ایک کال کرلینا میں فوراً یہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"خیر فراز بھائی اب لندن اتنا بھی قریب نہیں......" زرتاشہ اس کی بات پر ہنستے ہوئے بولی تو زرمینہ واپس اپنے سابقہ موڈ کی جانب آتے ہوئے بے پناہ اشتیاق بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"ویسے فراز بھائی مجھے لندن دیکھنے کا بے حد شوق ہے اور وہاں کی مشہور جگہیں جیسے لندن آئی، برٹش میوزیم وغیرہ وغیرہ۔" زرمینہ کے چہکنے پر زرتاشہ نے تھوڑا رخ موڑ کر صوفے پر بیٹھی زرمینہ کو دیکھا پھر بڑے طنزیہ انداز میں بولی۔

"شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا کہ وہاں کا مجھے تاج محل، اہرام مصر اور ایفل ٹاور دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

"کیوں...... کیا میں پاگل ہوں؟ جو ان جگہوں کے نام لوں گی، یہ سب وہاں لندن میں کہاں ہیں تم بھی تاشو کبھی کبھی حد کرتی ہو۔" فراز شاہ بڑی دلچسپی سے ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہورہا تھا۔

"نہیں شاید مجھے لگا کہ پروین شاکر کے مصرعوں کی طرح یہ بھی وہیں کہیں لندن میں ہوں۔" زرتاشہ بے حد سنجیدگی سے بولی جبکہ زرمینہ بری طرح کھسیانی سی ہوگئی۔

"نہیں خیر اب یہ سب تو مجھے معلوم ہے۔" زرمینہ جھینپے جھینپے انداز میں بولی تو فراز فوراً اپنی ابرو اچکا کر استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"کون سے مصرعے پروین شاکر والے؟"

"افوہ..... فراز بھائی آپ بھی کس کی باتوں پر دھیان دے رہے ہیں اچھا یہ بتایئے کہ آپ کی پیکنگ وغیرہ ہوگئی۔" وہ فوراً سے پیشتر جلدی سے اس موضوع سے توجہ ہٹانے کی غرض سے فراز سے یونہی پوچھنے لگی جبکہ زرتاشا اس وقت بے حد شرارتی نگاہوں سے ذرمینہ کو دیکھے گئی۔

......O......

سرد ہواؤں اور جسم کو ٹھٹھرا دینے والی خنکی نے مری کی وادیوں میں قبضہ جما لیا تھا..... دلفریب اور خوب صورت نظر آنے والے اخروٹ' بادام اور چیڑ کے درختوں پر اب برف کی سفید دبیز تہہ جم چکی تھی تاحد نگاہ ہر جانب بس سفید براق برف کے گالے بکھرے ہوئے تھے..... مہرو سویرے جلدی اٹھنے کی عادی تھی مگر آج کچھ سردی کی شدت اور تھوڑی طبیعت میں بے زاری کے باعث وہ لحاف کے اندر دبکی اماں کے دوبارہ اٹھانے پر بھی نہیں اٹھی تھی جب ہی اماں تیسری بار ذرا جارحانہ انداز میں کمرے میں آ کر بولیں۔

"مہرو..... اب اگر تو نے بستر نہیں چھوڑا تو سمجھ لے آج تجھے ناشتہ نہیں ملنے والا۔" اماں کی سرزنش میں ڈوبی آواز جب اس کے کانوں میں پڑی تو وہ بے حد سستی بھرے لہجے میں لحاف کے اندر سے ہی بولی۔

"افوہ..... اماں میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا اٹھنے کو مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔" مہرو کی بات پر گڈو بیگم کچھ مشتعل انداز میں بولیں۔

"اچھا پھر گھسی رہ سارا دن لحاف کے اندر میں بنو سے کہہ دیتی ہوں کہ نہیں اٹھنے کی آج تمہاری باجی۔"

"بنو..... بنو....." مہرو نے بنو کا نام سنا تو بے حد حیران ہو کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی پھر دوسرے ہی لمحے بجلی کی سی تیزی سے لحاف ایک جانب پھینک کر بستر سے سرعت سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"کہاں..... کیا بنو آیا ہے؟" اماں نے بڑے جھنجھلا سے سے دیکھا۔

"ابھی تو..... تو لحاف میں بلی کی طرح دبکی نکلنے کو تیار نہیں تھی.....؟"

"ارے بھئی اماں بتاؤ نا کہ کیا بنو آیا ہے؟" وہ تیزی سے بولی تو اماں نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر گویا ہوئیں۔

"ہاں بے چارا کب سے باہر بیٹھا ہے مگر تجھے تو اپنی نیند سے فرصت نہیں....."

"اف..... اماں تم بھی نا..... مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" اس خبر نے گویا اس کے اندر بجلی سی بھر دی تھی وہ ڈوپٹہ سنبھالتی عجلت میں پیروں میں چپل ڈال کر دروازے کی طرف بھاگی۔

"لو بھلا اور سنو اس لڑکی کی باتیں..... بالکل ہی باؤلی ہوگئی ہے میں نے باہر سے بیٹھے بیٹھے تجھے بتایا تھا مگر تو نے تو جیسے کان ہی لپیٹے ہوئے تھے۔" مہرو عقب سے آتی اماں کی آواز کو ان سنی کرتے ہوئے تیزی سے چھوٹے سے لاؤنج میں آئی تو موڑھے پر بنو کو بیٹھے دیکھ کر بے حد مسرت آمیز لہجے میں بولی۔

"ارے بنو تم..... تم آگئے میرے گھر۔" بنو مہرو کو دیکھ کر جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں باجی بھلا کیوں نا آتا آپ کے گھر۔" اس پل بنو کے چہرے سے خوشی وانبساط کی جیسے قوس وقزح پھوٹ رہی تھی مہرو نے بخوبی اس وقت بنو کے چہرے اور لہجے سے چھلکتی خوشی کو محسوس کیا تھا انسپکٹر رانا آصف کے ٹرانسفر ہو جانے پر ارم ایمان زیادتی کیس ایک ایمان دار آفیسر کے ہاتھ آ گیا تھا' نتیجتاً داور حبیب اور اس کے ساتھی خطرہ بھانپ کر فی الفور انڈر گراؤنڈ ہوگئے تھے جبکہ داور کے مری سے غائب ہونے پر بنو نے بے پناہ سکون وطمانیت کا سانس لیا تھا اور دوسرے دن ہی مہرو سے ملنے اس کے گھر آ پہنچا تھا' جبکہ مہرو نے بنو کو اپنے سابقہ انداز میں واپس آتے دیکھ کر ڈھیروں دل میں شکر ادا کیا تھا۔

گہری شام بہت سرعت سے رات کی تاریکی میں ڈھل چکی تھی کائنات کی ہر شے گھپ اندھیرے میں ڈوبی رات کی سیاہی کا ہی حصہ بن چکی تھی سونیا بڑے مگن انداز میں اپنے گھر خود ہی ڈرائیور کر کے پہنچی تھی وہ جیسے ہی اپنے گھر میں داخل ہوئی تو کاریڈور میں کھڑی سارا بیگم نے ملازم کو ہدایت دیتے ہوئے جونہی سامنے سے آتی سونیا کو دیکھا ان کے وجود میں خوشی وانبساط کی جیسے لہر سی دوڑ گئی آج بہت دنوں بعد وہ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

''اوہ..... سونیا مائی ڈارلنگ بے بی تم.....؟'' وہ والہانہ انداز میں سونیا کی جانب بڑھیں اور اگلے ہی پل اسے گلے لگالیا۔

''ہوں اپنی مما کا آج تمہیں خیال آ ہی گیا ورنہ تم تو یہاں کا راستہ ہی بھول گئی تھیں نا۔'' سارا بیگم نے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا تو سونیا لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''مما ایسی کوئی بات نہیں ہے بس کچھ بزی تھی۔'' وہ دونوں چلتی ہوئی لاؤنج کی جانب آ گئیں اور وہیں بیٹھ گئیں۔

''اور سناؤ وہاں سب ٹھیک چل رہا ہے نا کامیش کیسا ہے اور تمہاری آنٹی.....؟'' سارا بیگم ملٹی کلر کی کاٹن کی شرٹ پر آف وائٹ پاجامے میں ملبوس سونیا کو بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولیں تو سونیا کا موڈ تھوڑا آف ہو گیا۔

''ہوں اس کامیش کو بھلا کیا ہونا ہے اور آنٹی..... وہ بھی مست ہیں اپنی لائف اپنی این جی اوز اور وہاں کی پارٹیز میں۔'' سارا بیگم نے اپنی بیٹی کی بات بغور سنی پھر بڑے طنزیہ انداز میں کندھے اچکا کر بولیں۔

''ہاں بھئی جب شوہر صاحب نے انہیں ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے تو بھلا کیوں نہ اپنی من مانی کرتی پھریں گی۔'' پھر اچانک کچھ یاد آنے پر بولیں۔ ''اچھا تم یہ بتاؤ کہ وہاں تم تو خوش ہو نا کامیش کا تمہارے ساتھ سلوک کیسا ہے؟''

''اونہہ..... وہ شخص صرف مشین ہے جو منہ اندھیرے آن ہو جاتی ہے اور پھر رات ڈھلے اس کا بٹن آف ہو جاتا ہے۔'' سونیا بے حد برا سا منہ بنا کر بولی تو سارا بیگم نے بے حد حیران کن نگاہوں سے اپنی بیٹی کی جانب دیکھا۔

''کیا مطلب سونیا..... مطلب تم کامیش کے ساتھ خوش نہیں ہو؟'' اس وقت ان کے لہجے میں تفکر و پریشانی کے رنگ بخوبی جھلکے تھے جسے محسوس کر کے سونیا بڑے بے پروا انداز میں بولی۔

''ڈونٹ وری مما..... میرا یہ ایشو نہیں ہے کہ کامیش مجھے خوش رکھ رہا ہے یا نہیں بلکہ فوکس پوائنٹ تو یہ ہے کہ فراز شاہ کبھی خوش نہ رہے وہ لمحہ لمحہ سکون وطمانیت کو ترسے اسے چین کی نیند نصیب نہ ہو۔'' اس پل سونیا کے لہجے میں فراز کے خلاف اس قدر نفرت وتنفر تھا کہ سارا بیگم بھونچکا سی بیٹھی اسے دیکھتی رہ گئیں جواب اپنے لبوں کو بھینچے سرخ چہرہ لیے اپنے اشتعال کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی کچھ دیر تو سارا بیگم کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھیں پھر یونہی مہر بہ لب بیٹھیں بے حد اچھنبے سے اسے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھیں کافی دیر بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئیں تو بے پناہ پریشانی کے عالم میں بولیں۔

''کیا مطلب..... سونیا میں کچھ سمجھی نہیں تم کہنا کیا چاہتی ہو..... اور یہ تمہارے اور کامیش کے درمیان فراز بھلا کہاں سے آ گیا؟'' ماں کی پریشانی کو در خور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے سونیا بے پناہ ہٹیلے انداز میں بولی۔

''اونہہ..... بیچ میں فراز نہیں بلکہ کامیش آیا ہے اور وہ بھی اس فراز شاہ کی وجہ سے مما..... آپ دیکھیے گا کہ میں اس بات کی سزا فراز کو ایسی دوں گی کہ وہ ساری زندگی مجھے یاد رکھے گا۔''

''یہ..... یہ کیا تم اناب شناب بولے جا رہی ہو سونیا۔''

''یہی حقیقت ہے مما۔''

''ک..... کیسی حقیقت؟''

”کہ یہ شادی میں نے صرف اور صرف فراز شاہ سے اپنے ٹھکرائے جانے کا انتقام لینے کے لیے کی ہے ورنہ تو میں اس گھر میں تھوکتی بھی نا۔“ بالآخر سونیا نے زہر خند لہجے میں وہی بات کہہ ڈالی جس کا خدشہ سارا بیگم دل ہی دل میں محسوس کر کے ہولے جارہی تھیں انہوں نے غیر یقینی نگاہوں سے سونیا کو دیکھا پھر اٹکتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”میں تو سمجھی تھی کہ تم نے فراز کو دل سے نکال کر ہی کامیش سے رشتہ جوڑا ہے۔“

”اوہ کم آن مما...... آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں سونیا اعظم خان جس نے بچپن سے فراز کو چاہا اس کے سنگ ہمراہی کے خواب سجاتی رہی بس ایک ہی پل میں ایک ہی جھٹکے میں اپنے دل کے اندر سے نکال باہر کروں گی...... “ وہ کافی جھنجلا کر بولی پھر قدرے توقف کے بعد بے حد ٹھہرے ہوئے انداز میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے گویا ہوئی۔

”یہ حقیقت ہے کہ فراز میرے دل ودماغ اور روح میں ابھی بھی موجود ہے مگر اب فرق یہ ہے کہ پہلے وہ میری محبت تھا اور اب وہ صرف نفرت ہے مجھے نفرت ہے اس سے بے تحاشا بے پناہ۔ جس نے میری محبت میری چاہت کو کس قدر سنگ دلی سے ٹھکراتے ہوئے ایک بھی لمحہ ایک بھی پل میرے بارے میں نہیں سوچا وہ بے حس خود غرض شخص مجھ سے دوستی کا رشتہ رکھ کر میری آنکھوں میں موجود پیغام کو جان بوجھ کر ان دیکھا کرتا رہا...... مما کیوں کیا اس نے یہ سب بتایئے...... کیوں کیا اس نے میرے ساتھ؟“ اس پل خود پر وہ اپنا کنٹرول کھو چکی تھی سارا بیگم کے دونوں بازو جھنجوڑ کر بولی تھی۔ ”مما وہ سب جانتا تھا...... سب سمجھتا تھا تو پھر کیوں......؟ کیوں اس نے پہلے ہی قدم پر مجھے روکا کیوں نہیں مجھے ڈس کریج کیوں نہیں کیا...... وائے مما...... وائے اس نے ایسا کیوں کیا؟“ بولتے ہوئے اچانک وہ بلک بلک کر رونے لگی تو اسی پل سارا بیگم کے تحیر کا شیشہ چھن سے ٹوٹا تھا انہوں نے بے پناہ تڑپ کر سونیا کو اپنے سینے سے لگالیا تھا۔

......O......

ماریہ بک شاپ میں اپنی مطلوبہ بک کی تلاش میں مگن تھی جب ہی عقب سے اسے بے حد گھمبیر آواز سنائی دی۔

”ہیلو ماریہ ڈیئر......“ ماریہ جو شیلف سے کتاب نکال کر اس کے اوراق الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی یک دم بھاری مردانہ آواز پر وہ بری طرح گڑبڑائی جبکہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کے ہاتھوں سے کتاب چھوٹ کر اس کے قدموں میں جاگری تھی ماریہ نے بے اختیار سامنے موجود نوارد کو دیکھا تو اگلے ہی لمحے جیسے اس کی سانسیں جسم میں اٹکنے لگیں کپکپی سی طاری ہوگئی جو اس وقت اسے بڑی پراسرار آنکھوں سے دیکھتا اسی انداز میں مسکرا بھی رہا تھا۔

”تم...... تم یہاں بھی میرا پیچھا کرتے ہوئے چلے آئے۔“ وہ بھینچے بھینچے لہجے میں بے حد ناگواری سے بولی جب کہ اس دم میک اس کے قدموں کی جانب جھکا اور کتاب اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے ہنوز انداز میں بولا۔

”صرف یہاں نہیں مائی ڈیئر...... تم جہاں جہاں بھی جاتی ہو وہاں وہاں میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں۔“

”میک تم لوگ مجھے مینٹلی ٹارچر کررہے ہو اور ایسا عمل قطعی طور پر مناسب نہیں ہے۔“ ماریہ اس پل کافی مشتعل لگی تھی مگر اس نے اپنے لہجے کو فی الحال نرم ہی رکھا تھا جواباً پہلے تو میک کھل کر دھیرے سے ہنسا پھر دوسرے ہی لمحے خطرناک حد تک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

”یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگ رہیں بے بی اور مائی ڈیئر جو عمل تم کررہی ہو وہ کس حد تک گھٹیا اور برا ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو۔“ میک کے گھٹیا اور برا کہنے پر ماریہ کو اندر سے بے حد تاؤ آیا تھا مگر مصلحتاً بولی کچھ نہیں کچھ لمحے یونہی خاموشی سے سرک گئے جب ہی میک بے حد سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ ”تم وہاں پھر کیوں گئی تھیں؟“ ماریہ جس کی ذہنی رو کہیں اور جا بھٹکی تھی میک کے جملے پر اس نے بے پناہ چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر سرعت سے خود کو سنبھال کر گویا ہوئی۔

”وہ...... میں...... میں کچھ چیزیں انہیں واپس کرنے گئی تھی۔“

"اوہ آئی سی...... مگر وہ چیزیں واپس کرنے پر تم نے پورے دو گھنٹے صرف کردیئے۔" میک بے حد نرم و ملائم لہجے میں بول رہا تھا جیسے پانچ سالہ بچی کو کوئی پیار سے چمکارتے ہوئے کوئی بات اگلواتا ہے ماریہ ایک بار پھر میک کی بات پر اندر سے ہل گئی۔

"ہاں...... وہ...... وہ کچھ دیر ہوگئی تھی۔" وہ تھوڑا ہڑبڑائی پھر اگلے لمحے تیزی سے بولی۔

"مگر میک میرا یقین کرو میں نے ان سب سے تمام تعلق توڑ دیئے ہیں اب میرا ان سب سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں اس دن آخری مرتبہ وہاں گئی تھی پلیز میری بات پر بھروسہ کرو مجھے اپنی مام اور برو سے زیادہ کوئی عزیز نہیں اور اس بات کے نتیجے میں ان دونوں کو دکھ و تکلیف دینے کے ساتھ ساتھ ان کی رسوائی کا بھی باعث بنوں گی اب مجھے سمجھ میں آ گیا ہے میک...... وہ قدم میری جذباتیت اور بچپنے کی ایک حماقت تھی۔" ماریہ بے حد شدومد سے میک کو یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی جبکہ میک اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ڈالے مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"میک میں ان لوگوں کی سحر انگیز باتوں میں آ گئی تھی...... پلیز ٹرسٹ می۔" وہ ایک بار پھر بے حد عاجزی سے بولی تو اگلے ہی پل میک کے منہ سے نکلے ہوئے جملے اسے حیران کرگئے وہ پوری طرح آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا بے بی...... کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟" میک نے اپنا سوال پھر دہرایا اسی دم ماریہ کا سکتہ جیسے ٹوٹا تھا اس نے بے حد بے یقینی و تحیر کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو میک...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں ولیم کے ساتھ انگیج ہوں۔" جواباً وہ اثبات میں سر ہلا گیا پھر سہولت سے گویا ہوا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ولیم سے انگیج ہو اور یہ بھی معلوم ہے مجھے کہ وہ بے چارا تمہیں بہت پسند کرتا ہے اور تم اس کو بالکل لفٹ نہیں کراتیں اور آج کل وہ تم سے کافی ناراض اور کچھ بدگمان بھی ہے۔"

"اوہ مائی گڈنیس...... یہ انسان تو میری ساری باتیں مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے اتنا تو شاید میرا سایہ بھی میرا پیچھا نہیں کرتا جتنا یہ شخص کرتا ہے۔" وہ اندر ہی اندر بے حد خائف ہو کر ناگواری سے خود سے بولی۔

"میری مام نے اسے میرے لیے پسند کیا ہے اور اب تو ہماری شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہوجائے گی۔" ماریہ نے میک کی بات کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

"او کے...... کوئی بات نہیں...... یا تو تم جلد از جلد ولیم سے شادی کرلو یا پھر مجھ سے اس کے بعد ہم تم پر بھروسہ کرسکتے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے پلٹا اور تیزی سے ڈگ بھرتا ہوا دیکھتے ہی دیکھتے شاپ سے باہر نکل گیا جب کہ ماریہ ششدر سی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

......O......

مہرو بٹو کو اپنی پرانی جون میں واپس آتا دیکھ کر بے حد خوش و مطمئن تھی وہ دونوں آج سہ پہر کو ہی لالہ رخ کو لینے گیسٹ ہاؤس جا پہنچے تھے لہٰذا لالہ رخ اپنے کاموں سے تقریباً فارغ ہی بیٹھی تھی۔ بٹو کو مہرو کے سنگ آتے دیکھ کر وہ بھی خوش گوار حیرت کا شکار ہوئی تھی۔

"ارے واہ...... آج تو بڑے بڑے لوگ ہمارے آفس آئے ہیں...... واہ بھئی کیا بات ہے۔" لالہ رخ مسکراتے ہوئے بٹو کو دیکھ کر گویا ہوئی تو وہ بری طرح جھینپ گیا۔

"باجی آپ بھی نا......"

''ہاں لالہ تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو دیکھو نا یہ ہمیں کیسے بھول گیا تھا۔'' مہرو بٹو کو پزل دیکھ کر فوراً بولی تھی پھر لالہ رخ ایک دو چیزیں سمیٹ کر ان دونوں کے ہمراہ ہی گیسٹ ہاؤس سے باہر آ گئی۔ ہلکی ہلکی چلتی سرد ہوا جسم کو کپکپائے دے رہی تھی؛ لالہ رخ اپنی آف وائٹ شال کو جس پر ملٹی رنگ کے دھاگوں سے بہت خوبصورت کام کیا گیا تھا اپنے وجود پر اچھی طرح لپیٹتے ہوئے مہرو سے بولی۔

''کیا خیال ہے نیچے کی سڑک پر جا کر نان اور پائے نہ کھا لیے جائیں اور پھر بعد میں فضلو چاچا کی دکان کا ملائی اور کھوئے والا گرما گرم گاجر کا حلوہ۔'' مہرو یہ سن کر خوشی سے جیسے اچھل پڑی۔

''ارے واہ...... لالہ کیا زبردست آئیڈیا آیا ہے تمہیں سچ وہ کاجو بادام والا حلوہ کل رات ہی میرے خواب میں آیا تھا چلو جلدی چلتے ہیں۔'' مہرو سے تو جیسے ایک منٹ بھی صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''ہاں چلو باجی مگر گاجر کا حلوہ میں آپ دنوں کو کھلاؤں گا۔'' بٹو بھی بڑے اشتیاق آمیز لہجے میں بولا تو دونوں پل کی پل چونکیں۔

''مگر بٹو تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے ہمیں حلوہ کھلانے کے لیے۔'' مہرو نے کچھ الجھ کر استفسار کیا تو بٹو ایک لمحے کے لیے سٹپٹایا داور حبیب نے کچھ پیسے اسے ڈیرے کی صفائی اور گھوڑوں کی مالش کے عوض دیئے تھے جو اس نے بہت شوق و احتیاط سے رکھ لیے تھے کہ وہ مہرو اور لالہ باجی کو کچھ کھلائے گا۔

''وہ دراصل ابا نے مجھے دیئے تھے تو میں نے سنبھال کر رکھ لیے تھے۔'' وہ ماتھے پر اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا تو معاً لالہ رخ کی نظر اس کے ہاتھوں میں جا پڑی۔

''ارے بٹو یہ تمہارے ہاتھوں کو کیا ہوا...... یہ کیسے پھٹ گئے اوہ مائی گاڈ یہ تو کافی زخمی ہو رہے ہیں۔'' لالہ رخ نے بے ساختہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر پریشان ہو کر کہا تو مہرو بھی بٹو کے ہاتھوں کو دیکھ کر متفکر ہو گئی۔

دراصل اس کی جلد بے حد نحیف و نازک تھی وہ جب بھی اپنے ہاتھوں سے کوئی مشقت بھرا کام کرتا اس کے ہاتھوں کی جلد یونہی پھٹ جاتی تھی اور اس میں سے خون بہنے لگتا تھا۔

''وہ باجی میں نے آپ لوگوں کو بتایا تھا نا آج کل گھر میں کچھ کام کر رہا تھا تو......'' اتنا کہہ کر وہ خود ہی خاموش ہو گیا۔

''اف بٹو تمہارے ماں باپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ تمہاری اسکن کتنی نازک ہے۔ لالہ چلو پہلے ہم حکیم جی کے پاس جا کر بٹو کے لیے دوا لیتے ہیں۔'' مہرو آخر میں لالہ رخ سے مخاطب ہو کر بولی تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اور پھرتی سے حکیم جی کے دواخانے والے راستے کی جانب چل پڑے۔

......O......

فراز شاہ نے زرتاشہ اور زرینہ کو آج لنچ پر انوائٹ کیا تھا وہ لندن جانے سے پہلے ان دونوں کے ساتھ لنچ کرنا چاہتا تھا جب اس نے یہ خواہش ان دونوں سے ظاہر کی تو زرتاشہ کچھ سوچ کر بولی۔

''فراز بھائی تو پھر آپ یونیورسٹی آ جایئے ہم یہیں لنچ مل کر کر لیں گے۔''

''اُفوہ...... نہیں فراز بھائی بالکل نہیں میں تو یہاں کی وہ ہلدی والی بنا بوٹی کی بریانی کھا کھا کر تھک گئی ہوں ہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں لنچ کریں گے۔'' زرینہ جس نے اپنے سیل فون کا اسپیکر آن کیا ہوا تھا فوراً سے پیشتر زرتاشہ کی بات کی بھرپور نفی کرتے ہوئے بولی جس پر زرتاشہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اچھا تو پھر تم چکن برگر یا رول کھا لینا۔''

''اف تاشو...... اللہ کے واسطے ان چیزوں کے نام میرے سامنے مت گنواؤ تقریباً یہ چیزیں ہم روز ہی کھاتے ہیں۔''

"اوکے..... گرلز تو پھر میں ایسا کرتا ہوں کہ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ کا کھانا پیک کروا کرلے آتا ہوں، پھر ہم تینوں مل کر کھالیں گے۔" فراز سمجھ گیا تھا کہ زرتاشہ اس کے ہمراہ باہر جانے سے ہچکچا رہی ہے۔ لہٰذا وہ بیچ کا راستہ نکالتے ہوئے سہولت سے بولا تو زرتاشہ بڑے جوش سے گویا ہوئی۔

"ارے ہاں یہ ٹھیک رہے گا فراز بھائی۔"

"یہ ٹھیک رہے گا فراز بھائی۔" زرمینہ بالکل زرتاشہ کی ٹون میں اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی پھر بے حد چڑ کر گویا ہوئی۔

"کیا ٹھیک رہے گا..... بالکل نہیں فراز بھائی بس مجھے کسی بہت اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا' کھانا ہے بس۔" اور پھر زرتاشہ اس دفعہ بھی زرمینہ کی ضد کے آگے مجبور ہو کر لنچ پر چلی آئی تھی زرمینہ بے حد ایکسائٹڈ ہو رہی تھی جو فراز کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"پتہ ہے فراز بھائی میں نے کراچی کے ریسٹورنٹس کے بارے میں بہت سنا ہے میرا بڑا دل چاہتا تھا جانے کو مگر جاتے کیسے۔" گرین اور آف وائٹ پرنٹ کے خوب صورت سے لیلن کے سوٹ میں ملبوس زرمینہ نے اپنے وجود پر مسٹرڈ اینڈ براؤن رنگ کی علاقائی چادر اوڑھی ہوئی تھی جبکہ زرتاشہ نے ٹی پنک رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں بالکل زرمینہ کی مانند چادر لے رکھی تھی دونوں لڑکیاں اس حجاب میں بے حد پیاری اور معصوم لگ رہی تھیں۔ واقعی عورت کا اصل گہنا اس کا پردہ ہے وہ چاہے کتنی ہی خوب صورت اور دلکش ہو مگر بے پردگی کا داغ اس کے حسن کو گہن لگا دیتا ہے اور حجاب میں ملبوس لڑکی اگر خوب صورتی میں بھلے کم بھی ہو تو پردہ اس کے حسن کو چار چاند لگا دیتا ہے مگر یہاں تو حسن بھی تھا اور حجاب کا نور بھی..... فراز نے گاڑی شہر کے مشہور ریسٹورنٹ کے باہر روکی اور گاڑی والیٹ پارکنگ کو دے کر ان دونوں کے ہمراہ ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے کی جانب بڑھا۔

"واؤ..... فراز بھائی یہ ریسٹورنٹ تو بہت خوب صورت لگ رہا ہے۔" زرمینہ عمارت کو دیکھ کر متاثر کن لہجے میں بولی تو زرتاشہ کانپ کر بولی۔

"دیکھیے فراز بھائی یہ کہیں بھی جاتی ہے تو بالکل پینڈوں کی طرح آنکھیں پٹپٹانے لگتی ہے۔" جواباً فراز بے اختیار ہنسا جب کہ زرمینہ اپنی جگہ خفیف سی ہوگئی وہ تینوں اندر داخل ہوئے تو اندر ملگجے سے اجالے میں کچھ دیر بعد ہی ان تینوں کی آنکھیں مانوس ہوئی تھیں فراز نے پہلے سے ٹیبل ریزرو کروائی تھی ویٹر کی معیت میں وہ تینوں اپنی میز پر پہنچے تھے۔

"ہائے اللہ کتنی اچھی جگہ ہے یہ۔" زرمینہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے تھوڑی نیچی آواز میں بولی تھی جبکہ ان کی میز کے بالکل مقابل دو نفوس حیرت سے چونکے تھے۔

"یہ فراز بھائی کن لڑکیوں کے ساتھ یہاں آئے ہیں ان کے حلیے سے یہ نہ ان کی ریلیٹو لگ رہی ہیں اور نہ ہی فرینڈز۔" باسل حیات الجھی ہوئی نگاہوں سے فراز کے ہمراہ ان دو لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں بولا جب کہ احمر یزدانی اپنی جگہ بیٹھے سوچ رہا تھا کہ بھلا زرمینہ یہاں کس لڑکے کے ساتھ آئی ہے دوسرے ہی لمحے احمر کے چہرے پر پتھریلے سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی اگلے شمارے میں)

"سعدیہ پلیز یہ چاول دیکھ لینا' آج انیس کا پیپر ہے مجھے اس کی تیاری کروانی ہے۔" میں برتن دھو رہی تھی جب میری جٹھانی سمعیہ نے چاول' پانی میں ڈالتے ہوئے مجھ سے کہا۔ مجھے حیرت قطعاً نہیں ہوئی تھی کیونکہ اکثر و بیشتر وہ باقی بچوں کی نسبت قدرے لیٹ جاتا تھا۔ مگر یونہی بات برائے بات پوچھ لیا۔

"انیس ابھی گیا نہیں کیا؟ باقی بچے تو چلے گئے ہیں۔"

"ہاں اصل میں اس کی مما کو کہیں ضروری کام سے جانا تھا۔ کہہ رہی تھیں کہ لیٹ ہو جاؤں گی۔ بچے کو تم مت بھیجنا اور پھر کل اس کا پیپر بھی ہے' میں نے سوچا تیاری ذرا اچھی ہو جائے گی۔" اس نے حسب توقع جواب دیا تھا۔ میں یونہی طنزیہ ہنس دی مگر وہ چونک گئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں ہنسی تم۔" وہ جاتے جاتے واپس مڑی تھیں۔ تجسس کی ماری جو ٹھہری۔

"نہیں...... ایسے ہی' تم جاؤ۔" میں نے گویا ٹالا اور برتن اٹھا کر خوامخواہ یہاں سے وہاں رکھنے لگی۔

"کیا تم بھی اس کی طرف سے کسی شک میں مبتلا ہو۔" وہ کچھ جانچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔ مجھے اس کی جانب پلٹنا پڑا تھا۔

"نہیں...... مجھے شک تو نہیں لیکن کل بھی آنٹی (ساس) کہہ رہی تھیں کہ یہ عورت ٹھیک نہیں' ضرور کسی چکر میں ہے۔ کرپٹ لگتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو تم بھی جانتی ہو وہ اکثر بہانے بنا کر یا ہمیں یہ کہہ کر چلی جاتی ہے کہ اگر گھر سے کوئی پوچھنے آئے تو کہنا اندر ہی ہے۔ تم نے روک لیا تھا یا میں نے وغیرہ...... تمہیں نہیں لگتا یہ جو جھوٹ ہم سے بلواتی ہے یہ چونکانے والا ہے۔" اس کے متجسس لہجے میں پوچھے گئے سوال کا میں نے تفصیلی جواب دیا۔

"ہاں یار ہے تو چونکانے والی بات...... جانے مجھے ایسا خیال کیوں نہیں آیا؟"

"کیونکہ تم اسکول میں ہوتی ہو' اس سے مل نہیں پاتیں مگر ہمیں تو وہ روز کہتی ہے۔ اب تو آنٹی کو اس پہ شک ہونے لگا ہے' وہ خفا بھی ہو رہی تھیں' کہہ رہی تھیں اگر انکل تک اس کی یہ حرکت پہنچ گئی تو بہت برا ہوگا' تم جانتی ہو میں یوں تو ایسے کسی کے معاملے میں بولتی نہیں مگر انیس کی مما کی یہ حرکت قابل گرفت لگی اس لیے اتنا کچھ کہہ گئی۔ خیر تم جاؤ' یہ تو روز کا معمول ہے۔" وہ حسب معمول پریشان ہو گئی تھی۔ جبکہ میں سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"تم آج کل بہت تنگ کرنے لگی ہو شبانہ...... حالانکہ تم جانتی ہو ہمارے گھر ہر وقت مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے' گھر اتنا گندا ہوتا ہے تم کیا جانو کتنی شرمندگی ہوتی ہے۔ اب ہم انہیں یہ تو بتا نہیں سکتے کہ ہماری کام والی خیر سے رئیس خاندان سے ہے۔ دل چاہا ہے تو آ جاتی ہے' نہ چاہا ہے تو چھٹی کر لیتیں ہے محترمہ۔" شبانہ کو دیکھتے ہی آنٹی حسب معمول شروع ہو گئی تھیں۔ ٹھنڈے میٹھے انداز میں خوب طنز کے تیر چلائے تھے۔ شبانہ کے ساتھ ساتھ میں بھی زیر لب مسکرا دی تھی۔ تبھی شبانہ اپنے لیٹ آنے کی وجہ بتانے لگی تھی۔

"کیا بتاؤں باجی آپ کو تو پتا ہے میں ایک گھر میں تو کام کرتی نہیں دسیوں گھر لگے ہوئے ہیں' ابھی بھی صرف تین گھر بھگتا کر آئی ہوں' ہائے نی باجی...... ٹیم (ٹائم) کیا

ہوا ہے؟" آنٹی کو بتاتے ہوئے ساتھ شڑپ شڑپ کرتے ہوئے اس نے مجھے آواز لگائی تھی مجھے ہنسی آگئی۔ جب تک میں اسے ٹائم بتاتی وہ جھاڑو لیے جس برق رفتاری سے اندر داخل ہوئی تھی اسی تیزی سے مجھے کہا تھا۔

"باجی ذرا باہر سے وائپر تو لگا دے۔" اور وہ جھاڑو لگانے لگی میں ہکا بکا سی اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"باجی ذرا جلدی لگا دینا' پانی سوکھ جائے گا۔" اس کے اتنے کونفیڈنٹ انداز پر مجھے تپ چڑھی تھی۔ یہ تو اس کا روز کا ڈرامہ تھا' آدھا کام خود کرتی تھی اور آدھا ہم سے کرواتی تھی۔

"شبانہ...... اگر ہمیں ہی کام کرنا ہوتا تو تمہیں کیوں رکھتے۔ ہم تم سے فری میں تو کام نہیں کرواتے کہ ساتھ جتے رہیں۔ کام کروانے کی پوری قیمت دیتے ہیں' آدھا کام بھی کر دیتے ہیں اس کے باوجود تم ہم پر ایسے حکم چلاتی ہو جیسے تم ہماری کام والی نہیں بلکہ ہم تمہارے نوکر ہیں۔" مجھے اتنا غصہ آیا تھا کہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔ وہ سب کام چھوڑ چھاڑ میرے پاس چلی آئی اور چاپلوسانہ انداز میں میرے کندھے دبانے لگی۔

"معاف کرنا باجی' میں جلدی میں تھی اسی لیے کہہ گئی۔ آپ رہنے دیں میں کرلوں گی۔" وہ جھاڑو وہیں چھوڑ کر وائپر لگانے چلی گئی۔ میں سر جھٹکتے ہوئے کچن کی جانب بڑھی تھی ڈور بیل بجی تو' میں کچن کی بجائے گیٹ کی جانب چل پڑی۔ انیس کی مما تھیں' انہیں دیکھ کر مجھے ازحد کوفت ہوتی تھی ابھی شبانہ سے جان چھوٹی نہیں کہ اب یہ......

"السلام علیکم!" اس نے خود تو کبھی سلام کرنا گوارا نہیں کیا تھا اس لیے میں نے ہی پہل کی تھی۔ اسے دیکھ کر تو مروت والی مسکراہٹ بھی غائب ہو جاتی تھی۔

"سمیعہ میم ہیں گھر پر۔" بنا سلام کا جواب دیے ٹھیک سے پوچھا تھا۔ مجھے ازحد ناگواریت محسوس ہوئی تھی تبھی میں نے بدلہ اتارتے ہوئے "نہیں" کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

"سنیں ایک منٹ پلیز۔" اس نے بلند آواز میں مجھے پکارا۔

"جی کہیے......" میں نے بادل ناخواستہ دروازہ وا کیا۔

"انیس کو اندر بٹھا لیں۔ خود ہی بیٹھ کر پڑھتا رہے گا۔ سمیعہ میم جب آئیں گی تو دیکھ لیں گی۔" جانے کہاں سے ایک دم انیس آن کھڑا ہوا تھا۔ میں حیران سی گویا ہوئی۔

"اتنی جلدی اور سمیعہ تو آتی بھی ڈھائی بجے ہے ابھی تو......"

"جی میں جانتی ہوں' اصل میں مجھے بہت ضروری کہیں جانا ہے' اسے آپ بٹھا لیں یہ آپ کو بالکل تنگ نہیں کرے گا۔"

"او کے...... آؤ انیس۔" کچھ دیر پرسوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"ایک منٹ پلیز۔" میں نے دروازہ بند کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا تبھی اس نے پھر سے پکارا۔

"جی......!"

"وہ مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے تو اگر کوئی مجھے...... میرا مطلب ہے میرا پوچھنے آئے تو کہیے گا سمیعہ

میم کو مجھ سے کام تھا اس لیے میں رک گئی اور اندر ہی ہوں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے اتنی بڑی بات کہہ رہی تھی اور میں ہکا بکا سی کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اسے کچھ سخت سناتی وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی بھی گئی اور میں دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں انیس کو چھوڑنے لگی ہوں یار۔"

"اب کیا ہوگیا؟" میں گلاس ٹیبل پر رکھ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ کیونکہ مجھے علم تھا اب وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے بیٹھی ہے بات لمبی ہوگی۔

"وہ اب میرے لیے مسئلہ بنتا جارہا ہے' آنٹی الگ بولنا شروع ہوگئی ہیں۔ اوپر سے انکل کا خوف' بقول آنٹی اگر انکل تک اس کی مما کے یہ بہانے اور ہمارا اس کے جھوٹ میں ملوث ہونا اس کی بابت اگر انکل کو علم ہوا تو اس کی تو جو شامت آئے گی سو آئے گی ہماری بھی خیر نہیں۔" میرے پوچھنے کی دیر تھی وہ شروع ہوگئی۔

"یہ تو ہے انکل تک بات پہنچی تو بھونچال لازمی ہے...... بائی داوے مجھے انیس کی مما کی سمجھ نہیں آتی' کیسے دھڑلے سے خود بھی جھوٹ بولتی ہے اور ہمیں بھی بولنے کو کہہ دیتی ہے' سب کو گمراہ کرکے بنا کسی کی سنے ایسے چلی جاتی ہے گویا ہم اس کے ملازم لگے ہوئے ہیں' وہ جو کہے گی ہم کرتے جائیں گے' حد ہوتی ہے' مجھے سمجھ نہیں آتی وہ ایسا کر کیوں رہی ہے؟ اور ہمیں دیکھو ہم بھی اس کے کہنے پر جھوٹ بول دیتے ہیں۔ اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی قصور وار ٹھہرا رہی ہے' ہمارے لیے تو وہ ایک معمہ بنتی جارہی ہے۔"

"نہیں یار...... وہ معمہ نہیں ایک کرپٹ سی عورت ہے۔" میری بات پر سمیعہ فوراً بولی...... میں حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے تم کیسے کہہ سکتی ہو...... ہے پی کوئی اور وجہ ہو؟"

"اوں ہوں...... اتنی وضاحتیں اور گڑبڑ باتیں یونہی تو نہیں ہوسکتیں۔" آج لگ رہا تھا سمیعہ کچھ زیادہ ہی تپی ہوئی ہے' میں ایک پل کو چپ سی رہ گئی۔

"تم اس سے خود بات کیوں نہیں کرتی سمیعہ۔" تبھی کچھ سوچتے ہوئے میں نے مشورہ دیا۔

"میری موجودگی میں وہ آتی کب ہے' لیکن اب مجھے لگتا ہے اس سے بات کرنی ہی پڑے گی ٹائم نکالنا ہی پڑے گا۔ خیر یہ دال صاف ہوگئی ہے تم چڑھا دو میں بچوں کو دیکھتی ہوں۔" وہ مجھے دال تھما کر چلی گئی اور میں اس کی بات پر غور کرنے لگی۔

"میری بات صحیح ہے یا سمیعہ کی...... وہ معمہ ہے یا کرپٹ؟" میں نے آنکھیں موندتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔ جانے یہ تجسس میرے اندر کہاں سے آ گیا تھا' میں پہلے تو کبھی ایسی نہ تھی؟

☆☆☆......☆☆☆

"انیس آج جب مما آپ کو لینے آئیں تو انہیں اندر بلانا مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔" کاپی چیک کرتے ہوئے ہل ہل کر سبق پڑھتے ہوئے انیس سے اس نے کہا۔

"اوکے میم...... میم میرے سارے ٹیکسٹس ہوگئے ہیں' میں بیگ پیک کرلوں۔"

"ابھی کیا پڑھ رہے تھے؟" اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"ریوائز کررہا تھا میم...... اسکول ورک اور ہوم ورک سارا ہوگیا ہے۔ اب بیگ پیک کرلوں۔" اس نے اس کے چہرے پر بغور دیکھا تھا وہ بھی اپنی ماں کا پرتو تھا' اکثر بہانے بناتا رہتا تھا' مگر اس وقت اس کے چہرے سے تھکن عیاں تھی' اسے ترس آ گیا تھا۔

"اوکے کرلو پیک۔" میں کافی دیر سے انیس کو دیکھ رہی تھی۔ اس بچے کا جانے کیا قصور تھا' جوان سارے معاملات میں اکثر لوگوں کے ناروا سلوک کی زد میں آ جاتا تھا۔

"سمیعہ باجی انیس کو بھیج دیں۔ اس کی مما اسے لینے آ گئی ہیں۔" تبھی عظیم (دیور) نے باہر سے آواز دی۔

"انیس مما کو اندر بھیجنا' وہیں سے نہ بھاگ جانا۔"
سمیعہ نے یاد دلایا۔
"جی میم......" بیگ پہنتے ہوئے اس نے بھاگتے ہوئے کہا اور چند سیکنڈز میں گیٹ تک پہنچ گیا۔
"جلدی چلو انیس...... آج بہت لیٹ ہوگئے ہو۔ اللہ خیر ہی کرے۔" انیس کا بیگ تھامتے ہوئے اس نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
میں گیٹ بند کرنے کی غرض سے انیس کے پیچھے ساتھ آئی تھی۔ مجھے اس کی گھبراہٹ پہ ازحد حیرت ہوئی تھی۔
"مما آپ کو میم نے بلایا ہے' کہہ رہی تھیں ضروری بات کرنی ہے۔"
"اچھا......" وہ ایک قدم اندر آئی تھیں اور کچھ سیکنڈز سوچا اور پھر سے باہر قدم نکال لیا۔
"آج رہنے دو آج بہت لیٹ ہوگئے ہیں ہم...... سمیعہ میم سے میں کل بات کرلوں گی چلو۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ تیزی سے نکلتی چلی گئی۔ حیرت در حیرت تھی۔ ایک طرف تو وہ یہاں آتے ہی بہانے سے نکل جاتی تھی اور دھڑلے سے جھوٹ بلواتی تھی۔ اور اب یہ ڈرامہ' گھبراہٹ خوف چہ معنی دارد؟ میں چاہ کر بھی اسے روک نہ پائی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"دیکھو بیٹا اب یہ روز روز کا تماشا ہماری برداشت سے باہر ہے۔ ابھی تو اس عورت کے گھر والے ہماری بات کو مان کر چلے جاتے ہیں کل کو اگر خدانخواستہ اس عورت کا جھوٹ کھل گیا تو جانتی ہو کتنا بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا اور ہم نہیں جانتے یہ عورت کن دھندوں میں پڑی ہوئی ہے' ہم سے کیوں خوامخواہ جھوٹ بلواتی ہے' کہاں جاتی ہے کیوں جاتی ہے؟ ہمیں کچھ علم نہیں۔ گھر والے اگر اس پر پابندیاں لگاتے ہیں تو کوئی وجہ تو ہو گی ناں؟ اور پھر یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے ہم کیوں اس معاملے میں پڑیں۔ کل کو اگر تمہارے انکل تک یہ سب باتیں پہنچیں تو جانتی ہو کتنا بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا' تم اپنے الفاظ میں اسے سمجھا دو' یہ نہ

ہو کسی کا بھلا کرتے کرتے ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے سمیعہ...... اسے ایسا کون سا آئے دن ضروری کام آن پڑتا ہے‘ ہمیں گناہ گار کر کے جانے کہاں گھوڑے اڑاتی پھرتی ہے۔ حد ہوگئی بھئی شرافت کا زمانہ ہی نہیں رہا۔‘‘ آج انکل کے ڈائیلیسز تھے انیس کی مما کی ملاقات آنٹی سے ہوگئی اس کی تو گویا شامت آگئی تھی بس اتنا کہنے کی دیر تھی۔

’’آنٹی جی اگر میرے گھر سے کوئی میرا پوچھنے آئے تو......‘‘ آنٹی کو تو گویا پتنگے لگ گئے تھے۔

’’دیکھو بی بی...... یہ تماشا روز روز نہیں چلے گا یہاں‘ تم تو ایسے حکم دے کر چلی جاتی ہو جیسے ہم تمہارے نوکر لگے ہوئے ہیں‘ تم کیا کرتی ہو کہاں جاتی ہو کس کے ساتھ جاتی ہو ہمیں کچھ پتا نہیں؟ اور نہ ہی ہمیں اس سے کوئی مطلب ہے‘ مگر ہم سے اتنے دھڑلے سے جھوٹ بلوانی ہو حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی۔ تمہیں کچھ سمجھ بوجھ ہے یا نہیں‘ ایک طرف تو تم اپنے بیٹے کو شعور دے رہی ہو اسے ہدایت کی پٹی پڑھا رہی ہو‘ علم کی دولت سے اس کی زندگی کو منور کر رہی ہو اور دوسری طرف خود ہی اسے جھوٹ فریب اور دھوکا دہی کا سبق بھی پڑھا رہی ہو۔ وہ ابھی سے تمہارے نقش قدم پر چل رہا ہے یہ کیسی تعلیم دے رہی ہو اسے کیسا سبق پڑھا رہی ہو اپنے بیٹے کو؟‘‘

’’آپ غلط سمجھ رہی ہیں آنٹی جی‘ میں تو......‘‘

’’کیا غلط سمجھ رہی ہوں میں؟ اچھی طرح جانتی ہوں تم جیسوں کو۔‘‘ تم جیسوں کے لفظ پر اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا‘ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچ گئی تھی۔

’’میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے‘ عمر گزاری ہے ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ‘ اچھی طرح جانتی ہوں کون کتنے پانی میں ہے۔‘‘ اسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے انہوں نے پٹاخ سے دروازہ بند کر دیا۔ میرے دل کو جانے کیوں کچھ ہوا تھا‘ میں تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

’’دیکھئے مسز احسان‘ میں اسکول سے لیٹ آتی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مجھے کسی بات کی خبر نہیں‘ یہ میرا میکہ نہیں سسرال ہے۔ یہاں اگر میرے حوالے سے کوئی بات ہوگی اسے ہر طرح سے پرکھا بھی جائے گا اور خبر بھی رکھی جائے گی‘ میں نے کل انیس سے کہا بھی تھا کہ آپ کو اندر بھیجے میں نے آپ سے بات کرنی ہے لیکن......‘‘

’’ایم سو سوری میم...... مجھے دیر ہو رہی تھی اس لیے میں نے سوچا کہ کل آپ کو......‘‘

’’مجھے آپ کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں مسز احسان سوائے اس کے کہ آپ انیس کی مما ہیں اور پچھلے دو سال سے ہمارے ہاں آتی جاتی ہیں اور نہ ہی مجھے اس بات سے کوئی مطلب تھا کہ آپ کہاں جاتی ہیں اور کہاں سے آتی ہیں؟ اپنے بارے میں جھوٹ بولنے کو کہتی ہیں تو کیوں؟ مگر آپ ہمیں اس میں ملوث کر رہی ہیں‘ یہ بات میرے لیے۔ بہت سے سوال پیدا کر رہی ہے‘ میرے لیے مسئلہ نہیں مسائل کھڑے ہو رہے ہیں‘ ایم سوری ٹو سے بٹ میں انیس کو مزید ٹیوشن نہیں دے سکتی۔ آپ پلیز کہیں اور اس کا بندوبست کرلیں۔‘‘ سمیعہ نے کسی قدر سخت کھردرے اور کھور پن سے کہا اور کاپی چیک کرنے لگی مطلب کہ بات ختم۔

’’مجھے کل آنٹی جی کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا میم لیکن آئی سوئیر میم...... جو وہ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے میں تو......‘‘

’’دیکھیے مسز احسان...... مجھے کسی کے پرسنلز میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی شوق نہیں لیکن جو چیز میرے لیے مسائل پیدا کرے وہ میری برداشت سے باہر ہے‘ اس کا جتنی جلدی حل ممکن ہو وہ میں کرتی ہوں اور اس کا یہی حل ہے میں انیس کو چھوڑ دوں۔‘‘

’’نہیں میم...... ایسا مت کیجیے‘ انیس آپ کے بغیر کسی سے نہیں پڑھ سکتا‘ آپ جانتی ہیں وہ کسی کی نہیں مانتا مگر آپ کی بہت عزت کرتا ہے‘ آپ کی بات مانتا ہے‘ آپ پلیز مجھے ایک موقع دیجیے میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی‘ پلیز میم۔‘‘ وہ ایک دم روہانسی ہوئی تھیں منت

سماجت پر اتر آئی تھی مجھے از حد حیرت ہوئی تھی۔ میں اور سمیعہ دونوں مل کر بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھیں سمیعہ نے اسے اور کچھ نہیں کہا تھا وہ اپنے کام میں مگن رہی۔

انیس کی مما کافی دیر اس کے جواب کا انتظار کرتی رہیں مگر جب وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تو وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہ سب کو دو نمبر عورت لگتی تھی بہت سے لوگ اسے کرپٹ کہتے تھے لیکن...... جانے کیوں مجھے ایسا نہیں لگتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"لگتا ہے انیس کی مما کو تمہاری بات سمجھ آ ہی گئی۔"

"کیا مطلب؟" سمیعہ نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"ہنہ...... کہاں کی شرافت وہ انیس کو چھوڑنے کہاں آرہی ہیں انیس کے پاپا ہی آرہے ہیں آج کل۔" سمیعہ نے کسی قدر لاپروائی اور نخوت سے کہا۔

"تبھی تو میں کہوں اتنا سکون کیسے؟ خیر جو ہوا اچھا ہی ہوا عائشہ کی مما آئیں تھیں خیریت تھی ناں؟" سمیعہ کا انداز دیکھ کر میں نے اس موضوع کو چینج کر دیا تھا ویسے بھی انیس کی مما کو لے کر میں ہی متجسس ہوئی پھر رہی تھی۔

"خیریت ہی تھی یار...... وہ دوبارہ سے عائشہ کو بھیجنا چاہ رہی ہیں۔ وہ کہیں اور ایڈ جسٹ نہیں ہو پا رہی۔"

"تو پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کیا کہنا تھا اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کہہ دیا ہے بھیج دیں مگر ففٹی ہنڈریٹ فیس پر۔ اب دیکھو کیا کہتی ہیں۔" تبھی طیش اور گرج سے بھرپور آواز گھر میں گونجی تھی۔ ہم دونوں ہی بری طرح چونکی تھیں۔

"تماشا بنایا ہے تم لوگوں نے مجھ سے ہر بات چھپاتے ہو تم لوگ فالتو سامان کی طرح کونے میں پھینک دیا ہے مجھے کوئی حیثیت نہیں رہی میری؟"

"اب کیا ہو گیا؟ انکل اتنے غصے میں؟" میں نے

اے کاش

اے کاش
کہ......
آج کچھ ایسا لکھ سکوں
کہ......
وہ جان جان جائے
میرے الفاظ کی
داستان کو

عائشہ نور عاشا...... شادیوال گجرات

استفہامیہ نظروں سے سمیعہ کی جانب دیکھا تھا اس نے بھی لاعلمی سے کندھے اچکائے اور باہر کی جانب بڑھ گئی میں نے بھی تقلید کی۔ لاؤنج میں بھی جمع تھے۔ انکل غصے میں ہانپ رہے تھے۔

"دیکھئے ذرا برداشت سے کام لیں غصہ کریں گے تو آپ کا بی پی ہائی ہو جائے گا۔" آنٹی انہیں سنبھالنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ مریم کو خشمگیں نظروں سے گھور بھی رہی تھیں۔ مجھے اچنبھا سا ہوا۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے نہیں مرتا میں تم لوگوں نے یہی کہہ کہہ کر مجھے گھر سے گھر کے معاملات سے دور رکھا ہوا ہے ہر بات مجھ سے چھپاتے ہو جیسے میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں۔" بات مکمل کرنے سے قبل ہی وہ ہانپنے لگے تھے آنٹی ان کی پیٹھ سہلانے لگی تھیں۔

"کیا ہوا مریم انکل اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" پاس سے گزرتی ہوئی مریم (نند) سے سمیعہ نے استفسار کیا۔

"آئیں بتاتی ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی ہم نے بھی اس کی تقلید کی۔

"آج انیس نہیں آیا کیا؟" کچھ بھی کہنے سے قبل مریم نے سارے بچوں پر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔

"نہیں کیوں؟" ہم دونوں ہی ٹھٹکی تھیں۔

"کہیں یہ انیس سے متعلق کوئی بات تو نہیں؟"

"جی ہاں بالکل انیس سے ریلیٹڈ ہی ہے۔" مریم نے

سسپنس پھیلایا۔
"لیکن اس کی مما تو نہیں آ رہی ہیں آج کل۔ اس کے فادر آتے ہیں اسے چھوڑنے۔" سمیعہ نے کسی قدر حیرانگی سے کہا۔
"اس کی مما کی وجہ سے یہ سارا تماشا ہوا ہے اور اس کے فادر کا کیا دھرا ہی ہے یہ......"
"مطلب؟" سمیعہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔
"اس سارے ہنگامے سے قبل انیس کے فادر آئے تھے ہاتھوں میں نئے خوب صورت اور اسٹائلش سے جوتے لے کر۔ اس میں غلطی میری بھی تھی انیس کے فادر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا یہ جوتے آپ نے آئی مین (سمیعہ میم) نے صبا یعنی انیس کی مما کو دیئے ہیں؟ مجھے علم نہیں تھا اس لیے میں اسے بنا کوئی جواب دیئے مما کے پاس لے آئی۔ اتفاقاً اس وقت پاپا بھی وہیں تھے اس نے آتے ہی کسی قدر روکھے اکھڑے انداز میں استفسار کیا، پاپا کو بہت برا لگا' آپ تو جانتی ہیں پاپا چھوٹی چھوٹی بات پہ غصے میں آجاتے ہیں' مما نے کہا کہ "نہیں" ایسے تو کوئی جوتے نہیں سمیعہ کے اور وہ بھلا کیوں دے گی؛ آپ کی بیوی کو جوتے وغیرہ' اتنا سنتے ہی اس کے ماتھے پر بل پڑنا شروع ہوگئے۔"
"پھر بھی آپ ایک دفعہ کنفرم کرکے بتا دیں میم سے' مجھے تسلی ہوجائے گی۔" لہجے میں کسی قدر لچک تھی مگر پاپا کو تو غصہ آ گیا۔
"ایک دفعہ کہا تو ہے کہ نہیں دیے پھر کنفرم کرنے کا کیا مطلب؟ گھر کی عورتیں ہیں ایک دوسرے کے بارے میں سب پتا ہوتا ہے۔ ایسے تو کوئی اتنے یقین سے کچھ نہیں کہتا۔"
"تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے آپ لوگ جھوٹ بولتے آئے ہیں۔"
"اس کے یہ کہنے کی دیر تھی پاپا کے تو سر پر لگی تلووں پہ بجھی تھی۔"
"کیا...... کیا مطلب کیا ہے تمہاری اس بات کا؟ کون سے جھوٹ؟" پاپا نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ میری تو اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔
"واہ اب تو آپ یہی کہیں گے' کون سے جھوٹ؟ میری بیوی جب انیس کو ٹیوشن چھوڑنے آتی تھی اور گھر لیٹ جاتی تھی بلکہ انیس کے ساتھ ہی جاتی تھی تو کیا سمیعہ میم اسے گھر میں نہیں روک لیتی تھیں کوئی کام کرواتی تھیں' میں تو جب بھی پوچھنے آیا یہی جواب ملتا تھا' سچ تو اب کھلا ہے' آپ لوگ اس کے ساتھ مل کر جھوٹ بولتے تھے' آپ لوگوں نے اس کا برابر ساتھ دیا ہے' مجھے اندھیرے میں رکھ کر۔ میں چھوڑوں گا نہیں آپ لوگوں کو' مجھے تو پہلے ہی......"
"بند کرواپنی بکواس یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا اور جو کچھ پوچھنا ہے اپنی بیوی سے جا کر پوچھو اور بہتر ہے اسے لگام میں ڈالو۔" پاپا اس کی دھمکیوں پہ گرج کر بولے تھے' مگر اس پہ تو گویا اثر ہی نہیں ہوا تھا۔
"اس سے تو پوچھوں گا ہی مگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو چھوڑوں گا تو آپ لوگوں کو بھی نہیں۔" اب کے ساری مصلحت بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ غراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔
"جاؤ...... جاؤ جو کرنا ہے کرلو چوڑیاں تو ہم نے بھی نہیں پہن رکھیں۔" پاپا کے اس جواب پر وہ پھنکارتے ہوئے چلا گیا تھا۔
"مگر پاپا نے جو ہنگامہ کیا الاماں' ابھی جو آپ نے دیکھا وہ تو کچھ بھی نہیں۔"
"ہائے اللہ اب کیا ہوگا۔" سمیعہ حسب توقع روہانسی ہوئی تھی۔
"یہ تو مجھے نہیں پتا' مگر اب آپ پہلی فرصت میں ہی انیس کو فارغ کر دیں' ممکن ہے وہ خود ہی نہ بھیجیں لیکن بالفرض اگر بھیج بھی دیں تو خوب کھری کھری سنا دیجیے گا۔" مریم نے مشورہ دیا۔
"ایسی ویسی' آ تو لینے دو اسے' خود تو بدنام ہے ہی'

ہمارے بسے بسائے گھر بھی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے اللہ خیر ہی رکھے۔ جس طرح وہ بندہ دھمکیاں دے کر گیا ہے کہیں کوئی بڑا ایشو نہ بنے' بات یہیں دب جائے۔"

"آمین!" مریم نے اس کی بات پہ فوراً کہا' میں خاموشی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

دن بظاہر بہت سکون سے گزر رہے تھے لیکن دل میں دھڑکا سا لگا رہتا تھا' بقول سمیعہ کے اس کرپٹ عورت کے باعث کوئی بہت بڑی مصیبت نہ آن پڑے مگر بہت سے دن ایسے ہی گزر گئے' دھڑکتے ہوئے کسی انہونی کے ہونے کے ڈر سے' مگر اللہ کے کرم سے خیریت ہی رہی۔ جس روز یہ سارا واقعہ ہوا تھا اس روز انکل نے سب کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ آنٹی تک کو نہیں چھوڑا تھا' اس روز ہمارے گھر میں سناٹے کا راج تھا۔ انکل نے تو کہہ دیا تھا اگر ہم لوگوں کے اس جھوٹ کے باعث پولیس اس گھر میں آئی تو نتائج کے ذمہ دار ہم خود ہوں گے' سمیعہ کو تو صاف لفظوں میں گھر سے نکال دینے کی دھمکی دے دی تھی۔

انیس اس روز کے بعد سے واپس نہیں آیا تھا۔ سمیعہ کو منع کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ انیس کے باپ کی دھمکی محض گیدڑ بھبکی ہی ثابت ہوئی تھی۔ بظاہر سب سیٹ تھا۔ مگر جانے کیوں مجھے اکثر تنہائی میں انیس کی مما یاد ضرور آتی تھیں' اس روز کی اس کی آنکھوں کا درد مجھے بھلائے نہیں بھولتا تھا۔ اگر وہ کرپٹ تھی تو جو مجھے نظر آیا وہ کیا تھا؟ یہ سوچ اکثر مجھے اس کے ساتھ زیادتی کا احساس دلاتی تھی۔

یہ سب میں کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی' بہت سے مسئلے تھے' بہت سی وجوہات تھیں جو مجھے روکے ہوئے تھیں۔ اسی لیے میری سوچ محض سوچ ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

بہت دنوں بعد میں میکے آئی تھی' اتفاقاً میری دوست کا فون آ گیا۔ میرا میکہ اور سسرال ایک ہی شہر میں تھا' اس کے باوجود میں بہت دنوں بعد میکے آئی تھی۔ آسیہ میری بچپن کی دوست تھی' شادی کے دو سال بعد اس کا سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں وہ اپنی ٹانگیں کھو بیٹھی تھی۔ شوہر اچھا تھا' کافی عرصے اس نے اس کی خدمت کی' مگر کب تک' آسیہ کی کوئی اولاد نہیں تھی اور نہ ہونے کا کوئی امکان تھا' اس لیے اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی' اس کا شوہر لاکھ اچھا سہی جب سوکن آ جائے تو ایک ہی چھت کے نیچے رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آسیہ بھی اپنے میکے واپس آ گئی' میکے میں تھا ہی کون؟ ایک بوڑھی ماں۔ ماں کو بیٹی کا اور بیٹی کو ماں کا سہارا تھا۔

"جاوید بھائی آتے ہیں تم سے ملنے یا دوسری بیوی کی زلفوں کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔" میں بھی عورت تھی اور عورتوں کی فطرت ہے ٹوہ لینا۔

"ارے نہیں سعدی' جاوید روز آتے ہیں' تمہیں تو پتا ہے وہ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں' مجھے اکیلا چھوڑ سکتے ہیں بھلا؟ لیکن یار ان کی اپنی بھی تو زندگی ہے بیوی ہیں بچے ہیں' سو ذمہ داریاں ہیں ان کی۔ میرا کیا ہے' ایک تو معذور اوپر سے بے اولاد۔ ملازمہ ہے' ہر سہولت گھر میں

نظم

میری زیست کا یہ سفر
کٹ رہا ہے بن سحر
جیسے
تیز آندھی کے
زور آور جھکڑ
یا پھر
گھور سیاہ رات کا
پچھلا پہر
اے رب العزت
میری زندگی میں کر سحر
مجھے کر لے خود سے قریب تر

آمنہ ولید...... لاہور

موجود ہے مجھے اور کیا چاہیے؟" بظاہر وہ بڑی ہشاش بشاش لگ رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی مجھ سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

"میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں، تم لاکھ مجھ سے چھپاؤ مگر تمہاری آنکھوں کی نمی ہر داستان سنا رہی ہے، تم کتنی خوش ہو تمہاری یہ نمی سب کچھ عیاں کررہی ہے۔" میں نے بڑی کھوجتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔

"میں خوش ہوں سعدی...... اتنے عرصے سے ویل چیئر پر ہوں، فارغ انسان تو ہمہ وقت شیطان کے نرغے میں ہوتا ہے، بہت سی باتیں ذہن میں آجاتی ہیں، جو دکھی کرجاتی ہیں، لیکن اس بات سے میں انکار نہیں کرسکتی کہ جاوید میرا بہت خیال رکھتے ہیں، بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے...... اوہو اتنی دیر سے آئی بیٹھی ہو مگر صبا ابھی تک چائے لے کر نہیں آئی۔ صبا، کہاں رہ گئی ہو چائے لے بھی آؤ بھئی۔" بات ادھوری چھوڑتے ہوئے وہ اپنی ملازمہ کو آواز دینے لگی تھی جبکہ میں نے بڑے تاسف بھرے انداز میں اسے دیکھا تھا۔ جو ہزار نظریں چرائے لاکھ خود کو اور دوسروں کو تسلی دے لے مگر اس کی آنکھیں سب کچھ عیاں کررہی تھیں۔

"کہاں رہ گئی تھی صبا، اتنی دیر لگادی۔" آسیہ کی ملازمہ کو دیکھ کر میں بری طرح چونکی تھی، یہ صبا کوئی اور نہیں انیس کی مما تھیں۔

وہ جس طرح خاموشی سے آئی تھی اسی طرح لوازمات سرو کرکے واپس چلی گئی۔ مگر میں اسے بلا نہ سکی۔ بظاہر میں چائے پیتے ہوئے آسیہ کے ساتھ باتوں میں مگن تھی مگر میرا سارا دھیان صبا کی طرف تھا۔ وہ ویسی کی ویسی ہی تھی، اس کی ڈریسنگ، اس کا انداز، آنکھوں کی اداسی سب ویسا ہی تھا، بدلا تھا تو صرف یہ کہ وہ کسی کے گھر میں میڈ تھی لیکن نہیں، کیا پتا وہ تب بھی یہی کام کرتی ہو اسی لیے...... بس...... اس سے آگے میں اور کچھ سوچ نہ پائی تھی، میں متجسس تھی، میرا اس سے بات کرنے کو دل کررہا تھا۔

"اچھا باجی، میں اب چلتی ہوں۔ سارا کام ہوگیا ہے۔" تبھی وہ اندر آئی اور آسیہ سے اجازت چاہی تھی۔ میں بھی مصلحتاً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا آسیہ اب میں بھی چلتی ہوں۔"

"ارے ایسے کیسے؟ ابھی بیٹھو نہ کچھ دیر اور۔"

"ایم سوسوری یار آج نہیں، ابھی میں ادھر ہی ہوں پھر آؤں گی او کے اللہ حافظ۔" اس سے گلے ملتے ہوئے میں نے تیزی سے کہا اور باہر نکل آئی۔

"ایکسکیوز می صبا...... ایک منٹ پلیز۔" میں تیزی سے اس کے پیچھے آئی تھی مبادا وہ نکل ہی جائے۔ وہ یکلخت رک گئی۔

"مجھے آپ کا تھوڑا سا وقت چاہیے۔ اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو...... آئی مین......" میری بات پر وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔ مجھے سکی سی محسوس ہوئی تھی۔

"نہیں آپ کہیے......"

"کیا آپ یہاں آگئیں ہیں...... پرانا محلہ چھوڑ دیا؟" مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی میں بات کیسے شروع کروں؟ کیا پوچھوں۔ یہی پوچھ لیا۔

"ہنہ...... وہ تو اسی دن چھوٹ گیا تھا۔ جس روز انیس نے ٹیوشن آنا چھوڑا تھا۔" اس کا انداز اتنا سرد اور روکھا تھا کہ میں چونک سی گئی۔

"چھوٹ گیا...... مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہماری علیحدگی ہوگئی اور میں یہاں آگئی۔ آسیہ باجی کے گھر میں میں بہت عرصے سے کام کررہی ہوں۔ انہوں نے پناہ دی تو یہیں آگئی۔" جہاں اس کی اس بات نے بہت کچھ جتادیا تھا وہیں میرے شک کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔

"لیکن علیحدگی کیوں ہوگئی؟" مجھے ازحد افسوس ہوا تھا۔

"میرے ساتھ جو ہوا اس میں کب اور کیوں کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ میرے سات جو ہوا وہ تو ہونا ہی تھا۔ کوشش تو میں نے بہت کی تھی کہ نوبت یہاں تک نہ پہنچے مگر جب

کوئی انسان اپنے بل بوتے پر اڑان بھرنے کی کوشش کرتا ہے تو اکثر اسے اپنے منہ کی کھانا پڑتی ہے...... کہتے ہیں ناں جیسا بیج بوؤ گے ویسا ہی پھل ملے گا۔ مجھے بھی میری کرنی کا پھل ہی تو ملا ہے۔"

"نہیں آپ کی کرنی کا پھل یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا۔" میں نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہنہ...... آپ شاید جانتی نہیں، آپ کو نہیں پتا کیا؟ لوگ مجھے کرپٹ کہتے تھے۔" وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔ میں نظریں چرا گئی۔ ہم بھی تو اسے کرپٹ عورت کہتے تھے۔

"ٹھیک تو کہتے تھے لوگ، میں کرپٹ ہی تو تھی، جو لڑکی ایک لڑکے کی خاطر اپنے پیار کرنے والے مخلص اور سب سے عزیز رشتوں، ماں باپ، بہن بھائیوں کو چھوڑ دے، اپنے ماں باپ کے چہرے پر کالک مل کر بھاگ جائے، اپنے ماں باپ کے گلے میں بدنامی کا طوق سجا کر خود اپنی زندگی سنوارنے چلے، اپنے والدین کے گھر میں ماتم کی صف بچھا کر اپنی گرہستی سجانے والی لڑکی کرپٹ ہی کہلائے گی ناں عزت دار تو نہیں؟" وہ مجھ سے استفسار کررہی تھی اور میں حیرت سے گنگ اسے دیکھے جارہی تھی۔

"ہم سات بہن بھائی تھے دو بھائی اور پانچ بہنیں۔ ابو گورنمنٹ جاب میں کلرک تھے۔ ابو کی تنخواہ نے اور کچھ ان کی خوددار طبیعت نے سفید پوشی کا خوب بھرم رکھا ہوا تھا۔ میرے والدین نے اپنا پیٹ کاٹ کر ہم سب بہن بھائیوں کو اچھی تعلیم دلوائی، اچھی تربیت کی، ان کی محنت کا صلہ بھی انہیں خوب ملا لیکن ایک میں ہی تھی حرماں نصیب، میری تعلیم وتربیت میں بھی کوئی کسر نہیں رکھی تھی انہوں نے مگر میں انہیں ان کی محنت کا صلہ نہ دے سکی ہاں بدنامی کا داغ ضرور لگادیا۔ میں اور احسان ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر احسان کے والدین نہیں مانتے تھے میرے والدین کو تو علم بھی نہیں تھا کہ میں ان کی ناک کے نیچے ان کی بدنامی کا انتظام کررہی ہوں، ان کی روشن پیشانیوں پر کالک ملنے کا بندوبست کرنے نکلی ہوں۔ ہم پانچ بہنوں میں سے ایک بہن کی شادی ہوئی تھی اور میں چوتھے نمبر پر

مسز قیصر

سب سے پہلے تمام قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا اسلام۔

میرا نام سدرہ مدثر تھا۔ اب سدرہ قیصر ہے۔ میں شادی شدہ ہوں اور ماشاء اللہ ایک بیٹے کی ماں ہوں۔ میں 23 دسمبر 1993 کو اپنے ننھیال گاؤں نروال میں پیدا ہوئی۔ اب میرے سسرال گاؤں شکر یلہ ہے اور میرے میکے والے سعادت پور میں ہیں۔ میرا بیٹا عبدالہادی ۴ ماہ کا ہے۔ میرا اسٹار سنبلہ ہے۔ میں گجر فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ امی میری گھریلو خاتون ہیں اور ابو میرے کراچی میں کام کرتے ہیں۔ آنچل میری جان ہے۔ کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتی ہوں۔ آنچل کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رائٹرز میں مجھے عمیرا احمد، نمرہ احمد، فرحت اشتیاق اور نبیلہ عزیز بہت پسند ہے۔ رنگوں میں کالا، سرخ اور مہرون بہت پسند ہے۔ کھانے میں چکن بریانی، مٹر قیمہ، آلو گوبی، بھنڈی اور مٹن پسند ہے۔ مشروبات میں مجھے سادہ پانی اور سکنجبین پسند ہے۔ مہندی لگوانے کا بہت شوق ہے۔ جیولری میں انگوٹھیاں اور لاکٹ پسند ہیں۔ لباس میں گھیر دار فراک اور چست پاجامہ اور شلوار قمیص پسند ہے۔ پھولوں میں گلاب پسند ہے۔ خوشبو میں موتیے اور مٹی کی خوشبو پسند ہے۔ 90FM پر ظہیر خان اور 93 پر آصف علی خان کو سننا اچھا لگتا ہے۔ اداکاروں میں سارہ چوہدری، ارم اختر اور ماروا پسند ہے۔ بیسٹ کھلاڑی شاہد آفریدی اور عمر اکمل ہیں۔ ہنسنا بولنا مذاق کرنا اور سرپرائز دینا بہت پسند ہیں۔ بولتی بہت زیادہ ہوں اکثر گھر والوں سے ڈانٹ پڑتی ہے۔ جھوٹ بولنے والے لوگ ناپسند ہیں۔ دوستیں بہت زیادہ ہیں۔ سردیوں کا موسم اچھا لگتا ہے۔ خاص طور پر برف باری۔ مری، کاغان، لاہور، کوئٹہ میرے پسندیدہ شہر ہیں۔ آخر میں یہ کہنا چاہوں گی کسی کا دل مت توڑیں۔ ہنستے مسکراتے رہیں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک ہمارے ملک کو بھی دشمنوں سے محفوظ رکھیں۔ فوجیوں کو بھی میرا اسلام جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ہمارے امن کا سبب بنتے ہیں۔ تعارف پسند آئے تو شائع کیجیے گا نہ آئے تب بھی شائع کیجیے گا کیونکہ میں نے بہت مشکل سے لکھا ہے۔ اللہ حافظ

تھی’ دو بڑی بہنیں ابھی بیٹھی تھیں’ میری بات تو بہت دور تھی۔ میرے والدین تو شاید دو بڑی بیٹیوں کے لیے سوچتے ہوں گے’ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ میں کیا تھا نے بیٹھی ہوں۔ میں اپنے پیارے رشتوں’ اپنے مخلص عزیزوں کو چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ آئی۔ اپنے خود دار باپ کو موت کا تحفہ دے کر اپنی سیج سجانے چلی آئی یہ سوچے بنا کہ دلوں کو دکھانے والوں کو بھی خوشیاں راس نہیں آتیں’ اپنے والدین کی عزت نیلام کرنے والیوں کی سیجیں نہیں سجا کرتیں۔ میرے غم نے ابو کی جان لے لی’ یہ مجھے اب جا کے علم ہوا ہے’ میری ماں میرے دیئے گئے داغ کو دھوتے دھوتے ادھ موئی ہوئی پڑی ہے میری بہنیں میری وجہ سے آج تک کنواری بیٹھی ہیں اور میرے بھائی جب میں بھاگی تھی تب انہیں علم بھی نہیں تھا کہ میں کیا کر چکی ہوں’ اور اب وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں اور جس کی خاطر میں نے اپنے ان سارے پیاروں کو دکھ دیے تھے اسی نے مجھے بے موت مار دیا تھا جو شخص مجھے اپنے ساتھ کی یقین دہانی دے کر لایا تھا مجھے گھر سے بے گھر کر گیا تھا۔ وہی مجھ پر شک کرنے لگا۔ اسے لگتا تھا کہ اگر میں اس کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑ سکتی ہوں تو کسی اور کے لیے اس کو بھی تو چھوڑ سکتی ہوں۔ میرے گھر کا رکھوالا ہی مجھے بے گھر کرنے پر تل گیا تھا۔ ان کے دماغ میں شک کا کیڑا جانے کیسے کلبلانے لگا تھا۔ یہ بات جانے کب اور کیسے ان کے دماغ میں آ گئی تھی۔ وہ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھنے لگے میں کہاں جاتی ہوں؟ کس سے ملتی ہوں؟ ملتی ہوں تو کیوں؟ یہاں تک کہ میرے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے پر باز پرس ہونے لگا’ پھر انیس آ گیا’ اس کے آنے کے بعد میری زندگی اور مشکل ہو گئی کیونکہ انیس کی دادی اور پھوپی ہمارے پاس رہنے آ گئی تھیں۔ احسان تو پہلے ہی مجھ پر شک کرنے لگے تھے انہوں نے تو جلتی پر تیل ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ احسان انشورنس کمپنی میں ایس آر تھے۔ وہ بہت ایمان دار اور محنت سے کام کرنے والے ورکر تھے’ مگر اپنی شکی طبیعت کے باعث اپنے اصل کام سے ہٹتے جا رہے تھے’ جب ذہن ہمہ وقت مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن جائے تو کام کیا خاک ہوں گے ہر وقت گھر پر رہتے اور جانے کیا کیا سوچتے رہتے تھے’ کام تو گویا چھوڑ ہی دیا تھا’ میری زندگی تو تماشا بن ہی چکی تھی گھر کے حالات بھی بگڑنے لگے۔

انیس اسکول جانے لگا’ اسکول کی فیس ہزاروں کے حساب سے تھی’ میں ان لوگوں میں سے نہیں تھی کہ پیسوں کا رونا روتے ہوئے اپنے بچے کو تعلیم کی دولت سے محروم کر دوں’ یہی میرے باپ کی بھی عادت تھی۔ میں نے صرف اپنے بچے کو پڑھانے کے لیے کیسے کیسے حالات کا سامنا نہیں کیا’ کیسے کیسے الزامات نہیں سہے’ ویسے تو طعنے دیتے ہوئے الزامات لگاتے ہوئے میرے شوہر کو غیرت نہیں آتی تھی’ جہاں بات ہوتی پیسوں کی’ گھر کے اخراجات کی وہاں محترم غیرت مند بن جاتے تھے۔ انیس کی ضروریات اس کی فیس اور گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے میں نے گھر میں سلائی کا کام شروع کر دیا مگر وہ چل نہ سکا لوگ بہت کم آتے اگر آتے بھی تو کم پیسے دیتے تھے۔ ہنر تو میرے ہاتھ میں بہت تھے میری ماں نے بہت کچھ سکھایا تھا مگر احسان کے گھر والوں کی شکی فطرت کی وجہ سے کچھ کر نہیں پا رہی تھی۔ خود تو وہ کچھ کرتے نہیں تھے میں جو بھی کرتی مجھ پر ہی بھاری پڑ جاتا اسی لیے میں نے چھپ کر لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے کبھی کسی کے گھر میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہر گھر میں مرد ہوتے ہیں میں کسی سے ملتی نہیں تھی بات تک نہیں کرتی تھی پھر بھی اتنے الزامات لگائے جاتے تھے۔ اگر ان کی اجازت سے کسی کے گھر میں کام کرتی خود تو بدنام تھی ہی وہاں کے لوگوں کو بھی کر دیتی۔ اس لیے میں نے گھر میں یہی بہانہ بنایا کہ انیس بہت تنگ کرتا ہے میرے بغیر کام نہیں کرتا اس لیے ٹیوشن والی میم اور مدرسے والی باجی مجھے بٹھا لیتی تھیں انہوں نے میری کسی بات کا یقین نہیں کیا اور روز روز میرے بارے میں پوچھنے چلے آتے آپ لوگوں نے مجھے بہت سپورٹ کیا یہ احسان

میں کبھی نہیں بھول سکتی حالانکہ آپ کو بہت مشکل میں ڈالا تھا میں نے مگراب اس کے باوجود دن کا جتنا حصہ گھر میں گزرتا انتہائی اذیت وذلت بھرا تھا۔ گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا تھا انہیں تو یہی لگتا تھا کہ احسان کی جمع پونجی کام آ رہی ہے۔ یہ تو میں ہی جانتی تھی یا میرا رب اور میرا انیس۔ میرے بارے میں لوگ بہت کچھ کہتے تھے کرپٹ، بے غیرت، بازاری عورت وغیرہ' ماں باپ اپنے بچوں کی خصوصاً اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ بیٹیاں اپنے باپ بھائی اور شادی کے بعد اپنے شوہر کی عزت ہوتی ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اپنی ماں، بہن بیٹی یا بیوی کی عزت کیسے کراتے ہیں لیکن جب گھر کی عزت کا رکھوالا ہی بے غیرت بن جائے تو گھر کی عزت کو نیلام ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لوگوں کو تو موقع مل جاتا ہے تماشا دیکھنے کا کیونکہ وہ تماش بین ہی تو ہوتے ہیں جب میرا شوہر ہی مجھے کرپٹ کہتا تھا تو لوگ کیوں نہ کہتے۔ جس روز آپ لوگوں کے گھر ہنگامہ ہوا تھا اس روز میری عزت کی دھجیاں بھرے بازار میں اتاری گئی تھیں میری عزت کے محافظ نے طلاق کا دھبہ تو لگایا ہی تھا ساتھ ساتھ مجھ پر بازاری عورت، مردوں کو رجھانے والی اپنے جسم کو بیچ کر گھر کے اخراجات پورے کرنے جیسے غلیظ الزامات لگائے گئے تھے اور کیا بتاؤں میں آپ کو اس کے بعد رہ ہی کیا جاتا ہے بتانے کو۔" اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اور اتنا کچھ کہہ دینے کے باوجود وہ نارمل تھی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں جبکہ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

میں بہت دیر تک خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہی جو دور کہیں خلاؤں میں جانے کہاں کہاں اپنے گم گشتہ وجود کو تلاش کر رہی تھی۔

"آپ اپنے میکے کیوں نہیں چلی جاتیں۔" میں نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں کبھی نہیں اور پھر کیوں جاؤں میں وہاں کس منہ سے ویسے بھی ان کے زخم ابھی بھی جانے بھرے ہیں یا نہیں۔ جاؤں گی تو ادھیڑوں گی ہی ناں جو ہو رہا ہے وہی بہتر ہے لیکن مجھے آنے والے وقت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میری ایک غلطی نے مجھے کہاں سے لا کر کہاں پٹخا ہے اگر میرا بیٹا بڑا ہو کر مجھ سے باز پرس کرنے بیٹھ گیا تو ابھی تو وہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتا لیکن اگر وہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل نکلا تو؟ پوری دنیا میں اب میرے پاس میرے بیٹے کے علاوہ کچھ نہیں اگر وہ بھی پرایا ہو گیا تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔ یہ خوف دن رات میرے حواسوں پر سوار رہتا ہے جانے آنے والا وقت میرے لیے اپنے اندر کیا طوفان سمیٹے بیٹھا ہے۔ جانے کیا آندھی چلے اور میرے وجود کے چیتھڑے اڑا کر لے جائے میں نہیں جانتی کہ کیا ہوگا اور کیا ہونے والا ہے۔ مگر ایک ہی دعا مانگتی ہوں میں اللہ مجھ جیسی بیٹی، مجھ جیسی بہن اور مجھ جیسی ماں کسی کو نہ دے۔ نہ دے کسی کو نہ دے میرے اللہ کسی کو نہ دے۔" یہ جملے دہراتی ہوئی وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور میں وہیں کھڑی اس کی شکست خوردہ چال کو دیکھتی رہ گئی۔

کتنے غلط تھے ہم لوگ وہ تو پہلے ہی اجڑی ہوئی تھی ہم جیسے لوگوں نے اسے بے گھر کر دیا تھا۔ اس وقت مجھے وہ نیم پاگل سی لگی تھی لیکن ہو سکتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کا خوف اسے پاگل ہی نہ کر دے اس نے سفر تو کیا تھا مگر منزل کہیں نہ پائی تھی اس کا سفر لاحاصل ہی ٹھہرا تھا۔ میرا دل بہت بھاری ہو رہا تھا عورت کی ایک غلطی اس کے آنے والے وقت آنے والی نسل اس کے گزشتہ و پیوستہ رشتوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے یہ سبق مجھے اچھی طرح ازبر ہو گیا تھا جو مجھے پڑھانا تھا۔ قصور تو ہر کسی کے کھاتے میں لکھا جاتا ہے، ہم بھی قصوروار تھے احسان بھی اس کے گھر والے بھی اس کا ساتھ دینے والے بھی۔ مگر بھگت رہی تھی تو صرف صبا۔ اس کے ماں باپ بہن بھائی اور شاید اس کا بیٹا بھی۔

ہو گیا ہے مجھے پیار

حنا عندلیب

میرے خوابوں کے گلشن میں خزائیں رقص کرتی ہیں
میرے ہونٹوں کی لرزش میں وفائیں رقص کرتی ہیں

"اماں جی...... آپ سے کس نے کہا تھا کہ اتنے سنسان راستے سے آئیں اور وہ بھی پیدل......" وہ چل چل کر تھک چکی تھی اور اوپر سے خریداری کیے گئے سامان کی کوفت' جسے اٹھائے اٹھائے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔

"ہاں تو پیدل ہی چلنا ہے تیرے لیے کون سا شہزادہ کار لے کر آئے گا۔" امی نے جل کر کہا وہ اپنی سمجھ میں اسے شارٹ کٹ راستہ سمجھ رہی تھیں مگر یہ راستہ کافی سنسان تھا۔

"ماں شہزادہ کار لے کر نہیں آتا ہمیشہ گھوڑے پر آتا ہے۔" اس نے سمجھداری سے ماں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔

"ارے وہ دیکھ آ گیا۔"

"کیا...... شہزادہ آ گیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"نہیں' بیوقوف چنگ چی آ گیا اسے ہاتھ دے۔" ماں نے جھاڑا۔

"کیا ہاتھ چنگ چی کو دے دوں تو میں کیا کروں گی؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ "ویسے ماں ہاتھ چنگ چی کو کیسے دے سکتے ہیں' ہاں چنگ چی والے کو......" وہ مزید بولتی' ماں نے اسے گھورا۔ اس نے فوراً چنگ چی کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا جوان کے قریب آ کر رک گیا۔ ماں جلدی جلدی سامان رکھنے لگیں۔

اس کی اچانک نظر چنگ چی والے پر پڑی' اس کے چہرے پر رومال بندھا ہوا تھا' یہ انداز...... یہ ادا تو...... اس کی تھی وہ حیران سی ایک دم اس چنگ چی والے کے سامنے آ گئی۔ اس نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا' ان آنکھوں میں شناسائی اور حیرانگی کی لہر ایک ساتھ اٹھی' وہی بھوری شوخ آنکھیں' مقناطیسی کشش رکھنے والی آنکھیں...... خاموش رہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ جانے والی آنکھیں...... ان آنکھوں کو بھولنے کی اس نے کتنی کوشش کی تھی مگر ہر بار ناکام ہو جاتی۔ ان آنکھوں کو بھول کر آگے بڑھنا چاہتی تھی تو آج پھر وہ سامنے آ گئیں۔ چنگ چی والے نے قمیص کی جیب سے بلیک گلاسز نکال کر آنکھوں پر چڑھا لیے۔ اسے نظریں چرانے کا یہی راستہ آسان لگا۔ مگر اس نے بہت بے باکی سے وہ گلاسز اس کی آنکھوں سے اتارے' وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"پارس اب کھڑی رہے گی کیا؟ چل جلدی سے بیٹھ جا پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔" اماں نے سامان پچھلی سیٹ پہ رکھا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ "یہ کالا بیگ تو رکھ اور آگے والی سیٹ پہ بیٹھ جا۔ بہت احتیاط سے بیگ کو رکھنا۔ اے بیٹا...... آپ کی کوئی سواری آئے گی تو ہم ایک سیٹ پر ہو جائیں گے۔" اماں اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں۔ پارس خاموشی سے آ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور بیگ بھی ساتھ رکھ لیا۔ وہ ابھی بھی صرف "دیکھنے" کی منزل سے گزر رہی تھی۔ پارس کا دل چاہا اسے گریبان سے پکڑے اور پوچھے۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے چھوڑ کے جانے والے...... کہاں تھے تم؟ اس ایک سال میں ایک بار بھی مڑ کے نہیں دیکھا' کوئی منتظر ہے تمہارا...... کبھی نہیں سوچا تم نے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں...... پارس کے بارے میں نہیں سوچا۔" اتنے سوال تھے جن کا جواب اسے چاہیے تھا مگر وہ سوال نہ کر سکی اور شاید وہ جواب بھی نہ دے پاتا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''آج بھی کتنے اجنبی' کتنے انجان بنے ہوئے ہو آج بھی ہمارے درمیان خاموشی ہے' صرف خاموشی' تم آج بھی کچھ نہیں کہو گے' ہاں تم کیوں کچھ کہو گے' میں ہوں کون تمہاری' تم میرے کیا ہو جو کچھ بولو گے؟ میں یہ سب کچھ کہنے اور پوچھنے کا حق بھی تو نہیں رکھتی۔'' اچانک اسے جمپ لگا' وہ جو اپنی سوچوں کے بھنور میں پھنسی تھی بے اختیار سنبھلنے کے لیے سہارا لیا اور سہارا اس کا مضبوط کندھا تھا۔ چنگ چی والے نے ہلکی سی گردن گھما کے دیکھا اس کی نظروں کی گرفت میں چاندی کی انگوٹھی آئی' وہ پھر سے ڈرائیونگ میں مشغول ہو گیا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ پارس کو ایک دم ہتک محسوس ہوئی' اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''بیٹا اللہ تمہارا بھلا کرے۔'' ماں نے کرائے کے ساتھ دعا دی۔ ''پارس سارا سامان اتار لو دھیان سے۔'' ماں نے پارس کو مخاطب کیا۔

''تمہاری منزل آ گئی ہے..... یا کھو گئی ہے؟'' سوچوں کا سلسلہ ختم نہیں رہا تھا۔ پارس نے وہ گلاسز واپس اس کی سیٹ پر رکھ دیئے۔ ''جب میں تمہیں بھول گئی تو تم کیوں آئے دوبارہ میری زندگی میں؟ میں بھول جانا چاہتی ہوں تمہاری ہر بات' تمہاری ہر یاد.....'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی وہ چلا گیا۔ پارس بھول گئی' وقت..... جگہ..... اور وہ کالا بیگ جو ماں نے احتیاط سے رکھنے کی تلقین کی تھی۔

مجھے وہ لاکھ تڑپائے مگر اس شخص کی خاطر
میرے دل کے اندھیروں میں دعائیں رقص کرتی ہیں
محبت تو بارش ہے جسے چھونے کی خواہش میں
ہتھیلیاں تو گیلی ہو جاتی ہیں' مگر ہاتھ ہمیشہ خالی ہی رہتے ہیں.....

پارس نے بھی اس بارش کو چھونے کی خواہش کی تھی مگر ہاتھ خالی رہے تھے۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ شخص اس کی زندگی میں اس وقت آئے گا جب وہ سب کچھ بھول کر آگے بڑھ رہی ہو گی جب وہ کتاب ماضی کے تمام باب بند کرنے کی کوشش کر رہی ہو گی' وہ کیوں چلا آیا؟

❀......♥......❀

وہ جب سے بازار سے لوٹی تھی اپنے کمرے میں قید خود سے لڑ رہی تھی۔ دل کو سمجھا رہی تھی۔ محبت کی نفی کر رہی تھی لیکن دل..... دل کہاں سنتا ہے' دل تو بس اپنی مرضی کرتا ہے۔

''پارس کمرے میں کیوں قید ہو گئی ہو..... کیا ہوا' طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم نے شاپنگ بھی نہیں دکھائی۔'' کمرے کا دروازہ بجاتے ہوئے اقصیٰ سراپا سوال ہوئی۔

''بھابی..... میں تھک گئی ہوں سونا چاہتی ہوں۔ صبح شاپنگ دکھاؤں گی۔'' پارس نے بے زار لہجے میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے کھانا تو کھا لو۔'' اقصیٰ کو نئی فکر ہوئی۔

''بھابی مجھے بھوک نہیں ہے پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔'' پارس نے التجا کی۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو۔'' بھابی نے کہا۔ ''شاید وہ پریشان ہے ہاں شاید ماں باپ کو چھوڑ کے جانے کے تصور سے پریشان ہو رہی ہو گی۔ جب میری شادی ہونے والی تھی تب میری بھی تو بھوک پیاس اڑ گئی تھی۔'' اقصیٰ نے سوچتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

وہ رکشہ کیوں چلاتا ہے؟ وہ تو کافی ہونہار طالب علم تھا۔ اس کا CGPA بھی بہت اچھا تھا ایسا کیا ہوا کہ وہ رکشہ چلانے پر مجبور ہے۔ سوچتے سوچتے پارس نے نیند کی وادی میں قدم رکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کل کا سورج اس کے لیے نئی آزمائش لے کر آئے گا۔

❀......♥......❀

''یار کیا ہوا..... تو اتنا پریشان کیوں ہے..... کوئی مسئلہ ہے تو بتا؟'' رضوان جو اس کا اچھا دوست اور اسی کی طرح کا ڈرائیور تھا پوچھ بیٹھا۔

''کچھ نہیں یار بس آج بابا جانی بہت یاد آ رہے ہیں۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو حالات کتنے مختلف ہوتے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اچانک مجھے چھوڑ کے چلے جائیں گے۔'' وہ افسردہ ہوا۔ رضوان خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ اس کا دل جب جب بوجھل ہوتا وہ رضوان کے سامنے

دل ہلکا کرتا۔ ''میں گھر جاتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بابا جانی کسی کمرے سے نکلیں گے اور پوچھیں گے آ گیا تو...... دن کیسا رہا تیرا؟ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوتا۔'' شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ جیسے کسی بھی پل وہ آنکھیں برس جائیں گی۔ ''بابا جانی کو دل کا مرض تھا' انہوں نے کبھی مجھے نہیں بتایا اپنا درد کتنی آسانی سے چھپالیتے تھے اور میں۔'' اس نے شہادت کی انگلی اپنی طرف کی۔ ''میں اتنا نالائق' نااہل بیٹا ہوں کہ مجھے کبھی علم ہی نہیں ہوا کہ وہ بیمار ہیں۔ میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں' پڑھائی توجہ سے کروں' مجھے پریشانی نہ ہو' اس لیے اپنی تکلیف مجھے نہیں بتاتے تھے۔ وہ میرے بڑے آدمی بننے کا سپنا لے کر منوں مٹی تلے جاسوئے اور میں...... میں دیکھ کتنا بڑا آدمی ہوں۔'' اس نے خود پر طنز کیا' اپنا مذاق اڑایا۔ رضوان نے خاموشی کا پردہ چاک کیا۔

''یار...... ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تو اپنے بابا کی خواہش ان کے خواب پورے کرنے کی کوشش تو کررہا ہے نہ' دیکھنا ان شاء اللہ بہت جلد تیرے سارے خواب حقیقت کا روپ دھارے تیرے سامنے ہوں گے۔ اچھا یہ بتا انٹرویو کے لیے گیا تھا...... کیا بنا؟'' رضوان نے موضوع بدلا۔

''وہی جو ہر دفعہ بنتا ہے۔ میں نے ایک اور جگہ اپلائی کیا ہے' دیکھو کیا جواب آتا ہے۔'' اس نے معمول کی طرح جواب دیا۔

''یار تو ہمت مت ہارا کر...... اگر تو ہمت ہار گیا تو تیری ماں' بہن کا خیال کون رکھے گا؟'' رضوان نے حوصلہ دیا۔ وہ جب جب ہمت ہارنے لگتا اسے اپنی ماں' بہن کا خیال آجاتا۔

''ہاں مجھے گھر چلنا چاہیے۔ رات ہوگئی ہے وہ پریشان ہورہی ہوگی؟''

'یار یہ تیرے رکشے میں بیگ کیسا ہے؟'' رضوان نے توجہ دلائی۔

''پتہ نہیں شاید کوئی سواری بھول گئی ہوگی۔'' اس نے بےزار لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس وقت کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

''یار دیکھ لے اس میں کوئی بم ہی نہ ہو؟'' رضوان ہراساں ہوا۔ وہ ہنس دیا۔ وہ جانتا تھا رضوان اس کی ٹینشن کم کرنا چاہتا ہے۔

''یار یہ بیگ تو رکھ صبح دیکھیں گے کیا ہے اور کیا کرنا ہے؟'' وہ اس بیگ کے بارے میں تجسس میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' رضوان نے بیگ لیا اور چلا گیا۔ اپنے بابا جانی کو سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں بھرآ ئیں۔

''تم...... تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ وہ دھیرے سے آگے بڑھی اور اس کے آنسو اپنی پوروں پر جمع کرنے لگی۔ اس نے ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ غائب ہوگئی۔ وہ میرے خیالوں میں کیوں آتی ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا۔

خدا جانے دوست کیسی کشش ہے تیری یادوں میں
میں تیرا ذکر چھیڑوں تو ہوائیں رقص کرتی ہیں

❀......♥......❀

''بابا جانی آپ کو یقین ہے کہ میرٹ لسٹ میں میرا نام آجائے گا۔'' اس نے پوچھا تھا آج اسے یونیورسٹی میں میرٹ لسٹ دیکھنے جانا تھا۔

''بیٹا اگر تم اس کی ذات پر اس طرح توکل کرو جیسے کرنے کا حق ہے تو تم مستقبل کے لیے کبھی پریشان نہیں ہوگے۔ اگر تم اس کی رحمت پر یقین کرلو گے تو تم کشادگی سے ناامید نہیں ہوگے اگر تم اس کی حکمت پر پورا یقین کرلو تو قضاوقدر کے معاملے میں تمہیں کبھی شکوہ نہ ہو۔'' بابا جانی نے پیار سے کہا۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ میرے بیٹے کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن ضرور ملے گا اور ایک دن بڑا آدمی بنے گا۔'' بابا جانی کی انہی خوب صورت باتوں سے اسے نیا حوصلہ' ہمت اور جذبہ ملتا تھا۔ جب وہ یونیورسٹی اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو اسے اپنا ڈیپارٹمنٹ کافی سجا ہوا اور پھولوں سے مہکتا ہوا

نظر آیا۔ سینئر اسٹوڈنٹس ہاتھوں میں پھولوں کی پلیٹ اور ہار لیے کھڑے تھے۔ نئے H.O.D (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ) کے آنے کی خوشی میں یہ سب تیاریاں تھیں۔ کچھ اسٹوڈنٹس نوٹس بورڈ پر اپنا نام دیکھ رہے تھے وہ بھی ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور اپنا نام تلاش کرنے لگا۔

''پارس علی، میرا نام آ گیا۔'' اس کے سامنے پشت کیے کھڑی لڑکی ایک نام پر انگلی رکھتے باآواز بلند چلائی۔ اس کی انگلی کے اوپر اسے اپنا نام بھی نظر آ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ لڑکی ایک طرف ہوگئی، وہ آگے بڑھا اور اپنا اور اپنے والد کا نام دیکھنے لگا۔ پارس نے وہاں موجود ایک لڑکی سے پھولوں کی پلیٹ لی اور مڑتے ہی پھول ہوا میں اچھال دیے۔ مڑتے ہی وہ اس کے مدمقابل تھی دونوں پر پھول کی پتیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ نگاہوں کے تصادم سے عجب تکرار ہوئی تھی۔ دل دھیرے سے پہلو سے سرکنے لگا تھا۔ کہیں کوئی ہلچل ہوئی تھی۔ کسی نے بہت بے بس کر کے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ سب کی نظریں دونوں پر ہیں وہ فوراً منظر سے غائب ہوگئی۔

❀......♥......❀

یونیورسٹی میں داخلے کے سارے معاملات حل کرنے کے بعد آج اس کا پہلا دن تھا۔ وہ ذرا جلدی یونیورسٹی پہنچ گئی تاکہ یونیورسٹی کو گھوم کے دیکھ سکے۔ یونیورسٹی میں قدم رکھتے ہی اسے سبزہ ہی سبزہ نظر آیا۔ درخت، رنگ برنگے پھول، پودے..... گھاس، پھولوں پر بیٹھتی، اڑتی، شرارتیں کرتی تتلیاں، خوشبوؤں سے مہکتا ماحول، اس کا موڈ پل میں فریش ہوا تھا۔ اس نے لمبی سانس لے کر پھولوں کی خوشبو کو سانسوں میں اتارا اور جوتے اتار کر شبنم سے بھیگی گھاس پر چلتے ہوئے خود کو پرسکون کیا۔ کچھ دیر یہ شغل کرنے کے بعد اس نے دوبارہ جوتے پہنے اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھی۔ سوئپر جھاڑو لگا رہا تھا جس کی وجہ سے بہت گرد اڑ رہی تھی۔ گرد کے اس دھوئیں میں اسے وہ نظر آیا چہرے پر رومال باندھے ہوئے کچھ لمحے بے خیالی میں اسے دیکھتی

رہی پھر اپنی کلاس کی طرف بڑھ گئی۔

''آج کا دن معلوم نہیں کیسا ہوگا؟ یہاں مجھے اچھی دوستیں ملیں گی کہ نہیں؟ میں ابو کی امیدوں پر پوری اتروں گی یا نہیں؟ میرے اللہ میری مدد فرما اور جو میرا مقصد ہے مجھے اس میں کامیاب کر آمین۔'' دل ہی دل میں سوچتے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی سب سے اوپر والی سیڑھی پر پہنچ کر اس نے اپنا اسکارف درست کیا، پھر شانوں پر پھیلے ہوئے دوپٹے کو درست کرتے ہوئے بہت بے دھیانی میں اس کی کہنی کسی کی آنکھ میں زور سے لگی وہ اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر تسمے باندھ رہا تھا۔ کھڑا ہونے لگا تو اچانک پارس کی کہنی لگ گی۔

''اوہ..... آئی آئی ایم سوسوری..... میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔'' وہ خاصی شرمندہ دکھائی دی اور مقابل آنکھ پر ہاتھ رکھ کر درد کم کرنے میں مشغول ہوگیا تھا۔

''یہ..... یہ لیں اس پر پھونک ماریں اور اپنی آنکھ پر رکھ لیں درد ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بوکھلائی تھی جلدی سے اپنے دوپٹے کا کونا پکڑ کے مقابل کے سامنے کیا۔

''یہ..... نسخہ آپ کو کسی حکیم صاحب نے بتایا ہے؟'' ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا طنز کرتے ہوئے مقابل نے آنکھ سے ہاتھ اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ ایک آنسو اس کی پلکوں کی باڑ سے نکل کر گالوں کی حدود کو عبور کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کی پشت پر جا گرا۔ پارس نے حیرت و بے یقینی سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''آپ کو بہت درد ہو رہا ہے؟'' بہت معصومیت سے پوچھا گیا۔ اس معصومیت پر اسے بے انتہا غصہ آیا۔

''نہیں..... نہیں بالکل نہیں، میں بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔'' طنز کا ایک اور تیر چلا کر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا، پھونک مار کر اپنی آنکھ پر رکھا اور چلا گیا۔ پارس نے اپنا آگے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکا۔

''لو جی..... میں مدد کر رہی تھی اور محترم نخرے دکھا رہے ہیں..... نہیں تو نہ سہی۔'' اس نے ادائے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

❀ .... ♥ .... ❀

"السلام علیکم امی جان۔" اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔

"آ گیا بیٹا..... کتنی دیر لگادی آج تو نے؟" اس کی توقع کے عین مطابق اس کی امی اور بہن پریشان تھیں۔

"بھائی میں کھانا لگاتی ہوں آپ ہاتھ منہ دھو کے آؤ۔" فریحہ نے پیار سے کہا۔

"امی آپ پریشان نہ ہوا کریں بس دعا کیا کریں۔" اس نے اپنی ماں کے ہاتھ تھام کے کہا۔ "یہ لیں آج کی کمائی۔" اس نے بہت سے پیسے جیب سے نکال کر ماں کو دیئے۔

"خوش رہو..... جیتے رہو بیٹا۔" ماں نے دعا دی۔

"بھائی آپ شادی کے بعد بھی اپنی کمائی امی کو دیں گے یا پھر اپنی بیوی کو؟" فریحہ کھانا لے آئی اور آتے ہی سوال داغا جس پر امی نے اسے گھورا۔ دھیرے سے بہت ہولے سے کوئی اس کے خیالوں میں چلا آیا۔

اس نے کئی مرتبہ اسے دیکھا تھا جب وہ یونیورسٹی میں کینٹین میں کام کرنے والے ایک بزرگ کو پیسے دے رہی تھی۔

"السلام علیکم! دادا جی یہ آپ کے لیے ہیں۔" وہ بڑے جھک کے ان بزرگ کو پیسے دیتی تھی اور وہ بابا جی بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

"جیتی رہو ہمیشہ خوش رہو۔ اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔" بابا جی دعا دیتے وہ مسکرا کر آمین کہتی۔

"نہیں میری بیوی کو پیسوں کی محبت نہیں ہوگی۔" وہ یقین سے مسکرایا۔ رات بستر پر لیٹے ہوئے وہ مسلسل اسے سوچ رہا تھا۔

"ایک سال بعد مجھے نظر آئی تھی۔ بالکل بھی نہیں بدلی۔ حیرت کی بات ہے کہ اس نے مجھے پہچان لیا' کاش..... ہمارے درمیان فاصلے نہ ہوتے' کاش میں اسے اپنی زندگی میں لاسکتا' کاش..... وہ میری ہوتی..... کاش..... میں اسے کہہ سکتا کہ تمہاری دو آنکھیں..... ان آنکھوں میں بسے سپنے اور ان سپنوں کی تعبیر بھی میری ہیں۔ کاش میں کہہ سکتا کہ تمہارا دل' دل میں بسی دھڑکن اور دھڑکن میں چھپے سارے جذبات و محسوسات میرے ہیں.....

جب کسی وقت دل کی دھڑکنوں کے اندر
میرے نام کی گونج سنائی دے تو یقین کرنا کہ
میں نے اب تک تمہیں نہیں بھلایا ہے
رات کے پچھلے پہر ہوا کے جھونکوں میں شبنم جیسی
میرے آنسوؤں کی نمی محسوس کرو تو یہ جان لینا کہ
تیری یاد نے ابھی تک میرے آنسوؤں کو خشک نہیں ہونے دیا!
یاد رکھنا کہ.....!
اب تک میرے دل کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں
اور میری آنکھیں سراپا انتظار ہیں
تم میری پاگل چاہت کے عکس اپنی آنکھوں اور
دل میں محسوس کرتی رہو گی.....!"

❀ .... ♥ .... ❀

"امی جی..... کہاں رہ گئیں ہیں؟ آپ کو جو دینا ہے دے دیں مجھے یونیورسٹی سے دیر ہورہی ہے۔" وہ صحن کے بیچ کھڑا با آواز بلند چلایا۔

"ایک منٹ بیٹا بس آئی۔" صفیہ بیگم بھاگنے کے سے انداز میں کمرے سے باہر نکل کے آئیں۔ "یہ لو۔" انہوں نے چاندی کی انگوٹھی اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"یہ چاندی کی انگوٹھی ہے۔" صفیہ بیگم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"اُفوہ..... امی جی میں اس کا کیا کروں؟" وہ جھنجلایا۔

"یہ میں نے میری بہو کے لیے بنوائی تھی۔ جب تم پہلی بار اسے ملو گے تو اس کی انگلی میں پہنا دینا۔" صفیہ بیگم کے انداز میں شرارت تھی۔

"امی آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ میں یونیورسٹی پڑھنے جارہا ہوں آپ کی ہونے والی بہو تلاش کرنے نہیں۔" وہ جھنجلاہٹ میں بولا۔ بھلا صبح صبح ایسی باتیں کرنے کی کیا تک بنتی ہے وہ بھی تب جب اسے یونیورسٹی

سے دیر ہورہی تھی۔ انگوٹھی جیب میں ڈالے وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے وہ بری طرح کسی سے ٹکرایا اور بے شمار کاغذات ہوا میں بکھر گئے تھے۔

"اوفوہ...... آئی ایم سوری سر...... میری غلطی ہے میں نے دھیان نہیں دیا۔" اپنی غلطی تسلیم کرتے اس نے جھک کر سیڑھیوں سے کاغذات اٹھانے شروع کردیئے۔

"یار ویسے ہونا تو یہ چاہیے کہ تم کسی لڑکی سے ٹکراتے، تم مجھ سے ٹکرا رہے ہو۔" یہ کلرک عثمان تھا جو ان کے ڈیپارٹمنٹ کے داخلہ فارم ایڈمن بلاک میں جمع کروانے جارہا تھا۔ اسی وقت شکیب کے ہاتھ میں پارس کا داخلہ فارم آیا اس پر پارس کی تصویر لگی تھی۔ بے خیالی میں اس نے تصویر دیکھی۔ سامنے سے پارس اور بسمہ سیڑھیاں اترتے ہوئے آرہی تھیں۔ اس نے فارم جلدی سے عثمان کے حوالے کیا۔

"کیا ہوا سر کلاس میں نہیں ہیں کیا؟" شکیب نے حیران ہوکر انہیں مخاطب کیا۔

"نہیں آج سر چھٹی پر ہیں۔" بسمہ نے جواب دیا۔ شکیب نے ایک نظر اسے دیکھا وہ لاتعلق بنی کھڑی رہی۔

"شکیب یار آ کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔ سر چھٹی پر ہیں۔" فاروق نے دور سے ہانک لگائی۔ فاروق سے دوستی پہلے دن ہی ہوگئی تھی۔

"اتنی صبح صبح کون کیفے ٹیریا جاتا ہے؟" شکیب حیران سا اس کی جانب بڑھا۔

"میں جاتا ہوں کیونکہ میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ سر مختار کی کلاس ہے اس وجہ سے جلدی گھر سے نکلا ورنہ وہ کلاس سے نکال دیتے مگر وہ تو آج چھٹی پہ ہیں۔" باتیں کرتے وہ کیفے ٹیریا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر شکیب نے اردگرد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ فاروق کھانے کے لیے کچھ لینے کاؤنٹر پر گیا۔ پارس اور بسمہ آئس کریم کا کپ تھامے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ اتنی صبح صبح آئس کریم؟ اس نے سوچا۔ جلد ہی وہ اس ماحول سے بیزار ہونے لگا۔ گھر میں سب پڑھنے کا کہہ کر آتے ہیں اور یہاں آکر کلاسز بنک کرکے خوش گپیوں میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اس نے بےزاری سے جینز میں ہاتھ ڈالا۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے ٹائم پاس کے لیے انگوٹھی ہوا میں اچھالنی شروع کردی۔

"شکیب دیکھ میں تیرے لیے بھی سینڈوچ لایا ہوں۔" فاروق کی آواز پر اس کا دھیان انگوٹھی سے ہٹا اور انگوٹھی نجانے کہاں گئی؟

"اوہ کہاں گرگئی؟" وہ بڑبڑایا۔

"کون...... کون کہاں گئی؟" فاروق کے کان کھڑے ہوئے۔ "وہ کہاں چلی گئی؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے آس پاس تلاش کرنے لگا۔

"کون...... کیا کہہ رہا ہے؟" فاروق مشکوک ہوا۔

"یار انگوٹھی تھی کھوگئی۔" اسے تلاش کرنے پر بھی نہ ملی۔

"اوہ یہ کیا ہے۔" آئس کریم کھاتے پارس کے منہ میں کچھ آیا۔ اس نے نکالا تو وہ انگوٹھی تھی۔ "یہ کہاں سے آئی؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہوسکتا ہے کسی نے پرپوز کیا ہو تجھے اس انداز میں۔" بسمہ دور کی کوڑی لائی۔

"جو بھی ہے انگوٹھی بہت خوب صورت ہے اور یہ میری ہوگئی کیونکہ یہ میرے کپ میں تھی۔" پارس نے انگوٹھی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال لی۔ اس وقت محبت دور کہیں مسکرائی تھی۔

"نہیں ہونا تھا...... ارے نہیں ہونا تھا
نہیں ہونا تھا...... نہیں ہونا تھا
لیکن ہوگیا یار......
ہوگیا ہے مجھے پیار......"

کیفے ٹیریا سے نکلتے اس نے شکیب کو جھک جھک کر کچھ تلاش کرتے دیکھا تھا۔

❀...... ♥ ......❀

"شکیب کہاں ہے یار؟" رضوان نے صبح چھ بجے اسے کال کی۔

"میں ہاسپٹل میں ہوں امی کو اچانک فالج کا اٹیک ہوا

ہے۔ انہیں ہاسپٹل ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔" شکیب خاصا پریشان تھا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔" رضوان نے کہا۔ وہ شکیب کے بتائے ہوئے ہاسپٹل پہنچ گیا۔

"کیا ہوا ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" رضوان نے پوچھا۔

"ڈاکٹرز کے مطابق بہت سیریس اٹیک ہے۔ جلد ٹریٹمنٹ شروع کرنا پڑے گا۔ انہیں ایڈمٹ کرلیا ہے مگر میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کروں گا؟" وہ جیسے بے بس ہونے لگا تھا۔ اچانک رضوان نے کہا۔

"شکیب تجھے پتہ ہے اس بیگ میں کیا ہے؟"

❀......❤......❀

"بیگ...... ! کون سا بیگ امی؟" پارس نے حیران ہوکر پوچھا۔

"بیٹا جو چنگ چی میں تجھے پکڑا یا تھا۔ جس میں تیری شادی کا پانچ تولے سونا تھا...... یاد آیا؟" امی کو غصہ آنے لگا۔ "تیری تائی امی آئی ہیں زیور دیکھنے...... ان کو دکھانا جا لے کے آ جلدی۔"

"وہ بیگ......" پارس کو یاد آیا کتنی بے خودی میں اسے دیکھا تھا کہ بیگ اٹھانا تو یاد ہی نہیں رہا۔

"وہ...... وہ بیگ چنگ چی میں رہ گیا امی۔" پارس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا...... ! کیا کہا تو نے؟ بیگ چنگ چی میں رہ گیا اور تو مجھے اب بتا رہی ہے جب تیری ساس زیور دیکھنے آئی بیٹھی ہے۔" امی کو پریشانی کے ساتھ غصہ بھی آیا۔

"امی میں نے جان بوجھ کے تو نہیں......"

"رکشے والے کے تو دن پھر گئے......" تائی کی آمد سے اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ "ارے تم اتنی لاپروا کیسے ہوسکتی ہو؟ پانچ تولے سونا کم نہیں ہوتا' آج کے دور میں' لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ شادی کا زیور چنگ چی میں بھول آئیں۔ آج کل کے لوگ تو اتنے لالچی ہوتے ہیں کہ نیت بدلتے دیر نہیں لگاتے۔ اس رکشے والے کی نیت بھی خراب ہوگئی ہوگی۔"

"اس کی نیت خراب نہیں ہوسکتی' وہ ایسا نہیں ہے۔" پارس ایک دم چلائی۔

"ارے تجھے کیا پتہ وہ کیسا ہے کیسا نہیں تو جانتی ہے اسے؟" تائی نے تیکھے انداز میں پوچھا۔ جلد ہی پارس کو اپنی جذباتیت کا اندازہ ہوا۔

"میرا مطلب وہ شکل سے ایسا لگتا نہیں تھا۔" وہ منمنائی۔

"ارے مجھے کیا وہ جیسا بھی لگتا ہو۔ میری ناک تو کٹ گئی نہ۔ میں نے سب رشتہ داروں کو بتادیا تھا کہ پانچ تولے سونا چڑھا رہے ہیں لڑکی والے اور جہیز بھی بہت دے رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ کوئی ناٹک کررہے ہوں۔" تائی کے منہ میں جو آ رہا تھا وہ بول رہی تھیں۔

"ارے بھابی آپ ایسا تو نہ کہیں' ہم نے زیور بنوائے تھے آپ حوصلہ رکھیں زیور مل جائیں گے۔" امی نجانے تائی کو تسلی دے رہی تھیں یا خود کو۔

"دیکھیے بھابی یہ ڈرامہ نہیں چلے گا۔ زیور ڈھونڈیے ورنہ ہماری طرف سے انکار سمجھیے۔" تائی نے صاف لفظوں میں دھمکی دی۔

"تائی جی ایسا مت کہیں' ہم کچھ کرتے ہیں۔" اقصیٰ نے مداخلت کی۔ امی کو تو جیسے سکتہ ہوگیا تھا۔ "شادی کو صرف ایک ماہ رہ گیا ہے وہ سب کچھ' ہمیں جہیز میں ملنا چاہیے جو میں نے مانگا ہے' ورنہ بارات واپس لے جاؤں گی اور ہاں یہ باتیں شاہ زیب کے ابا کو یا اپنے میاں کو بتانے کی ضرورت نہیں...... ورنہ رشتہ ختم۔" تائی نے حقارت سے کہا۔

"میں نے اس لیے تمہاری بیٹی کا ہاتھ مانگا تھا کہ بھائی صاحب دل کے مریض ہیں۔ اپنی زندگی میں ہی پارس کو گھر کا کردیں اور میرے شاہ زیب سے اچھا لڑکا آپ کو کہیں مل نہیں سکتا۔" تائی اپنا احسان جتا رہی تھیں حالانکہ شاہ زیب نے پارس سے شادی کی ضد کی تھی۔

"تو تائی جی آپ اپنے اچھے شاہ زیب کے لیے اچھی

لڑکی ڈھونڈ لیں کیونکہ میں نہ تو بہت جہیز لانے والی ہوں اور نہ زیور۔'' پارس نے پختہ لہجے میں کہا۔

''پارس چپ کر......'' امی نے مداخلت کی۔

''ارے دیکھا کتنی لمبی زبان ہے اس کی۔'' تائی تلملائی۔

''آپ سے تو کم ہی ہے۔'' پارس کو بھی غصہ آ گیا۔ تائی جب جب آتیں اسی طرح بے عزتی کر کے چلی جاتیں۔ پارس کو اس رشتے کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا تھا مگر ابو کی خاطر سب کچھ خاموشی سے سہہ رہی تھی مگر آج تو تائی نے حد ہی کر دی تھی۔

''پارس تم جاؤ اپنے کمرے میں۔'' امی چلائیں۔

''بھابی آپ کسی سے کوئی ذکر مت کیجیے گا ہم سب کچھ کریں گے جو آپ کہیں گی وہ سب کچھ۔'' امی نے یقین دہانی کرائی۔ تائی کف اڑاتی چلی گئیں۔

''امی کب تک چلے گا یہ سب؟'' پارس نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' امی ڈھے ہی تو گئی تھیں۔

''میں پانی لاتی ہوں۔'' اقصیٰ بھاگی۔

''امی جانتی ہیں جب سے رشتہ ہوا ہے تب سے تائی کچھ نہ کچھ فرمائش کرتی جا رہی ہیں اور آپ ہمیشہ ابو سے یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم اپنی بیٹی کو یہ بھی دیں وہ بھی دیں اور ابو خوشی خوشی سب لانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ آپ ابو سے اتنا کیوں ڈرتی ہیں؟ انہیں سچ کیوں نہیں بتاتیں کہ ان کی بھابی لالچی عورت ہیں۔ وہ آپ کو دھمکی دیتی ہیں کہ اگر کسی کو بتایا تو رشتہ ختم' کیوں لاعلم رکھ رہی ہیں آپ ابو کو؟ خاموشی کو توڑ دیں' بتا دیں سب۔ اس رشتے کا کوئی مستقبل نہیں۔ میں خوش نہیں رہ پاؤں گی۔ امی مجھے یہ سوچنے پر مجبور نہ کریں کہ میں آپ پر بوجھ ہوں۔ آپ کی زندگی میں تکلیفوں کا سبب میں ہوں۔'' پارس کی آنکھوں سے ایک ساتھ کئی آنسو نکلے تھے۔

''نہیں میری چندا...... میری بچی۔'' امی نے فرط محبت سی ماتھا چوما۔ پیار سے گلے لگایا۔ ''بتا کیا تو اس رکشہ ڈرائیور کو جانتی ہے؟'' امی نے پیار سے بال سنوارے۔ ''تیرے لہجے میں اتنا یقین بول رہا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے۔''

''امی وہ وہی تو ہے......'' پارس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ''وہی ہے امی جس نے مجھے محبت سکھائی اور جسے آج تک میں اپنا نہیں کہہ پائی۔'' کمرے کے باہر دیوار سے لگے چوہدری علی حیات پر جیسے قیامت ٹوٹی ہوا تنا کچھ تھا جو وہ نہیں جانتے تھے' جو انہیں معلوم ہونا چاہیے تھا' امی نے ڈگمگاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''پارس اگر اس نے زیور واپس نہ کیا تو؟''

❁......❤......❁

''کیوں...... کیوں واپس نہ کروں؟ کیا یہ میرا ہے...... کیا اس پر میرا حق ہے؟'' شکیب کو شدید غصہ آیا۔ رضوان کے مشورے پر۔

''یار تجھے پیسوں کی ضرورت ہے اتنی رقم کا کیسے بندوبست کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مدد بھیجی ہے اس مدد سے انکار مت کر۔'' رضوان نے سمجھایا۔

''اسے مدد نہیں آزمائش کہتے ہیں...... اللہ تعالیٰ اس طرح مدد نہیں بھیجتے۔ میں آج ہی اس زیور کو واپس کروں گا۔'' اس نے پختہ لہجے میں کہا۔

''اور تیری امی کے علاج کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟'' رضوان نے پوچھا۔

''اس کا میں بندوبست کر لوں گا کسی سے ادھار مانگ لوں گا۔''

''سچ کہتے ہیں مشکلات میں طبیعتوں کی کمینگی سے پردہ اٹھتا ہے۔'' اسے شدت سے وہ دعا یاد آئی جو اس کے ابو رو رو کے مانگا کرتے تھے۔

''اے اللہ...... اگر مجھ پر تیری رحمت نہ ہو تو میں لالچ کا شکار ہو جاؤں' اگر تیری ہدایت نہ ہو تو میں اوہام کا قیدی ہو جاؤں' اور اگر تیرا احسان نہ ہوتا تو میں راندہ درگاہ ضروریات کا غلام ہوتا۔'' اس نے نفل پڑھ کر رو رو کے اپنی امی کی زندگی اور صحت یابی کے لیے دعا مانگی تھی لیکن

دعائیں اس وقت کامیابی اور قبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہیں جب دعائیں کرنے والے اپنی اہلیت اور استحقاق ثابت کردیں۔ شکیب کو بھی اپنی اہلیت اپنا استحقاق ثابت کرنا تھا۔

❀......♥......❀

"ایکسکیوزمی بسمہ۔" شکیب نے لائبریری میں بیٹھی اپنے کام میں مگن بسمہ کو مخاطب کیا۔

"جی......" وہ متوجہ ہوئی۔

"دراصل سر نے جو اسائنمنٹ بنانے کے لیے دیا تھا اس پر مجھے ایک کتاب لائبریری سے ملی ہے لیکن بدقسمتی سے میں اپنا لائبریری کارڈ گھر بھول آیا ہوں آپ مجھے یہ بک ایشو کروادیں گی؟" شکیب نے کتاب اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ فاروق چھٹی پر تھا اور کوئی بھی کلاس فیلو اسے لائبریری میں نظر نہیں آرہا تھا۔ بسمہ پر نظر پڑی تو وہ اس کی طرف آ گیا۔

"اوہ آئی ایم سوسوری' میرے کارڈ پر پہلے ہی تین کتابیں ایشو ہوچکی ہیں اور وہ تین کتابیں گھر ہیں اگر میرے پاس ہوتیں تو میں ان کو واپس کرکے آپ کو ایشو کروا دیتی۔ آپ جانتے ہیں تین سے زائد کتابیں ایک وقت میں ایشو نہیں ہوسکتیں۔" بسمہ نے وضاحت دی۔

"اوکے......کوئی بات نہیں۔" شکیب مسکرایا۔

"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے......" بسمہ نے جھٹ سے کہا۔

"وہ کیا؟" شکیب متوجہ ہوا۔

"آپ یہ کتاب لائبریری میں چھپادیں۔ تاکہ کوئی دوسرا نہ یہ کتاب لے جائے' کل آپ کارڈ لائیے گا اور ایشو کروالیجیے گا۔" بسمہ نے مشورہ دیا۔

"کتاب چھپادوں یہ تو دوسرے اسٹوڈنٹس کے ساتھ زیادتی ہوگی جتنی ضرورت مجھے اس کتاب کی ہے باقی اسٹوڈنٹس کو بھی اتنی ہی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"لائیے میں آپ کو بک ایشو کروادوں۔" پارس نے اپنا بایاں ہاتھ شکیب کے سامنے پھیلایا۔ وہ ان کی میز کے پچھلی جانب والی الماری سے کتاب ڈھونڈ رہی تھی۔ شکیب کی بات سے متاثر ہوکر وہ ان تک آئی تھی۔

"یہ لیں......" کتاب پارس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے شکیب کی نظر انگوٹھی پر پڑی۔ وہ یک دم چونکا۔

"یہ......یہ انگوٹھی......" وہ حیران سا بولا۔

پارس نے اپنا ہاتھ ایسے پیچھے کیا جیسے وہ انگوٹھی اتارنے لگا ہو۔

"یہ میری ہے کیوں؟" پارس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ پارس کو خدشہ ہوا کہ کہیں اسے انگوٹھی کی حقیقت نہ معلوم ہوجائے۔

"نہیں......وہ میرا مطلب ہے یہ بہت خوب صورت ہے۔" معصومیت سے کہا۔ بسمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مجھے معلوم ہے......" کہہ کر پارس نے اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور ایشو کروانے چلی گئی۔

"جب تم اس سے پہلی بار ملو گے تو اس کی انگلی میں پہنا دینا۔" اس کی امی کی آواز گونجی تھی۔

"میں ان سے یہ انگوٹھی واپس کیسے لوں......؟ ان سے کہہ دوں کہ یہ میری ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

"میں انگوٹھی پر ملکیت کیسے جتاؤں...... کیسے ثابت کروں کہ میری ہے؟" مانگنا بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"بک ایشو ہوجائے گی پریشان نہ ہوں۔" بسمہ نے اسے ہونق بنا دیکھ کر کہا وہ جبراً مسکرایا۔

❀......♥......❀

"امی جی یہ لیں سوپ پی لیں۔" شکیب نے پیالے سے چمچ بھر کے ماں کے سامنے کیا۔

"تو......بو......بوجھ......مم......ہیں......" اس کی امی بمشکل بول پائیں۔ فریحہ تڑپ کے رودی۔

"نہیں......نہیں امی......میری جنت ہیں آپ۔" شکیب کی آواز ضبط سے بھاری ہوئی تھی پوری رات جاگنے کی وجہ سے آنکھیں سوجی ہوئی اور سرخ تھیں۔

"امی میری ہمت نہ توڑیں۔" وہ جیسے تھک کے بولا۔

"آپ سوچ پیں...... ڈاکٹر نے کہا ہے آپ بہت جلد ٹھیک ہوجائیں گی ان شاءاللہ۔" اس نے ماں کو حوصلہ دیا۔

"فری امی کا خیال رکھنا میں کچھ دیر میں واپس آؤں گا' مجھے کسی کی امانت لوٹانی ہے اور نہ خود رونا نہ امی کو رلانا سمجھیں۔" اس نے پیار سے بہن کے سر پر چپت لگائی۔

"رضوان کی مسز اور امی تھوڑی دیر میں یہاں آجائیں گی' میں چلتا ہوں۔" کہہ کر وہ ہاسپٹل سے نکل گیا۔ اس نے دوستوں سے ادھار لے کر اپنی امی کا علاج شروع کروایا تھا۔ وہ اس جگہ پہنچا تھا جہاں اس نے پارس اور اس کی امی کو چھوڑا تھا۔ یہاں بہت گلیاں تھیں' وہ اس کا گھر نہیں جانتا تھا' کچھ بھی نہیں جانتا تھا' یہاں اسے ڈھونڈنا بہت مشکل تھا۔ اب وہ ہر گھر کا دروازہ بجا کر یہ تو نہیں پوچھ سکتا تھا کہ یہاں پارس رہتی ہے؟

"یااللہ! میری مدد فرما میں کیا کروں؟" اس نے بے بسی سے سوچا۔ ہوسکتا ہے اسے زیور کی سخت ضرورت ہو۔

"ارے ہاں اس کلرک سے میں بات کرلوں گا' اس کم بخت کلرک سے کام نکلوانے کے لیے اس کا منہ بھرنا پڑے گا۔" پاس سے گزرتا شخص فون پر کسی سے بات کررہا تھا' کلرک...... اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"جب نیکی کرنے کے لیے تمہارا عزم درست ہو تو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ تمہاری طرف بڑھائے گا اور جب تم صحیح ارادہ کرلو تو وہ تمہارے لیے رحمت کی چادر بچھادے گا اور تمہاری رہنمائی کرتا رہے گا۔" کلرک عثمان کا نام اس کے ذہن میں آیا۔ ہاں وہ میری مدد کرسکتا ہے اس سے پارس کا ایڈریس لے لوں گا۔ اس کے بعد اگلا کام عثمان کو فون کرنا تھا۔ عثمان نے دس منٹ میں اسے گھر کا ایڈریس بتادیا تھا۔ لیکن میں کیسے جاسکتا ہوں اس کے گھر؟ اس کے عجیب لگا۔ میں رضوان کو یہ کام سونپ دوں گا۔ اس نے سوچا اور رکشہ موڑ لیا۔

❁......❤......❁

موسم صبح سے ابر آلود تھا۔ صبح سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل گھر گھر کر آرہے تھے۔ ستمبر کے آخری دنوں کی بارش' بوندیں' برسات اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آرہی تھی۔ یونیورسٹی کے گراؤنڈ دھلے دھلے اجلے اجلے لگ رہے تھے۔ پھولوں کی پنکھڑیوں پر پانی کے شفاف قطرے ٹھہر گئے تھے۔ جب ہوا شرارت کرتی گزرتی تو کوئی نا کوئی پانی کا قطرہ پھسل کر گھاس کی پتیوں میں جذب ہوجاتا۔ تیز تیز پھواریں دھرتی کو چھونے کی آہٹیں سکوت کو توڑ رہی تھیں۔ پارس نے چھٹی کا ارادہ کیا تھا مگر اسائمنٹ پورا کے خیال سے یونیورسٹی آگئی۔ بسمہ حسب عادت چھٹی پر تھی۔ وہ خراب موسم دیکھ کر چھٹی کرنا زیادہ پسند کرتی تھی۔ اسائنمنٹ مکمل تو کرلیا تھا اب گھر جانے کا مسئلہ پیدا ہوا تھا' بارش بہت تیز تھی۔ اتنی تیز بارش میں پوائنٹ تک پہنچنا ایک مشکل امر تھا مگر جانا تو تھا نہ یہی سوچ کر اس نے لائبریری کی سیڑھیوں سے نیچے قدم دھرا۔ اس سے پہلے کہ بارش کی ایک بوند بھی اسے چھو کر گستاخی کرتی اسے خود پر چھتری تنے جانے کا احساس ہوا۔

"آپ یہ چھتری لے جائیں ورنہ بھیگ جائیں گی۔" بھاری خوب صورت آواز اس کے پاس گونجی۔ پارس نے گھور کے دیکھا۔

"یہ مجھے فاروق نے دی تھی وہ تو اپنی کار میں چلا گیا۔ میں نے آپ کو یہاں کھڑے دیکھا تو مجھے آپ کی پرابلم سمجھ میں آگئی۔ آپ نے بھی لائبریری میں کتاب لینے میں میری مدد کی تھی تو میں بھی مدد کررہا ہوں۔" اس کے گھورنے پر شکیب نے بے ربط سی وضاحت دی تھی۔ درحقیقت اسے پارس کا گھورنا اچھا نہیں لگا تھا۔ میں کون سا اسے متاثر کرنے لگا تھا یہ مہربانی کرکے۔ اس نے جل کے سوچا۔ شکیب سے مدد لینا پارس کو اچھا نہیں لگا مگر مجبوری کا نام شکریہ...... اس نے کچھ سوچتے ہوئے چھتری اس کے ہاتھ سے تھام لی۔ انگلیوں سے انگلیوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔

"کل یہ فاروق کو واپس کردیجیے گا۔" کہہ کر وہ بھاگتا

ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔

''سنیے......'' تھوڑی دور جا کے وہ پھر مڑا۔ مڑنے کے ساتھ اس کے خوب صورت بال ردھم میں ہلتے ہوئے اس کے ماتھے سے چپک گئے۔ پارس نے بڑی محویت سے اسے دیکھا تھا۔

''میرا یہ اسائنمنٹ آپ رکھ لیں، ورنہ یہ گیلا ہوجائے گا۔'' وہ نزدیک چلا آیا۔ پارس نے اسائنمنٹ تھام لیا۔ بارش کی بوندیں اس کے لبوں کو چھو رہی تھیں۔

''آنکھیں......اس کی آنکھیں......مصوری کا کمال آنکھیں تھیں۔'' وہ جیسے جیسے دور ہو رہا تھا، پارس کو لگ رہا تھا کہ دل دھڑکنے کی بجائے اس کے قدموں میں لپٹتا جارہا ہے۔ ''کیوں......؟ ایسا کیوں لگ رہا تھا؟''

پارس نے اپنی گوری ہتھیلی پر بارش کی بوندوں کو ٹپکایا۔ وہ چلتے ہوئے بالکل کسی فوجی جوان جیسا لگ رہا تھا۔ دو اجنبیوں کے درمیان خاموشی ایک تعلق، ایک رشتہ بنا رہی تھی۔ پارس کا دل چاہا بھاگتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں قید کرلے۔ ہمیشہ کے لیے، تیز بارش میں سرد ہوا کا رقص جاری تھا۔ پارس کی نظریں ایک پل کے لیے بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ ہٹا ہٹا کے تھک گئی تھی۔ مچلتے، سلگتے آنسو گالوں پر بہنے لگے تھے۔

''آنسو مسکراہٹ سے زیادہ خاص ہوتے ہیں، کیونکہ مسکراہٹ تو سب کے لیے ہوتی ہے مگر آنسو صرف ان کے لیے ہوتے ہیں جنہیں ہم کھونا نہیں چاہتے۔''

جاتے ہوئے تم ''خود'' کو میرے ''دل'' میں چھوڑ کر مت جاؤ، خاموش، معصوم، سسکتی سی التجا پارس نے کی تھی۔

''جب آپ اپنی آنکھیں بند کرلیں یا اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کو چھپالیں تو سورج کو دیکھنے سے انکار کرسکتے ہیں، لیکن اس کی روشنی اور تپش کا انکار نہیں کرسکتے۔''

محبت بھی ایسی ہے لاکھ انکار کرو مگر اس کا وجود ہے، پارس نے مان لیا تھا کہ اسے ایک پل میں محبت ہوئی ہے۔ وہ اس ساحر کی آنکھوں میں ڈوب گئی تھی......

''شکر ہے بیٹا تم آگئیں، میں کتنا پریشان ہو رہی تھی۔'' امی نے اسے آتے دیکھ کر کہا۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

''چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ، وہ تمہاری تائی امی آئی ہوئی ہیں منگنی کرنے۔'' امی نے عام سے لہجے میں بتایا۔

''کیا......؟'' بجلی بادلوں کی آواز کے ساتھ چمکی تھی ایسے جیسے کسی پر گری ہو۔ ''منگنی...... میری...... کس سے...... اتنی جلدی؟'' وہ کچھ بھی نہیں بول پارہی تھی شدت کا شاکڈ لگا تھا۔

''میں جانتی ہوں بیٹا تمہیں دھچکا لگا ہوگا مگر میں کیا کروں تمہاری تائی، تایا آج ہی منگنی کرنا چاہتے ہیں۔ شادی تمہاری پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہوگی۔ بس وہ تمہیں اپنی امانت بنانا چاہتے ہیں۔'' امی کو اس کے دل تک رسائی فوراً ہوئی تھی۔ سو انہوں نے وضاحت کی۔

''کیا تمہیں اس منگنی پر کوئی اعتراض ہے اگر ہے تو بتاؤ؟'' اس بار آواز ابو کی تھی۔ نجانے وہ کب یہاں آئے تھے۔

''نہ......نہیں......نہیں تو......'' وہ ہکلائی۔

اسے خود سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیا اعتراض اور کیونکر انکار کرتی۔

''ٹھیک ہے جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور یہ سر پر رکھا ہاتھ نہیں والدین کا مان تھا جسے اسے کبھی نہیں توڑنا تھا۔

شاہ زیب جب اسے انگوٹھی پہنانے لگا تو تائی کو شدید نفرت محسوس ہوئی اس لڑکی سے۔ وہ اپنی بھتیجی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھی مگر اپنے بیٹے کی ضد کے سامنے ہار گئیں۔

''انگوٹھی پر انگوٹھی کیسے پہناؤں؟'' شاہ زیب نے ہلکی سی سرگوشی کی۔ پارس متوجہ ہوئی، اس نے اپنے ہاتھ سے وہ انگوٹھی اتاری تب شاہ زیب نے اسے اپنے ہاتھ سے انگوٹھی پہنائی۔

''بہت بہت مبارک ہو۔'' ایک دم شور اٹھا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا؟ جب سے یونیورسٹی سے آئی ہو اداس اور

پریشان ہو۔" مہمانوں کے جانے کے بعد امی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ "دیکھ میں تیری سہیلی ہوں نا..... بتا مجھے کیا ہوا ہے؟" امی نے بہت پیار سے کہا۔ آج ان کی آنکھیں بھی بار بار نم ہو رہی تھیں۔

"محبت ہوگئی ہے مجھے..... پیار ہوگیا ہے....." پارس نے کھوئے لہجے میں کہا۔ امی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"محبت کس سے؟" وہ اپنی بیٹی کی سہیلی تھیں۔ پارس کچھ بھی ان کے ساتھ شیئر کرسکتی تھی۔ اتنا اعتماد اور اتنا یقین دیا تھا انہوں نے پارس کو۔

"اس سے جسے دیکھوں تو خواب جیسا ہے
سوچوں تو خیال جیسا
محسوس کروں تو خوشبو جیسا
اگر اسے کبھی بھول جاؤں تو میری سانسیں رک جائیں۔
اور جس دن اسے چھو لوں گی اس دن معتبر ہو جاؤں گی۔"

وہ جذب کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

"تو پھر اس سہی اور خاموش محبت کو راز رہنے دو اور دل سے کہو اسے صرف چپ چاپ دیکھے، محبتوں کے آسمان پر چمکتے چاند کو صرف محسوس کرے اسے توڑنے کی ضد نہ کرے۔" امی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ کاش وہ اس منگنی سے پہلے بتا دیتی' وہ یہ منگنی ہونے ہی نہ دیتیں۔ لیکن اب؟ اب کیا ہوسکتا تھا؟ امی کے گھٹنوں پر سر رکھ کر اس نے خوابوں کی تتلیوں کے رنگوں کو آنسوؤں سے دھونے کی کوشش کی۔

❀......♥......❀

"پارس مجھے جواب چاہیے کیوں کیا ایسا؟" وہ شعلہ بار آنکھوں سے گھورتا سراپا سوال تھا۔ "کیا کمی تھی مجھ میں؟ تمہیں منگنی ہونے کے ایک سال بعد یاد آیا کہ میں تمہارے قابل نہیں۔ تمہیں ایک سال بعد یاد آیا کہ میں رائٹ چوائس نہیں ہوں۔" وہ شدید غصے میں تھا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔" وہ ہونق بنے اسے سن رہی تھی۔

"تم اتنی معصوم مت بنو..... تمہیں کیا لگتا تھا کہ مجھے کبھی علم ہی نہیں ہوگا۔ تم مجھے اندھیرے میں رکھو گی۔" اس کا اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

"بہت ہوگیا میں کب سے برداشت کر رہی ہوں آپ کھل کے بات کریں۔" اسے بھی غصہ آیا۔

"کھل کے بات کروں تو سنو..... تم کسی اور میں انوالو ہو۔ تم اس منگنی سے خوش نہیں..... اور تو اور تم اپنی شادی کا زیور بھی اسے کھلا آئی ہو۔" اس نے تائی کے الفاظ دہرائے۔ تائی نے اسے مرچ مصالحہ لگا کر بات سنائی تھی ان کا خیال تھا کہ وہ پارس سے نفرت کرنے لگے گا اور منگنی توڑ دے گا اور پھر وہ اپنی بھتیجی سے اس کی شادی کر دیں گی۔ تائی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں وضاحتیں طلب کرنے آن پہنچے گا اور ثبوت کے طور پر یہ کہا تھا کہ شادی کا زیور کہاں ہے؟

"اسے کیسے علم ہوا کہ وہ کسی اور میں انوالو ہے۔ یہ تو وہ راز ہے جو میں نے خود سے بھی چھپایا تھا۔ اس سے محبت کرتی ہوں لیکن میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں' اسے تو میرے جذبوں کا علم بھی نہیں۔" وہ کرب سے سوچ گئی۔

"نہیں..... یہ..... یہ..... جھوٹ ہے۔" وہ مدہم آواز میں بولی۔

"اگر یہ جھوٹ ہے تو بتاؤ تمہارا زیور کہاں ہے؟" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"اس سب سے زیور کا کیا تعلق ہے بیٹا۔" امی جو تنگی مجسمہ بنی کھڑی تھیں تڑپ کر بولیں۔

"تعلق ہے چچی' کیونکہ یہ زیور اسی لڑکے کو دے آئی ہے۔" وہ گھٹیا انداز میں بولا۔

"تڑاخ....." زناٹے دار تھپڑ نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی' میری بیٹی کے بارے میں ایسا کچھ بولنے کی۔ تم ہو کون یہ بکواس کرنے والے؟" وہ گرج دار لہجے میں بولے۔

شاہ زیب کو اپنی جذباتیت کا احساس ہوا پارس خزاں رسیدہ پتے کی مانند پیلی پڑ چکی تھی۔ امی کو گویا سکتہ ہوا تھا وہ کچھ بول نہ پائیں۔

''میں سمجھتا تھا کہ تم پارس کو بہت پیار سے رکھو گے مگر تم تو اس پر اعتبار ہی نہیں کرتے تو پھر جب اعتبار نہیں تو کیسی شادی؟ تم اس رشتے کو بھول جاؤ میں ابھی یہ رشتہ ختم کرتا ہوں۔ دوبارہ شکل مت دکھانا اپنی۔'' وہ سخت لہجے میں گویا ہوئے۔

''ابو جی وہ رکشہ ڈرائیور آیا ہے جس کے رکشے میں پارس اپنا بیگ بھول آئی تھی۔'' پارس کے بھائی موسیٰ نے آ کر بتایا جو بیل بجنے پر دروازے پر گیا تھا۔ چوہدری علی حیات نے شاہ زیب کو جتاتی نظروں سے دیکھا۔ وہ شرمندہ ہو کر رہ گیا مگر اب لوٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ خالی ہاتھ اور خالی دل لیے وہ لوٹ گیا۔ پارس کو لگا اس کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز ہے۔

''وہ آیا ہے...... وہ میرے گھر آیا ہے۔'' وہ بے یقین تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے سامنے کھڑے نوجوان نے مؤدب انداز میں سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام بیٹا بیٹھو۔'' انہوں نے نرمی سے کہا کچھ دیر پہلے والے غصے کے اثرات انہوں نے ختم کر لیے تھے۔

''جی میں آپ کی امانت واپس کرنے آیا ہوں۔'' اس نے کالا بیگ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وہ آنٹی اسے رکشے میں چھوڑ آئی تھیں۔'' اس نے سادہ انداز میں کہا۔

ہلکے بادامی رنگ کے شلوار قمیص میں پشاوری چپل پہنے بالوں میں بے تحاشہ تیل لگائے عام سے چہرے کے ساتھ وہ انہیں ''خاص'' نہیں لگا۔ وہ بہت غور اور توجہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ شکل وصورت سے پڑھا لکھا بھی نہیں لگا انہیں عجیب بے چینی ہونے لگی۔ وہ ان کی نظروں سے گھبرا کے کھڑا ہوا۔

''جی میں چلتا ہوں۔'' چوہدری علی حیات اپنے خیالوں سے چونکے۔

''نہیں بیٹا بیٹھو آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ ہمیں مہمان نوازی کا موقع دو۔'' انہوں نے موسیٰ کو اشارہ کیا۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ ''بیٹا آپ کا بہت بہت شکریہ...... آپ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ یہ زیور میری بیٹی کی شادی کا ہے۔'' (جو شاید اب نہ ہو) وہ سوچ کے رہ گئے۔

''نہیں جی شکریے کی کیا بات ہے یہ میرا اخلاقی فرض ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''نام کیا ہے بیٹا آپ کا؟'' اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا موسیٰ چائے کی ٹرالی دیگر لوازمات کے ساتھ گھسیٹ لایا۔ موسیٰ نے چائے پیش کی جو اس نے بلا چوں چراں لے لی۔

''آپ کو ہمارا گھر کیسے ملا؟ امی کہہ رہی تھیں کہ آپ نے انہیں گھر نہیں روڈ پر چھوڑا تھا۔'' موسیٰ نے کہا تو اسے زبردست کرنٹ لگا۔

''جی...... وہ...... وہ......'' سمجھ نہیں پایا کہ کیا کہے اسے شکیب کے الفاظ یاد آنے لگے۔

''دیکھ باہر دروازے سے دے کر واپس آ جانا۔ زیادہ بات مت کرنا۔'' اس نے ایسا کیوں کہا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ ''میں جھوٹ کیوں بولوں؟ نیکی تو شکیب نے کی تھی صلہ بھی اسے ملنا چاہیے۔'' اس نے دل میں سوچا اور پھر بولا۔

''میرا نام رضوان ہے۔ میں شکیب کا دوست ہوں جس کے رکشے میں باجی اور آنٹی زیور چھوڑ آئیں تھیں، مجھے یہ شکیب نے دیا تھا کہ واپس کر آؤں۔ وہ خود نہیں آ سکا کیونکہ اس کی امی کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں اور وہ گھر کا پتہ کیسے جانتا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔'' رضوان نے چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔ وہ گھر کا پتہ کیسے جانتا ہے چوہدری علی حیات کو

سمجھا رہی تھی۔

"آپ کو ایک بات سچ بتاؤں۔" اس نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ چوہدری علی حیات اور موسیٰ جو متوجہ تھے فوراً بولے۔

"ہاں بتاؤ۔"

"جب شکیب کی امی کو اٹیک ہوا تو میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ یہ زیور بیچ کے امی کا علاج کروالو۔" وہ یہ کہتے ہوئے شرمندہ دکھائی دیا۔ "اس کے پاس پیسے نہیں تھے مگر اس نے کہا یہ تو اللہ کی آزمائش ہے، میں کسی کا حق نہیں مار سکتا۔" رضوان کے لہجے میں مان اور پیار تھا۔ چوہدری حیات بے حد متاثر ہوئے۔

"بہت اچھا اور نیک لڑکا ہے۔ اس کے ابو نہیں ہیں۔ سارے گھر کا بوجھ اس نے اٹھا رکھا ہے، دن میں رکشہ چلاتا ہے اور رات میں ٹیوشنز پڑھاتا ہے۔ نوکری نہیں ہے اس کے پاس، یونیورسٹی سے پڑھا ہوا ہے۔" وہ خلوص اور پیار سے بتا رہا تھا۔

"بیٹا اس کی امی کون سے ہاسپٹل میں ہیں؟ ہم ان سے مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔" چوہدری حیات نے کہا اور موسیٰ نے تائید کی۔ چوہدری علی حیات کو اپنی بیٹی کی پسند پر فخر محسوس ہوا۔

"یہ شکیب کون ہے؟" رضوان کے جانے کے بعد چوہدری حیات نے پارس کو اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا۔ سوال غیر متوقع تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔

"وہ...... وہ رکشے والا جس کے رکشے میں، میں بیگ چھوڑ آئی تھی۔" وہ منمنائی۔ پارس کو یہ تو علم ہو چکا تھا کہ وہ خود نہیں آیا بلکہ اپنے دوست کو بھیج دیا تھا۔ امی نے شکرانے کے نفل پڑھے اور شکیب کو بہت دعا دی تھی۔ اب شادی نہیں ہو رہی تھی پھر زیور کیا کرتا۔ انہوں نے دکھ سے سوچا۔ "رکشے والے کا نام تمہیں کیسے معلوم؟" اگلے سوال پر وہ مزید گڑبڑائی۔

"وہ...... وہ......" نظریں جھکائے وہ ہکلائی، اس کے لیے باپ کے سامنے جھوٹ بولنا بہت مشکل تھا۔

"ابو جی...... وہ میرے...... میرے...... کلاس فیلو تھے۔" اٹکتے ہوئے اس نے کہا۔

"کیسا لڑکا ہے وہ؟" ابو نے اگلا سوال کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ "شکیب نامہ" اس سے کیوں سنا جا رہا ہے۔

"بہت اچھا لڑکا ہے۔" بے اختیاری میں زبان پھسلی۔

"کتنا جانتی ہو اسے؟" پھر پوچھا گیا۔

"صرف...... نام...... نام جانتی ہوں۔" وہ گھبرائی، آخر اس تفتیش کا مطلب کیا ہے؟

"کیا یہ وہی لڑکا ہے جس نے تمہاری جان بچائی تھی؟" انہوں نے اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... جی وہی ہے۔" مختصراً کہا۔ اسے وہ واقعہ پوری طرح یاد آ گیا اور دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔ اب یہ دل واقعہ یاد کر کے دھڑک رہا تھا یا ابو کے سوالوں سے؟ اسے اندازہ لگانا مشکل ہوا تھا۔

"کتنا چاہتی ہو اسے؟" اگلا سوال غیر متوقع...... ناقابل یقین تھا۔

"جی بہت زیا......" وہ کہتے کہتے زبان کو بریک لگ گئی۔ "جی......!" حیران ہو کر ابو کو دیکھا۔ ابو اس سے ایسے سوال کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ان کے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں تھی۔

"میں پوچھ رہا ہوں شکیب سے شادی کرنا چاہتی ہو...... تم اسے پسند کرتی ہو نا؟" انہوں نے واضح الفاظ میں کہا۔ وہ حیران و بے یقین تھی۔ زبان جیسے گنگ ہو گئی۔ الفاظ جانے کہاں گئے تھے؟ "ابو؟" اس کے انداز میں بے یقینی تھی۔ آواز کھائی سے آ رہی تھی۔

"میرے پاس بیٹھو بیٹا۔" انہوں نے ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھایا۔

"جب تمہیں شاہ زیب سے شادی نہیں کرنی تھی تو تم مجھے واضح الفاظ میں انکار کر سکتی تھیں۔ کیا میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی تھی...... کیا میں نے شاہ زیب کو تم پر مسلط کر دیا تھا؟" وہ نہایت نرمی سے پوچھ رہے تھے۔ ان کی نرمی سے پارس کا حوصلہ بڑھا۔

"نہیں ابو جی...... ایسا نہیں ہے' آپ نے اتنے مان سے کہا تھا کہ میں آپ کا مان نہیں توڑ سکتی تھی۔" اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی' میرا فخر و غرور ہے لیکن میرے لیے تمہاری خوشی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ مجھے تم سے کوئی وضاحت' کوئی صفائی نہیں چاہیے' میں تمہارے لیے' تمہاری خاطر شکیب کی والدہ سے تمہارے رشتے کی بات کروں گا۔ اس کے والد نہیں ہیں۔" ابو بتا رہے تھے اسے والد کا بہت دکھ ہوا۔ اس وقت وہ عجیب سے احساسات سے دوچار تھی۔ خوشی' حیرت' بے یقینی اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے۔ چوہدری علی حیات نے اپنی بیٹی کو پہلے اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا مانگی تھی۔

❀......♥......❀

وقت کا تیز رفتار پنچھی اپنے پروں میں دو سال کیسے سمیٹ کے لے گیا کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی۔ آج "الوداعی پارٹی" تھی۔ رات کے وقت یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں پارٹی منعقد ہو رہی تھی۔ گراؤنڈ نہایت خوب صورتی اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ غبارے اور پھولوں کو استعمال کر کے اسٹیج تیار کیا گیا تھا اور اس پر مستزاد لائٹنگ...... جس نے اسٹیج کی رونق کو بڑھا دیا تھا۔ سب اسٹوڈنٹس بہت زبردست تیار ہوئے تھے۔ ہر طرف گہما گہمی تھی' خوشیاں تھیں' قہقہے اور مسکراہٹیں تھیں' بلیک فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اپنا معصوم حسن لیے وہ کسی کا بھی دل آباد کر سکتی تھی' ہلکی پھلکی جیولری اور لائٹ میک اپ کے ساتھ وہ سب کی توجہ کا مرکز تھی کیونکہ وہ ہمیشہ عام اور سادہ حلیے میں یونیورسٹی آئی تھی۔ آج تو اس کا رنگ روپ ہی نرالا تھا۔ دوسری طرف اتفاق سے بلیک ٹو پیس میں ملبوس' خوشبوؤں کو اپنا دیوانہ بناتا شکیب محفل کی جان تھا۔ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور سوبر رہنے والا آج کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ پارس نے اسے دیکھا...... اور دیکھتی رہی۔ وہ ہنستے ہوئے بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔

"اوکے گرلز اینڈ گائز' ہم گیم کھیلتے ہیں۔ سب ایک دوسرے سے سوال کریں گے' جو وہ کرنا چاہیں۔" ان کی کلاس فیلو نتاشہ نے گلاس بجا کر سب کو متوجہ کیا۔

"اوکے' پہلا سوال میں شکیب سے پوچھوں گی؟" بسمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے۔" وہ مسکرایا۔ بسمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے پوچھیں۔"

"میں نے آپ کو اتنی دفعہ دیکھا' آپ نے چہرے پر رومال باندھا ہوتا ہے' کیوں؟" بسمہ نے پوچھا اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ پارس نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ کیا واقعی بہت خوب صورت تھی۔ اس نے سوچا۔ نگاہوں کی گرمی پا کر شکیب نے اسے دیکھا وہ ٹپٹا گئی۔

"دراصل مجھے دھوئیں اور گرد سے الرجی ہے اس لیے رومال باندھ لیتا ہوں۔" اس نے مختصراً کہا تھا پھر سب نے ایک دوسرے سے سوال پوچھے' پسند و ناپسند' اچھی و بری عادت' فیملی' رشتہ داروں کے بارے میں ماحول بہت فرینڈلی تھا۔

"مجھے بھی شکیب سے سوال پوچھنا ہے۔" فاروق چیخا۔ "یار بتاؤ تمہاری سپنوں کی 'سنڈریلا' کیسی ہے؟" اتنے لوگوں کی موجودگی میں ایسا سوال وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"اوئے ہوئے......" کئی شوخ آوازیں و جملے فضا میں ارتعاش کا باعث بنے۔ کچھ منچلوں نے تو باقاعدہ سیٹی بجائی۔ وہ تھوڑا سا نروس ہوا اگر فاروق علیحدگی میں پوچھتا تو وہ ضرور بتاتا مگر سب کے سامنے ایسی باتیں اسے سراسر بے حیائی لگ رہی تھیں' پارس کا پور پور سماعت بن گیا تھا وہ جاننا چاہتی تھی آخر اسے کیسی لڑکی چاہیے؟

"میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔" اس نے بااعتماد انداز میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کچھ تو بتاؤ" فاروق کو مزہ نہیں آیا۔ جواباً شکیب نے گھورنے پر اکتفا کیا۔

پارس اداس ہورہی تھی آج آخری دن تھا آج کے بعد جانے وہ نظر آئے گا یا نہیں۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ سب کو "ایکسکیوزمی" کہہ کر ان کے درمیان سے نکل آئی۔ وہ تنہائی میں درخت کے نیچے سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا چاندی کی انگوٹھی موجود تھی وہ منگنی کی انگوٹھی گھر پر رکھ کر آئی تھی۔ اس نے اس بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ "کیا تم میری دعا جیسے نہیں ہو سکتے جو فوراً قبول ہو جائے یا کوئی معجزہ ہو جائے۔ تمہیں کیسے بھلاؤں گی زندگی میں آگے کیسے بڑھوں گی؟"

"تم یہاں بیٹھی ہو میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ آؤ فوٹو سیشن ہو رہا ہے تصویریں بنواتے ہیں۔" بسمہ کچھ دور سے بولتے ہوئے آرہی تھی ابھی وہ اس کے قریب پہنچنے والی تھی کہ اچانک درخت پر سے کچھ گرا اور وہ پارس کے دونوں کندھوں سے لٹک گیا۔ چاند کی روشنی میں سانپ دیکھنا اتنا مشکل نہ تھا۔ پارس گھبرا کے کھڑی ہوئی تھی اس کی سانس رک رہی تھی۔ وہ وحشت زدہ تھی۔ آنکھیں خوف سے ساکت..... اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ بسمہ نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ بند ہوتی آنکھوں اور رکتی سانسوں کے ساتھ اسے صرف یہ اندازہ ہوا تھا کہ کوئی بہت دیوانگی سے اس کی طرف بھاگتا ہوا آرہا ہے۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر سانپ کو گردن سے پکڑا اور دور پھینک دیا۔ پارس بے ہوش سیدھی اس کے سینے سے آلگی تھی۔ اتنے میں سب لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ پہلی بار..... زندگی میں پہلی بار کوئی لڑکی اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی۔ گلابی رنگت، لمبی سفید گردن، آنکھیں جو بند تھیں، اسے لمحوں میں کچھ ہوا تھا۔ کیا؟ وہ جان نہیں پایا۔ وہ لمحوں میں بیگانہ ہوا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ نہ ماحول، نہ جگہ، نہ حالات، یاد تھے تو صرف اتنا کہ وہ اس کے دل کے قریب ہے۔

برسوں سے ٹھہرے جھیل کے گہرے پانی میں کسی نے کنکر پھینکا تھا۔ بھنور سے بننے لگے تھے۔ لہروں میں ہلچل ہوئی تھی یا شاید جھیل کے پانی میں بارش کی بوندیں گریں تھیں۔ اس کی ذات میں جو بے سکونی تھی اس میں ٹھہراؤ آ گیا تھا..... بکھرے خواب پلکوں پر سمٹ آئے تھے۔ سارے گلاب نکھر نکھر گئے تھے۔ وہ جو ایک سراب..... ایک گمان تھا..... اب حقیقت بنے اس کی دھڑکنوں کو شمار کر رہی تھی۔

پارس نے کتنی شدت سے
کتنی مدت سے
کتنی محبت سے

اس "ناممکن" لمحے کا انتظار کیا تھا یہ صرف وہ جانتی تھی، اگر اسے خبر ہوتی کہ وہ "قیامت لمحہ" اس کی زندگی میں آ گیا ہے تو وہ کبھی بھی اپنی بند آنکھیں نہ کھولتی، بند آنکھوں اور رکتی سانسوں سے وہ اس لمحے کو "امر" کر رہی تھی۔

دل..... دل.....!
دل نے تو یہ کہا ہے!
جینے کا ہے شوق تو مرنے کو ہو جا تیار
ہو گیا ہے مجھے پیار
ہو گیا ہے مجھے پیار!

❀ ...... ♥ ...... ❀

اس بے خودی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سانپ نے اسے انگوٹھے کے پاس کاٹ لیا تھا۔

"آہ......" کی آواز کے ساتھ اس نے پوری شدت کے ساتھ سانپ دور پھینکا تھا اور خود زمین بوس ہوا تھا۔ نتیجتاً پارس سیدھی اس پر آ گری تھی۔ شکیب کے ہونٹ اس کے بالوں کو چھو رہے تھے۔ کائنات جیسے شکیب کی مٹھی میں آ گئی تھی۔ ہوش سے بیگانہ ہونے سے پہلے اس نے بہت ہمت جمع کر کے پارس کو خود سے الگ کیا تھا۔ دونوں کائنات کا سب سے خوب صورت جوڑ لگ رہے تھے۔ دونوں سیاہ لباس میں ملبوس ایک دوسرے کے قریب چاند کی روشنی میں ایسے لگ رہے تھے جیسے دنیا کو فتح کر چکے ہیں۔ اب اپنی محبت امر کر رہے ہیں۔ جیسے دنیا ان کے قدموں تلے ہو۔

"پارس..... " بسمہ روتے ہوئے آگے بڑھی۔

''کسی کے پاس کوئی کپڑا ہے؟'' سر مختار چلائے۔
بسمہ نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر سر کو دیا' انہوں نے شکیب کے انگوٹھے سے تین چار انچ کے فاصلے پر وہ دوپٹہ بہت زور سے باندھ دیا۔ ایمبولینس کو بلاؤ' فاروق نے کال کی' دوسرے اساتذہ نے سیکورٹی گارڈ کو بلوا کر سانپ کو مروادیا تھا۔
''میں چھری سے کاٹ کر اس کا خون تو نکال دیتا مگر مجھے ڈر ہے کہیں اس کی کوئی نس نہ کٹ جائے۔'' سر مختار نے خدشہ ظاہر کیا اتنے میں ایمبولینس آ گئی۔ دونوں کو فوراً ہاسپٹل لے جایا گیا۔
بسمہ' فاروق' سر مختار اور نتاشہ ساتھ گئے تھے۔ ہاسپٹل میں فوراً ان کا علاج شروع کیا گیا تھا۔ شکیب کو بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ فاروق نے اسے جگائے رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ شکیب کے زخم کو سب سے پہلے پوٹاشیم پرمینگنیٹ لوشن سے دھویا گیا۔ پھر اسے اینٹی اسنیک ویکسین دی گئی۔ اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ ایک تو اسے بروقت ہاسپٹل لایا گیا تھا دوسرا سانپ نے اپنے Fangs سے زیادہ نہیں کاٹا تھا۔ دونوں کے گھر اطلاع دے دی گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے انہیں تسلی دی تھی اور کہا تھا کہ شکیب کو ''دیسی گھی'' کا زیادہ سے زیادہ استعمال کروایا جائے۔
پارس خوف و دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی تھی مگر اب مکمل طور پر ہوش میں تھی۔ امی اسے پیار کر رہی تھیں' ابو متفکر تھے اور بسمہ رو رو کے ہلکان تھی۔ موسیٰ مضطرب تھا اور شاہ زیب...... شاہ زیب کی تو جان نکل گئی تھی۔
''پارس تم ٹھیک ہو؟'' وہ متفکر سا اس کے بیڈ کے کنارے کھڑا پوچھ رہا تھا۔
''شاید ٹھیک ہوں......'' وہ بڑبڑائی۔ وہ صرف اس کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اسے دل کی گلیوں میں لے آیا تھا۔ بسمہ نے اسے ہر بات سے آگاہ کیا تھا جسے سن کر اسے اپنے گالوں میں سرخیاں محسوس ہوتی تھیں۔ سب کلاس فیلو اس کا حال دریافت کرنے آئے تھے اور تقریباً تمام اساتذہ بھی۔ ساتھ میں بکے اور کچھ پھل فروٹ بھی لائے تھے۔ وہ جتنا ممنون ہوتی کم تھا۔
''ابھی اس کے بہت دوست آ رہے ہیں ہم پھر آ جائیں گے۔'' تائی نے شاہ زیب سے کہا اور دونوں اجازت لے کر چلے گئے۔
''بیٹا...... چلو ہم اس لڑکے کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔'' موسیٰ تازہ گلابوں کا گلدستہ بنوا لایا تھا۔

❀......❤......❀

''السلام علیکم!'' انہوں نے دستک دی اور کمرے میں داخل ہوگئے۔
''وعلیکم السلام!'' ثاقب صاحب کی آواز میں استعجاب تھا جسے چوہدری علی حیات نے پہچانا تھا۔
''جی آپ کے بیٹے نے میری بیٹی کی جان بچائی تو ہم شکریہ ادا کرنے چلے آئے۔'' چوہدری حیات نے نہایت احسان مندانہ انداز میں کہا جس پر ثاقب صاحب بہت شرمندہ ہوئے۔ ان کے پیچھے امی' موسیٰ' اقصیٰ' بسمہ اور سب سے آخر میں وہ دشمن جاں داخل ہوئی جو تھوڑی تھوڑی نروس تھی۔ شکیب جو چوہدری علی حیات کی آمد پر اٹھ بیٹھا تھا اسے دیکھ کر پرسکون ہوا تھا۔ جانے کیوں؟ اس کی نظر بار بار اس کے چہرے کو حصار میں لے رہی تھی جو فرش پر جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ غزل پلکیں...... دراز پلکیں جھکائے کئی سی باتیں ہوئیں۔
''بیٹا یہ بکے اپنے بھائی کو دے کر شکریہ ادا کرو۔'' چوہدری علی حیات کے کہنے پر پارس کا منہ کڑوا ہوا تھا تو شکیب کو زبردست کھانسی ہوئی تھی۔
''پانی...... پانی پیو بیٹا۔'' صفیہ بیگم نے گلاس اس کے منہ سے لگایا تو اس نے فوراً پی لیا۔
''آپ کا بہت شکریہ میری جان بچانے کے لیے۔'' پارس نے نظریں جھکا کے بکے اس کے سامنے کیا تھا۔ شکیب نے لاکھ شکر منایا کہ اس نے ''بھائی'' نہیں کہا۔
''تمہاری جان کیا بچائی میری جان مشکل میں آ گئی ہے۔'' اسے ایک نظر دیکھ کر دل میں سوچا۔ وہ بولتا بہت کم

تھا سواب بھی بولے بغیر گزارا کرگیا۔ صفیہ بیگم کی نظروں کی گرفت میں پارس کی انگوٹھی آئی تھی وہ مسکرادیں۔ پھر آگے بڑھ کر پارس کو گلے لگایا پیار کیا اور سدا خوش رہو کی دعادی۔ پھر کچھ دیر بعد چوہدری علی حیات کی فیملی اجازت لے کر چلی گئی۔

''تو وہ انگوٹھی تم نے اس کو دی ہے۔'' وہ اپنے شرارتی موڈ میں آگئیں کیونکہ اب شکیب کی حالت بہتر تھی۔

''امی جی۔'' اس نے بولنا چاہا۔

''کچھ مت بول مجھے تیری پسند...... بہت پسند ہے۔ لڑکی اچھی ہے خوب صورت اور پڑھی لکھی ہے یہی میری بہو بنے گی اب میں ظالم سماج بن کر تیرے راستے میں آ کر یہ نہیں کہوں گی کہ یہ شادی نہیں ہوسکتی۔'' امی نے پرانی فلموں کے ولن کی طرح اداکاری کی جواباً شکیب بے ساختہ ہنس دیا۔ امی نہال ہی تو ہوگئیں۔ ''بس ایسے ہنستا رہا کرو دل کو سکون ملتا ہے۔'' انہوں نے نم آواز میں کہا۔ وہ ماں کے گلے لگ گیا۔

''امی ابھی ایسا کچھ مت سوچیں' ابھی مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔ اپنی بہن کی شادی کرنی ہے پھر اپنے بارے میں سوچوں گا۔'' اس نے اٹل انداز میں کہا۔

اس واقعے کے چوتھے روز اس کے ابو کا انتقال ہوگیا تھا تب اسے علم ہوا کہ اس کے ابو دل کے مریض تھے۔

''آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔'' وہ غم سے نڈھال تھا۔

''تمہارے ابو نے منع کیا تھا۔'' اس کے سر سے آسمان اور پاؤں سے زمین چھین لی گئی تھی۔ وہ کڑی دھوپ میں بے سائبان کھڑا تھا۔ زندگی مشکل لگنے لگی تھی۔

''شاہ زیب کیا کررہے ہیں؟'' اس نے لان میں آ کر پوچھا۔

''میں تمہارے لیے پھول لگا رہا ہوں۔'' شاہ زیب نے کہا' اتنے میں پھول کا کانٹا اسے لگا اور خون بہنے لگا۔

''ارے یہ کیا ہوگیا؟'' وہ پریشان سی آگے بڑھی اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت عقیدت سے اپنے ہونٹوں تک لے آئی پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا' وہاں شاہ زیب کی جگہ شکیب کھڑا تھا۔ ایک چیخ کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھی۔

اس کی پیشانی پر شبنم کے چند قطرے تھے' وہ کانپ رہی تھی۔ شاید میں اسے سوچتی بہت ہوں اس لیے وہ میرے خوابوں میں آتا ہے' آج کے بعد میں تمہیں نہیں سوچوں گی۔ مجھے آگے بڑھنا ہے۔'' اس نے پختہ ارادہ کیا۔

❀......♥......❀

''ابو جی مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے اس طرح ہاسپٹل جانا۔'' ایک گھنٹے میں بارہویں بار اس نے یہ جملہ بولا تھا۔

''بیٹا...... ہم ابھی صرف ان کی مدد کرنے پر ان کا شکریہ ادا کرنے جارہے ہیں۔ میں باتوں باتوں میں جان لوں گا کہ ان کے بیٹے کی کہیں کمٹ منٹ تو نہیں ہے پھر ہم اس رشتے کا پیغام کسی کے ذریعے بھیجیں گے خود تھوڑی ان سے یہ بات کریں گے۔'' ابو نے رسان سے سمجھایا۔

ہاسپٹل کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے وہ بری طرح نروس ہورہی تھی۔ اب پھر اس کا دل اسے ''اس کے'' مقابل لے آیا تھا۔

''السلام علیکم!'' کمرے میں داخل ہونے کے بعد چوہدری علی حیات نے کہا۔

''وعلیکم السلام انکل آپ آیئے نہ۔'' فریحہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ وہ خاصی خوش دکھائی دی تھی۔ پھر پارس کے گلے لگ گئی۔ صفیہ بیگم نے اشارے سے پارس کو اپنے پاس بلایا اور پیار کیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

''تم...... تم...... آ گئی...... ہو...... تو...... ٹھیک ہو......'' انہوں نے ہکلاتے بمشکل جملہ مکمل کیا۔

''وہ شکیب بیٹا کہاں ہے...... نظر نہیں آرہا؟'' اس لمحے پارس کو اپنے ابو پر بے تحاشہ پیار آیا۔ جنہوں نے اس کے دل کی بات کہی تھی۔

"انکل وہ باہر بل کلیئر کروانے گئے ہیں۔ آج ہمیں گھر جانے کی اجازت مل گئی ہے۔" فریحہ خوش خوش بتارہی تھی۔

"ارے رضوان بھائی آپ آگئے۔" فریحہ دروازے کی دستک پر متوجہ ہوئی۔ رضوان نے چوہدری علی حیات سے سلام دعا کی درحقیقت وہ انہیں یہاں دیکھ کر بہت حیرانگی کا شکار ہوا تھا۔ چوہدری علی حیات نے تشکر کے جذبات کے ساتھ صفیہ بیگم کو ساری بات بتائی کہ کس طرح شکیب نے زیور واپس کیا۔ فریحہ نے اس دوران جلدی سے سامان سمیٹا پارس نے بھرپور مدد کی۔

"رضوان بھائی! انکل ہم دونوں تھوڑی دیر میں آتے ہیں پلیز۔" فریحہ نے التجائیہ انداز میں کہا۔ چوہدری علی حیات نے اجازت دی اور ساتھ تاکید کی کہ جلدی آنا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟" پارس کی حیرانگی بجا تھی۔

"آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ شکیب بھائی سے بات کریں۔ وہ جانیں جو آپ کو علم ہونا چاہیے جس کا آپ حق رکھتی ہیں۔" فریحہ نے تمہید باندھی پارس الجھ گئی۔

"آپی میرے بھائی کی زندگی میں صرف آپ ہیں وہ بکھرا ہوا ہے اسے سمیٹ لیں۔" فریحہ کے لب ولہجہ میں اپنے بھائی کے لیے عزت اور پیار تھا۔ فریحہ اپنے بھائی کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دینا چاہتی تھی۔

"پلیز......!" فریحہ نے التجا کی۔ بات تو وہ بھی شکیب سے کرنا چاہتی تھی اس سے اچھا موقع کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔

"میں ادھر ہی ہوں آپ بات کرلیں پھر ساتھ چلیں گے۔" فریحہ نے اسے حوصلہ دیا۔ وہ گیٹ کی طرف آ گئی جہاں رش نہ ہونے کے برابر تھا اسے ڈھونڈنا مشکل نہ تھا۔

"جی کل ہے انٹرویو...... صبح نو بجے میں حاضر ہو جاؤں گا۔" وہ کان سے سیل لگائے مڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے تھے۔ پارس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو سمیٹنے چاہے مگر رک گئی۔

"میرا خواب...... میرا سپنا...... یا پھر سے وہم......" وہ بڑبڑایا۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد بھی جب وہ سپنا وہ وہم ہوا میں تحلیل نہیں ہوا تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تم...... آپ...... یہاں کیا کررہی ہیں؟" وہ بے ساختہ بولا۔

"آئیں بینچ پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ خاموش رہی تو وہ بولا۔ آتے جاتے لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔ بینچ پر بیٹھ کر وہ اردگرد دیکھنے لگی جیسے فی الحال بولنے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔

"آہم......" شکیب نے کھنکھار کے اسے متوجہ کیا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں مجھے زندگی میں جب جب مدد کی ضرورت ہوئی...... آپ نے مدد کی میں جتنی مشکور ہوں کم ہے۔" اس نے سنجیدگی مگر خلوص سے کہا۔ شکیب اس سے یہ سب کچھ سننے کا خواہش مند نہ تھا۔ خاموشی سی چھارہی تھی۔

"شادی ہوگئی آپ کی؟" دھڑکتے دل کے ساتھ پارس نے خاموشی کو توڑا۔

"نہیں......" مختصر کہا گیا۔ پارس کو جیسے نئی زندگی ملی ہو۔ شکیب کا دل چاہا کہ وہ پوچھے تمہاری شادی کب ہے؟ تیاری جو ہو رہی تھی اب تو زیور بھی مل گیا ہے۔ رضوان نے اسے بتایا تھا کہ زیور شادی کا تھا مگر وہ کچھ بھی نہیں کہہ پایا۔

"میری منگنی ہوئی تھی مگر ٹوٹ گئی۔ جانتے ہیں کیوں؟" وہ خود بولی اپنی انا اور عزت نفس کو اپنے قدموں تلے کچلتے ہوئے۔

"کیوں؟" وہ مجبوراً بولا۔

"کیونکہ میرے منگیتر کو لگتا تھا کہ میں اپنا زیور اس شخص کو دے آئی ہوں جس سے میں محبت کرتی ہوں۔" پارس کا اس صورت حال پر رونے کو دل چاہا۔

"آپ...... آپ...... نے ان کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کی؟" شکیب بات کی تہہ تک پہنچتے ہی ہکلایا۔

"کچھ غلط نہیں تھا تو کیا غلط فہمی دور کرتی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیا...... کیا...... مطلب؟" یہ لڑکی حیرت کے جھٹکے

دے رہی تھی۔ ''گھامڑ کو سمجھانا کتنا مشکل ہے۔'' وہ جل کے راکھ ہوئی تھی۔ ''میں لڑکی ہو کر اتنا کچھ کہہ گئی ہوں شکیب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔'' اس کی آواز میں نمی تھی۔ شکیب کو اپنا نام زندگی میں کبھی اتنا خوب صورت نہیں لگا جتنا اس وقت لگ رہا تھا۔ وہ جانے کے لیے مڑی اسے رکنا پڑا اس کا ہاتھ کسی کی مضبوط گرفت میں تھا۔

''یہ تو تم غلط کہہ رہی ہو کہ لڑکی ہو کر تم نے پہل کی...... مجھ پر الزام عائد کر رہی ہو حالانکہ میں شروعات پہلے کر چکا تھا۔'' اب اتنا تو وہ بیوقوف نہ تھا کہ سمجھ نہ پاتا اور امی کو وہ ''بہو'' کے روپ میں پہلے سے پسند تھی اور دل...... اس کا دل صرف اسی کا تو تمنائی تھا۔ وہ خاصا فریش دکھائی دے رہا تھا۔ ''آپ'' سے ''تم'' کا فاصلہ سیکنڈوں میں طے ہوا تھا۔

''کب شروعات کی؟'' پارس نے ذہن پر دباؤ ڈالا اسے یاد نہ آیا تو اپنا ہاتھ چھڑا کر ''لڑاکا بیویوں'' کے انداز میں پوچھا۔

''یہ انگوٹھی مجھے میری امی نے دی تھی اور کہا تھا کہ میں اس لڑکی کو پہنا دوں جسے میں پسند کرتا ہوں۔'' شکیب نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تھاما اور دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی انگوٹھی پر رکھتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا اور پارس کو اس کا کینٹیریا میں جھک جھک کر تلاش کرنا یاد آیا۔ پھر لائبریری میں جب وہ انگوٹھی دیکھ کر چونکا تھا وہ بھی یاد آیا۔ دل ہی دل میں مسکرادی۔ مگر ابھی وہ اسے بخشنے کے موڈ میں نہ تھی۔ سو غصے سے بولی۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ انگوٹھی آپ کی ہے...... یہ لیں۔'' پارس نے انگوٹھی اتار کے اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ اگر وہ اقرار سے پہلے انگوٹھی واپس کرتی تو اسے یقیناً برا لگتا مگر اب تو وہ اقرار کر چکی تھی۔

''تم نے شاید سنا نہیں...... میں نے کہا امی نے مجھ سے کہا کہ جو لڑکی تمہیں پسند ہو اسے پہنا دینا۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تو پہنادیں میں نے کب منع کیا۔'' وہ مسکرائی۔

''لیکن یار نتاشہ کی تو شادی ہوگئی......'' اس نے منہ بسورا پارس چیختی ہوئی پلٹی۔ وہ زور سے ہنس دیا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ گئی خجل ہو کر رہ گئی۔ وہ ہنستے ہوئے واقعی خوب صورت لگتا تھا۔ اس کے اور اپنے درمیان فاصلے کم کرتا وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھامے انگوٹھی پہنائی اور پھر اس کا ہاتھ اپنے سینے کے بائیں طرف رکھ کر بولا۔

''تم میری دھڑکنوں کو محسوس کر سکتی ہو...... دیکھو محسوس کرو...... میری دھڑکن کو کیا کہہ رہی ہے کیا کہنا چاہتی ہے؟ تم سن رہی ہو نہ؟'' وہ ایک جذب کے عالم میں کہتا اپنا آپ پارس پر آشکار کر گیا تھا۔ وہ اتنا کب بولتا تھا؟ آج بولا تو بہت خاص لگا۔

''پارس...... ول یو میری می؟'' وہ اب اس کا ہاتھ تھامے گھٹنوں کے بل بیٹھتے پوچھ رہا تھا۔ پارس کو لگا خوشی سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

''سوچ کے جواب دوں گی۔'' ادائے بے نیازی سے پارس نے کہا تو وہ ہنس دیا اس کی ہنسی کے ساتھ پارس کی ہنسی بھی شامل تھی۔

''چلیں بس کریں ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔'' فریحہ انہیں تلاش کرتے وہاں تک آئی تھی۔ وہ دونوں کو ہنستا دیکھ چکی تھی۔

''کل میرا انٹرویو ہے دعا کرنا مجھے جاب مل جائے۔'' اس نے شکیب کا ہاتھ تھاما اور یقین سے مسکرادی۔

''کیسا لگتا ہے برستی بارش میں
ہوا کے جھونکوں کے سنگ
خاموشی سے چلتے ہوئے
کوئی آپ کا ہاتھ تھام کر ہولے سے کہہ دے......
ہو گیا ہے مجھے پیار''

❁

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

نبیل اور شرمیلا کی دوستی کے متعلق جان کر بتول شاکڈ رہ جاتی ہے شرمیلا ماں کو تمام حقیقت بتانا چاہتی ہے مگر بتول بیٹی کی باتوں پر اعتبار نہیں کر پاتی جب ہی دونوں کے درمیان خاصی تلخ کلامی ہوتی ہے اور گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے بتول بیٹی سے بول چال بند کر دیتی ہے ایسے میں شرمیلا شدید کرب میں مبتلا رہتی ہے وہ ماں کو منانے کی ہر کوشش کرتی ہے مگر بتول اسے معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی آخر میں وہ اس بات پر شرمیلا کو معاف کرتی ہے کہ وہ آئندہ نبیل سے کبھی رابطہ نہیں رکھے گی۔ شرمیلا بھی ماں کو منانے کی خاطر ہامی بھر لیتی ہے ایسے میں نبیل اور موحل کی شادی کی تصویر اخبار میں دیکھ کر شرمیلا کو اپنی محبت کی تذلیل پر بے حد افسوس ہوتا ہے دوسری طرف نبیل موحل کے حسن سے مرعوب ہو کر شرمیلا سے اپنی بے تحاشا محبت بھول جاتا ہے اور زندگی کے نئے رنگوں کو ہنستے مسکراتے خوش آمدید کہتا ہے موحل بھی نبیل کی محبت اور چاہت کو دیکھتے خود کو خوش قسمت تصور کرتی ہے۔ روشنی اپنے تلخ رویے پر شرمندگی محسوس کرتے اسریٰ خالہ سے معافی مانگنے کی بات کرتی ہے مگر عشو بوا کو روشنی کا یہ فیصلہ پسند نہیں آتا جب ہی وہ اسے اسریٰ خالہ کے گھر جانے سے روک دیتی ہیں آفاق خالہ کے گھر پہنچ کر انہیں منانے کی کوشش میں کامیاب رہتا ہے جب ہی وہ اسریٰ خالہ سے روشنی کے رشتے کی بات کرتا ہے۔ لیکن اسریٰ خالہ یہی چاہتی ہیں کہ پہلے روشنی خود کو تبدیل کرے اور اس مقصد کے لیے انہیں سفینہ سے بہتر دوسرا کوئی نہیں لگتا۔ دلشاد بیگم بیٹے کی زبانی گھر بیچنے اور اپنا حصہ طلب کرنے کی بات سن کر شدید طیش میں آجاتی ہیں سائرہ بیگم کو بھی بھائی کا یہ انداز بالکل پسند نہیں آتا لیکن اب انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی کیونکہ سفینہ اور فائز کی شادی کی صورت خان ہاؤس مکمل ان کے اختیار میں ہوتا اسی لیے وہ فائز کو بھی تسلی دیتی ہیں کہ جلد سفینہ ان کے گھر کی بہو بنے گی فائز ماں کے اصل ارادوں سے واقف نہیں ہوتا جب سائرہ بیگم کی زبانی اسے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ سفینہ کو غلط مقاصد سے حاصل کرنا چاہتی ہیں اور ریحانہ بیگم کو نیچا دکھانے کی خاطر سفینہ کی عزت داؤ پر لگانے والی ہیں تو وہ شاکڈ رہ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ بہزاد نے سوتے میں کروٹ بدلی تو اچانک اس کی آنکھ کھل گئی، کل کی باتیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ ہونٹوں کو ایک پیاری سی مسکراہٹ چھو گئی۔ وہ رات بھر فائز کی خوش کن سرگوشیوں کے زیر اثر سوتی جاگتی کیفیت کا شکار رہی۔ اس کے ذہن میں بار بار فائز کا بھاری لہجہ، خوب صورت باتیں گردش کر رہی تھیں۔ فائز نے یہ کیا کہا...... ملن کی نوید سنا کر اس کی نیندیں اپنے پاس گروی رکھ لی تھیں۔ اسی لیے شاید صبح سویرے ہی سفینہ بیدار ہو گئی تھی...... انگڑائی لینے کے بعد اس نے ہنس جیسی خوب صورت گردن اٹھا کر باہر کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔

ہلکی ہلکی دھند کے ساتھ سورج کی سنہری کرنوں کے امتزاج نے باہر کا منظر خواب ناک سا بنا دیا تھا۔ معطر ہواؤں نے فضاء میں تازگی سی گھول دی تھی، چڑیوں کی خوش کن چہچہاہٹ سن کر سفینہ نے بستر چھوڑا اور کھڑکی کے پاس جا کر ہلکے

گلابی دبیز پردوں کو سمیٹ کر ایک طرف کیا تو سرد ہوا کا جھونکا اس کے حسین چہرے کو چھو کر گزر گیا۔ وہ بے اختیار جھک کر نیچے کا نظارہ کرنے لگی۔ سرسبز لان آنکھوں کو تراوٹ بخش رہا تھا۔ ڈالیوں پر جھومتے ہوئے خوش رنگ پھول، اونچے اونچے سرسبز و شاداب درخت اور شفاف نیلے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندے سب کچھ بڑا بھلا سا لگ رہا تھا۔

''مجھے ایسا لگنے لگتا کہ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں کیا آئے گا سب کچھ بدل سا جائے گا۔'' فائز کی پیار بھری سرگوشی کانوں میں گونجیں۔

''میں پانی میں جھانکوں گا تو عکس تمہارا ہوگا۔'' سفینہ کی خمار آلود آنکھوں پر تنی پلکیں ایک خاص احساس کے بوجھ تلے جھک گئیں۔

''باتیں میری ہوں گی...... پر لہجہ تمہارا...... قصے میرے ہوں گے...... مگر اس میں کہانی تمہاری...... آنکھیں میری مگر بینائی تمہاری...... دنیا میری ہوگی مگر سجے گی تم سے۔'' دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے وہ بہت دیر تک وہاں کھڑی فائز کو ہی سوچتی رہی۔

''فائز میرے پاس کہنے کے لیے اتنی بڑی بڑی باتیں تو نہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی محبت میرے لیے، امید و زندگی ہے اور ایک ایسی ڈھارس بھی جو مجھے جینے کی طرف مائل کرتی ہے۔'' وہ مسرور انداز میں اٹھلائی تو یوں لگا جیسے ڈالیوں پر لدے پھول، لہلاتے پودے اور جھومتے درخت اس کی محبت کی گواہی دینے لگے۔

☆☆☆......☆☆☆

مومل کی بات سے اس کے وجود میں کئی دنوں سے جلنے والا سکون کا دیا جیسے بجھ گیا تھا۔ لبوں پر پھیلی مسکراہٹ، آنکھوں کی روشنی اور چہرے کی شگفتگی سب کچھ یک دم افسردگی میں ڈھل گئی تھی۔ اسے خود پر حیرت ہوئی کہ وہ شرمیلا کو کیسے بھول بیٹھا۔ وہ جو ہر پل اس کے نام کی مالا جپتا تھا، اب اس سے یوں غافل ہو گیا، جیسے وہ اس کی زندگی میں کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ خود کو لعنت ملامت کرتے ہوئے نبیل نے حویلی کا دروازہ بڑی سرعت سے پار کیا۔ اس نے رات کا بڑا حصہ ادھر ادھر آوارہ گردی کرتے میں گزارا، شرمیلا کی یاد نے یوں دھاوا بولا کہ اس کا جی جیسے ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا، اسی دوران مومل نے پریشان ہو کر کئی بار فون بھی کیا، مگر اس نے لائن کاٹ دی۔ وہ چند لمحوں کے لیے اپنے آپ پر سے بھی اختیار کھو بیٹھا تھا، اس کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کرے بھی تو کیا کرے، اپنے ڈپریشن سے فرار حاصل کرنے کے لیے کچھ اور نہ بن پڑا تو سگریٹ پھونک ڈالی، اس کے بعد بتدریج اندر کی دکھن کم ہونا شروع ہوئی۔ وہ کبھی مومل کو سوچتا تو کبھی شرمیلا کی یاد اسے بے چین کر ڈالتی، اسی ادھیڑ بن میں ایک بار پھر جینز میں رکھے سیل فون نے شور مچایا...... اس نے نمبر چیک کیا تو مومل کی کال تھی، نبیل کو افسوس ہوا کہ وہ بیوی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے، اس نے تھک ہار کر گھر کی راہ لینے کے بارے میں سوچا۔

☆☆☆......☆☆☆

''کیا بات ہے بڑی خاموشی چھائی ہوئی ہے؟'' فائز نے سفینہ کے سامنے بچھی کرسی پر براجمان ہوتے ہی سوال کیا۔

''ہاں امی اور ابو رشتے داروں کی طرف گئے ہوئے ہیں۔'' سفینہ نے کتاب کا صفحہ نشانی کے طور پر موڑ کر بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

''گڈ یعنی کہ میں نے خان ہاؤس میں بڑے ٹھیک وقت پر چھاپہ مارا ہے۔'' وہ شوخی سے ہنسا۔

''آں ہونہہ۔'' سفینہ کسی سوچ میں گم بے دلی سے سر ہلاتی رہی، اس کی ہنسی میں شامل بھی نہیں ہوئی۔

''کیا ہوا میڈم...... بڑی چپ چپ سی لگ رہی ہو؟'' اس نے چٹکی بجا کر چونکایا۔

''ہاں...... پتا نہیں کیا بات ہے آج کل امی بہت چپ چپ ہیں، موڈ بھی خراب لگتا ہے۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی پریشانی فائز سے شیئر کی۔

''سب خیریت تو ہے نا؟'' فائز نے تشویش سے پوچھا۔

''وہ...... کچھ پریشان ہیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں؟''

''کچھ بتا بھی نہیں رہی ہیں، ویسے بھی ہم دونوں کے بیچ پہلے جیسی بے تکلفی کہاں رہی۔''

''بس چند دن کی بات ہے...... ہماری شادی ہو جانے دو پھر مل کر انہیں منالیں گے۔''

''تمہیں لگتا ہے کہ ہماری شادی ہو سکے گی......؟''

''ممی نے تو یہی یقین دلایا ہے۔''

''تائی اماں کے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟''

''وقت آنے پر سب پتا چل جائے گا۔''

''ادھر امی بھی نہیں بتاتیں کہ وہ کیوں پریشان ہیں۔''

''چھوڑو نا چاچی کی تو عادت ہے ہر فکر کو اپنے اوپر سوار کر لیتی ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے ویسے فائز ایک بات کہوں؟''

''ہاں بولو۔''

''مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔''

''کس بات سے؟''

''ایسا لگتا ہے جیسے کچھ برا ہونے والا ہے۔'' سفینہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں سفی...... ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں نا۔'' فائز نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر تسلی دی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' اس نے آسمان کی جانب دیکھا۔

''دراصل تم چاچی کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہو۔'' وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا جو ہونٹ چباتی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''نہیں فائز...... صرف یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک دو دن پہلے تک میں بھی بہت خوش تھی پھر جانے کیوں، میرے دل کو ایک عجیب سی پریشانی نے گھیرا ہوا ہے۔ ایک ایسی محسوس کی جانے والی گھبراہٹ جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔'' سفینہ نے خلاؤں میں دیکھتے ہوئے اس سے اپنے دل کی کیفیت بیان کر دی۔ وہ بولتے ہوئے اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ فائز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ چاہ کر بھی یہ بات سفینہ سے شیئر نہ کر سکا کہ کچھ دنوں سے دل تو اس کا بھی الجھنوں میں گرفتار ہے، جیسے کچھ انہونی ہونے والی ہو۔

☆☆☆......☆☆☆

موئل کے سامنے جانے سے قبل اسے خود پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھانے تھے، وہ جذباتیت میں جس طرح اسے دھکیل آیا تھا، اب مزید ایسی کسی بے وقوفی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اپنی شادی شدہ زندگی سے شرمیلا کا نام بہت دور رکھنا تھا...... مگر اسے کیا خبر کہ حویلی میں پلنے والے رازوں کو خریدنے کی طاقت رکھنے والے پیسے کے زور پر ہر بات کی تہہ تک پہنچ جا سکتے ہیں...... موئل نے بہت دیر سوچنے کے بعد اس ملازم کو جا پکڑا جو نبیل کی چوکسی پر فائز تھا۔ اسے امید تھی کہ وہاں سے کچھ نہ کچھ کام کی باتیں پتا چلیں گی، اسے مایوسی نہ ہوئی، توقع سے بڑھ کر مواد حاصل ہو گیا تھا۔ اس نے تپ

کرنبیل کو کال ملائی مگر ایک بار پھر لائن کاٹ دی گئی۔
"موبل سے فون پر نمٹنا مشکل ہے..... مقابل جا کر بات کرنا بہتر ہوگا۔" نبیل نے سیل فون جیب میں رکھتے ہوئے سوچا۔ اس کے بعد کچھ وقت خود کو سمجھانے اور سنبھالنے میں لگایا پھر ایک طویل انگڑائی لی۔ تازہ ہوا اپنے اندر کھینچنے سے وہ فریش ہوگیا۔ اس کے حویلی کی جانب بڑھتے قدموں کی سستی دور ہوگئی، بڑے سے آہنی دروازے کے سامنے پہنچ کر سگریٹ کو جوتے تلے مسلا، اس کے بعد دبی دبی چاپ سے اندر داخل ہوا، کچھ دیر صحن میں کھڑے ہو کر اطراف کا جائزہ لیا، چہار سو سکوت طاری تھا، وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، جس کی لائٹ مسلسل جل بجھ رہی تھی۔
☆☆☆......☆☆☆
دھوپ خان ہاؤس کے در و دیوار سے رخصت ہوچکی تھی، رات کے سیاہ آنچل نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا، ریحانہ بہزاد بہت دیر سے لاؤنج میں کرسی ڈالے سوچ میں گم بیٹھی تھیں۔
"ارے بھئی گھر میں کوئی ہے کہ نہیں؟" اشرفی بوا برقعے کی ڈوریاں کھولتی ہوئیں لاؤنج میں داخل ہوئیں۔
"ارے بوا آیئے۔" ریحانہ نے انہیں دیکھا تو رکا ہوا سانس خارج کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرائیں۔
"کس سوچ میں گم تھی بیٹی؟" بوا نے ان کے پاس بیٹھ کر آہستگی سے پوچھا۔
"کافی دنوں سے آفاق میاں والا مسئلہ بیچ میں اٹکا ہوا ہے، بس اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اپنی پریشانی شیئر کرنا ضروری خیال کیا۔
"میرے خیال سے اب اس کام کو انجام تک پہنچا دینا چاہیے۔" بوا نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔
"ہماری تو تقریباً ساری تیاری مکمل ہے..... مگر اسریٰ بہن نے ہی پلٹ کر کوئی خبر نہ لی، مجھے ڈر ہے کہ کہیں انکار ہی نہ ہو جائے۔"
"اے اچھی باتیں منہ سے نکالو۔"
"کیا کروں اسی رشتے کے بل پر پورے خاندان کی مخالفت مول لی، اب وہ لوگ پیچھے نہ ہٹ جائیں، بڑا مذاق بنے گا۔"
"ہوں..... لیکن پریشان کیوں ہوتی ہو۔ اسی لیے تو میں اس وقت بھاگی دوڑی چلی آئی ہوں۔"
"اچھا کوئی خوش خبری ہے کیا؟"
"ہاں بھئی اسریٰ کا فون آیا تھا....."
"تو پھر کیا کہہ رہی تھیں؟"
"وہ ملنے کے لیے آنا چاہ رہی ہیں۔"
"یہ ملنا ملانا تو کب سے چل رہا ہے، اب تو کوئی فائنل بات ہی ہونی ضروری ہے۔"
"تو اس بار تم انہیں جتا دینا۔" اشرفی بوا نے پان منہ میں رکھتے ہوئے مشورہ دیا۔
"میں بات کروں؟" ریحانہ جزبز ہوئیں۔
"اے لو تو پھر کون کرے گا۔" وہ ٹھٹھا مار کر ہنسیں۔
"بھلا بیٹی والی ہو کر میں ایسی بات کرتی ہوئی کیا اچھی لگوں گی؟"
"اس میں بھلا کیا قباحت..... چلو چھوڑو میں باتوں باتوں میں ہی انہیں سنا دوں گی۔"
"ایسا ہو جائے تو اچھا رہے گا۔"

''بیٹی..... تم فکر نہ کرو میں یہ معاملہ سنبھال لوں گی۔''
''بہت بہت شکریہ۔''
''اچھا مجھے تم سے ایک اور کام تھا۔''
''جی..... کہیں.....''
''وہ دو ہزار روپوں کی سخت ضرورت تھی..... اگر دے دو تو احسان ہوگا۔''
''آں..... کیوں نہیں۔'' ریحانہ نے پاس رکھے بیگ میں ہاتھ ڈال کر کئی نوٹ نکالے اور بغیر گنے ان کی مٹھی میں دبا دیے۔
''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ اللہ تمہیں سدا ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔'' وہ ایک دم دعائیں دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''بوا سفینہ کی شادی والی بات.....'' ریحانہ نے یاددہانی کرائی۔
''ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھنا میں کیسے طریقے سے بات کرتی ہوں۔'' وہ خوش خوش برقعہ پہنتے ہوئے بولیں۔
ریحانہ مسکرا دیں ایسا لگا کہ خان ہاؤس کے دروازے سے مسرت بھری دستک دور نہیں رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''پتا نہیں..... کیا بات ہے؟ آج کل اسریٰ کی کوئی خیر خبر ہی نہیں آرہی۔'' عائشہ بیگم نے دھلا ہوا چائے کا مگ نکالتے ہوئے سوچا۔
''پہلے تو لازمی دن میں ایک بار فون کر کے روشنی کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی تھی۔'' چمچہ چلاتے ہوئے مسکرائی۔
''شکر ہے جان چھوٹ گئی۔'' عائشہ بیگم نے دودھ کی موٹی سی بالائی والی چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد طمانیت سے سوچا۔
''ورنہ وہ تو پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔ روشنی نے بے عزتی بھی تو بڑے طریقے سے کی تھی۔'' وہ کپ ہاتھ میں تھامے ہال کی جانب بڑھتے ہوئے ایک ہی نہج پر سوچ رہی تھی۔
''چلو خس کم جہاں پاک۔ اب اگر اس عورت کو ذرا سا بھی اپنی عزت کا پاس ہوگا تو مہینوں شکل نہیں دکھائے گی۔'' صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے وجود میں کھلتے سکون سے لطف اٹھایا۔ اچانک شور کی آواز کانوں میں پڑی۔ ''اس وقت کون آگیا؟'' وہ چونکی۔ ترچھا ہو کر داخلی دروازے پر نگاہ ڈالی۔
آفاق کے ساتھ ہنستی مسکراتی اسریٰ کو اندر آتے دیکھا تو ایک سنسناتا ہوا احساس اُس کو دماغ میں سرایت کرتا محسوس ہونے لگا۔ وہ تو سمجھ رہیں تھی کہ اس کی چال اس بار بالکل ٹھیک پڑی ہے اور اب اسریٰ یہاں قدم بھی نہیں رکھے گی، مگر وہ تو پھر سے چلی آئی۔
''بڑی ہی بے غیرت عورت ہے۔'' عائشہ نے دل ہی دل میں گالیاں دیں۔ ''چلو عائشہ ایک نئی جنگ لڑنے کو تیار ہو جاؤ۔'' وہ کھڑے ہو کر دماغ لڑانے لگی۔ ''محترمہ کو پھر سے اپنی بھانجی کے ہاتھوں ذلیل ہونے کا شوق چرایا ہے تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں؟'' چائے کا کپ ایک سانس میں ختم کر کے خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ ان دونوں کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔

☆☆☆......☆☆☆

''فائز.....'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وجود پر جیسے ایک وار ہوا جس نے اس کے احساس کو چیر کے رکھ دیا۔

''ہاں سنی؟'' فائز نے بے خیالی میں سر ہلایا، دل و دماغ میں مستقل جنگ جو چھڑی ہوئی تھی۔
''کیا میں نے ٹھیک سنا ہے؟'' وہ غیر یقینی کی کیفیت میں الجھ کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
''ممی کی پلاننگ تو یہ ہی ہے۔'' وہ اندر سے کچھ شرمسار ہوا..... مگر اعتماد سے جواب دینا ضروری تھا۔
''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' ایک بجلی سی کڑکڑائی اور سفینہ کا وجود بھسم ہوگیا، اس نے تصدیق چاہی۔
''ہاں یار کتنی بار پوچھوگی۔'' اس نے چڑ کر جواب دیتے ہوئے نگاہ چرائی۔
''تو آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے والدین کو زندہ در گور کردوں ہاں؟'' وہ وضاحت مانگنے پر تل گئی۔
''دیکھو یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں۔'' فائز نے سفینہ کی انگلیوں کو چھو کر یقین دلانا چاہا..... حالانکہ وہ خود بے یقین تھا۔
''لگتا ہے کہ آپ ہوش کھو بیٹھے ہیں؟''
''یار ایک دو دن کی تو بات ہے، شادی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' فائز نے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔
''یہ کیسے ہوسکتا ہے اور آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟'' وہ ہکا بکا سی رہ گئی، بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔
''سفی..... تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔'' وہ بھی جھنجھلایا، اندر کی کاٹ الگ پریشان کررہی تھی۔
''ایسا کرنا ضروری ہے کیا؟''
''ہماری محبت کی بقاء کے لیے اتنی سی قربانی تو تمہیں دینی ہی پڑے گی۔''
''مجھے منظور نہیں ایسی محبت سے موت اچھی، جس میں عزت کا پاس نہ رہے۔''
''بس کچھ دن کی تو بات ہے پھر سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔''
''میرے سامنے آپ ہیں یا کوئی اور شخص آپ کے بھیس میں کھڑا ہے۔''
''سفی پلیز..... سمجھنے کی کوشش کرو۔''
''کیا سمجھوں ہاں؟''
''اس طرح چاچی ہماری شادی پر مجبور ہوجائیں گی۔'' وہ جانے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔
''اچھا تو امی کو مجبور کرنے کی سازش رچائی گئی ہے۔''
''نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''
''اب ایک لفظ بھی نہیں بولیے گا فائز پلیز.....''
''کیا ہوگیا ہے یار؟''
''آپ بہت بول چکے اور میرے سننے کی سکت جواب دے چکی ہے اب۔''
''سفینہ جان پلیز۔'' اس نے پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
''کاش ایسے لمحے ہمارے بیچ میں کبھی نہ آئے ہوتے۔'' وہ ایک دم بدک کر دور ہوئی۔
''منزل تک پہنچنے کا ایک یہ ہی راستہ ہے۔'' فائز نے تھک کر اس کا چہرہ اپنی جانب موڑنا چاہا۔
''میری عزت کو بے مول کرکے۔ آپ منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔'' آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اذیت سے مسکرائی۔
''سفینہ..... ایسا نہ بولو۔'' شرمندگی سی شرمندگی، اس کا انداز دل کو چیرتا چلا گیا۔
''میری بات غور سے سن لیں وہاں تنہائی ہی آپ کی ساتھی بنے گی؟'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مزید کچھ کہنے سے روکا۔

☆☆☆.....☆☆☆

ہیجان زدہ سی مومل بیڈ کے سائیڈ میں رکھے لیمپ کے بٹن پر انگلی رکھے آن آف کے شغل میں مشغول تھی، آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا اور بے چینی سے نبیل کی طرف بڑھی۔ مومل کی شکل دیکھ کر نبیل کے دل کو جھٹکا لگا۔ اتنی سی دیر میں جیسے اس کا خون نچڑ کر رہ گیا تھا، اجڑا ہوا چہرہ، گلابی سوجی ہوئی آنکھیں کھلے بال کپکپاتے خشک ہونٹ، وہ تو مومل نہ رہی کوئی غم کے دھوئیں میں لپٹی مورت میں ڈھل گئی۔ نبیل کے دل پر پشیمانی کے احساس نے تسلط جمایا۔ وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ مومل نے بھی شوہر کا خیر مقدم کرتے ہوئے سوالیہ نگاہیں اس پر جمادیں۔

''مومل...... کیا ہوا خیر تو ہے؟'' اس کے یوں گھورنے پر نبیل نے تشویش بھرے انداز میں بازو تھام کر پوچھا۔

''آخر میری محبت میں کیا کمی تھی؟'' اس نے حسین آنکھیں جما کر الٹا سوال کیا۔

''کوئی کمی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا بولا۔

''پھر آپ نے ایسی بے رخی کیوں اختیار کی۔'' اس نے اُداسی میں لپٹی ہوئی مسکراہٹ سجا کر شکوہ کیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو مومل......؟'' نبیل نے جان کر انجان بنتے ہوئے نگاہیں چرائیں۔

''کیوں ایسا نہیں ہے کیا؟'' اس نے نبیل کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں تو شاید تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟'' نبیل نے چہرہ موڑ کر پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''دیکھیں آپ ابھی بھی مجھے اگنور کررہے ہیں۔'' مومل نے نبیل کے مقابل آکر اس کی انگلیوں میں دبی سگریٹ زبردستی چھین کر بجھادی۔

''مومل پلیز...... اس وقت میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے جاکر سوجاؤ۔'' نبیل کا موڈ ایک دم آف ہوگیا، اسے بیوی کی زبردستی بھی اچھی نہ لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

''سوری خالہ جانی سوری نا۔'' روشنی ہونٹ لٹکا کر بڑی معصومیت سے مسلسل معافی مانگے جارہی تھی۔

''اٹس او کے مائی بے بی۔'' اسریٰ نے اسے پچکارا۔

''آپ نے سچ مچ مجھ کو معاف کردیا میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس بار معافی کا کوئی سوال نہیں۔'' وہ شوخ ہوئی۔

''اپنے بچوں سے بھلا کوئی دیر تک ناراض کیسے رہ سکتا ہے؟'' وہ مسرور انداز میں اسے لپٹاتے ہوئے بولیں۔

''چلو بھئی خالہ بھانجی میں صلح ہوگئی، اب اسی خوشی میں ہوجائے ڈنر۔'' آفاق نے طمانیت سے ان دونوں کو دیکھا۔ جو صوفے پر بیٹھ چکی تھیں۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں مگر......'' اسریٰ نے عادت کے مطابق سسپنس پھیلانے کی کوشش کی۔

''اب یہ مگر کہاں سے آگیا یار۔'' آفاق نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

''ابھی میری ناراضی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی ہے۔'' وہ شگفتگی سے بولیں۔

''خالہ جانی...... اٹس ناٹ فیئر۔'' روشنی نے منہ پھلالیا۔

''اچھا تو پھر اس کا خاتمہ بالخیر کیسے ہوگا؟'' آفاق نے بھی شرارتی انداز اختیار کیا۔

''اگر میری گڑیا روشنی میری ایک بات مان لے تو سب ٹھیک ہوسکتا ہے۔'' اس کے کٹے ہوئے بالوں کو انگلی سے سنوارتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے خالہ جانی میں مان گیا ہوں۔'' روشنی نے آنکھیں پٹپٹا کر شرارتی انداز میں سر ہلایا۔

"پہلے بات تو پوچھو۔" آفاق نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔
"اچھا چلیں اب بتا بھی دیں۔" اس نے ان کی گود میں رکھا سر اٹھا کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔
"تم کل میرے ساتھ سفینہ کے گھر جا رہی ہو اشرفی بوا کا فون آیا تھا ضروری بات کرنے جانا ہے۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے آرام سے بولیں۔
"سفینہ جی کے گھر؟" روشنی باآواز بلند بڑبڑاتے ہوئے ایک دم سوچ میں پڑ گئی، سب کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کرنے میں مصروف ہو گئیں۔
"انکار کر دے میری بچی۔ بے عزت کرنے کا ایک اچھا موقع ہے۔" عائشہ بیگم نے جو بہت دیر سے ڈسٹنگ کے بہانے یہاں کن سوئیاں لینے کھڑی تھی، سب سے نگاہیں چرا کر روشنی کو دیکھ کر ہونٹ ہلایا، مگر روشنی تو خلاؤں میں گھورتی جانے کس سوچ میں تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"چیخنے چلانے اور شور مچانے کی بجائے تم تھوڑی دیر آرام سے بیٹھ کر سوچ لو۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکلنے لگا۔
"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
"میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔" سفینہ کا سامنا کرنا اب مشکل ہو رہا تھا۔
"رک جائیں...... فائز۔" ایک اضطراری چیخ کے ساتھ لپک کر وہ اس کے مقابل آ گئی۔
"اب کیا ہوا؟" وہ بھی جھنجلا اٹھا۔
"مجھے اسی وقت گھر واپس جانا ہے۔"
"سمجھنے کی کوشش کرو سفی جان۔"
"میں اس بیہودہ منصوبہ کا حصہ بننے کو بالکل بھی تیار نہیں ہوں۔" سفینہ نے ضدی انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"اچھا رکو میں ممی کو بتا کر آتا ہوں۔" فائز نے ہلکے سے سر ہلایا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔
"نہیں...... تائی اماں آپ کو اپنی الٹی سیدھی باتوں میں الجھا لیں گی۔"
"وہ میری ماں ہیں۔" اس نے منہ بگاڑ کر کہا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔
"اپنی ماں کا اتنا خیال اور میری ماں کی ذلت کا اتنا شوق۔"
"ایسا نہیں ہے یار تم پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔"
"ایک منٹ...... رک جائیں مجھے ابھی واپس گھر چھوڑ کر آئیں۔" اس نے پیچھے سے بازو تھاما۔
"تم تھوڑی دیر صبر سے یہاں بیٹھ نہیں سکتی۔" اسے صوفے پر دھکیل کر وہ تیز قدموں سے جانے لگا۔
"اگر آپ نے میری بات نہیں مانی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی۔
"تو دے دو۔" فائز نے بے رخی سے اپنا بازو چھڑایا، سفینہ توازن برقرار نہ رکھ پائی اور چکنے فرش پر گر گئی۔ ایک عجیب سا خوف فائز کے وجود میں سرائیت کر گیا۔ سفینہ کی دل شکن چیخ نے اس کے بڑھتے قدموں کو روکا مڑ کر دیکھا تو سفینہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ سر پر لگنے والی چوٹ سے خون بہہ رہا تھا۔
"سفینہ......" اچانک ظہور پذیر ہونے والی اس خوف ناک صورت حال سے فائز ساکت و مبہوت رہ گیا اور پھر اسے

پکارتا ہوا اپنے حواس میں واپس آیا۔

اس نے لپک کر سفینہ کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ زور زور سے اس کا نام لے کر چلانے لگا مگر وہ آنکھیں بند کیے ہوش و حواس کی دنیا سے دور جا چکی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''آپ کو مجھ سے ابھی بات کرنی پڑے گی۔'' موول چیخ پڑی۔

''تم......'' شادی کے بعد پہلی بار اس نے موول کا ایسا رویہ دیکھا تھا وہ حیرت زدہ رہ گیا، جلدی سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔

''ہاں میں اور یاد رکھئے گا صرف میں۔'' موول نے نبیل کی واپسی پر نازک انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ موول۔'' اس کی ہمت جواب دے گئی، ایک دم چلایا۔

''مجھ سے اس انداز میں بالکل بات نہ کریں۔'' وہ بری طرح سے بپھر اٹھی۔

''تم پاگل ہوگئی ہو کیا۔'' وہ خوف زدہ ہوا کہ کہیں شور کی آواز کمرے سے باہر نہ چلی جائے، اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

''شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں کس باپ کی بیٹی ہوں۔'' اس نے ہاتھ ہٹاتے ہوئے، آنکھوں میں جھانک کر جتایا۔

''مجھے سب یاد ہے۔'' وہ اپے سسر سے دبتا تھا، ایک دم سنبھل گیا۔

''پھر بھی۔'' اس کا انداز ظالمانہ ہوا۔ وہ اندر تک بھسم ہوا۔

''ویسے مجھے اب تک تمہارے غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی؟'' نبیل نے خود پر قابو پا کر نرمی سے پوچھا۔

''یہ بات تو آپ کے سوچنے کی ہے۔'' اس نے لب کچلے اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔

''موول...... پلیز یہاں آ کر بیٹھو اور آرام سے بات کرو۔'' نبیل نے اس کا ہاتھ تھام کر بستر پر اپنے قریب بٹھایا۔

"آپ نے اب تک مجھ سے اتنی بڑی بات کیوں چھپا کر رکھی؟" اس کے بازو پر انگلیاں گاڑھ کر آنکھوں میں جھانکا۔
"کون سی بات؟" نبیل چونک اٹھا۔

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ...... "فائز خواب میں بڑبڑا رہا تھا۔ اچانک اس کی نیند ٹوٹ گئی اور وہ چیخ مار کر بستر پر اٹھ بیٹھا، اس لرزا دینے والے خواب نے اسے اندر تک دہلا کر رکھ دیا۔ لاشعوری طور پر وہ جس بات سے خوف کھا رہا تھا، وہ بڑے واضح انداز میں اس کے سامنے چلی آئی تھی۔
"کیا ہوا...... فائز کیوں چلا رہے ہو۔" سائرہ بیٹے کی چیخ سن کر تیزی سے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔
"وہ سفینہ مر گئی۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی، پورا جسم پسینے میں شرابور۔
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔" سائرہ نے بیٹے کو جھنجھوڑا۔
"میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔" فائز کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔
"ہوش میں آؤ بیٹا۔"
"نہیں میری باتوں نے اسے مار ڈالا۔"
"کچھ نہیں ہوا سب کچھ ٹھیک ہے۔"
"کچھ بھی ٹھیک نہیں وہ ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔" ماں کے گلے لگ کر فائز ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔
"فائز...... میرے بچے لگتا ہے کہ تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" سائرہ نے کمر پر ہاتھ پھیر کر سمجھایا۔
"ہاں ایسا خواب جس نے حقیقت عیاں کردی ہے۔" وہ دوڑ کر پانی لے آئیں۔
"ممی...... وہ ایسی باتوں کو برداشت نہیں کر پائے گی۔" پانی پی کر اس کی حالت بہتر ہوئی تو بولا۔
"کیسی باتیں تم کیا بڑبڑا رہے ہو؟" سائرہ نے بیٹے کو گھورا۔
"یہ ہی کہ اسے چند دنوں کے لیے یہاں چھپا کر رکھا جائے اور جب اس کے گھر سے غائب ہونے کی خبر عام ہوجائے دوسرے لفظوں میں وہ بدنام ہوجائے تو اسے واپس خان ہاؤس پہنچا دیا جائے۔" وہ دانت بھینچ کر بولا۔
"ہاں تو کیا ہوا اسے تمہاری دلہن ہی بننا ہے اور تمہیں حقیقت کا پتا ہے پھر کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولیں۔
"ممی...... اس طرح ریحانہ چاچی کی ناک ضرور نیچی ہوجائے گی...... مگر میں ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں میں گر جاؤں گا۔" وہ ماں کا ہاتھ تھام کر ملتجی انداز میں بولا۔
"ہم نے سنا ہے کہ...... سچی محبت کو پانے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، تو کیا سفی تمہارے لیے اتنا سا نہیں کر سکتی؟" ان کے چہرے پر پھیلی رعونت اور سفاکی محسوس کی جانے والی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"یا اللہ اب کوئی نیا جھگڑا نہ شروع ہوجائے۔" آفاق نے گہری نظروں سے بہن کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو جانچتے ہوئے دل میں دعا کی۔
"او کے ڈن۔" وہ اقرار کرتی ہوئی جوش میں اٹھ بیٹھی۔
ہائے اللہ۔" عشو بیگم نے دکھ کا اظہار کیا۔
"میری جان...... میری بچی۔" اسریٰ نے خوش ہو کر بھانجی کا ماتھا چوم لیا۔

''یہاں تو بڑی محبتیں چل رہی ہیں۔'' عشو بیگم نے جل کر سوچا۔
''تو پھر چلیں۔'' آفاق کے اندر خوشی کی لہر سرائیت کر گئی، ایک دم پوچھا۔
''کہاں؟'' ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی، عشو بیگم جو باہر جا رہی تھی، اس کے کان کھڑے ہو گئے۔
''بھئی اچھا سا ڈنر کرنے۔'' اس نے اپنا مطالبہ دہرایا۔
''ہاں ٹھیک ہے۔'' اسریٰ نے رضامندی دے دی۔
''میں چادر لے کر آتی ہوں۔'' سب کو جاتا دیکھ کر عائشہ بیگم نے بھی تیاری پکڑی۔
''عشو اماں ایسا کریں آپ گھر پر ہی رکیں۔ میرا دوست آنے والا ہے، اسے کمرے میں رکھی ہوئی فائل دے دیجیے گا۔'' اسریٰ کے ماتھے پر پڑتے بل دیکھ کر آفاق نے انہیں بہانے سے روکا۔
''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ مایوسی سے سر ہلا گئی۔
''ہم آپ کا کھانا پیک کروا کر لے آئیں گے۔'' آفاق کو افسوس ہوا تو جلدی سے بولا۔
عائشہ بیگم نے بڑی امید بھری نگاہوں سے روشنی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ ہی کچھ بولے مگر وہ بھی انجان بنی اسریٰ سے گفتگو میں محو رہی۔

☆☆☆......☆☆☆

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے شہر میں شرمیلا نام کی ایک محبت بھی پال رکھی ہے؟'' اس کا لفظ لفظ طنز کے زہر میں ڈوب ہوا تھا۔
''تمہیں کیسے پتا چلا......!'' وہ ششدر رہ گیا۔
''میرے پاس پیسہ اور طاقت کے وہ منتر ہیں جو سب بند دروازے کھول دیتا ہے۔''
ہونہہ...... اس کی سوالیہ نگاہیں بیوی پر ٹک گئیں اور ذہن کے گھوڑے دوڑنے لگے۔
''تو پھر آپ کی جاسوسی کرانا کون سا مشکل کام تھا۔'' اس نے لطف بھرے انداز میں شوہر کو دیکھا۔
''شرمیلا میری ایک اچھی دوست ہے اس بات کو غلط رنگ نہ دو مومل۔'' نبیل نے خود پر قابو پاتے ہوئے بات بتائی۔
''ہا...... ہا...... دوستی۔'' شوہر کے اعتراف نے دل کرچی کرچی کر دیا۔
''ہاں...... ہاں...... دوستی۔'' اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔
''مگر مرد اور عورت کے بیچ کا یہ رشتہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' کمزوری دکھانا مومل کے خون میں شامل نہ تھا، ڈٹ گئی۔
''اب اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو میری بات کا یقین کرو۔'' وہ گھبرا کر صفائی دینے لگا۔
''یقین...... وہ بھی آپ کا......!''
''میں نے یہ بات تم سے اس لیے چھپائی کہ تمہارے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔'' نبیل نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں منانا چاہا۔
''بہانہ اچھا ہے...... سنا ہے آپ تو اس سے شادی کے درپے تھے۔'' مومل نے سر اٹھا کر ایسے لہجے میں جتایا کہ وہ گھبرا سا گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

''اللہ کے واسطے ممی...... یہ سب ممکن نہیں۔'' فائز نے اپنے ہونٹ کچلتے ہوئے ماں کی طرف دیکھ کر انکار میں سر ہلایا۔

''یہ کیا بات ہوئی......؟ تم سفینہ کو سمجھانے کی جگہ خود بھڑک رہے ہو۔'' سائرہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر بیٹے کو گھورا۔

''مجھے ایسی خوشیاں نہیں چاہیے، جو سفینہ کی عزت نفس کو کچل کر حاصل ہوں۔'' اس نے غصے سے جواب دیا۔

''حد ہے بھئی۔'' سائرہ نے افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''آپ خود سوچیں کہ سفی صرف میری منگیتر ہی نہیں...... چاچا کی بیٹی بھی ہے۔ ہمارے خاندان کی عزت۔''

''ہاں تو پھر؟''

''اس کی عزت پر اٹھنے والی ایک انگلی بھی ہماری فیملی کے منہ پر کالک ملنے کے مترادف ہوگی۔'' اس نے سرخ آنکھوں کو ہتھیلی سے پونچھا۔

''تو کیا ہوا لوگوں نے چار دن ہی باتیں بنانا ہے بس۔''

''کیا یہ چھوٹی بات ہے؟''

''فائز سوچو جب تم دونوں کی شادی ہو جائے گی تو سب باتیں دفن ہو جائیں گی۔'' سائرہ نے بیٹے کو سمجھانا چاہا۔

''ممی...... وہ چار دن چاچا، چاچی اور سفی کے لیے چار صدیوں کے برابر ہوں گے۔'' فائز کا لہجہ سخت ہوا۔

''فائز...... میری جان تم اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس نہیں ہو رہے؟'' وہ جان بوجھ کر دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ہاں ہو رہا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میری سفی شیشے سے بھی زیادہ نازک ہے، وہ تو یہ بات سنتے ہی مر جائے گی۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تو تم کس مرض کی دوا ہو اسے سمجھاؤ نا۔'' وہ اپنے موقف پر اڑی رہیں۔

''آپ جو زخم اسے دینے جا رہی ہیں، وہ لاعلاج ہوگا۔'' اس نے ماں کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''بھئی...... بیماری سے چھٹکارا پانے کے لیے چیرے کی تکلیف تو سہنی پڑے گی۔'' ان کے لہجے سے سفاکی عیاں ہوئی۔

''نہیں اس طرح تو میری محبت اسے کینسر زدہ کر دے گی۔''

''سوچ لو یہی راستہ تمہیں اس تک پہنچائے گا۔''

''میں اس طرح سے سفینہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایسی کمزور محبت سے ہی اسے دست بردار کر دوں۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو دل کی جگہ دماغ سے فیصلہ کرو۔''

''ممی...... کیا کوئی اور طریقہ نہیں؟''

''تمہیں لگتا ہے کہ ریحانہ جیسی بلا، اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے قابو میں آسکتی ہے۔''

''بس...... تو پھر اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا تو جناب میری ساری پلاننگ کو فیل کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ دانت کچکچا کر رہ گئیں۔

''میں اسے پا کر کھونے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایسے ہی کھو دوں۔'' اس کے لہجے میں افسردگی اور یاسیت پوشیدہ تھی۔

''لڑکے میری بات سنو...... تمہاری خوشی کی خاطر میں نے یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتارنے کا سوچا تھا ورنہ میری

نظروں میں سفینہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' سائرہ نے بے حد طیش میں آ کر اسے جھاڑ پلائی۔
''آپ جو چاہیں سمجھیں۔ لیکن میں مجبور ہوں آپ کی یہ خواہش پوری کرنا مشکل ہوگا۔'' فائز نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا اور وہاں سے اٹھنے لگے۔
''سفینہ کی محبت میں تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ اس طرح سے خان ہاؤس ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' سائرہ نے پیچھے سے پکارا، مگر وہ ان سنی کرتا ہوا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ سائرہ نے غصے میں دانت بھینچ لیے۔

☆☆☆......☆☆☆

کئی دنوں کے بخار کے بعد آج ذرا طبیعت سنبھلی تو شرمیلا صحن میں آ کر تخت پر بیٹھ گئی، تھوڑی دیر بعد ہی صائمہ بھی اس سے ملنے چلی آئی۔
''اب کیسی طبیعت ہے؟'' صائمہ نے شرمیلا کے برابر میں بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔
''تمہیں میری طبیعت خرابی کا کیسے پتا چلا؟'' وہ الٹا چونک کر سوال کر بیٹھی۔
''دراصل خالہ بتول کی کال آئی تھی۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اوہ اچھا۔'' شرمیلا نے چادر کو اپنے گرد لپیٹا، کھلے آسمان تلے ٹھنڈ کا احساس زیادہ تھا۔
''ویسے تو میں روز ہی چکر لگا رہی تھی۔''
''کمال ہے مجھے خبر ہی نہیں ہو پائی۔''
''کیونکہ تم دواؤں کے زیر اثر سوئی رہتی تھی۔'' صائمہ نے دوست کا ہاتھ تھام کر بتایا۔
''ہاں یار اس بار تو جیسے بخار چمٹ کر رہ گیا تھا اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔'' شرمیلا نے پھیکی سی ہنسی ہونٹوں پر سجائی۔
''تمہاری حالت دیکھ کر میں بڑی پریشان ہوگئی تھی۔'' صائمہ نے فکر مندی سے بتایا، ایسا لگ نہیں رہا تھا کہ ان دونوں کے بیچ کبھی دوریاں آئی ہوں۔
''پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا؟'' شرمیلا نے نیلے آسمان پر اڑتے بے فکر پرندوں کو دیکھتے ہوئے اداسی سے کہا۔
''کیا کسی شاک سے گزری ہو؟'' صائمہ نے کریدا۔
نہیں تو۔'' وہ ایک دم نگاہیں چرا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔
''مجھ سے نہ چھپاؤ میں اب بھی تمہاری دوست ہوں۔'' اس نے یقین دلانا چاہا۔
''اب تو یہ پتا ہی نہیں چلتا کہ کون دوست ہے اور کون دشمن۔'' وہ اذیت سے آنکھیں میچ کر بولیں۔
''تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔''
''بھروسہ وہ کیا ہوتا ہے؟''
''آئی ایم سوری مجھے لگتا ہے کہ میری وجہ سے ہی ساری پریشانیاں تمہاری لائف میں آئی ہیں۔''
''اٹس او کے یار میری قسمت ہی ایسی ہے۔''
''ویسے ایک بات تو مانو گی۔''
''وہ کیا؟''
''نبیل کے بارے میں کہی ہوئی میری ہر بات تمہیں اب درست لگ رہی ہوگی؟'' صائمہ نے اچانک وہ بات کہہ

ڈالی جو اسے سننا گوارا نہیں تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

عذاب ہجر بڑھالوں اگر اجازت ہو
اک اور زخم کھالوں اگر اجازت ہو
تمہارے عارض ولب کی جدائی کے دن ہیں
میں جام منہ سے لگالوں اگر اجازت ہو
تمہارا حسن، تمہارے خیال کا چہرا
شباہتوں میں چھپالوں اگر اجازت ہو
تمہی سے ہے، مرے ہر خواب شوق کا رشتہ
اک اور خواب کمالوں، اگر اجازت ہو
تھکا دیا ہے، تمہارے فراق نے مجھ کو
کہیں میں خود کو گرالوں، اگر اجازت ہو
برائے نام، بنام شب وصال یہاں
شب فراق منالوں، اگر اجازت ہو
جون ایلیا

اسے اور اک ہوا کہ وہ جس الجھن میں گرفتار تھا اس کا سرا ہاتھ لگ گیا ہو۔ وہ سفینہ کو کھونے جا رہا تھا۔ اسے یہ الہام بھی ہو گیا تھا کہ وقت کا دھارا ان کے سر سے محبت بھرا آسمان کھینچ کر ہجر کے پاتال میں دھکیلتا چلا جا رہا تھا۔ ہجر کی یہ سیاہ رات وجود پر ایسے چرکے لگا رہی تھی کہ برداشت کی حد ختم ہونے کو تھی۔ دل کے ہر ایک گوشے میں سفینہ کی یادیں بکھری پڑی تھیں، وہ ان سے کیسے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ گزارے لمحوں نے دھیرے سے دل کے دریچے پر دستک دے ڈالی، کیا کیا نہ یاد آیا، کبھی وہ مسکرایا، کبھی کھلکھلایا اور کبھی نم آنکھوں کو انگلی سے خشک کر ڈالا۔ کیسی کیسی باتیں، بے شمار یادیں آ کر اسے تڑپانے لگیں۔ اس نے سیل فون اٹھایا اور اس کا نمبر ملایا۔

فائز چاہتے ہوئے بھی سفینہ سے کچھ نہ کہہ پایا۔ فون کو مضبوطی سے تھامے، ادھر ادھر کی باتیں کی اور پھر جب مدعا بیان کرنے کا سوچا تو لب تھرتھرا کر خاموش ہو گئے کہنے سننے کے لیے ویسے بھی اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اگر ماں کی منصوبہ بندی کے بارے میں بتا دیتا تو ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں میں خود بھی گرتا اور تائی کا رشتہ بھی رسوائی کی لپیٹ میں آ جاتا۔ ویسے بھی وہ اس کو بتائے بناء جان چکا تھا کہ سفینہ مر تو جائے گی، مگر اتنی ذلت اٹھانے کے بعد اس کی ہونا کبھی بھی گوارا نہیں کرے گی۔ کافی سوچ و بچار کے بعد آخر وہ منطقی فیصلے تک جا پہنچا، اس نے قسمت کے آگے سر جھکانے کا تہیہ کر لیا...... یہ اور بات ہے کہ اندر کی دنیا ہل کر رہ گئی تھی...... مگر بظاہر پرسکون انداز میں کھڑا اپنے اندر سفینہ کے بناء جینے کا حوصلہ پیدا کرتا رہا۔

☆☆☆......☆☆☆

”ہاں صائمہ۔“ اس کے اندر مزاحمت کی بھی ہمت نہ تھی سر جھکا کر اعتراف کیا۔
”شکر ہے کہ میں تمہاری نظروں میں سرخرو ہوئی۔“ وہ کھل کر مسکرائی۔
”اب ایسی بات بھی نہیں۔“

''کیوں تمہیں مجھ پر ابھی بھی اعتبار نہیں۔''

''نبیل کا سوال تو بعد میں اٹھتا ہے، پہلے تو تم نے دوستی کا بھرم توڑا۔''

''نہیں یار...... کبھی کبھی انسان کی مجبوریاں بھی اس سے ایسے کام کروا دیتی ہیں، جن کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔''

''لالچ کو مجبوری کا نام دے کر تم بری الذمہ نہیں ہوسکتی۔''

''اچھا چلو جو ہوا سو ہوا تم بس ایک بار مجھے دل سے معاف کردو۔''

''مشکل ہے، میں نے تم پر اندھا اعتبار کیا اور تم نے......''

''مشکل ہے نا ممکن تو نہیں پلیز اپنا دل صاف کرلو۔''

''اوکے...... میں پوری کوشش کروں گی۔''

''اچھا تو پھر مسکرا دو۔'' صائمہ نے محبت سے کہا۔

''دل نہیں چاہتا۔'' شرمیلا کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

''ایک کام کرو۔'' وہ اس کے نزدیک ہوئی۔

''وہ کیا؟'' شرمیلا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اب تم اس بے وفا کی یاد کو اپنے دل سے نوچ کر باہر پھینک دو۔'' اس نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔

''وہ تو میں کب کی پھینک چکی ہوں۔'' تھکا تھکا سا لہجہ صائمہ کو تڑپا گیا۔

''اچھا کیا...... کیوں کہ اس کی شادی جہاں ہوئی ہے نا وہ لوگ بہت پاورفل ہیں۔'' صائمہ نے سمجھانا چاہا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' شادی کا ذکر ہوتے ہی دل میں چلن ہوئی تو اس کا لہجہ تیز ہوگیا۔

''ایک منٹ خاموش ہو جاؤ۔'' صائمہ نے بتول کو سوپ کا پیالہ اٹھائے آتا دیکھا تو اس کا ہاتھ دباتے ہوئے ہوشیار کیا۔

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے کیوں کہ مجھے تمہیں ایک بہت خاص بات بتانی ہے۔'' صائمہ نے سرگوشی کی تو شرمیلا نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆......☆☆☆

فائز نے جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دریچے سے باہر جھانکا۔ گلابی شام، بڑی تیزی سے سیاہ رات میں تبدیل ہو چکی تھی، جیسے اس کی زندگی میں ہجر کی سیاہی بڑی سرعت سے پھیلتی چلی جارہی تھی، اچانک ذہن میں سفینہ کا خیال ابھرا، اس کا معصوم سا چہرہ بار بار نگاہوں کے سامنے چلا آیا، بے ربط سوچیں اسے رہ رہ کر بے چین کرنے میں مشغول ہوگئیں، اس نے سر کے گھنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر خود کو اذیت پہنچائی۔ کئی سوال یکے بعد دیگرے دماغ میں در آئے۔

''مجھے ہمیشہ کے لیے سفینہ کی زندگی سے دور جانا پڑے گا۔'' فائز نے خود سے نظریں چراتے ہوئے سوچا۔ ''ہاں ہمارے خاندان کو رسوائی سے بچانے کے لیے مجھے اپنے دل کی قربانی دینی ہوگی...... میں دادا ابا اور دادی اماں کی بنائی ہوئی ساکھ پر آنچ نہیں آنے دوں گا، اس کے لیے چاہے مجھے خود جدائی کی آگ میں جلنا پڑے...... سفینہ مجھے معاف کر دینا اور کبھی ایسا نہ سمجھنا کہ میری زندگی کی کتاب سے تمہاری چاہت کا باب ختم ہونے جارہا ہے...... تمہاری چاہت کا دیا مرتے دم تک میرے وجود کے اندھیروں میں روشنی بن کر چمکے گا۔'' وہ نم آنکھوں کو انگلی کی پور سے صاف کرتا ہوا اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنے لگا۔

☆☆☆......☆☆☆

"لے...... تیرا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" دلشاد بانو نے سائرہ کو منہ لٹکائے دیکھا تو لتاڑنا شروع کردیا۔

"اماں میری ساری پلاننگ کو تباہ کرنے والی میری اپنی اولاد ہے۔" سرخ چہرہ، تیز لہجہ، پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ جواب دیا۔

"زندگی میں پہلی بار تو فائز نے عقل مندی کا کام کیا ہے۔" ہاتھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگاتے ہوئے، شوخی سے کہا۔

"رہنے دیں اماں فائز میاں کو عقل ہوتی تو حالات ایسے نہ ہوتے۔" وہ بھی چمک کر بولیں۔

"ہائے...... ایسا کیا کردیا اس نے؟" دلشاد نے پہلو بدل کر حمایت کی۔

"اس نے سفینہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا، کیا یہ چھوٹی بات ہے؟" سائرہ کا بی پی اوپر کی طرف جانے لگا۔

"ہاہاہا...... اس میں کون سی بڑی بات ہے۔" مذاق اڑانے والے انداز پر سائرہ نے جل کر ماں کو دیکھا۔

"اماں معاملے کی سنگینی کو کیوں نہیں سمجھ رہیں۔" زچ ہوکر سر پیٹ لیا۔

"میں تو شکرانے کے نفل پڑھنے والی ہوں۔" ان کی وہی شرارتیں۔

"اماں پلیز میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔" ماتھے تک لے جا کر دونوں ہاتھوں کو جوڑا۔

"اس لڑکی میں ایسا ہے کیا جو تو اس قدر فریفتہ ہوئی جارہی ہے؟" دلشاد بانو کا انداز بھی تیکھا ہوا۔

"اماں مجھے اس وقت کوئی بات نہیں کرنی۔" سائرہ نے چلبلا کر ہاتھ اٹھایا۔

"دیکھ بات کرلے...... ہوسکتا ہے تیرا ہی فائدہ ہوجائے۔" دلشاد بانو نے بیٹی کا چہرہ اپنی جانب گھما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہیں اپنا گھر میرے نام کرنے کا ارادہ تو نہیں کرلیا......؟" سائرہ کے طنز پر ماں کے جیسے پتنگے لگ گئے۔

☆☆☆......☆☆☆

"مگر وہ اتنی آسانی سے تو نہیں بہل سکے گی۔" فائز کے ذہن میں ایک اور سوچ ابھری۔

"تو پھر مجھے کچھ ایسا پلان کرنا پڑے گا، جس سے وہ خود بخود پیچھے ہٹ جائے...... ہم دونوں کے بیچ میں کوئی تیسرا آجائے اور میں اسے دھتکار دوں تو...... ہے تو یہ کچھ فلمی سا مگر ایک یہ ہی طریقہ ہے، جس کی وجہ سے وہ مجھے چھوڑنے کا سوچ سکتی ہے...... اس کے بعد ہی وہ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرپائے گی۔" ایک اذیت بھری مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"کیا میں ہجر کی کبھی نہ ختم ہونے والی سیاہ چادر کو اس کے اور اپنے درمیان تان سکوں گا؟" ایک چبھن سی ہوئی۔

"میرے مالک مجھے صبر و ہمت عطا کرنا۔" وہ بھیگی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

"سفینہ، ہماری محبت کی کہانی بھی ادھوری رہ گئی۔" دل سے صدا نکلی...... آنکھ سے ٹپکنے والے واحد آنسو کے قطرے کو اس نے مٹھی میں بند کرلیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"دفع دور ایک یہ ہی تو سہارا ہے میرا...... اس پر بھی تم دونوں بھائی، بہن کی نگاہ لگی ہے۔" وہ ایک دم چیخ گئیں۔

"ہونہہ۔" سائرہ نے طنزیہ انداز میں ماں کی خود غرضی کو دیکھا، مگر کچھ کہنے سے پرہیز کیا۔

"اچھا یہ بتا کہ میرے نواسے کو رشتوں کی کوئی کمی ہے جو تو یوں سوگ منا رہی ہے؟"

"کوئی کچھ کیوں نہیں رہا کہ مجھے...... سفینہ سے دلی برابر بھی محبت نہیں ہے۔"

غزل

حقیقت تُو نے پہچانی نہیں ہے
مرے آنسو ہیں یہ پانی نہیں ہے
محبت خود بخود ہوتی ہے پیدا
محبت کا کوئی بانی نہیں ہے
لپٹ جاتی تھی تیرے پیرہن سے
ہوا آج مستانی نہیں ہے
ستم اک دوسرے پر کر رہے ہیں
طریقہ یہ انسانی نہیں ہے
سمندر سو رہا ہے آج شاید
لہروں میں بھی طغیانی نہیں ہے

ریحان آفاق

"اچھا تو پھر تیرا مسئلہ کیا ہے..... کیوں یہ بوتھا سجائے بیٹھی ہے؟"

"اُفوہ..... بھئی میرا مسئلہ وہ بڑا سا گھر ہے۔"

"خان ہاؤس.....؟ ہاں یہ تو ہے۔"

"اس شادی سے وہ مکمل طور پر ہماری ملکیت میں آجاتا کہ نہیں؟"

"یہ بات تو ہے..... مگر صرف ایک گھر کی خاطر تو ساری عمر کا عذاب مول لینے کو تیار بیٹھی ہے۔"

"کیوں اس گھر کے لیے آپ اپنی اولاد سے لڑنے کو تیار ہیں پھر مجھ پر کیا پابندی۔"

"بیٹا..... میں تو تیرے بھلے کو سمجھا رہی تھی، وہ لڑکی تجھے تنگ کر کے رکھ دیتی۔"

"میرا نام سائرہ ہے..... مجھے بھلا کوئی کیسے ستا سکتا ہے۔"

"وہ نہ سہی ادھر تیری دیورانی ریحانہ جو ہے سدھن بن کر تیرے سر پر ناچتی رہتی۔"

"ہونہہ..... ریحانہ کی کیا حیثیت۔"

"چل دونوں سے تیری جان چھوٹ گئیں نا۔"

"ہاں فائز نے تو عجیب ہی فیصلہ کر ڈالا۔"

"سائرہ میں تو یہ سوچ سوچ کر ہولتی ہوں کہ اس نے کتنا بڑا دل کیا ہوگا؟"

"واقعی..... ورنہ سفینہ کو چھوڑنے کی بات پر ہی وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتا تھا۔"

"اچھا..... چل چھوڑ اور میری ایک بات مان لے۔"

"کون سی بات؟"

"چپ چاپ خان ہاؤس کو بیچنے دے۔"

"پھر میرے پلے کیا پڑے گا؟"

"چپ چاپ اپنا حصہ وصول کر اور چین کی نیند لے۔"

"مجھے تو پورے کا پورا خان ہاؤس چاہیے تھا۔"

"سن...... ایسا نہ ہو۔ پورے کے چکر میں تو آدھے سے بھی جائے۔" دلشاد بانو نے بیٹی کو پٹی پڑھائی۔
"یہی تو پریشانی ہے کہ گھر پر ان کا قبضہ ہے، خالی میدان دیکھ کر کوئی چال نہ چل بیٹھیں۔" سائرہ نے ماتھا پیٹا۔
"بس تو پھر اپنے دیور کو فون ملا اور گھر بیچنے کی اجازت دے دے۔" ان کی بات سائرہ کے دل کو لگی، فوراً ہی بہزاد خان کو فون ملانے میں مصروف ہو گئیں۔
"میں نے آخر اپنی بات پوری کر کے دکھائی یہ گھر بک ہی جائے گا۔" دلشاد بانو نے بیٹی کو فون پر مصروف دیکھا تو مسکرا کر اپنے آپ سے کہا اور طمانیت سے پان پر چونا لگانے لگیں۔

☆☆☆......☆☆☆

"خالہ جانی...... میں ابھی آتا ہوں۔" روشنی نے نیپکن سے منہ پونچھا اور ایکسکیوز کرتی ہوئی واش روم کی جانب چل دی۔
"اوکے بیٹا جلدی آجانا...... ہم نے تمہاری پسند کا سوپ آرڈر کر دیا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے بھانجی کو آواز دے کر بتایا۔
"بس ابھی گیا اور واپس آیا۔" اس نے شرارتی انداز میں مڑ کر دیکھا اور ہاتھ لہرایا۔
"بھئی عشو بیگم نے ساتھ چلنے کا کہہ کر میری جان ہی نکال دی تھی۔" اسریٰ نے کھانا کھاتے ہوئے آفاق کی جانب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔
"ہاں لاسٹ موومنٹ پر میرے دماغ نے کام کیا اور بہانے سے روک دیا۔" آفاق نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔
"ویسے یہ کام اچھا ہو گیا۔" ان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی۔
"ہاں ہمیں کوشش کر کے روشنی کو اماں کے تسلط سے نکالنا ہوگا۔" آفاق کی نگاہیں دور کچھ تلاش کرنے لگیں۔
"میں کوشش کروں گی کہ واپسی میں روشنی کے دل میں سفینہ کے خلاف چھایا غبار کم کر سکوں۔" اسریٰ نے بھانجے کو دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔
"ہاہاہا...... خالہ جانی آپ کیسی ساس ہیں جو بہو کی طرف داری میں ہی لگی ہوئی ہیں۔" آفاق نے شرارتی ہو کر کہا۔
"ابھی ساس بنی نہیں ہوں نا اس لیے۔" وہ بھی شوخ ہوئیں۔
"اچھا یعنی شادی کے بعد سارے ستم ڈھائیں گی۔" چکن کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے اس نے چھیڑا۔
"ہو بھی سکتا ہے۔" اسریٰ نے سافٹ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے سر ہلایا۔ دونوں کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"ایک بات مجھے کافی دنوں سے چبھ رہی ہے...... اگر مائنڈ نہ کرو تو پوچھوں آفاق؟" کچھ دیر بعد اسریٰ نے سر اٹھا کر کہا تو آفاق مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوا۔

☆☆☆......☆☆☆

"ہیلو میڈم...... اٹھ جاؤ۔" صائمہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر پر آنکھیں موندے لیٹی شرمیلا کو پکارا۔
"تم پھر چلی آئی۔" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔
"تمہارا دل بہلانے آئی ہوں۔" صائمہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما...... وہ یہ بات بالکل گول کر گئی کہ وہ بتول کی درخواست پر یہ سب کر رہی ہے۔
"کوئی اور کام نہیں؟" ہنستے ہوئے اس نے اسے لتاڑا۔

رقیہ اصغر مغل

آ ہم..... ہم لوگ آئے کیا پہچانا نہیں...... جی نام تو پڑھ لیا مگر پھر بھی سن لیں رقیہ اصغر مغل، مغل ہماری کاسٹ ہے۔ نک نیم بلی اور سویرا ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں، پہلے بھائی سبطین پھر مابدولت جو میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کر چکی ہے اس کے بعد ثقلین آٹھویں جماعت میں پھر حسنین ساتویں جماعت اینڈ لاسٹ نمبر زین العابدین جو چھٹی میں پڑھتا ہے۔ مابدولت نے ستمبر 2004 میں اس دنیا کو رونق بخشی، بہت اچھی لگتی ہے۔ قدرتی چیزوں کی خوب صورتی اٹریکٹ کرتی ہے موسم، ستاروں بھرا آسمان، چاند پھول اور پہاڑ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ کھانے میں بریانی اور پالک گوشت پسند ہے۔ جیولری میں صرف اور صرف سادہ چوڑیاں جان سے بھی زیادہ پیاری لگتی ہے۔ لباس میں سادہ قمیص شلوار اور بڑا سا دوپٹہ۔ خوبیاں جو بات دل میں ہوتی ہے وہی منہ پر ہوتی ہے، صاف دل اور حساس ہوں اگر غصہ آجائے تو رو کر اُتار لیتی ہو۔ خامی ہر کسی پر جلد ہی اعتبار کر لیتی ہوں بقول امی کے منہ پھٹ ہوں۔ پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میری ماں ہیں۔ پسندیدہ کتاب کلام پاک اور ہر وہ کتاب جس سے سیکھنے کو کچھ مل جائے۔ شدید ترین خواہشات حج بیت اللہ کی زیارت اور ائرفورس میں بھرتی ہونے کی پلیز آپ دعا کریں کہ میری بلکہ تمام مسلمانوں کی نیک خواہشات پوری ہوں آمین۔ میں سب دوستوں کو سلام جن کو میرا تعارف اچھا لگا یا بُرا اللہ حافظ۔

"ہاہاہا کام ہے نا۔" صائمہ نے آلتی پالتی مار کر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... جی میں بھی تو سنوں وہ کیا؟" شرمیلا نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی شرمیلا کو واپس پہلے جیسا مضبوط دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے چھیڑتے ہوئے سچائی بیان کی۔

"مجھے کیا ہوا میں تو بالکل ٹھیک ہوں؟" اس نے بھرم رکھنا چاہا۔

"اچھا ذرا جا کر آئینے میں اپنی شکل دیکھو، زرد رنگت، بکھرے بال، اداس آنکھیں اور خشک لب......" صائمہ نے اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے حقیقت کا آئینہ دکھایا۔

"وہ بس بخار کی وجہ سے ایسی ہوگئی ہوں۔" شرمیلا نے اپنے کپڑوں کی شکن ہاتھوں سے درست کرتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"ادھر...... میری طرف دیکھ کر سچ بولو میں تمہاری وہ ہی سہیلی ہوں، جس سے تم ہر بات شیئر کرتی تھی۔" صائمہ نے جان کر اسے کریدا۔

"یار...... مجھے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"کیوں ایک بات دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔" اس کے ہمدردانہ لہجے نے شرمیلا کے سارے بندھ توڑ دیئے۔

"ایسا لگتا ہے...... جیسے میں اندر سے ٹوٹ سی گئی ہوں۔" اس کا لہجہ درد کی شدت سے کپکپایا۔

"میں نے تو تم کو بہت سمجھایا تھا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"ہاں مگر اس وقت دل صرف ایک ہی کی بات مانتا تھا۔" اعتراف کرتے ہی بنی۔

"تم مجھے دشمن سمجھتی تھی، ہر بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی تھی۔" اس نے بھی ہلکا سا شکوہ کر ڈالا۔

"جو ہوگیا سو ہوگیا مگر اب میں کیا کروں صائمہ؟" شرمیلا کے لہجے کی بے چارگی اسے رلا گئی۔

"کیا تم سچ مچ میں نبیل کو چاہنے لگی تھی؟" چند لمحوں بعد اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"چاہت کا تو پتا نہیں مگر اس کی جھوٹی محبت اور کھوکھلے دعوی نے مجھے توڑ کر رکھ دیا۔" شرمیلا نے لب کھولے

اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہہ نکلے۔

"وہ ایسا ہی بے درد ہے، مجھ سے بہتر کون یہ بات سمجھ سکتا ہے۔" صائمہ اس درد سے گزر چکی تھی اُس کا لہجہ نم ہوا تو پہلی بار شرمیلا کو احساس ہوا کہ اُن کا درد تو مشترک ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

"جی...... خالہ جانی پوچھیں۔" اس نے سوپ سرو کرتے ویٹر کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے، اسریٰ کو جواب دیا۔

"یہ لڑکی کیوں نہیں آئی اب تک، سوپ ٹھنڈا ہو جائے گا تو ایک چمچہ بھی نہیں پیے گی۔" اسریٰ نے گردن اٹھا کر دیکھا، مگر روشنی کی واپسی نہیں ہوئی۔

"اچھا آپ کو کیا پوچھنا تھا؟" اس نے روشنی پر سے دھیان ہٹانے کے لیے دوبارہ پوچھا۔

"ارے ہاں یہ بتاؤ کہ تم نے عام لڑکوں کی طرح کبھی سفینہ سے ملنے یا بات کرنے کی خواہش نہیں کی؟" بھانجے کے تاثرات پر غور کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ یہ تو مانتی ہیں نا کہ زندگی میں ہوتا وہی ہے، جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں یہ تو سچ ہے۔" اسریٰ نے سوپ کا چمچہ بھر کر پیتے ہوئے اتفاق کیا۔

"اس لیے اگر میرے نصیب میں سفینہ کا ساتھ لکھ دیا گیا ہے تو پھر میں اللہ کی رضا میں راضی ہوں۔" وہ بڑی عقیدت سے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سر ہلاتے ہوئے مسکرائیں۔

"بس اسی وجہ سے میں نے سوچا کہ کیا بات کرنا اور کیسا ملنا ملانا۔" اس نے آنکھیں موند کر کہا۔

"اچھا تو ایک یہ ہی چیز تمہیں پُرسکون رکھتی ہے۔" اس کے طمانیت بھرے انداز پر اسریٰ نے سرشار ہو کر کہا۔

"ہاں تو اس کے بعد تو کچھ بھی نہیں جاتا۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ ہی تو بات ہے...... ہم لوگ اگر یہ بات سمجھ لیں تو پھر چالاکیاں، ہوشیاریاں کرنا چھوڑ دیں۔" اسریٰ نے دھیمے سے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کا اشارہ کن کی طرف ہے۔" اس نے شرارت سے کانٹا ہوا میں لہرا کر بات بدلی۔

"ہاہاہا...... تم بڑے سمجھدار ہو گئے ہو۔" اس کا اشارہ سمجھ کر وہ بڑے پُرمزاح انداز میں مسکرائیں۔

"الحمدللہ...... وہ تو میں ہمیشہ سے ہوں۔" آفاق نے کالر ٹھیک کیے۔

"خیر میں چاہ رہی ہوں کہ عشواماں سے کسی بھی طرح میری بچی کی جان چھوٹ جائے۔" اسریٰ نے ایک ایک لفظ جما کر کہا۔

"ہاں میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"اس معاملے میں سفینہ ہمارے لیے بہت مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔" اسریٰ کے لہجے میں بڑا اعتماد تھا، ایک بار پھر وہ ہی بات دہرائی۔

"اچھا جی دیکھ لیں گے۔ آپ کی سفینہ کو بھی۔" آفاق نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور بظاہر منہ بنا کر کہا۔

"زیادہ دن نہیں رہے۔ اب تمہیں اس کو تا عمر دیکھنا ہوگا۔" اسریٰ نے ہنستے ہوئے آفاق کے بال بگاڑے تو اس کے اندر تک سرشاری سی بھر گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

فرحت تبسم

آنچل اسٹاف' تمام رائٹرز اور ایڈیٹرز کو محبتوں بھرا اسلام۔ مابدولت کو فرحت تبسم کہتے ہیں۔ میں نے یکم نومبر 1995 کو ملک پاکستان کے زندہ دل شہر بہاولدین کورونق بخشی ایجوکیٹڈ گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ درس نظامیہ کے آٹھ سالہ کورسز اور ترجمہ وتفسیر مکمل کرچکی ہوں۔ اور اب بی ایس سی کررہی ہوں۔ ٹیچر بننا میرا خواب ہے۔ اپنی ہر بات اپنی بہنوں سے شیئر کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ میری ٹیچر کو سمجھتی ہیں۔ اسکول اور کالج جس میں بہت لائق اسٹوڈنٹ رہی ہوں۔ میرے فیورٹ ٹیچر مس نگہت اور نیلم شامل ہیں۔ آنچل سے میرا تعلق بہت پرانا اور گہرا ہے۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ آنچل آنے والے حالات سے مقابلہ کرنے کا شعور بیدار کرتا ہے۔

اب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف۔ میرا فیورٹ کلر ریڈ' بلیک اور آف وائٹ ہے۔ فیورٹ ڈش بریانی اور میٹھے میں گاجر کا حلوہ اور کھیر بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں اور پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے۔ فیورٹ رائٹرز عمیرہ احمد' نمرہ احمد' فرحت اشتیاق' ایکٹرز فرحان علی آغا' ریما خان' صباء قمر اور ارم اختر ہیں۔ پسندیدہ شاعر احمد فراز' محسن نقوی' وصی شاہ' ساغر اور پروین شاکر ہیں۔ پسندیدہ لباس لانگ شرٹ اور ٹراؤزر ہے۔ پسندیدہ مقرر مولانا طارق جمیل ہیں۔ بارش کا موسم پسند ہے۔ بارش میں بھیگنا اچھا لگتا ہے۔ خوبیاں یہ ہیں کہ بہت حساس دل' نرم مزاج' حسد نہ کرنے والی اور اپنی زندگی جینے والی۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والی۔ بہت مخلص ہوں۔ خامیاں یہ ہیں کہ تھوڑی نخرے والی' تھوڑی ضدی اور اپنی من مانی کرنے والی ہوں۔ فرینڈز بہت زیادہ ہیں۔ آخر میں ایک پیغام پڑھنے والوں کے نام۔ آنسو تب نہیں آتے جب آپ کسی کو کھودیتے ہیں۔ آنسو تو تب آتے ہیں جب آپ خود کو کھو کر بھی کسی کو پا نہیں سکتے۔ تمام آنچل اسٹاف کے لیے نیک تمنائیں اللہ آپ سب کو خوش وخرم رکھے اور سلامت رکھے۔ آمین۔

''مجھے اس شخص سے کوئی مطلب نہیں۔'' وہ اس مقام تک آ گئی کہ اس سے اپنا حال دل کہنا پڑ رہا تھا، جسے دشمن کا درجہ دے بیٹھی تھی۔

''پھر؟'' صائمہ نے پوچھا۔

''مجھے یہ بات ہولاتی ہے کہ میں کیسے اس انسان کے ہاتھوں بے وقوف بنتی رہی۔'' شرمیلا نے پہلی بار دل کا بوجھ ہلکا کرنا شروع کیا۔ صائمہ خاموشی سے اسے سنتی رہی۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر، اس نے سوچا کہ شاید اس طرح سے ہی شرمیلا کی بھڑاس نکل جائے گی اور اس کے بعد وہ نارمل لائف کی طرف لوٹنے کے قابل ہوگی۔

''میں خود بھی صحت مند ہونا چاہتی ہوں۔'' اس کو ایک دم پھندا لگا۔ صائمہ نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے تسلی دی۔

''پہلے کی طرح مضبوط بننا چاہتی ہوں۔'' خود پر قابو پا کر بولی۔

''تم مضبوط ہو...... میری دوست۔'' صائمہ نے اس پر اعتماد کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

''کیا کروں جب بھی اپنی بدنامی کا سوچتی ہوں' ماں کی بے بسی دیکھتی ہوں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھتی ہوں تو پھر سے ٹوٹ اور بکھرنے لگتی ہوں۔'' وہ رک رک کر بولی۔

''شرمیلا اس طرح سے تو تم بتول آنٹی کے لیے مزید پریشانیاں پیدا کررہی ہو۔'' صائمہ اس کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا۔

''میں امی کو تکلیف دینا نہیں چاہتی' لیکن پھر بھی میں اُن کی تکلیف کا سبب بن رہی ہوں۔'' اس نے ہاتھ چھڑاتے

ہوئے جواب دیا۔
"اچھا تو کیوں بن رہی ہو؟" صائمہ نے دوبارہ ہاتھ تھام کر نرمی سے سہلایا۔
"کیوں کہ...... میں بہت بدقسمت ہوں۔" وہ اپنے ہوش میں نہیں رہی تھی صائمہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے ایک گردان کرنے لگی۔ صائمہ نے سرہانے رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس کے لبوں سے لگایا۔
"میں ان گزری باتوں کو بھولنا چاہتی ہوں۔ لیکن کیسے بھولوں' یہ سمجھ میں نہیں آتا؟" پانی پی کر بے قراری کم ہوئی تو اس سے پوچھا۔
"دیکھو جو کچھ ہوگیا ہے اسے بھولنا اتنا آسان تو نہیں......" صائمہ کچھ بولتے بولتے تھم کر اسے دیکھنے لگی۔
"ڈرتی ہوں کہ سوچ سوچ کر کہیں دماغ کی کوئی رگ نہ پھٹ جائے۔" شرمیلا نے بالوں کو مٹھی میں جکڑا، اس کی ذہنی حالت بہت کشیدہ لگ رہی تھی۔
"تم...... ایسا کرو دوبارہ سے کوچنگ جوائن کرلو۔" صائمہ نے ایک لمبا سانس کھینچا اور نرمی سے بال اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر مشورہ دیا۔
"کوچنگ سینٹر؟" شرمیلا نے ہتھیلی سے آنسو پونچھنے کے بعد صائمہ کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔
"ہونہہ...... اس طرح سے مصروف ہوجاؤ گی تو تمام فضول چیزوں سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔" صائمہ کا مشورہ مخلصانہ تھا۔
"ہاں...... تم کہہ تو ٹھیک رہی ہو۔" سہیلی کی بات دل کو لگی۔
"ایک بات یاد رکھنا۔" صائمہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"وہ کیا؟" شرمیلا کے خشک پڑتے لب پھڑپھڑائے۔
"تمہارے لیے ہوسکتا ہے کہ نبیل کو بھلانا مشکل ہو مگر اب جبکہ وہ اپنی دنیا میں مگن ہے۔ تو تم کس بات کے لیے جوگ لیے بیٹھی ہو ہاں؟" اس نے دھیرے دھیرے سمجھانا شروع کیا، وہ غور سے سننے لگی۔
"خود کو پہچانو۔ اتنا ارزاں نہ کرو کہ تمہاری وقعت ہی نہ رہے...... تم اس سے اس طرح بدلہ لو کہ وہ تنہا ہو تو سوچے کہ شرمیلا کو تو اس کی رتی برابر بھی فکر نہیں......"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے خود کو طاقت ور بنانا ہوگا۔" شرمیلا نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اور نہیں تو کیا اس طرح ہلکان ہو کر تم اس دھوکے باز پر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ یہی کہ اس کے بناء نہیں رہ سکتی۔" اس نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ ماری۔
"نہیں میں اسے خوش ہونے کا موقع نہیں دوں گی۔" شرمیلا نے نفی میں گردن ہلائی۔
"بس...... میں تمہیں اس انا کی تسکین کا باعث نہیں بننے دوں گی پاگل لڑکی۔" صائمہ کے اٹھائے ہوئے پوائنٹس نے اس کے اندر کی ضدی اور سرکش شرمیلا کو جگادیا۔
"اس کے شہر لوٹنے سے پہلے میں تمہارے اندر گم ہوجانے والی شرمیلا کو بیدار ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔" صائمہ نے اس کے اوپر پڑی رضائی کھینچ کر ہٹائی۔
"دل کا درد چھپا کر اٹھو اور سوچو کہ اگر اسے تمہاری قدر نہیں تو تم بھی اس کی پروا نہیں کرتی......" صائمہ نے اسے سمجھاتے ہوئے بستر سے نیچے اترنے میں مدد دی۔
"تمہاری بیمار شکل اور کمزور پڑتا وجود دیکھ کر تو وہ خود کو فاتح اعظم سمجھے گا۔" صائمہ اس کی برین واشنگ کرتی ہوئی سنگھار

میز کے سامنے لے آئی۔

"پلیز اب جلدی سے تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ ذرا شاپنگ پر چلو۔" وہ ہکا بکا سی اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی صائمہ کی بات پر سر ہلانے لگی۔

"یار سنا ہے قریبی مال میں بڑی شاندار سیل لگی ہے وہاں چلتے ہیں۔" آخر میں اس نے شرارتی انداز اختیار کرتے ہوئے شرمیلا کو واش روم کی طرف دھکیلا تو وہ خود میں توانائی کی لہر محسوس کرنے لگی اور واش روم میں نہانے چل دی۔

☆☆☆......☆☆☆

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" ریحانہ جو ڈسٹنگ کر رہی تھی شوہر کی بات سن کر ان کے ہاتھ میں پکڑا ڈسٹر زمین پر گر گیا۔

"اب آپ بے فکر ہو جائیں سارے مسئلے حسب منشا حل ہونے والے ہیں۔" بہزاد خان کو غصہ کم آتا تھا لیکن جب آتا تھا تو ان کے انداز تخاطب سے پتا چل جاتا۔

"اچھا ایسا کیا ہونے والا ہے؟" ریحانہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"بھابی کی کال آئی تھی، وہ بھی خان ہاؤس بیچنے پر آمادہ ہیں۔" وہ ایک دم دھاڑے۔

"اچھا سچ میں۔" وہ خوشی کا اظہار کرنے والی تھیں، اچانک شوہر کے تیور دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں۔

"چلیں اب جا کر مزے کی نیند سو جائیں۔" بہزاد نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا، وہ سر جھکا کر کھڑی رہ گئیں۔

"بہزاد مہربانی کر کے چپ ہو جائیں۔" ریحانہ نے خفا ہو کر شوہر کو دیکھا اور اندر جانے کو قدم بڑھائے۔

"ایک اور خوش خبری بھی ہے وہ تو سنتی جائیں۔" ان کے پیچھے سے صدا لگانے پر ریحانہ کے قدم تھمے۔

"وہ کیا؟" سوالیہ انداز میں مڑیں۔

"فائز کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ بڑے دکھی انداز میں بولے، ریحانہ بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

"خاموش کیوں ہیں...... بولتی کیوں نہیں؟" بہزاد کی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی، جا کر ریحانہ کو جھنجوڑا۔

"کیا ہوا ابو آپ امی سے کیا پوچھ رہے ہیں۔" سفینہ چائے کا مگ تھامے اندر آئی تو باپ سے پوچھا، وہ دونوں بیٹی کو کھڑا دیکھ کر ایک دم ساکت رہ گئے۔

"میں سفینہ کے سامنے یہ بات کیسے بتاؤں کہ بھابی نے فائز کی شادی کہیں اور کرنے کی خبر بھی سنائی ہے۔" بہزاد نے ماتھے کی شکنوں پر انگلی پھیرتے ہوئے سوچا۔

"ابو...... کیا بات ہے؟" سفینہ کا دل گھبرایا۔

"تمہاری تائی نے فائز کی شادی کی خبر دی ہے۔" ریحانہ نے چلبلا کر کہا تو سفینہ کو یوں لگا جیسے کانوں کے پاس ایک زوردار دھماکا ہوا ہو۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❁

محبتاں سچیاں

زینب اصغر مغل

دور فضا میں کسی کونج کی درد میں ڈوبی آواز گونجی تو سوہنی نے جھرجھری سی لی اور آسمان کی لامحدود وسعتوں کو تاحد نگاہ دیکھا کونج کی درد بھری آواز اب بھی وقفے وقفے سے ابھری رہی تھی۔

''مہینوال...... یہ کونج درد سے کیوں کوک رہی ہے؟'' اس کے لب و لہجے میں خوف و ترحم کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''شاید اپنی ڈار سے بچھڑ گئی ہے اور اب اسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔'' ولی نے کونج کی کرلاتی آواز کو بغور سن کر کہا۔

''مجھے تو یہ کونج اپنا ہی دوسرا روپ لگ رہی ہے۔'' سوہنی کے لہجے میں کئی انجانے خوف پنہاں تھے۔

''پگلی۔'' وہ ہنس دیا۔

''تیرا اور کونج کا بھلا کیا جوڑ؟''

''میری جان پر بنی ہے اور تجھے ہنسی سوجھ رہی ہے۔'' وہ خفا ہوگئی۔

''مہینوال تو نے کبھی سوچا کہ ہم یہ بلی چوہے کا کھیل آخر کب تک کھیلیں گے؟ آخر تو کب اپنی ماں کو میرے گھر بھیجے گا۔'' سوہنی نے پہلو بدل کر کہا۔

''ان شاء اللہ بہت جلد بھیجوں گا۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا اور پھر اپنی شادی کے سپنے بننے لگا۔

''تو دلہن بن کے کیسی لگے گی؟ وہ دن کتنا خوب صورت ہوگا پھر ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے وغیرہ وغیرہ......''

سوہنی کی جھکی ہوئی پلکوں اور رخساروں کی سرخی نے ولی کے تن من کو سرشار کردیا اور محبت سے مخمور نگاہوں اور دلفریب تبسم لیے اس کے حیا آلود چہرے کو تکنے لگا دل کی دنیا مدھر جلترنگ سے گونجنے لگی وہ محبت کے ریشمی احساس میں پور پور ڈوب گئی اور وہ دیر تک خوابوں کے شیش محل سجاتا رہا۔

علی پور ہیڈ سے پندرہ بیس منٹ کے فاصلے پر آباد بستی جتوئی میں جنم لینے والے یہ دو نفوس بچپن سے ایک ساتھ کھیلتے ہوئے پلے بڑھے تھے۔ کھلی حسین فضاؤں سرسبز لہلہاتے کھیتوں' بلند و بالا درختوں اور بچپن کی معصوم شرارتوں کے بعد دونوں نے شباب کی رنگین مہکتی بہاروں میں قدم رکھا تو دونوں کے دل ایک ہی تال پر دھڑکنے لگے وہ توانا ہمت و باحوصلہ مجاہد کی طرح بچپن کی وادیوں سے ایک ساتھ ہنستے کھیلتے گزر کر آئے تھے اور انہوں نے عمر بھر کی بہاروں کو ایک ساتھ گزارنے کے عہد و پیماں کیے۔

سوہنی تو گویا کوئی پرستان کی پری تھی۔ حسن و دلکشی کا زندہ مجسمہ...... گلابی رنگت' غلافی آنکھیں' لانبی پلکیں' گداز ہونٹ لمبے سیاہ بال اور ولی شہزادوں کی سی آن بان والا وجیہہ نوجوان تھا' جوانی کا نکھار اس پر ٹوٹ کے مہربان تھا روشن کشادہ پیشانی' خوب صورت آنکھیں' سرخ و سفید رنگت اور صحت مند توانا جسم۔

سوہنی' مہینوال کی بانسری کے پرسوز نغموں پر جھوم اٹھتی تھی مہینوال جس کے سنگ اس نے خوابوں کے شیش محل سجائے تھے مہینوال ہی کے دم سے اس کی زندگی کے باغ میں بہاریں اترتی تھیں' مہینوال کی سنگت نے اس کی بے رنگ شاموں کو حسن و رعنائی بخش دی تھی محبت و وصال کے جلتے چراغوں سے خواب و خیال کی دنیا روشن تھی آرزوؤں اور امیدوں کی دنیا کو اپنے تکمیل کا ذریعہ مل گیا تھا بستی سے کچھ دور ایک پہاڑی پر درختوں کے جھنڈ کے پیچھے وہ مقام تھا جہاں وہ ہر رات ملتے تھے دن کے

اجالوں میں اگر کبھی ان کی مڈبھیڑ ہوجاتی تو نظریں چرا لیتے اور بالکل اجنبی بن جاتے مبادا کسی کو شک نہ ہوجائے لیکن رات کی تاریکی جونہی نور کائنات پر اپنی راجدھانی جماتی اور دن بھر کے تھکے ہارے سوہنی کے باپ اور بھائی کھیتوں اور مویشیوں کے باڑے میں جاکر سوجاتے تو سوہنی چپکے سے اٹھتی، چادر اوڑھ کر دبے پاؤں چلتی ہوئی کھجوروں کے جھنڈ سے ہوتی ہوئی پہاڑی پر پہنچ جاتی جہاں اس کا مہینوال پہلے سے اس کا منتظر ہوتا وہ دیر تک پیار بھری میٹھی باتیں کرکے مستقبل کے خواب بنتے اور رات ڈھلتے ہی پھر ملنے کا عہد لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔

ان دونوں کی محبت اور شب وصل کی خبر بستی بھر میں صرف شادو کو تھی جو سوہنی کی رازدار سہیلی اور چچازاد بھی تھی دونوں ایک ہی حویلی میں رہتی سوہنی جب اپنے محبوب سے ملنے کے لیے جاتی تو شادو چپکے سے سوہنی کی چارپائی پر سرتا پیر چادر تان کر سوجاتی تاکہ آنکھ کھلنے پر اس کی ماں کو اس کی چارپائی خالی نہ ملے یوں شادو کے پرخلوص تعاون سے دو دل وصل سے لطف اندوز ہوتے خفیہ نکاح کی بدولت بدنامی کے خوف سے آزاد ہوکر محبت کے سفر میں آگے اور آگے بڑھتے جاتے۔ یہ ملاقاتیں جن میں دو طرف آمادگی کا عالم تھا بڑا رنگ لاتی تھیں سوہنی اس کی ذات میں گم ہوگئی تھی اور وہ تو گویا ازل سے سوہنی کا دیوانہ تھا اس کی دیوانگی روز کی قربت نے اور بھی بڑھادی تھی۔ دریا سے پانی بھرنے کے لیے جب سوہنی اور اس کی ہم جولیاں ایک ساتھ گھروں سے نکلتیں تو سب مل کر سوہنی کو چھیڑا کرتیں۔

''دریا بھی ہے...... سوہنی بھی ہے...... کچا گھڑا بھی ہے لیکن مہینوال نہیں ہے۔'' کیونکہ سوہنی کا مہینوال در حقیقت محمد ولی تھا۔ دوسرا ان کی محبت کے راز سے کوئی واقف نہیں تھا سوائے شادو کے سب سکھیاں خلوص دل سے دعا گو ہوتیں۔

''اللہ سائیں ہماری سوہنی کے لیے بھی کوئی مہینوال بھیج دے۔'' تو سوہنی خفا ہوکر کہتی۔

''تم لوگ کیا چاہتے ہو میں دریا میں ڈوب کے مروں؟'' اور سب ہنستی اور شرارتاً کہہ دیتی۔

''ہاں۔'' ان کی شرارت کو سمجھ کر سوہنی بھی ہنس پڑتی پھر راز محبت کے افشا ہونے کے ڈر سے گنگنانے لگتی۔

''جاوے کچا گھڑیا تیرا کیویں کراں اعتبار
تو عشق سمندر کی کرناں تو دو چھلاں دی مار''

یونہی ہنستے کھیلتے گھروں کو لوٹ جاتیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

''مہینوال...... میں نے تجھے اللہ سے مانگا تھا۔'' وہ مسکرائی اور آنسو گل رنگ رخساروں پر بہہ گئے اور چہرہ محبت کی انوکھی چمک سے روشن ہوگیا۔

''اور میں تو تجھے کب کا مل چکا تو پھر بھی رو رہی ہے؟'' وہ حیران ہوا۔

''ظالم سماج اور ہجر کے خوف سے آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑتے ہیں۔''

"پگلی...... ہجر و وصال اور ملنا بچھڑنا تو محبت کی روایت ہے۔" ولی نے اس کی ریشمی لٹ انگلی پر لپیٹ کر کھینچی۔

"جہنم میں گئی روایت۔" وہ جل کر بولی۔

"مجھے تو تیرا وصال چاہیے بس۔"

"تو مجھ سے جدا ہوگیا تو اسی دریا میں ڈوب کے جان دے دوں گی۔" وہ بضد ہوئی۔

"اس نیک امر میں تو مجھے اپنے ہم قدم پائے گی ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے یاد رکھو...... محبت اور وفا کی راہیں بہت دشوار اور پرخار ہوتی ہیں لیکن منزل کو پانے کے لیے کبھی بھی ان کٹھنائیوں سے کبھی نہیں گھبراتا۔" وہ ایک جذب اور عزم کے عالم میں بولا اور ساتھ ہی عہد کے لیے ہاتھ بڑھایا سوہنی نے اپنا نرم و گداز ہاتھ مہینول کے گرم اور مضبوط ہاتھ میں دے دیا کبھی پیچھے نہ ہٹنے کے لیے۔

وہ رات بھی کیا حسین رات تھی۔ پرنور ستارے آسمان کی لامحدود وسعتوں میں جگمگا رہے تھے چودھویں رات کا ماہتاب سیاہ آسماں کے سمندر میں تیر رہا تھا دریا کی شور مچاتی موجوں پر چاند کی کرنیں خوب صورت جال بن رہی تھیں مہینوال ایک محویت کے عالم میں آسماں کے روشن چاند کو تکنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" سوہنی نے حیران ہو کر پوچھا۔

تجھے تشبیہ کا دوں آسرا کیا؟

تو خود اک چاند ہے پھر چاند سا کیا

مہینوال نے بڑی بے خودی کے عالم میں اسے تکتے ہوئے کہا۔ سوہنی کا چہرہ حیا کی سرخی سے دہک اٹھا۔

"مت دو تشبیہ میں چلتی ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ناراض ہوگئیں؟" وہ ناسمجھی سے بولا تو سوہنی کھلکھلا کے ہنس دی یوں لگا جیسا کہیں دور مندروں میں نقرئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔

"مہینوال کافی دیر ہوچکی ہے شادو بھی پریشان ہو رہی ہوگی اس سے پہلے کہ کوئی قیامت اٹھے مجھے گھر جانا چاہیے۔" وہ فکرمندی سے بولی اور آہستگی سے چلتی ہوئی دور اندھیرے اجالے میں گم ہوگئی۔ انہی دنوں بستی میں سوہنی کی سکھی فیضاں کی شادی کے ہنگامے جاگے۔ مہندی کی شام سب سکھیاں فیضاں کے گھر پر موجود تھیں۔

"فیضاں کا جھوٹا کھالو تمہاری شادیاں بھی جلد ہوجائیں گی۔" ایک لڑکی نے کہا تو سب لڑکیاں کھلکھلا کے ہنس پڑیں۔

"بھئی ہم سب کو اپنی نہیں سوہنی کی فکر ہے آخر کب آئے گا اس کا مہینوال۔" ایک لڑکی نے کہا تو باقی سب پھر ہنس دیں۔

دسمبر کی سرد برفانی رات کو مہینوال پہاڑی پر بیٹھا سوہنی کا انتظار کر رہا تھا اور وہ تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی اس کے چاروں طرف سناٹا ہو رہا تھا۔

"لوگ نجانے کیسے کہتے ہیں کہ انتظار میں لطف ہوتا ہے میں یہاں تیرے انتظار میں گھل گھل کر آدھا ہوگیا ہوں اگر آج تو نہیں آتی تو میں مر جاتا۔" سوہنی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اور تو نے یہ بھی سوچا کہ تیرے بعد میرا کیا ہوتا؟" وہ دکھ سے بولی۔

"گھر میں سب جاگ رہے تھے ان کے سوتے ہی چلی آئی ہوں۔"

"اچھا اب ہنس بھی دے۔" مہینوال نے اس کے خفا سے چہرے کو جان نثار نظروں سے دیکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"شور کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی سوہنی لوگوں کی بھیڑ بکریاں مہینوال والوں کے کھیتوں میں گھس گئیں اور ان کی فصل کو اجاڑ ڈالا مہینوال کے باپ بھائی سوہنی کے باپ بھائیوں سے لڑنے بھڑنے لگے وہ اس لڑائی میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن تعلقات کی کشیدگی کا واضح امکان تھا دونوں طرف سے خوب ہاتھا پائی ہوئی کشیدگی جب حد سے بڑھنے لگی تو پولیس بھی آ گئی اور ان سب کو گرفتار کرلیا اگرچہ وہ سب بعد میں ضمانت پر رہا ہوگئے

لیکن دونوں طرف تعلقات حد سے زیادہ کشیدہ ہوگئے اور تعلقات کی بحالی کی تمام راہیں تقریباً مسدود ہوگئیں۔

سوہنی کے لیے اس صورت حال میں سوائے رونے کے کوئی چارہ نہ تھا درد فراق سے اس کی آنکھیں دریا دریا روتیں اس کے بھائیوں کو شاید سوہنی اور محمد ولی کی محبت کی بھنک پڑ گئی تھی وہ اب رات کو گھر کے اندر سونے لگے تھے ان کی ملاقات کا کوئی امکان اب نہیں رہا تھا۔ سوہنی ماہی بے آب کی طرح تڑپتی۔ مجبور و بے بس شادو اس کے زخموں پر بے جان لفظوں کے پھاہے رکھتی لیکن بن موسم کی برسات اب شاید اس کی آنکھوں کا مقدر تھی مہینوال اب بھی پہاڑی پر سرد راتوں میں اس کا منتظر رہتا اس کی بانسری کی غم ہجر اور حزن و ملال میں ڈوبی سریں سوہنی کے دل پر تازیانوں کی طرح لگتی اسے کوئی راہ نہ سوجھتی جس پر چل کر وہ دربار دل کے دیوتا کے چرنوں تک پہنچ سکے اس سے کہہ سکے۔

”مہینوال اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ دریا کی سر شوریدہ موجیں ہی ہماری آخری پناہ گاہ ہیں۔“ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے وصال کی کوئی صورت بر نہ آئی سوہنی پر پہرے بیٹھا دیئے گئے تھے چوبیس گھنٹے اس پر کڑی نظر رکھی جاتی۔ قسمت بھی تو اس کے ساتھ بھیانک کھیل کھیل رہی تھی اب جب ملن رتیں قریب تھیں تو ان کی محبت کو ہجر کی سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

ضبط غم سے اس کی آنکھیں سرخ رہتی مہینوال کی حالت بھی سوہنی سے کسی طور مختلف نہ تھی سوہنی کیا بچھڑی تھی دنیا اجڑ گئی تھی زندہ رہنے کی آس دن بدن مٹتی جاتی تھی دنیا اس کے لیے تپتا صحرا بن گئی تھی جہاں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔ جب سوہنی کو خبر ملی کہ مہینول کی شادی ہونے والی ہے تو دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگئی یہ مہینوال اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا اس کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھانے والا اسے بیچ منجدھار میں چھوڑنے والا تھا وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ سوہنی نے شادو سے کہہ کر کسی بچے کے ہاتھ پیغام بھیجا۔

"اگر ہماری راہیں جدا ہوگئی ہیں تو صاف بتادو۔ میں تمہاری بے وفائی کی متحمل نہیں ہوسکتی میں اپنے ہاتھوں سے خود کو ختم کرڈالوں گی۔" مہینول نے جواباً کہا۔

"سوہنے زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں یہ شادی تو میں گھر والوں کی تسلی کے لیے کررہا تھا ورنہ میں دل و جان سے صرف تمہارا ہوں یہ شادی میرے قدموں میں ہرگز بیڑیاں نہیں ڈال سکتی اور ساتھ ہی اسے آئندہ کے پروگرام سے آگاہ کیا۔" اس کی بارات پر بجتے ڈھول کی تھاپ سوہنی کے اعصاب پر ہتھوڑوں کی طرح برس رہی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

چاند اب اپنا سفر طے کرکے مغرب کی آغوش میں سمٹنے کی کوشش کررہا تھا گھر والوں کو گہری نیند سوتا پاکر وہ اٹھی گھپ اندھیرا اور ہر طرف گونجتا سناٹا دل سے دل کو راہ ہوتی ہے وہ جو دلہن بیاہ کرلانے کے بعد اب دوستوں میں گھرا ہوا تھا ان سے معذرت کرکے اور انہیں سونے کی تلقین کرکے اٹھا۔

"مہینوال...... چلو کہیں دور چلے چلیں یہ موقع پھر نہ ہاتھ آئے گا۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"یوں اچانک۔" وہ ایک پل کو سوچ میں پڑ گیا۔

"روپوں کی فکر نہ کر میں زیور اور چند ہزار ساتھ لائی ہوں۔"

"نہیں تمہارا زیور اور روپے تمہیں مبارک ہو۔ میرے پاس بھی کافی پیسے جمع ہوگئے ہیں تو ٹھہر میں لے کر آیا۔ اب ہم اتنی دور چلے جائیں گے کہ کوئی ہم تک نہیں پہنچ پائے گا۔" وہ دیوار کی اوٹ میں چھپ کر آنے والے وقت کے بارے میں سوچنے لگی اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اس کا رواں رواں کان بن گیا مہینوال قریب آرہا ہے یہ سوچ کر اس کی آنکھیں طمانیت کے احساس سے پرسکون ہوگئیں لیکن اگلے ہی لمحے وہ جہاں کی تہاں رہ گئی اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا اور جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہوگیا اور خون کی گردش رکنے لگی اس کا باپ اور بھائی بندوق لیے اس کے سر پر کھڑے تھے۔

"سوہنی کی بچی نیچ ذات۔" اس کا بھائی نور محمد عرف نورا چلایا۔

"آہستہ بول نورے بستی والے جاگ گئے تو بڑی بدنامی ہوجائے گی ساری عزت خاک میں رل جائے گی۔" سوہنی کے باپ عبداللہ نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"ابھی کوئی کسر رہ گئی ہے عزت رلنے میں؟" وہ غرایا قدموں کی چاپ پھر ابھری...... آنے والا محمد ولی مہینوال تھا۔ یہ سب تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا لیکن اگلے ہی ثانیے آگے بڑھا اور نڈر ہوکر ان کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"شریف ماں باپ کی اولاد ایسے معیوب کام نہیں کرتی۔" سوہنی کے باپ نے اندھیرے میں ان دونوں کے چہروں کو کھوج کر کہا ان کے لہجے میں رسانیت کے ساتھ تاسف بھی تھا۔

"سوہنی میری منکوحہ ہے میں جب چاہوں اسے رخصت کراسکتا ہوں۔" آخر کار محمد ولی نے ڈٹ کر کہہ ہی دیا آج نہیں تو کل آخر ایک نہ ایک دن تو اسے راز اس پردہ اٹھنا ہی تھا تو پھر ابھی کیوں نہیں؟

نور محمد کی آنکھوں میں خون اتر آیا یہ محمد ولی تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ دلیر نکلا تھا نور محمد کے باپ نے بمشکل اسے ٹھنڈا کیا۔

"اگر یہ سچ ہے تو پھر ابھی طلاق دے سوہنی کو۔" نور محمد آگے بڑھا۔

"ورنہ ابھی کے ابھی تجھے گولیوں سے بھون ڈالوں گا۔"

"نہیں لالہ۔" سوہنی تیزی سے آگے بڑھی۔

"اس سے پہلے تو مجھے قتل کردے میری لاش پر سے گزر کر مہینوال تک پہنچنا ہوگا۔" وہ مہینوال کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہوگئی نور محمد اسے بازو سے کھینچتا ہوا واپس گھر لے گیا۔ مہینول بے بس کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا سوہنی کے وچھوڑے نے اسے جیتے جی مار ڈالا تھا۔

"ہاں محمد ولی اگر تم چپکے سے یہ احسان کردو ہماری غیرت کا راز راز بن کر تمہارے سینے میں سو یا رہے گا ورنہ برسوں کی عزت خاک میں رل جائے گی گھر اجڑ جائیں گے اور خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔" سوہنی کے باپ عبداللہ نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی...... محمد ولی نے دور جاتی سوہنی کو دیکھا جو پلٹ کر اسے ہی دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں کے پیمانے چھلکے ہوئے تھے آنسوؤں کے گرم قطرے جن میں ہزاروں ارمانوں کے موتی گھل گئے تھے گالوں سے پھسل پھسل کر زمین بوس ہو رہے تھے۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀
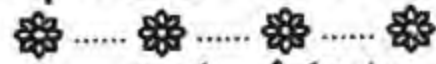
مہینوال نے بستی کی گلیوں کی خاک چھاننا شروع کردی...... بے مقصد گھومتا رہتا اس کی آرزوؤں اور امیدوں کی دنیا میں آگ لگی ہوئی تھی گھر میں اس کی نئی نویلی دلہن اس کی راہ تکتی رہتی اور وہ بھولے سے بھی گھر میں قدم نہ رکھتا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا مگر آواز حلق میں دم توڑ دیتی وہ ایک زندہ اور جیتا جاگتا انسان تھا لیکن اس سے جیسے اس کے جینے کا مقصد چھین لیا گیا تھا وہ بے جان قدم گھسیٹتا اسی پہاڑی پر جا پہنچا جہاں وہ اور سوہنی ملا کرتے تھے ماضی کی یادیں اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلتیں۔ اس نے تھک ہار کر آنکھیں موندیں اور ٹھنڈی ریت پر لیٹ گیا۔ رات بھیگنے لگی لیکن نیند کا تو جیسے آنکھوں سے دور کا بھی رشتہ نہ تھا۔ گزرے وقت کے کتنے حسین لمحے خوب صورت یادیں اب محض خواب وخیال بن کر رہ گئیں۔ آنکھوں میں یادوں کے دیپ جلائے وہ دھندلے آسمان کو تک رہا تھا جب اسے کسی مانوس سی آہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر نظر آنے والے ہیولے کو دیکھا۔ چادر میں لپٹی سوہنی اس کی گود میں آن گری۔

"سوہنے تو یہاں کیسے؟" وہ حیرت و بے یقینی سے اسے دیکھ کر بولا۔ دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"مہینوال دنیا عورت پر پہرے بیٹھا سکتی ہے

نظم

اب کے برس بھی اے ساون!
تو پھر برس پڑا ہے
خون کے آنسو رو پڑا ہے
تیرا کون بچھڑا ہے؟
بے جان شجر کی طرح
تو کیوں ڈھے گیا ہے؟
کیوں گرج رہا ہے؟
کیوں بھڑک رہا ہے؟
شاید تیرا ہمسفر بھی
تپتی دھوپ میں تنہا چھوڑ کے
آگ میں جلتا بھنتا چھوڑ کے
کہیں کھو گیا ہے؟
تو اس لیے رو پڑا ہے
تیرے رب کا سایہ ہو تجھ پہ
تیری خوشیوں کو کنارہ ملے
میری طرح تو نہ تڑپے
تیرا ساحل تجھ کو
تیرا پیار تجھ کو ملے
مولا! کسی کا پیار نہ بچھڑے
مولا! کسی کا پیار نہ بچھڑے

رخسانہ اسماعیل...... تونسہ شریف

عورت کی وفا اور محبت پر نہیں۔" وہ سسکتے ہوئے بولی۔
تو وہ کتنی دیر تک کچھ نہ بول پایا...... سوہنی کے ایک چھوٹے سے جملے نے عورت کی وفا و محبت کی طویل داستان سنا دی تھی۔

"مہینوال اب وقت ضائع نہ کر گھر والے مجھے ڈھونڈتے ہوئے کسی بھی وقت یہاں آجائیں گے ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہیے۔" سوہنی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"مگر ہم جائیں گے کہاں؟" وہ پریشانی سے بولا۔

''دنیا بہت بڑی ہے مہینوال کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ٹھکانہ مل ہی جائے گا۔ ہاں ہمارے پاس نکاح نامہ ہونا ضروری ہے۔'' سوہنی نے کہا۔

''ہماری پاکیزہ محبت کا اٹل اور ناقابل تردید ثبوت تو ہمہ وقت میری جیب میں رہتا ہے۔'' مہینوال نے فخر سے کہتے ہوئے اپنی جیب تھپکی۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ ہم جائیں گے کہاں؟'' اسے ایک بار پھر فکر ہوئی۔

''تجھے یاد ہے میری سکھی فیضاں کی شادی صادق آباد میں ہوئی تھی میں ایک بار لالہ کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی فی الحال ہم اس کے پاس ہی جائیں گے آگے اللہ وارث ہے۔'' سوہنی نے تیزی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

گہری تاریکی میں ڈوبی بستی کو الوداعی نظروں سے دیکھ کر وہ اپنی منزل کی طرف گامزن ہوگئے لیکن خطرناک صورت حال کے پیش نظر ان کے لیے لازم تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے جلد از جلد زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں اس لیے تاریکی میں لپٹے کھیتوں کی پگڈنڈیوں خاردار جھاڑیوں اونچے نیچے راستوں پر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے محوسفر تھے صبح صادق سے پہلے وہ بس اسٹاپ تک پہنچ چکے تھے اگرچہ تھکن سے نڈھال تھے لیکن منزل کی لگن نے ہمت کا ساتھ دیا پیدل طویل سفر طے کرنے کی وجہ سے سوہنی کے پاؤں میں چھالے پڑگئے تھے لیکن مہینوال کی ہم راہی میں اسے ہر دکھ سوغات کی طرح قبول تھا مہینوال نے وہاں سے دو کپ چائے اور بسکٹ خریدے دونوں نے ناشتہ کیا اور صادق آباد جانے والی بس میں سوار ہوگئے۔

سوہنی اور مہینوال کی روانگی کے چند گھنٹوں بعد سوہنی کے بھائیوں نے محمد ولی کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ محمد ولی کا باپ اس قدر غیر متوقع صورت حال پر دنگ رہ گیا اس نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ محمد ولی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا وہ تو خود پریشان ہے کہ ولی شادی والے روز کے بعد تین دن سے لاپتہ ہے اگلے دن یہ مسئلہ بستی کے چوہدری تک پہنچا وہاں محمد ولی کے باپ کو چوہدری کے حضور طلب کیا گیا جہاں اس کے سمدھی اور سوہنی کے گھر والے پہلے سے موجود تھے۔ محمد ولی کے بوڑھے ضعیف باپ نے قسمیں کھا کر اور گڑگڑا کر اپنی لاعلمی کا یقین دلایا کہ وہ خود پریشان ہے بیٹے کے غائب ہوجانے پر۔

''تو خود بیٹیوں والا ہے اگر تو محمد ولی کے بارے میں کچھ جانتا ہے تو شرافت سے بتا دے ورنہ روایت اور قانون سے تو خود بھی واقف ہے۔'' چوہدری نے آخری دھمکی کے طور پر یہ کہا۔

''مجھے کچھ مہلت دیجیے حضور میں محمد ولی کو ڈھونڈ نکالوں گا اگر ایسا نہ ہوسکا تو جو سزا میرے لائق ٹھہرے۔'' محمد ولی کے باپ نے گڑگڑا کر سماجت کی۔ اسے مہلت کا وقت دیا گیا اور سب لوگ گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

سوہنی اور مہینوال ہر فکر و غم سے بے نیاز ایک نئی زندگی کی ابتداء کرچکے تھے ان کی زندگی میں اب خوشی سکون اطمینان اور محبت تو تھی لیکن رنج و غم نفرت و انتقام اور فکر و فاقہ سب کچھ وہ اپنی بستی میں چھوڑ گئے تھے انہیں فیضاں اور اس کے وکیل شوہر کا بھرپور تعاون حاصل رہا فیضاں کے گھر میں ہی ایک کمرہ کرائے پر لے کر رہنے لگے محبت کی لگن اور جواں ہمت و حوصلہ رکھنے والوں پر شاید قدرت اسی طرح مہربان ہوتی ہے ان کے اخلاق و تعاون کی بنیاد اب سوہنی اور مہینوال کی زندگی میں پھر سے بہاریں لوٹ آئی تھیں۔

فرحت و راحت کے پھول کھل اٹھے تھے وصل کے چراغ اور محبت کے دیپ روشن ہوگئے تھے۔ فیضاں کے شوہر نے محمد ولی کو بھی نوکری دلا دی تھی وقت کے بڑھتے سیل رواں میں ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا۔ اس روز موسم ابر آلود تھا رم جھم نے ماحول کو رومانوی رنگ دے دیا تھا وہ دونوں محبت کی کیف آگئیں سحر انگیزی میں گم تھے ابھی کچھ دیر ہوئی تھی مہینوال کام سے واپس لوٹا تھا۔

''سوہنی تجھے دیکھ کر ہوش و حواس کھونے لگتا ہوں، دل

کرتا ہے۔ تجھے دل کے نہاں خانوں میں چھپالوں۔ اس خود غرض دنیا کی نظروں سے اوجھل کردوں۔" وہ پٹری سے اترنے لگا سوہنی اسے دھکیل کر خود بھی دور ہٹ گئی۔

"مہینوال تو ہٹ گیا مجھے لگتا ہے تو مکمل میرا نہیں ہے تجھ پر کسی اور کا حق بھی ہے تو تقسیم ہوگیا ہے تو اب مکمل میرا نہیں رہا۔" وہ رخ موڑے کہہ رہی تھی وہ چونک گیا سوہنی کا انداز بہت غیر معمولی تھا ویسے سوہنی کی یہی حساسیت اور وارفتگی ہی تو اسے سوہنی کا دیوانہ بنائے رکھتی تھی۔

"آخر تو کب دے گا طلاق اپنی بیوی کو؟" سوہنی نے پوچھا۔

"تو سمجھ میں اسے طلاق دے چکا بس کاغذ تیار کرکے جلد بھجوادوں گا بس خوش...... میں تیرا ہوں سوہنے صرف تیرا۔" وہ اسے کندھوں سے تھامے یقین دلا رہا تھا دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اس نے دروازہ کھولا اور جہاں کا تہاں رہ گیا اس کی ندامت سے لبریز آنکھیں سامنے کھڑے بوڑھے باپ کی نظروں سے ٹکرا کر جھکتی چلی گئیں اس کے پیچھے کھڑے اس کے سسرالی اور سوہنی کے باپ اور بھائی محمد ولی کے باپ نے رحم طلب نظروں سے اسے دیکھا ایک بہت بڑی قیامت اس کی دہلیز پر کھڑی تھی تاریک اور بھیانک مستقبل اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا۔ محمد ولی نے اپنے سسرالیوں اور سوہنی کے باپ اور بھائیوں کو اپنے گھر میں گھسنے کی اجازت نہ دی وکیل صاحب انہیں سمجھا بجھا کر قریبی ہوٹل پر لے گئے۔

"میرا بچہ۔" باپ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور نحیف بازوؤں میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو سینے سے لگالیا اور پھر بڑھاپا جوانی کو سمجھانے لگا۔

"محمد ولی اپنے باپ کے سفید بالوں اور سفید ڈاڑھی میں خاک نہ ڈالو۔ ہمیں اس بڑھاپے میں خوار نہ کر یہ ذلت اور رسوائی کا داغ آگے چل کر کتنا گہرا اور خوفناک ہوجائے گا اس کی اذیت کتنی شدید ہوگی اس کا تم اندازہ

اقراء امیر

تمام قارئین اور اسٹاف السلام علیکم! میرا نام اقراء امیر ہے۔ تاریخ پیدائش 3 oct 1998 ہے۔ میرا اسٹار میزان ہے۔ ہم چار بہنیں ہیں۔ سب سے بڑی راشدہ پھر صالبہ' پھر میں اور مجھ سے چھوٹی ملائکہ ہے۔ رہی بات خوبیوں اور خامیوں کی تو ایک مشہور سا شعر

میں خود کو نہیں دیکھتی اوروں کی نظر سے
جہاں بھی ہوں جیسی بھی ہوں اپنے لیے ہوں

خوبیاں: کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی مدد کرتی ہوں۔ بہت پوزیٹو انداز میں سوچتی ہوں۔ خامیاں بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں۔ اعتبار کرکے بہت سے نقصان اٹھائے ہیں۔ حساس حد سے زیادہ ہوں۔ فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کرتی ہوں۔ سوچتی بہت ہوں مگر کر کچھ نہیں پاتی۔ دل بہت چھوٹا ہے۔ فوراً رونا آجاتا ہے۔ ہر وہ ڈش جس میں چاول استعمال ہو پسند ہیں۔ پسندیدہ رنگ گلابی اور اسکائی بلیو ہے۔ میٹھے میں کسٹرڈ پسند ہے۔ جیولری میں بریسلٹ بہت پسند ہے۔ کرکٹ بہت پسند ہے۔ موسٹ فیورٹ رائٹر نمرہ احمد ہیں۔ اس کے علاوہ عمیرہ احمد' نازیہ کنول' فائزہ افتخار' نایاب جیلانی بھی اچھی رائٹر ہیں۔ پسندیدہ ایکٹر سارہ چوہدری اور عمران عباس ہیں۔ شاعری کی دل دادہ ہوں۔ خود بھی کرتی ہوں۔ پسندیدہ شاعر محسن نقوی اور احمد فراز ہیں۔ پسندیدہ ناول خواب ریزہ ریزہ' لباس میں فراک پسند ہیں۔ دوستیں بہت ہیں۔ مخلص لوگ پسند ہیں۔ منافقت کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ پھول سرخ اور پیلا گلاب بہت پسند ہیں۔ اجازت چاہوں گی اس پیغام کے ساتھ کہ جیو اور جینے دو۔ خدا حافظ

بھی نہیں کر سکتے تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں عزت و آبرو کی بربادی کا جو لرزہ خیز منظر میں اپنی تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں وہ حقیقت میں نہ میں برداشت کر سکتا ہوں نہ تم کر سکو گے کچھ اپنی ماں بہن کا خیال کر...... تیری اس حرکت کا ان پر کیا اثر پڑے گا اگر تو نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی عزت و آبرو خاک میں رل جائیں گی...... کیا تیری غیرت گوارا کرتی ہے کہ تیری ماں اور بہن کی آبرو پر آنچ آئے' کیا تم یہ برداشت کر سکتے ہو کہ تمہاری ماں اور بہن کو تھانہ پر طلب کیا جائے اور ان کی بے آبروئی ہو اور ان کی شرم و حیا وبھری آنکھیں خون کے آنسو روئیں بولو محمد ولی جواب دو کیا تم یہ سب سہہ پاؤ گے کیا تمہاری غیرت گوارا کرتی ہے کہ میری زندگی بھر کی جمع پونجی خاک میں مل جائے کیا تم چاہو گے کہ تم مکافات عمل سے گزرو کیا یہ بہتر نہیں کہ تم توبہ کر لو۔"

باپ کے لفظوں نے شعلوں کی طرح اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اس کی آنکھوں کے سامنے ماں کا بوڑھا چہرہ اور بہن کا معصوم چہرہ گھومنے لگا ہر طرف ماں اور بہن کی صورت نظر آنے لگی اور سوہنی کا چہرہ پس منظر میں چلا گیا کانوں میں باپ کے لفظوں کی بازگشت جاری تھی اور سوہنی کے ساتھ کیے عہد و پیماں کہیں کھو گئے تھے مہینوال کو لگ رہا تھا کہ ظالم وقت کا ہر لمحہ اسے سوہنی سے دور کرتا جا رہا تھا۔ وہ سب علی پور جانے والی بس میں سوار ہو گئے سوہنی اپنے باپ اور بھائیوں کی کڑی نگرانی میں گھری پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی اس کی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگی ہوئی تھی مہینوال کو وہ صدیوں کی مسافت پر کھڑی نظر آ رہی تھی سوہنی تک پہنچنے کے لیے اسے صدیوں کی مسافت طے کرتے اس دائمی ہجرت کو مٹانا پڑتا۔

ہم ہجر مٹانا چاہتے ہیں ہم تم تک آنا چاہتے ہیں
پر تم تک کیسے آئیں کہ رستے میں زمانے پڑتے ہیں

بس اپنے سفر پر رواں تھی رات کا سفر بھی جاری تھا۔ راستے میں بس کا انجن جواب دے گیا تھا۔ سب تھکن سے نڈھال تھے لہٰذا پیدل چلنا محال تھا انہوں نے قریبی بستی میں پڑاؤ ڈال لیا جوان کی بستی سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھی رات گہری خاموشی میں ڈوبی لمحہ بہ لمحہ سحر کی طرف گامزن تھی چاند تاروں کا ازلی سفر اپنے اپنے دائروں میں جاری تھا لاتعداد تاروں کے قافلے میں گھرا تنہا چاند سوہنی کو اپنی طرح مجبور و بے بس لگ رہا تھا آسمان کی لامحدود وسعتوں پر نظر جمائے سسکیاں اس کے اندر دم توڑ رہی تھیں اور آسمان پر ستارے ٹوٹ رہے تھے کس کٹھنائیوں اور دشواریوں کے بعد زندگی کے باغ میں بہار آئی تھی ایک ہی پل میں اس کی مہکتی زندگی کو خزاں زدہ کر دیا گیا تھا۔ کتنے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد اس کی زندگی محبت واطمینان اور فرحت اور راحت کی روشنی سے جگمگائی تھی کتنا لہو جلایا تھا کتنے آنسوؤں کا خراج دیا تھا مہینوال کی محبت ورفاقت کے لیے سب کچھ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گیا تھا سب کچھ خواب ہو کر رہ گیا تھا جس کا حقیقت سے دور دور تک کوئی رشتہ ناتہ نہ رہا تھا اہل نظر ہی جانتے ہیں زندگی کتنی آہوں آنسوؤں اور دکھوں سے لبریز ہے۔ محبت کیا ہے صرف اہل دل ہی جانتے ہیں۔ ظالم سماج رسم ورواج اور وقت کے انتقام نے سب کچھ نگل لیا تھا محبت آج پھر اسی مقام پر پہنچ چکی تھی جہاں ملنا بچھڑنا اس کی پرانی روایت بلکہ سرشت میں شامل تھا اس نے برستی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا اس کے اردگرد سب بے خبر سو رہے تھے آخری چارپائی پر مہینوال سو رہا تھا غم کی بھاری چٹان ایسی رات میں بھلا نیند کا کیا سوال وہ جانتی تھی مہینوال سو نہیں رہا صرف سوتا بن رہا ہے ملن رت کا آخری اور دائمی لمحہ اور فیصلہ۔

وہ کچھ سوچ کر اٹھی اور دبے پاؤں چل کر مہینوال کے پاس آئی۔

حسن کی تکمیل عشق عشق کی تکمیل حسن
اک کمی تیرے بغیر اک کمی میرے بغیر

حسن و عشق کی تکمیل کے لیے ان دونوں کا اتفاق

لازم تھا یہی لگن کارگر ثابت ہوئی سو جلد ہی اتفاق رائے ہوگیا وہ دونوں ہیڈ کی طرف تیزی سے دوڑے تھے انہیں دیکھ کر کتوں نے بھونکنا شروع کردیا جس سے سب کی آنکھ کھلی اور ان کی آنکھیں یہ دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئی ان دونوں کی چارپائیاں خالی تھیں سب کتوں کی آواز کے تعاقب میں ان کے پیچھے دوڑے موسم اچانک غضب ناک ہوگیا۔

تیز ہوا کے جھکڑ چلنے لگے اور بادل بھی جی بھر کے برسے اور ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ اس طوفانی رات میں راستے کے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتے کانٹوں کی چبھن سے بے نیاز وہ دونوں ننگے پاؤں بھاگتے رہے لہولہان پاؤں اپنے پیچھے اس آخری سفر کا نشان چھوڑ رہے تھے جسے بارش کا پانی اپنے اندر جذب کرتا جارہا تھا۔ ہیڈ پر چوبیس گھنٹے پولیس کا پہرہ رہتا تھا انہوں نے راستے میں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ انہیں شکست دیتا سوہنی کو لیے آگے بڑھتا رہا۔ وہ پل کی طرف دوڑے دریائے چناب پر پل کی صورت بنی طویل سڑک تھی لیکن ان کا سفر تمام ہوا۔ انہوں نے رک کر اپنی بے ترتیب سانسوں کو بحال کیا وہ لوگ انہیں اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے نظر آئے تھے۔ دن کے اجالوں میں نظر آنے والا یہ دریا جو قدرت کا حسین شاہکار ہے اس کی بناوٹ اور تعمیر میں بہت سا حصہ حضرت انسان کی ان تھک کوششوں اور محنت کا بھی ہے اس وقت عجیب ہولناک منظر پیش کررہا تھا دریا کا پانی بپھرے ہوئے انداز میں پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا جھاگ اڑا رہا تھا چاند کی روشنی دریا کی موجوں میں جوار بھاٹا پیدا کررہی تھی۔

سوہنی مہینوال نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں حسرت ویاس بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا مہینول نے بے تابانہ سوہنی کو سینے سے بھینچ لیا اور اپنے بازو کے مضبوط حصار میں لے کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سرکش وشوریدہ دریا کے سرکش مہیب شور میں مہینوال کی آخری بازگشت گونجی۔

''اب تم ہمیں کبھی نہ پاسکو گے۔''

پھر سوہنی اور مہینوال نے کئی سوفٹ کی بلندی سے دریا کے بپھرے پانی میں چھلانگ لگادی تند وتیز پانی انہیں ٹھوکروں سے اچھال کر بہاؤ کے راستے پر ڈالنے لگا اب وہ شور مچاتی ہوئی جھاگ اڑاتی لہروں پر بہتے چلے گئے۔

پل پر کھڑے ان کے لواحقین نے یہ آخری المناک منظر دیکھا۔ پل پر اب صرف سوہنی کا صرف دوپٹہ اور مہینوال کی شال پڑی تھی سوہنی اور مہینول کی محبت اور چاہت اٹوٹ تھی۔ وہ محبت میں فنا ہوکر ہمیشہ کے لیے امر ہوگئے تھے۔

روتی ہوئی آنکھوں کی روانی میں مرے ہیں
سب خواب میرے عین جوانی میں مرے ہیں
قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو
ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں۔

☺

ترک خیال

کچھ پنچھی جھنڈ میں اڑتے ہوں
اور رستہ بھی کچھ مشکل ہو
کچھ دور افق پر منزل ہو
ایک پنچھی گھائل ہوجائے
اور بے دم ہوکر گر جائے
تو
رشتے ناتے پیارے سب
کب اس کی خاطر رکتے ہیں
اس دنیا کی بھی ہے ریت یہی
جو ساتھ رہو تو ساتھ بہت
جو رک جاؤ
تو تنہا ہو

فریحہ شبیر.....شاہ نکڈر

جلدی جلدی شام کی چائے کے برتن دھو کر اس نے رات کے کھانے کی تیاری شروع کردی، کرنا ہی کیا تھا بس چاول پکانے تھے اور آلو کا سالن تینوں ماں بیٹی کے لیے کافی تھا چاول کا پانی چولھے پر چڑھا کر وہ تھال میں چاول لے کر برآمدے میں رکھے تخت پر اماں کے پاس آبیٹھی جو تسبیح پڑھ رہی تھیں، تھوڑی دور عشاء بیٹھی یونہی زمین پر لکیریں کھینچ رہی تھی پتا نہیں کیوں وہ بھی آج چپ چپ لگ رہی تھی ورنہ وہ خوامخواہ کے سوالوں سے ناک میں دم کردیتی تھی مگر اس وقت یوں چپ تھی جیسے کبھی بولی ہی نا تھی۔

''تھک گئی ہو کیا فضہ؟'' اماں نے تسبیح ختم کرکے اس پر دم کرتے سوال کیا۔

''نہیں اماں۔'' اس نے ہلکا مسکرانے کی کوشش کرتے جواب دیا۔ ''یااللہ...... ایک سچی مسکراہٹ بھی نہیں کیا؟'' اس نے دل میں اپنے رب سے سوال کیا۔

''سارا دن آفس پھر گھر کے کام تھک جاتی ہوگی فضہ...... مجھے بھی تو آکر کوئی کام نہیں کرنے دیتی تم۔'' اماں کے لہجے میں دکھ اور احساس کے ملے جلے تاثرات تھے۔

اس نے اماں کے چہرے کو غور سے دیکھا اماں کتنی صبر والی تھیں کبھی شکایت نہیں کی تھی ابا کی بے رخی کی، نہیں عشاء کی بیماری کی، اپنی غریبی کی بھی نہیں، بس چپ۔

''اماں......'' اس نے اماں کا نام یوں لیا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اماں اپنے رب کا کوئی پیارا مقدس نام تسبیح پر پڑھ رہی تھی۔

''آپ نے بھی تو ہمیشہ ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے سہا ہے اور کبھی شکایت بھی نہیں کی شاید ہم نا ہوتے تو آپ اس قید خانے سے آزادی آسانی سے حاصل کرسکتی تھیں۔'' اماں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

''نہیں فضہ...... ایسا نہیں کہتے، تم تو اللہ پاک کا انعام ہو میرے لیے، میری دعاؤں کا اجر۔'' اماں کا لہجہ تشکر آمیز تھا وہ اماں کو لپٹ گئی۔ ''جاؤ اب پانی ابل گیا ہوگا۔'' وہ جلدی سے کچن کی طرف بھاگی۔

اماں اور ابا آپس میں ماموں زاد تھے۔ ابا کو اماں لڑکپن سے ہی پسند تھی۔ اماں ابھی میٹرک میں تھی کہ اماں کی ایک دوست اپنے بھائی کا رشتہ لے کر آگئی۔ لڑکا اچھا تھا مگر سوچنے کا کہہ کر ٹال دیا گیا۔ لڑکا جتنا بھی اچھا ہوتا اگر اپنوں میں رشتہ ہوتا تو بہتر ہی قرار پاتا کیونکہ اپنا اگر مارے گا بھی تو چھاؤں میں رکھے گا (مارے گا ضرور) یہ بات ابا تک پہنچ گئی انہوں نے تو زمین آسمان ایک کردیا کہ بس شادی کرنی ہے تو صرف فریدہ سے۔ سب نے کہا راضی ہیں مگر فریدہ امتحان دے لے مگر وہ نہیں مانے پھر سب ہی ان کی ضد کے آگے مجبور ہوگئے اور یوں اماں ابا کی شادی ہوگئی اور شادی کی رات ہی اماں کو پتا چلا کہ ابا شک میں مبتلا ہوچکے تھے کہ جو دوست رشتہ لے کر آئی تھی وہ اماں کے ایما پر اپنے بھائی کا رشتہ لائی تھی۔ اماں سمجھا سمجھا کر صفائی دے دے کر تھک گئیں مگر شک کا بال ابا کے دل سے نہ نکال سکیں۔ سو اماں ہار گئیں پھر اماں نے امتحان بھی نہیں دیا بیماری کا بہانہ بنا دیا۔ ایک سال بعد عشاء کی پیدائش ہوئی ابا کو پہلی ہی بیٹی پر کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی۔ اماں جب پھر امید سے ہوئیں تو بابا نے اماں سے کہہ بھی دیا کہ انھیں بیٹا چاہیے مگر اس کی پیدائش کے وقت اماں کے جان

کے لالے پڑ گئے اور جب فضہ پیدا ہوئی تو ڈاکٹرز نے کہہ دیا کے اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ ابا کا دل اور برا ہو گیا مگر خاموش ہو گے۔

بس عشاء اور وہ اسکول جانے لگی عشاء بہت پیاری تھی اور وہ بھی مگر پتا نہیں کیوں ابا ان دونوں کو کبھی پیار نہیں کرتے تھے نا ہی کبھی وہ ان سے باپ والا لاڈ کر سکے تھے۔ ابا گھر میں ہوتے تو وہ بولتی بھی نہیں تھیں اگر بولنا ضروری ہوتا تو انتہائی آہستہ کیونکہ ایک دفعہ عشاء اس کی کسی بات پر ہنس پڑی تھی تو اچانک سے ابا پتا نہیں کہاں سے آ گئے تھے اور عشاء کو ایک بھرپور تھپڑ رسید کیا تھا کہ وہ بھی بدچلن ماں کی بدچلن بیٹیاں ہی ہوں گی بس پھر ہمیشہ سے عشاء اور وہ خود بھی اندر باہر کے سناٹے اپنے اندر رکھتی تھیں۔ اماں سلائی کرتی تھیں۔ ابا موڈ ہوتا تو گھر میں خیرات کی طرح کچھ رقم دے دیتے ورنہ بس خاندان والے سمجھاتے تو وہ اماں پر الزمات لگاتے یوں اماں خاندان میں بھی کم آتی جاتی تھیں۔ عشاء میٹرک میں بہت اچھا رزلٹ لائی تو ابا نے خوش ہونے کے بجائے صاف منع کر دیا کہ اب وہ مزید نہیں پڑھے گی۔ عشاء زرد چہرہ لیے اماں کو دیکھ رہی تھی اور عشاء کی آنکھوں میں لکھی التجا اماں کی ممتا کو دکھ دے گئی تھی پھر پتا نہیں کیسے اماں نے ابا کو منایا تھا۔ یوں عشاء کالج جانے لگی تھی وہ زندگی میں پہلی بار خوش ہوئی تھی بس شاید اتنی خوشی بھی بہت ہوتی ہے۔ ایک دن عشاء کپڑے سکھانے کے لیے چھت پر گئی پتا نہیں کیسے پیر پھسل گیا اور وہ چھت سے زمین بوس ہوئی۔ وہ اور اماں اسے ہسپتال لے گئے مگر سر پر شدید چوٹ کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر معذور ہو گئی۔ ابا نے دوسری شادی کر لی تھی بس پھر وہ صبر کر کے بیٹھ گئیں۔ وہ شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی۔ اماں سلائی کرتیں شکر تھا کہ دو کمروں کا گھر اپنا تھا یونہی آٹھ سال بیت گئے تھے۔ اسے ایک کمپنی میں جاب مل گئی تھی۔ ابا ہمیشہ کی طرح کبھی کبھار آ جاتے تھے مگر اب نا انتظار رہتا تھا نا باپ والا آسرا وہ تو انہیں سلام بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اماں ڈانٹتی تھیں۔ انہیں آنا ہی اعتراضات کرنے کے لیے ہوتا تھا۔

"فضہ کو کہو نوکری نا کرے بدنامی ہوگی۔"

"جب جوان بیٹی ذہنی معذور ہوگئی' باپ نے علاج کروانے سے ہاتھ اٹھا لیے تب ان لوگوں نے کچھ نا کہا مگر اب......" وہ پہلی بار ابا کے سامنے ڈٹ گئی۔ ابا چپ ہو گے یا جان گئے کہ وہ فریدہ کی یہ بیٹی بالکل باپ پر گئی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

"قاسم تم آج کیسے؟" وہ صحن میں کھڑی قاسم کی بائیک دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ محترم آج آئے ہوئے ہیں مگر حیرت کی بات تھی کہ آج اتوار نہیں تھا۔

"کیوں میں اپنی پیاری چچی کے گھر نہیں آ سکتا کیا؟"

"آ سکتے ہو جی کیوں نہیں اب تو بڑے ہو گئے ہو جوتے سے خود کو بچا سکتے ہوں گے تائی کے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دیکھیں چچی...... کیسے بدتمیزی کر رہی

ہے۔'' وہ غصہ ہوا۔

''فضہ...... تمیز سیکھو بڑا ہے تم سے۔'' اماں نے گھر کا۔

''اوکے...... اوکے بس معافی بڑے بھائی۔'' اس نے آخر میں شرارتی انداز میں کہا کیونکہ وہ قاسم کے جذبات سے آگاہ تھی قاسم کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔

''میں جاتا ہوں چچی جان۔'' وہ منہ بنا کر فوراً کھڑا ہوگیا۔

''ارے بیٹھو تم نے تو چائے بھی نہیں پی۔'' اماں پریشان ہوئی اس نے چائے کا کپ دیکھنا چاہا تو مٹھائی پر نظر پڑی۔

''ارے واہ مٹھائی وہ بھی میرے پسند کی چم چم۔''

''نوکری مل گئی ہے مجھے۔'' قاسم نے بتایا ناراضگی بھرے انداز میں' اماں چائے گرم کرنے کے لیے کچن میں گئیں تھیں۔ اچانک قاسم اٹھا وہ جو چم چم منہ میں رکھ رہی تھی وہی ہاتھ اس کا کلائی سے پکڑلیا۔

''اب تیاری پکڑو مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی دوری۔'' پھر اس کے ہاتھ سے چم چم اپنے منہ میں رکھ لی تھی اور اس کے ہونٹ ہلکے سے اس کی انگلیوں کو بھی مس ہوئے تھے۔

''پلیز قاسم......'' وہ کسمسائی۔

''بہت میٹھی ہے چم چم۔'' قاسم نے شرارتی لہجے میں کہا۔ وہ واک آؤٹ کر گئی تھی دل جو اتنی زور سے دھڑک رہا تھا۔

وہ خوش رہنے لگی تھی جب سے قاسم کی نوکری لگی تھی پہلے وہ ڈرتی تھی کہ تائی کبھی نہیں مانیں گی کہ فریدہ کی بیٹی ان کی بہو بنے' مگر قاسم نے اعتماد دلایا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا اب یہ اس کی ساری زندگی کا معاملہ تھا اور قرض تھا چچی فریدہ کا سارے خاندان پر جب ان کو سب کی ضرورت تھی تو سب نے رخ پھیر لیے ماں باپ رہے نہیں۔ بہن بھائی تھے نہیں تب ہی فریدہ کے بابا نے اپنی بیٹی اپنوں میں بیاہی تھی کہ اپنے دکھ سکھ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہاں تو قصہ ہی الٹا چلا تھا۔ سب وقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اب قاسم کی محبت ہی وہ قرض چکا پائے شاید۔ اتنا پرعزم لہجہ مان' یقین' اعتماد نے فضہ کو مجبور کردیا تھا کہ وہ بھی ایک خوب صورت خواب دیکھے' زندگی کے حوالے سے قاسم کے ساتھ کا خواب۔

رات کو نیند میں کسی کے رونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی اس نے فوراً لائٹ آن کی تھی۔ اماں کی طرف دیکھا تو وہ دونوں ہاتھ دل پر رکھے جھکی جارہی تھیں' دوسری طرف عشاء معصومانہ نیند میں تھی وہ جلدی سے اماں کی طرف بڑھی۔

''اماں...... کیا ہوا؟''

''فضہ بیٹا...... بہت درد ہے برداشت نہیں ہورہا۔'' فضہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بس پھر پتا نہیں کیسے اس نے قاسم کو کال کی تھی اور اماں کا بتا کر جلدی آنے کو کہا تھا۔

''آپ اگر ذرا سی بھی دیر کرتے تو آج ہم کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ مسٹر قاسم...... آپ کی اماں کو میجر اٹیک آیا ہے۔'' فضہ کا دل ڈوب گیا۔ ''فی الحال وہ آئی سی یو میں ہیں جتنا ممکن ہو انہیں ٹینشن فری رکھیں۔'' ڈاکٹر اپنی ہدایات اور احتیاط بتا رہا تھا اور فضہ سوچ رہی تھی کہ اماں کو ٹینشن سے دور کیسے رکھا جائے۔ اماں کی تو زندگی ہی ٹینشن سے عبارت تھی۔ وہ بے آواز روتی رہی قاسم نے بڑا ساتھ دیا۔ جب تک اماں گھر نہیں آگئیں کسی بھی مقام پر فضہ کو تنہا نہیں کیا تھا۔ تقریباً سب ہی آئے تھے اماں کی عیادت کو مگر بس ابا نہیں آئے اور جب انتظار کی حد ہوگئی تو اماں نے قاسم کو کہا۔

''بیٹا...... تم نے اپنے چچا کو خبر نہیں کی؟'' قاسم ایک دم سے چپ ہوگیا اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ چچا اپنی نئی بیگم کے ساتھ زندگی میں مصروف ہیں۔ اماں قاسم کی خاموشی سمجھ کر سوال جواب موخر کرتے ہوئے عشاء کا فضہ سے پوچھنے لگی۔ عشاء بو اخیر کے ساتھ تھی اور ٹھیک تھی۔

اماں خیریت سے گھر آگئیں تھیں۔ وہ پوری کوشش

کرتی کہ اماں کا پورا خیال کرے کوئی پریشانی یا الجھن ان کی طرف نا پہنچ پائے مگر اماں کی چپ بڑھتی جارہی تھی۔ وہ اماں سے پوچھتی تو اماں کچھ نہیں کہہ کر خاموش ہو جاتی تھیں۔ قاسم روز چکر باقاعدگی سے لگاتا تھا دوا وغیرہ سب کا خیال رکھتا تھا اسے بھی مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر پتا نہیں کیوں وہ بے چین تھی۔ بوا آئی تھیں اماں کی واحد سہیلی، وہ چائے پکا کر ابھی کمرے کے دروازے پر پہنچی تو اماں کی آواز نے قدم جکڑ لیے تھے۔

"رضیہ...... مجھے بس یہ بات سکون کا سانس نہیں لینے دیتی کہ میرے بعد عشاء کا کیا ہوگا تب ہی تم سے کہا۔ فضہ بھی لڑکی ذات ہے مگر وہ خود کو سنبھال لے گی لیکن اگر مجھے کچھ ہو گیا تو عشاء کا کیا ہوگا؟ کہیں اس کے ساتھ کچھ برا نہ ہو جائے۔" اماں کے لہجے میں کرب ہی کرب تھا جو فضہ کے دل میں اتر رہا تھا۔

"بس لڑکا شریف ہے یہی بہت ہے نکاح تو کرے گا نا باقی بیچاری عشاء کو سوتن کا کیا پتا؟ اولاد چاہیے اس کو پہلی بیوی سے اولاد نہیں اور مجھے عشاء محفوظ ہاتھوں میں چاہیے باقی نصیب تو رب سوہنا جانے۔ مجھے دونوں بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں تو نے بتا تو دیا ہے نا عشاء کا؟"

"ہاں ہاں فریدہ...... تو فکر نا کر بس عورت ذرہ عشاء کی ذہنی کیفیت کا سن کر ہی مانی ہے۔ بڑے امیر لوگ ہیں۔"

"امیر کاش کہ عورت بس مرد کی محبت میں امیر ہو رضیہ۔ جو میری طرح عشاء بھی نہیں...... رب سوہنا فضہ کے نصیب بہت چنگے کرے۔" اماں نے رو کر دعا دی تھی۔

آج عشاء کی شادی ہو گئی تھی صحن میں پھولوں کی پتیاں رنگ برنگی جھنڈیاں کچھ دیر پہلے ہر طرف شور تھا اب خاموشی تھی وہ اماں کو دوا کھلا کر سلا آئی تھی اماں نے بہت دعائیں دیں تھیں۔ وہ ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی مگر اب جب تنہا بیٹھی تو بہت رونا آرہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دلہا بنا قاسم بہت جچ رہا تھا تائی کا موڈ البتہ خراب تھا مگر قاسم اتنا ضدی نکلے گا کسی کو پتا نہیں تھا اور قاسم نے فضہ سے جو وعدہ کیا تھا اس وعدہ کی لاج رکھ لی تھی اس وعدہ پر کے وہ جب اپنی زندگی کا فیصلہ کرے گی قاسم کو ضرور شامل کرے گی اور وہ ضرور کوشش کرے گا عشاء کو بہت بہت عزت دے مان دے......

"اور محبت؟" فضہ نے سوال بہت اچانک کیا تھا قاسم نے اسے یوں دیکھا جیسے فضہ کو اتنا بیوقوف نا سمجھتا ہو۔

"فضہ...... محبت اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتی اور تم فکر مت کرو شاید محبت ہو ہی جائے میں درد ضرور سمیٹ لوں گا تم فکر مت کرو اور چچی کو بھی سمجھاؤ۔" وہ جیسے خود سے بول رہا تھا اور وہ بس اس مہربان کو تکتی جارہی تھی جو اس کے آنسوؤں سے ہار گیا تھا سمجھ گیا تھا۔

وہ خالی صحن میں بیٹھی رو رہی تھی پتا نہیں کیوں وہ خوش بھی بہت تھی پھر رو کیوں رہی تھی؟ اس نے تو کہا تھا قاسم ہم دونوں میں بس پسندیدگی تھی تم نے جو وعدہ کیا تھا اماں کے بارے میں وہ پورا عشاء سے شادی کرو گے تو ہو گا اور وہ آنسو جو فضہ کی آنکھوں سے بہے قاسم نے اپنی خوشیوں کے عوض خرید لیے تھے۔

آج جانے کیوں اداس ہے دل؟ عشق ہوتا تو کوئی بات بھی تھی چاند نے اس کا اداس چہرہ دیکھ کر اپنے اوپر بادل کو اوڑھ لیا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بوسیدہ اور قدیم عمارتوں کا یہ عقبی حصہ تھا جہاں ایک چوڑی طویل سڑک موجود تھی سڑک کے دوسری جانب کھنچی باؤنڈری سے دور کافی ہٹ کر بچی کھچی مگر محدود آبادی تھی اور اس وقت وہاں تاریکی میں چند ہی ٹمٹماتی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے موجود پول پر ایک اسٹریٹ لائٹ روشن تھی اور اس کی تیز زرد روشنی میں وہ موجود تھا۔ وہ انسانی وجود واقعی نظر بھر کر دیکھنے اور پھر دیکھتے ہی رہ جانے کے قابل تھا۔ کوئی عجیب سی کشش تھی اس میں چونکا دینے والی عجیب مگر انوکھی ہیئت کے سیاہ لانگ شوز کے ساتھ بلیک لیدر کی چمکتی چست پینٹ میں اس کی شخصیت انتہائی پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ خون کو رگوں میں منجمد کردینے والی سردی میں اس کے جسم سے چپکی بغیر آستینوں کی سرخ رنگ کی شرٹ دور سے ہی جھلملاتی دکھائی دے رہی تھی برہنہ بازوؤں پر رنگین نقش و نگار نمایاں تھے اس کے ہاتھوں اور گردن میں مختلف وضع طرز کی زنجیریں موجود تھیں اس کے سرخ و سپید چہرے کے نقوش بے حد جاذب نظر اور چبھتے ہوئے تھے جن میں نوخیزی اور معصومیت کی چمک تھی مگر اس کی آنکھیں معصومیت کی چمک سے عاری تھیں۔ بے شک ان بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں میں مدمقابل کو مبہوت کردینے والی صلاحیت موجود تھی مگر ان میں عقاب جیسی تیزی اور عیاری بھی موجود تھی اسے دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس کا شمار ایسی مخلوقات میں ہوتا ہے جو آدھی رات میں سڑکوں پر پائی جاتی ہیں وہ مخلوقات جو بہت مخصوص جگہوں پر باآسانی دکھائی دے جاتی ہیں مگر وہ ان سب سے الگ تھا۔ شہر کے مہنگے ترین کال بوائز میں اس کا نام ٹاپ پر تھا...... باوجود اس کے کہ وہ کسی کے ماتحت نہیں...... نہ ہی اس کی بیک پر کوئی مخصوص سپورٹ تھی دوسرے کئی اسٹریٹ ورکرز کی طرح سڑکوں پر گھوم پھر کر اس نے کبھی کسٹمرز کو تلاش نہیں کیا تھا۔ شاید وہ اس بات پر زیادہ یقین رکھتا تھا کہ پیاسا ہمیشہ خود چل کر کنویں کے پاس آتا ہے ویسے بھی وہ کافی نفیس اور نازک مزاج طبیعت رکھتا تھا۔ سڑکوں پر کسٹمرز کی تلاش میں خوار ہونے کے بعد تھکن کے باعث وہ یقیناً بہتر سروس مہیا کرنے کے قابل نہیں رہ سکتا تھا اور پھر یہ بھی کہ اس طرح بھٹکنے کے دوران اسے غیر مہذب لوگ بھی ٹکرا سکتے تھے جب کہ ایسے لوگوں کی طرف دیکھنا بھی اس کی برداشت سے باہر تھا جب مہذب اور ہائی کلاس کے افراد خود اس تک اسے ڈھونڈتے ہوئے آتے تھے تو اسے ضرورت ہی کیا تھی خواری اٹھانے کی حالانکہ اس کے کسٹمرز اس کے ریٹ سن کر تذبذب میں ضرور پڑ جاتے تھے مگر اس کی مقناطیسی شخصیت ان کو سب کچھ بھلانے پر مجبور کردیتی تھی ہر بار وہ ڈیلنگ کے دوران ہی اپنی منہ مانگی قیمت طلب کرتا جو کیش کی صورت میں ملتی تھی۔ رقم کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں۔ اس کی بے نیازی اس کی شخصیت کا اہم خاصہ تھی ڈیلنگ میں وہ اپنی شرائط پہلے رکھتا تھا سب سے اہم تو یہ کہ وہ کسی بھی قسم کی ڈرگز اور رقص وغیرہ سے اجتناب کرتا ہے۔ کسی بھی قسم کے وائلینس کے خلاف وہ اپنی کارروائی کا حق رکھتا تھا ہر چیز میں پہلے اس کی رضامندی ضروری ہوتی تھی۔ اس کے پاس ایسے کسٹمرز بھی آتے تھے جن کو صرف ایک اچھے سامع کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ اچھے ماحول میں ڈنر کرسکیں۔ اپنی پرابلمز اور پرسنلز شیئر کرسکیں اور اس سب کے لیے وہ ایک آئیڈیل سامع تھا۔

اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی میں وہ وسلنگ کرتے ہوئے چہل قدمی کر رہا تھا مہکتے بھڑکتے لباس میں اس کی چال مکمل اور خالص مردانہ تھی مگر کچھ لاابالی اور لاپروائی کا عنصر بھی موجود تھا یک دم ہی چونک کر رکتے ہوئے اس نے ایک

طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں دوڑائی تھی ایک بار پھر اسے احساس ہورہا تھا کہ وہ مسلسل کسی کی نظروں کے حصار میں ہے اورآج یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا حالانکہ اس وقت دور دور تک اس کے علاوہ کوئی آدم زاد نہیں دکھائی دے رہا تھا سڑک سے بھی کوئی گاڑی گزرتی تو سناٹا چند لمحوں کے لیے ٹوٹ جاتا۔ ویسے بھی اس کڑاکے کی سردی میں کوئی اسے تکنے کے لیے وہاں نہیں رک سکتا تھا۔ سر جھٹکتے ہوئے اس نے سفید پول سے پشت ٹکائی اور سینے پر بازو باندھ کر آسمان پر چھائی دھند کو دیکھنے لگا۔ اس جگہ کا انتخاب اس نے ہفتے بھر پہلے ہی کیا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ کسی اور اسٹریٹ پر ہوتا تھا جس پروفیشن میں وہ تھا جیلسی اور رقابت اس میں بھی موجود تھی پولیس کا چھاپہ اچانک پڑا تھا بروقت اگر وہ منظر سے غائب نہ ہوتا تو یقیناً کسی لاک اپ میں ہوتا۔ کچھ دن پوشیدہ رہنے کے بعد منظر پرآنے کے لیے اس نے یہ اسٹریٹ تلاش کرلی تھی اور کافی مطمئن تھا کہ یہاں بہت خاموشی اور سکون تھا اور اس کا واسطہ بھی یہاں کافی مہذب اور ہائی کلاس کسٹمرز سے پڑ رہا تھا جو کام وہ کررہا تھا اس سے متعلق وہ کسی مخصوص یا خفیہ ایجنسی سے منسلک نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے طور پر اپنی مرضی سے یہ کام کررہا تھا اس کے لیے اپنے تحفظ اور حفاظتی اقدامات بھی اسے خود ہی کرنے پڑتے تھے اور اس میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔

خوب صورت تراش خراش کے ہلکے سنہری بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ ایک بار پھر چونکا...... اس بار چونکتی نظروں سے اس نے کچی آبادی کی جھونپڑیوں پر نظر ڈالی اور پھر اپنے دوسری جانب سڑک کے اس پار بوسیدہ عمارتوں کو بغور دیکھنا شروع کردیا' تب ہی اس کی تیز نگاہ اس ایک عمارت پر رک گئی تھی دھند اتنی بھی نہ تھی کہ کچھ دکھائی نہ دیتا اس فلیٹس کی سب کھڑکیاں بند تھیں سوائے اس ایک کھڑکی کے جہاں اس کی عقابی نظریں جم گئی تھیں وہ بلب کی مدھم روشنی تھی اس کے کھلے پٹ کے درمیان ایک انسان کا سر دکھائی دے رہا تھا مگر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ سر کسی عورت کا یا مرد کا ہے۔ وہ سر سیاہ ہیولے کی طرح ہی ساکت نظر آرہا تھا کچھ دیر تک وہ بھی اس سیاہ ہیولے کو دیکھتا رہا مگر پھر بھی ہیولا اس کے دیکھنے کے باوجود وہاں موجود رہا تھا پول سے دور ہٹتا وہ دوبارہ چہل قدمی شروع کرچکا تھا مگر کن آنکھیوں سے اس کھڑکی کی جانب بھی وقتاً فوقتاً دیکھتا جارہا تھا کھڑکی میں ہیولا اب بھی ساکت تھا۔

پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب سڑک پر ایک چمچاتی کار آکر رکی تھی جس کے شیشے بالکل سیاہ تھے کار سے ایک شوفر اتر کر اس کی طرف آیا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ کار کے اندر اس کا کوئی پرانا کسٹمر موجود ہے۔ شوفر اور اس کے درمیان کچھ جملوں کے تبادلے ہوئے اس کے بعد شوفر نے ایک خاکی رنگ کا بھاری لفافہ اسے دے دیا تھا لفافہ کھول کر اس نے رقم کو دیکھا اور مطمئن ہوکر اسے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا اور ازلی بے نیازی کے ساتھ وہ شوفر کی تقلید میں کار تک آیا...... شوفر نے پہلے ہی اس کے لیے بیک سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا کار میں بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک آخری نگاہ سامنے اس کھڑکی پر ڈالی تھی جہاں سیاہ ہیولا اب تک موجود ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی کار تیزی سے طویل سڑک پر بھاگتی جارہی تھی۔

جہاں تک اس کی نظریں کار کا تعاقب کرسکتی تھیں وہ اس جانب دیکھتی رہی پھر گہری سانس لے کر وہ دوبارہ سامنے اس پول کی جانب دیکھنے لگی جہاں اب کوئی نہیں تھا اس کے جانے کے بعد پول کی روشنی بھی پھیکی پھیکی دکھائی دے رہی تھی اس سنسان سڑک کو رات گئے تک تکتے رہنا اس کی عادت تھی۔ سڑک سے گزرتی اکا دکا گاڑی کی آواز اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس دلا جاتی تھی اس کے بعد پھر وہی موت جیسا ہولناک سناٹا گہرا سکوت اور کسی دوسری گاڑی کا انتظار۔ تقریباً ایک ہفتہ پہلے وہ اس کی نظروں میں آیا تھا رات بارہ بجے سے ایک بجے کے درمیان وہ جانے کہاں سے اسٹریٹ لائٹ کے نیچے نمودار ہوجاتا تھا۔ اس سے زیادہ اس کی حرکتیں چونکا دینے والی تھیں دو راتیں گزرنے کے بعد

ہی اسے مکمل یقین ہوگیا کہ وہ کس مقصد سے وہاں موجود ہوتا ہے۔
اس کی اپنی زندگی بہت محدود تھی کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ وہ اپنی ویران زندگی میں سانس لیتے لیتے دنیا سے کٹ کر بالکل الگ تھلگ ہو چکی ہو اور پچھلے ایک ہفتے میں وہ یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اس کے ساتھ چلنے والی اشرف المخلوقات کہلائے جانے والے انسان کیسے کیسے راستوں سے گزر جانے کا عزم رکھتے ہیں غلاظتوں سے اٹے پڑے سیاہ راستے...... گھناؤنے راستے بوجھل دل کے ساتھ اس نے آہستہ سے کھڑکی کے پٹ بند کردیئے تھے۔

❁......❁......❁......❁

فرش پر بچھی سفید چادر پر ہلکی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں دیوار سے پشت لگائے بیٹھی وہ ان سلوٹوں کو تک رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی بلب کی بیمار زرد روشنی میں اور کوئی چیز تھی بھی نہیں دیکھنے کے لیے۔ اگربتی اور لوبان کی دھیمی مہک اب تک فضا میں بسی ہوئی تھی اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا اسے اپنی ڈھٹائی پر حیرت تھی اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ سر سے آخری سائبان بھی چھن جانے کے بعد وہ اب تک زندہ کیسے ہے؟ اس کی نظریں کمرے میں رکھے واحد تخت تک گئی تھیں جو خالی تھا اس تخت کو اب خالی ہی رہنا تھا کیونکہ جسے وہ اس تخت پر دیکھتی تھی جو اس کی ڈھارس تھیں وہ اب منوں مٹی تلے ابدی نیند جا سوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تخت دھندلانے لگا۔ اس کا دل بند ہونے لگا تھا کراہیں بلند ہونے لگیں باپ کے جانے پر اس نے کسی نہ کسی طرح صبر کرلیا تھا مگر ماں کے لیے اس کی روح تک تڑپ رہی تھی۔ اس کے دل سے ان سب کے لیے بددعائیں نکل رہی تھیں جو اس کی ماں کو اذیت میں دیکھ کر بھی انجان بنے رہے۔ انہیں تو ابھی اپنی بیٹیوں کے گھر آباد کرنا تھے ان کی خوشیاں دیکھنی تھیں مگر اپنے ہی دشمن نکلے۔ ننھیال ودھیال دونوں طرف سے سب دامن بچاتے رہے۔ زکوٰۃ وخیرات کے قابل بھی نہ سمجھا کہ کم از کم ایک عورت کو علاج تو میسر آجاتا۔ گرم سیال اس کے چہرے سے بہتا اس کے گریبان تک آ پہنچا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں قبر میں بھی سکون سے نہیں ہوگی اس ظالم دنیا میں اپنی ناتواں بیٹیوں کو بے آسرا چھوڑ کر کس کس طرح نہ ان کی روح تڑپی ہوگی۔ آج تین دن گزر چکے تھے مگر اس کا دل اس وقت بھی ماتم کدہ بنا ہوا تھا اس کی سسکیاں دیواروں سے ٹکرانے لگی تھیں۔
"دراج......" رائمہ کمرے میں بھاگی آئی تھی۔ سرعت سے اس نے روتی بلکتی دراج کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ ماں کی جدائی کا غم تو آخری سانس تک تازہ رہنا تھا مگر رائمہ کا دل چھوٹی بہن کے لیے پھٹا جارہا تھا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں کتنی مشقتیں کتنی اذیتیں اٹھا رہی تھیں اس کا بچپن شوخیاں شرارتیں سب حالات کی تلخیوں کی نذر ہوگئی تھیں یہ ایک ستم جو ہر اذیت پر بھاری تھا تین دن سے وہ دونوں بہنیں ماں کی جدائی بوجھ دل پر لیے کیسے زندہ تھیں یہ ان کا رب ہی جانتا تھا۔ کوئی ان کے آنسو پونچھنے والا نہ تھا۔ کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں تھا کہنے کو سب رشتے ناتے اس زمین پر تھے مگر کوئی قریب اس ڈر سے نہیں آتا تھا کہ کہیں دنیا دکھاوے کی ہمدردی بھی گلے نہ پڑ جائے۔ جانے کتنی دیر دونوں بہنوں کی سسکیاں کمرے میں گونجتی رہی تھیں ضبط کا دامن کسی طرح تھام کر رائمہ نے اس کے آنسو بھی صاف کیے اور پھر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔
"دراج...... اب ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کو سہارا دینا ہے ورنہ ہمارے آنسو ہمارے ماں باپ کو سکون نصیب نہیں ہونے دیں گے...... ہمیں اس سچ کو قبول کرنا ہی ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی ہمارا مددگار نہیں...... زندہ رہنے کے لیے ہمیں خود کو مضبوط کرنا ہوگا۔ تم اکیلی نہیں ہو میں ہوں تمہارا خیال رکھنے کے لیے تمہاری فکر کرنے کے لیے۔ بڑی بہن ماں کی جگہ ہوتی ہے تمہاری ماں ابھی زندہ ہے۔ ہمت رکھو ایک دن سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی وہ نم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔ ”کھانا لے آؤں تمہارے لیے؟“ رائمہ کے سوال پر اس نے بس نفی میں سر ہلایا تھا۔

”سو جاؤ کچھ دیر تم تین دن سے ٹھیک طرح سوئی بھی نہیں ہو۔“ رائمہ کے محبت بھرے اصرار پر اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ رائمہ نم آنکھوں سے اس کے سوجے پپوٹوں اور چہرے پر پھیلے درد کے سائے دیکھتی رہی تھی تب ہی باہر سے آتی آواز پر رائمہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔

”رائمہ باجی اوپر آجائیں زرکاش بھائی کا فون آیا ہے آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ دہلیز پر رکی اس کی تایازاد شہزا نے اطلاع دی اور وہیں سے واپس چلی گئی تھی جب کہ دراج ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

”آپ اوپر نہیں جائیں گی نفرت ہے مجھے ان سب کی شکلوں سے‘ کھا گئے میری ماں کو یہ لوگ۔“

”دراج مجھے جانا پڑے گا زرکاش بھائی اتنی دور بیٹھے ہیں ان کا کیا قصور؟ امی کے لیے ہی بات کرنا چاہ رہے ہوں گے نہیں جاؤں گی تو بری بات ہوگی۔ آتی ہوں ابھی میں۔“ رائمہ اس کی بات کاٹتے ہوئے اٹھ گئی۔

”یہ ماں‘ بیٹے بیٹیاں سب کے سب شاطر ہیں خدا غارت بھی نہیں کرتا ان لوگوں کو۔“ زہر خند لہجے میں وہ غرائی تھی جب کہ رائمہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد رائمہ کی واپسی ہوئی تھی اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ حزن پھیلا تھا۔ خاموشی سے وہ دراج کے پاس آبیٹھی تھی۔

”تمہارا پوچھ رہے تھے میں نے بہانا بنادیا کہ دراج ابھی سوئی ہے۔“

”کیوں؟ سچ بتادیتیں اسے کہ دراج ان سے بات تو کیا ان پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی۔“ وہ شدید نفرت سے بولی۔

”امی ابو اور تایا کو یاد کرکے رو رہے تھے بہت۔“ رائمہ کا لہجہ سوگوار تھا۔

”ان کے گھر والے کم ہیں ناٹک کرنے کے لیے جواب وہ فون پر ڈرامے کررہے ہیں۔ اس سے کہنا تھا کہ میرے ماں باپ کو نہیں اپنے باپ کو رو دئیں بیٹھ کر۔ جن کا آخری دیدار بھی کرنا نصیب نہیں ہوا ان کو۔ یورپ میں بیٹھ کر عیاشیاں کررہے ہیں گھر والے اس کے نوٹوں پر خواب اچھل رہے ہیں ویسے تو کبھی خبر تک نہیں لیتے جنازے اٹھتے ہیں تو ہمدردی دکھانے کے لیے فون کرلیتا ہے۔“

”مت کرو ایسی باتیں۔“ رائمہ نے ہول کر اسے روکا۔

”ہمیں ان سب نے مل کر ڈسا ہے۔ میں جو بولوں کم ہے ان کے ہی بل بوتے پر اس گھر کو بیچنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں کو دربدر کرنا چاہتے ہیں اور خود جائیں گے بنگلے میں۔ آئینہ دکھاوں گی ان سب کو پوری دنیا کے سامنے اس گھر کی زمین میرے باپ کی ملکیت ہے ہماری ہے۔ میرا باپ ان لوگوں کو پیر رکھنے کے لیے یہ زمین نہ دیتا تو اوپر والا پورشن کیا یہ لوگ ہوا میں بناتے؟ ابو کے لیے ڈیڑھ لاکھ علاج کی مد میں اگر ان لوگوں نے خرچ کیا تو صرف اس لیے کہ اس وقت تایا ابو زندہ تھے اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ لاکھ دے کر انہوں نے اس زمین کی قیمت ادا کردی ہے۔ میری ماں کو تڑپتا دیکھتے رہے ہیں یہ لوگ۔ اذیت ہم نے اٹھائی عیش کرتے ہیں یہ لوگ ہماری بے بسی کا تماشا دیکھتے رہے ہیں اگر آج ہم قانونی کارروائی کرنے کے قابل ہوجائیں تو اس زمین کی قیمت کروڑوں میں ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں سے طوطے اڑ جائیں گے پچھلی بار تو مجھے آپ نے روک لیا تھا مگر اب اگر تائی یا شیراز نے گھر کے معاملے کو اٹھایا تو دن میں ماں بیٹے کو تارے دکھادوں گی۔ بہت سن لیے ان کے طعنے بہت دیکھ لیے ان کے رنگ‘ رشتوں کے نام پر سیاہ دھبہ ہیں یہ لوگ‘ بے شرم خود غرض آستین کے سانپ۔“

''بس کرو مت دل جلاؤ اپنا۔ اچھا ہوا پتا چل گیا کہ زرکاش بھائی آ رہے ہیں میں موقع دیکھ کر ان سے تمام معاملات پر بات کروں گی وہ ضرور کوئی حل نکالیں گے وہ ان سب کی طرح نہیں ہیں۔''

''خوش فہمی ہے آپ کی ان کی رگوں میں بھی اپنی ماں اور بھائی جیسا سیاہ خون دوڑ رہا ہے۔'' اس کے زہر خند لہجے پر رائمہ سر جھکائے خاموش ہی رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

رات کی رانی کی مخصوص پراسرار سی مہک ہوا کے مدھم جھونکوں کے ساتھ ہر سمت پھیلتی جا رہی تھی کیاری میں بے تحاشہ کھلے نازک سفید پھولوں کے قریب گہری سانس لیتی وہ سر اٹھائے آسمان پر ٹمٹماتے لاتعداد ستاروں کو دیکھ رہی تھی پورے چاند کے گرد روشنی کا ایک ہالا سا بنا ہوا تھا اس ہالے کے گرد پہرہ دیتے ستاروں پر اس کے قدم تھے۔ ایک ہی جست میں وہ ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر قدم رکھتی چاند کا طواف کر رہی تھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ جھلملا رہی تھی۔ چاند کے گرد اس کا دوسرا پھیرا شروع ہو رہا تھا جب ایک آواز اسے زمین پر کھینچ لائی تھی۔ سرعت سے آسمان سے نگاہ ہٹاتی وہ پلٹ کر برآمدے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''رجاب وہاں کیا کر رہی ہو...... سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' ندا بیگم واپس اندر جاتی بولیں۔

''آتی ہوں بھابی۔'' آواز لگا کر اس نے دوبارہ آسمان کی جانب دیکھا اور پھر تیز قدموں سے برآمدے کی سمت بڑھ گئی۔

''آج خاص آپ کے لیے آپ کی فیورٹ سبزی پکائی ہے۔'' ندا بیگم نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

''واقعی......!'' راسب نے حیرت سے اسے دیکھا جو مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

''کہیں تم نے اپنا ہاتھ تو نہیں جلایا؟ دکھاؤ ذرا مجھے۔'' راسب کی تشویش پر اس نے اپنے ہاتھ ان کو چیک کروائے۔

''فکر مت کریں میں اس کے ساتھ کچن میں تھی اب آپ رجاب کو زیادہ انتظار نہ کروائیں۔ یہ آپ کی تعریف سننے کے لیے بے چین ہے۔'' ندا بیگم نے کہا۔

''اتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے یقیناً یہ سبزی بہت ذائقے دار ہے۔'' ڈش میں سے سبزی پلیٹ میں نکالتے ہوئے راسب نے تعریفی نظروں سے بہن کو دیکھا۔

''زبردست۔'' پہلا لقمہ لیتے ہی وہ بے ساختہ بولے جب کہ رجاب کی کانچ جیسی سبز آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

''ندا اس نے پہلی ڈش ہی اتنی ذائقہ دار پکائی ہے اس کے ہاتھ میں تم سے زیادہ ذائقہ ہے۔'' وہ ندا بیگم سے مخاطب تھے جب کہ رجاب کے لبوں پر مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

''شاباش...... اب کل تمہاری فیورٹ آئس کریم پکی ہے۔'' اس کا سر تھپتھپا کر راسب نے مزید اسے خوش کر دیا تھا۔

''لیکن بیٹا...... ابھی اپنی پوری توجہ پڑھائی پر دو۔ تمہیں یاد ہے ناں مجھے اس گھر میں ایک ڈاکٹر چاہیے؟'' راسب کے تنبیہی لہجے پر اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے اس دن کا انتظار ہے جب میرے سامنے تم ڈاکٹر رجاب خان بن کر آؤ گی۔'' راسب نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور اپنی پڑھائی کے ساتھ ذرا اس نالائق پر بھی توجہ دو آج بھی اس کا سارا ہوم ورک غلط تھا۔'' راسب نے ناگوار نظروں سے بیٹے کو دیکھا جو منہ لٹکائے اپنی پلیٹ پر جھکا ہوا تھا۔ ''کھانے کے بعد اپنا سارا ہوم ورک دوبارہ کرو کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ میں چیک کروں گا تمہیں۔'' ان کی ہدایت پر ردمیل نے بس خفت زدہ نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

''آغا جان...... یہ آج بھی اسکول نہیں جارہا تھا بھائی نے زبردستی اسے تیار کرکے وین میں بٹھایا تھا۔'' رجاب کے باپ کو شکایت لگانے پر رومیل نے منہ بگاڑ کر دیکھا۔

''بری بات کھانا کھاؤ۔'' ندا بیگم نے اس کے سر پر چپت لگائی جب کہ رجاب ہنسی روکتی کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

بارہ بج چکے تھے جب اسٹریٹ لائٹ کے حصار میں ایک ٹیکسی آ کر رکی تھی۔ سیاہ ہینڈ بیگ پکڑے وہ ٹیکسی سے اترا اور پھر ٹیکسی آگے بڑھ گئی تھی۔ بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر اس نے بیگ پول کے قریب ہی رکھا اور پول سے پشت ٹکا کر بوتل سے پانی کے گھونٹ بھرتا اردگرد کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا۔ بوتل کا کیپ لگا کر وہ اسے بیگ میں رکھنے کے لیے جھکا اور جھکتے ہی اس نے کچھ فاصلے پر موجود برگد کے پرانے درخت کی جانب نگاہ ڈالی تھی۔ درخت کی گھنی شاخوں تلے نیم تاریکی کا راج تھا گہری خنک خاموشی میں اسے ایک سے دوبار کسی کے لباس کی سرسراہٹیں سنائی دی تھیں بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اس نے اپنی عقابی نظریں چاروں سمت دوڑائی اور پھر دبے قدموں اس درخت کی جانب بڑھا تھا۔ احتیاطاً دو چار قدم کے فاصلے پر رک کر اس نے دوسری جانب سے کسی حرکت کا انتظار کیا اور اس سے پہلے کہ وہ تنے تک پہنچتا چادر میں چھپا کوئی دوسری جانب سے نکلتا برق رفتاری سے بھاگا تھا۔ اتنی ہی برق رفتاری سے اس چادر میں چھپے وجود کے پیچھے جاتا وہ عقب سے اس کے بھاگتے پیروں پر ایک زوردار ٹھوکر لگا گیا تھا جس کے بعد وہ وجود بری طرح لڑکھڑاتا دھڑام سے زمین پر گرا تھا اس کے ساتھ ہی فضا میں نسوانی چیخ بلند ہوئی تھی۔ وہ بھونچکا رہ گیا تھا ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو گرنے کے بعد فوراً ہی سر سے اترتی چادر سنبھالتی سرعت سے اٹھی اور پلٹ کر دیکھے بنا گرتی پڑتی وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔ ہک دک کھڑا وہ تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ سڑک کے دوسری جانب عمارت کے زنگ آلود گیٹ کے اندر غائب نہ ہوگئی۔ چند لمحوں بعد پول کی سمت الٹے قدموں جاتے ہوئے اس نے اسی عمارت کی اس مخصوص کھڑکی کی جانب دیکھا جو کھلی ہوئی تھی مگر وہاں آج کوئی موجود نہ تھا۔ الجھی نظروں سے وہ کبھی زنگ آلود گیٹ کو اور کبھی خالی کھڑکی کو دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت تک جب تک کوئی گاڑی اس کے لیے سڑک پر نہ رکی۔

❁......❁......❁......❁

چند لمحوں تک وہ بڑی سی دیگچی میں ابلتی تھوڑی سی دال کو دیکھتی رہی پھر پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے کچن سے نکل آئی تھی تھکے تھکے انداز میں وہ باہر ہی تخت کے کنارے بیٹھ گئی تھی کمرے سے مشین کی تیز آواز گھر گھر راس کے دماغ میں ہتھوڑے برسا رہی تھی پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے رائمہ کو پھر سے مشین سنبھالنی پڑی تھی۔ رائمہ کا یہی ہنر تو گھر کی دال روٹی چلاتا رہا تھا۔ باپ کی طویل بیماری کے دوران حالات بہت دگرگوں نہیں تھے کیونکہ تایا کا ہاتھ ان کے سر پر تھا مگر دو سال پہلے ان کی وفات نے صحیح معنوں میں دنیا کی پہچان کروادی تھی اور پھر ماں کی بیماریوں کی شروعات ان کی مہنگی دوائیں تائی اور ان کی اولادوں نے ہاتھ جھاڑ دیے ان ماں بیٹیوں کی طرف سے مکمل غافل ہوگئے نوبت یہاں تک آ گئی کہ تائی نے فرمان جاری کر دیا کہ اس کی ماں اب اپنی بیٹیوں کو لے کر بھائی کے پاس جائے۔ وہ اب ان تینوں پر اپنے بیٹے کی کمائی خرچ نہیں کرسکتی تھیں۔ رائمہ نے ان کے آگے ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیا محلے سے کی کچھ عورتیں اپنے کپڑے اس سے سلوانے لگی تھیں مگر سلائی سے ملنے والی اجرت ماں کے علاج کے لیے ناکافی تھی۔ دراج نے دو سال پہلے میٹرک پاس کرکے کالج میں ایڈمیشن لیا تو صرف تایا کی وجہ سے مگر ان کا اچانک ہارٹ اٹیک اور وفات اعلیٰ

تعلیم کا اس کا خواب ادھورا رہ گیا تھا۔ وہ فرسٹ ائیر کے پیپرز بھی نہ دے سکی گھر کی حالت اور ماں کی بیماری نے اسے ایک گارمنٹس فیکٹری تک پہنچا دیا۔ رائمہ بہت روئی مگر کڑے وقت کے طویل سلسلے نے دراج کے دل کو سخت کر دیا تھا اس نے رائمہ کی ایک نہ سنی۔ رائمہ اس کی جگہ جاب کرنا چاہتی تھی مگر دراج کو معلوم تھا کہ یہ رائمہ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ ماں باپ کی خدمت میں رائمہ ہمیشہ چار دیواری میں ہی رہی تھی وہ میٹرک بھی مکمل نہ کر سکی تھی گھر کے اندر وہ اپنی بہن کو اتنے کڑے حالات کا مقابلہ کرتے دیکھتی رہی تھی کہ اب وہ اسے گھر کے باہر دوسرے دوزخ میں جھلستا برداشت نہیں کر سکتی تھی رائمہ اس سے عمر میں سات سال بڑی تھی مگر کسی سات سال کے بچے کی طرح معصوم۔ اس میں اور دراج میں بہت فرق تھا رائمہ کی نظر میں وہ بہت چھوٹی تھی مگر دراج جانتی تھی کہ اس کا بچپن کہیں دفن ہو گیا تھا وہ رائمہ سے کئی گنا زیادہ گہری سوچ اور گہری نظر رکھتی تھی۔

پانی کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے جھانک کر مین گیٹ کی طرف دیکھا تھا دونوں ہاتھوں میں شاپر اٹھائے شیراز اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی دراج کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا شیراز کے تاثرات بھی اس پر نظر پڑتے ہی بگڑ گئے تھے دھڑ دھڑ سیڑھیاں پھلانگتا وہ اوپر چلا گیا تھا جب کہ دراج تو پہلے ہی نفرت سے رخ پھیر چکی تھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے اس بات کو جب گھر کو فروخت کرنے کے معاملے کو لے کر بات اتنی بڑھی کہ اپنی ماں اور دراج کے درمیان ہوتی بحث میں شیراز بھی کود پڑا تھا اور اتنا کھل کر سامنے آیا کہ دراج نے بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھ دیے تھے اپنی ماں، بہنوں کی حوصلہ افزائی پر شیراز نے کیا کچھ ان بہنوں کو نہیں کہا تھا۔ الزام دھرتے طعنے دیتے ذلت بھرے جملے داغتے ہوئے جب شیراز نے اس کی بیمار ماں اور خاموش کھڑی رائمہ کے لیے بھی زہر اگلنا شروع کیا تو دراج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس کے جو منہ میں آیا وہ جوابی کارروائی میں بولتی چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ بات مزید آگے بڑھتی رائمہ نے کسی طرح کھینچ کھانچ کر زبردستی اسے کمرے میں دھکیلا اور باہر سے لاک کر دیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی تائی اور ان کی اولادوں سے زیادہ دراج کے تیوروں پر خوف زدہ تھی اگر وہ اسے کمرے میں بند نہ کرتی تو شیراز اسے مارتا یا پھر وہ شیراز پر ہاتھ اٹھا لیتی اور اس کے بعد رائمہ کو یقین تھا کہ دونوں صورتوں میں ان ماں بیٹیوں کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے بے دخل کر دیا جاتا۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ صبر وتحمل کے ساتھ سر جھکا کر تائی اور ان کی اولادوں کی چیخ وپکار اور پھر اس کو سنتی رہتی ان کے گنوائے جانے والے احسانات پر ان سے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ تخت سے اٹھ کر وہ کمرے میں رائمہ کے پاس آ بیٹھی تھی مشین روک کر رائمہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ نے ٹھیک کہا تھا آ گئی ہے سونے کا انڈا دینے والی مرغی...... جب ہی تو وہ آوارہ کسی کام نہ کاج کا اندر باہر کے چکر لگا رہا ہے بھائی کی سیوا کے لیے۔ آخری بھائی کے ٹکڑوں پر ہی تو پل رہا ہے اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

وہ فجر کی نماز پڑھ رہی تھی جب باہر شور ہوا تھا شاید اچانک آئے تھے یا پھر تائی کو ان کی آمد سے بے خبر رکھا گیا تھا آوازوں سے تو کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔

''فجر میں آئے تھے مگر اب تو دن چڑھ آیا ہے فون پر تو بہت مگر مچھ کے آنسو بہا رہے تھے ملنے نہیں آئے آپ کے زرکاش بھائی؟ یا سب کی سن کر ان کی زبانیں اپنے منہ میں ڈال کر آئیں گے ویسے اگر ہمارے خلاف کان بھرے بھی جا رہے ہیں تو مجھے نہیں لگتا کہ اگلے ایک ہفتے تک بھی وہ سیڑھیاں اتر کر ہم تک آ سکیں گے۔''

''خاموش رہو بہت بڑے ہیں وہ تم سے۔ ان کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کرنا کہ وہ ہم سے بدظن ہو جائیں۔'' رائمہ نے ٹوکا۔

"مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اس کی ماں بہنیں اور بھائی بخوبی یہ کام کررہے ہوں گے مگر آپ غور سے سن لیں اگر آپ سیڑھیاں چڑھ کر اس سے ملنے خود گئیں تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی اور آپ جانتی ہیں میں جو کہتی ہوں وہ کرتی بھی ہوں۔" اس کی دھمکی پر رائمہ خاموش رہی۔

"میں کل سے فیکٹری جارہی ہوں۔" اس کی اطلاع پر کپڑے کو تہہ لگاتی رائمہ چونکی۔

"اب کس کے لیے کام کرنے باہر جاؤ گی؟ ڈاکٹر کی فیس نہ دواؤں کی اب ضرورت ہے۔" رائمہ کا لہجہ نم ہوا۔

"بجلی اور گیس کے آدھے بل جو اوپر بیٹھے فرعونوں کو دیتے ہیں ہر مہینے۔ کہاں سے آئیں گے اس کے لیے روپے؟"

"فکر مت کرو اللہ کا شکر ہے سلائی کے کپڑوں سے اتنے پیسے ہر ماہ ہو جائیں گے۔ دو وقت کی روٹی بھی کسی نہ کسی طرح اس میں پوری ہو رہی ہے اور کیا چاہیے۔" رائمہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"مگر میں صرف دو وقت کی روٹی کھانے کے لیے زندہ نہیں ہوں۔ حال تباہ ہو گیا مگر مستقبل کسی قیمت پر تباہ نہیں ہوگا اپنے لیے مجھے سب کچھ چاہیے۔ وہ سب کچھ جو میں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے مضبوط لہجے میں چھپے عزم اور چہرے کے تاثرات نے رائمہ کو ساکت کر دیا تھا۔ اس وقت دراج اپنی عمر سے کئی سال بڑی نظر آرہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی اور یہی چمک رائمہ کو اس سے خوف زدہ کر دیا کرتی تھی۔

❁ ❁ ❁

چند دنوں کی نرل کو گود میں اٹھائے وہ ندا کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"بھابی...... یہ اتنی پیاری ہے کہ میرا دل ہی نہیں کرتا اسے گود سے اتارنے کے لیے۔ کالج میں بھی دل نہیں لگتا میرا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کروں۔" بچی کے چہرے کو چومتی وہ معصومیت سے بولی۔

"اب یہ مت کہنا کہ میں تمہارے آغا جان سے سفارش کروں کہ تم کل کالج نہیں جانا چاہتیں۔ بہت غصہ کریں گے وہ پہلے ہی میری وجہ سے تمہاری دو چھٹیاں ہو چکی ہیں تم کالج سے آ کر سارا وقت اسے اپنے ساتھ لگائے رکھو کوئی تمہیں منع نہیں کررہا۔" ندا نے نرم لہجے میں اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" دل پر جبر کرتی وہ چونک کر کمرے میں داخل ہوتے راسب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بس تمہیں یہ ایک کھلونا مل گیا ہے سارا وقت اسی میں لگی رہتی ہو کتابوں کو بھی بھلا دیا ہے۔" راسب کے ناراض انداز پر وہ چور سی بن گئی۔

"حاذق کا فون آیا تھا کل آرہا ہے وہ۔" کرسی پر براجمان ہوتے وہ ندا سے مخاطب ہوئے۔

"یہ تو اچھی بات ہے پانچ سال بعد وہ یہاں آرہا ہے۔" ندا بولیں۔

"کل شام کو تایا جان کی طرف جاؤں گا تم تو جا نہیں سکتیں میں رجاب کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"آغا جان...... آپ چلے جایئے گا۔ میں چلی جاؤں گی تو بھابی اکیلی یہاں......"

"تم سے کسی نے کچھ پوچھا ہے؟" راسب کے سخت لہجے پر اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"یہ بعد میں میرے ساتھ چلی جائے گی وہاں کوئی اس کا ہم عمر نہیں اس لیے جانے سے کتراتی ہے۔" ندا نے اس کی طرف داری میں کہا۔

"وہاں اس کا کوئی ہم عمر نہیں ہے تو کیا ہوا۔ وہاں سب جان چھڑکتے ہیں اس پر۔ پانچ سال بعد حاذق آرہا ہے اس

سے ملنے صرف میں جاؤں۔ یہ اچھا لگے گا؟" وہ ندا پر برس پڑے جب کہ رجاب چپکے سے کمرے سے نکل گئی راسب کے غصے سے اس کی جان جاتی تھی۔

"ہزار بار تم سے کہا ہے کہ جتنی بات اس کے سامنے کرنی ہوا تنی ہی کیا کرو۔ ٹھیک ہے کوئی نہ جائے میں تنہا ہی چلا جاؤں گا۔" ان کا خاندانی جلال بیدار ہو چکا تھا کچھ کہنا اب بے کار تھا سوندا نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش رہی تھیں شوہر کی ایک یہی عادت ان کو کھٹکتی تھی کہ اپنے سامنے وہ کسی کی نہیں سنتے تھے۔

❁........❁........❁........❁

پول سے پشت ٹکا کر وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے رک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو دھیرے دھیرے اسی کی جانب آ رہی تھی۔ لائٹر جھٹک کر بجھاتا وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا جو بالکل سامنے آ رکی تھی۔ بلا خوف و خطر اس لڑکی کی نظریں اس کی گردن میں سجی زنجیروں سے گزر کر اس کے بازوؤں سے پھسلتیں ہاتھوں میں چمکتی آرائشی چیزوں پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔ دوسری جانب بظاہر وہ بڑے صبر اور خاموشی سے کھڑا بے نیاز نظر آ رہا تھا۔ لڑکی اس کے گرد ایک چکر کاٹ کر دوبارہ سامنے آ رکی اور پھر عجیب نگاہوں سے اس کے شوخ بھڑکتے لباس کا جائزہ لینے لگی۔ دوسری طرف سگریٹ کے گہرے کش لیتا وہ بغور اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کے علاوہ سب کچھ گرم چادر میں قید تھا۔

"دور سے نظارے کر کے دل نہیں بھرتا جو دوبارہ یہاں آ گئی ہو؟" ذومعنی بات کرتے وہ ناگوار لہجے میں اس سے مخاطب ہوا جو پلکیں جھپکتی اس کے چہرے کو ہی تک رہی تھی۔ "سیدھی طرح نو دو گیارہ ہو جا پیاری۔" کڑی نظروں سے اسے دیکھتا اب کی بار وہ غرایا۔

"سنو......" وہ بے خوفی سے دو قدم اس کی جانب بڑھی۔

"کیا تم وہ ہو؟" اس کے پر تجسس لہجے سے زیادہ وہ اس کے سوال پر چونکا۔

"وہ کون؟" اس کے جھڑکنے والے انداز پر جواباً لڑکی کچھ کہتے کہتے رکی تھی شاید زبان سے وضاحت کرنے میں وہ تذبذب کا شکار تھی اس لیے اپنے چادر میں چھپے ہاتھ باہر نکال کر اس نے یک لخت اپنی دونوں ہتھیلیاں دوبار آپس میں ٹکرائی تھیں۔ دوسری جانب وہ ایک پل کے لیے دنگ ہوا مگر دوسرے ہی پل ایک جھٹکے سے سگریٹ پھینکتے ہوئے وہ جارحانہ انداز میں اس لڑکی کی طرف بڑھا مگر لڑکی ہوشیار تھی۔ بروقت سرپٹ وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔ بمشکل ضبط کے ساتھ اپنی جگہ رکا وہ خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا جو اب زنگ آلود گیٹ کے اندر سے جھانک رہی تھی۔ وہ چاہتا تو باآسانی اسے یہیں قابو کر لیتا مگر اسے ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ لڑکی تو اس کا ایک ہاتھ بھی برداشت کرنے کے قابل دکھائی نہیں دیتی تھی اور پھر وہ اپنے آپ کو بھی کسی مصیبت میں گرفتار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

❁........❁........❁........❁
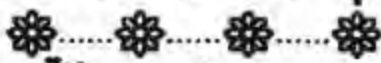
سلائی مشین ایک طرف کرتی وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ دراج کے واپس آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ آتے ہی اسے پہلے کھانا چاہئے ہوتا صبح فیکٹری جاتے ہوئے اس نے رائمہ سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ہرگز زرکاش سے ملنے اوپر والے پورشن میں نہیں جائے گی۔ زرکاش سے ملنے کے لیے کوئی نہ کوئی آ رہا تھا۔ یہ سلسلہ کل شام سے ہی جاری تھا۔ آخر دس سال کے طویل عرصے کے بعد وہ وطن واپس آیا تھا۔ رائمہ سارا دن کمرے میں سلائی میں مصروف رہی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ منتظر ہی رہی تھی کہ اوپر سے اسے کوئی بلانے آ جائے یا زرکاش خود ہی تعزیت کے بہانے نیچے آ جائے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ رائمہ کو کسی سے اب اچھائی کی امید نہیں رہی تھی۔ کل کی دال ایسے ہی رکھی تھی اس میں تھوڑا پانی ڈال کر اس نے ہلکی آنچ پر گرم کرنے کے لیے رکھ دی تھی۔ ابھی وہ آٹا گوندھنے کا ارادہ

ہی کر رہی تھی جب اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی ایک مرتبہ تو اسے اپنی سماعتوں پر شک ہوا مگر دوبارہ نامانوس آواز کے ساتھ ہی اسے کچن سے باہر دیکھنا پڑا تھا۔ فوری طور پر وہ صحن میں کھڑے شخص کو واقعی نہیں پہچان سکی تھی۔

"رائمہ کیا پہچانا نہیں مجھے؟" بھاری گمبھیر لہجے نے رائمہ کے ہاتھ پیر پھلا دیئے تھے۔ بمشکل چہرے پر مسکراہٹ لاتی وہ اس کی جانب بڑھی تھی۔ رائمہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے زرکاش نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ رائمہ کا دل بھر آیا وہ نظر نہیں اٹھا سکی تھی۔

"کیسی ہو تم اور دراج کہاں ہے؟" اس کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ سر جھکائے وہ بمشکل اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر اوپر سے کسی نے زرکاش کے سامنے اسے آنسو بہاتے دیکھ لیا تو سو باتیں سوچی جائیں گی جن میں سے ایک بھی اچھی نہ ہوگی۔

"حوصلہ رکھو تم اور دراج میری ذمہ داری ہو...... میں ہوں یہاں تم دونوں کے ساتھ۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ مت سوچنا کہ تم تنہا ہو۔ چچا چچی اور ابو کی جدائی کا غم ہم سب کا مشترکہ ہے ہم مل کر یہ سارے غم بانٹیں گے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں ان تینوں کا آخری دیدار تک نہ کر سکا شاید میں ہی بہت زیادہ گناہ گار ہوں کہ اپنی اتنی پیاری ہستیوں سے دور رہا۔" شدید مضطرب اور افسردہ لہجے میں وہ بول رہا تھا۔ رائمہ کے کان ترس رہے تھے اپنائیت بھرے چند لفظوں کو سننے کے لیے۔ زرکاش نے سر پر ہاتھ رکھا تو دل کو ایک ڈھارس سی ملی تھی۔

"بھائی آپ بیٹھ جائیے۔" خود کو سنبھالتے ہوئے رائمہ نے تخت کی جانب اشارہ کیا۔

"میں آپ کے لیے پہلے چائے لے آتی ہوں۔"

"نہیں رائمہ...... اپنا ہی گھر ہے بعد میں چائے ہی نہیں کھانا بھی کھاؤں گا تم بیٹھ جاؤ۔" زرکاش نے اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا...... ایک پل کو وہ کچھ تذبذب کا شکار ہوئی مگر پھر تخت کے دوسرے کنارے پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"رائمہ...... یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب تو نہیں ہے مگر بہت ساری باتیں مجھ تک پہنچی ہیں لیکن میں نے بس ایک طرف کی باتیں سنی ہیں اس لیے میں صحیح غلط کے بارے میں نہیں جانتا۔" زرکاش نے چند لمحوں کا توقف کیا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ دراج نے امی اور شیراز سے بدتمیزی کی تھی؟" زرکاش نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

"جی ہاں اس نے ایسا کیا تھا جس کے لیے میں نے تائی امی اور شیراز سے معافی مانگی تھی لیکن شاید آپ ان وجوہات سے بھی بے خبر ہوں جن کی بنا پر دراج زبان کھولنے پر مجبور ہوئی تھی۔"

"میں تم سے ان وجوہات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ یہ سچ ہے کہ آپ سب کے بہت احسانات ہیں ہم پر جب تک تایا ابو رہے سب کچھ ٹھیک رہا۔ ان کے بعد سب نے ہی قدم پیچھے ہٹا لیے۔ امی دن بدن بیمار ہوتیں بستر سے جا لگیں۔ ان کے علاج معالجے کے لیے مجھے گھر کی ایک ایک چیز فروخت کرنی پڑی تھی۔ یہ تائی امی کا احسان تھا کہ امی کے لیے انہوں نے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار روپے رکھے تھے امی دو سال تک بیماری کی حالت میں رہیں۔ پانچ ہزار تو چند دن میں ہی ختم ہو گئے تھے۔ سب کچھ برداشت ہو جاتا ہے مگر اپنوں کی نفرت اور بیزاری نہیں۔ امی کی زندگی میں ہی ہمیں بوجھ قرار دے دیا گیا۔ ہم سے کہہ دیا گیا کہ اس گھر میں اب ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ یہ گھر فروخت ہو گیا تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا یہ پروا کسی کو نہیں۔ دراج سے یہی سب برداشت نہیں ہوا تھا اس گھر میں امی ابو کی خوشبو ہے۔ یہاں سے ہمیں نکل جانے کا حکم دیا جائے گا تو کیا گزرے گی دل پر یہ محسوس کرنے کا کسی کے پاس وقت نہیں۔" سر جھکائے وہ لرزتے لہجے میں بولتی چلی گئی تھی دوسری جانب زرکاش بالکل خاموش تھا کیونکہ وہ اپنی ماں کو بہتر جانتا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ اپنے دیور کے

بیوی بچوں سے شروع سے ہی خار کھاتی تھیں۔

"یہ ٹھیک ہے کہ میرا ارادہ تھا اس جگہ سے نکل کر سب کسی اچھے علاقے میں شفٹ ہوجائیں' مجھے یہاں ایک گھر خریدنا ہی تھا مگر میری نیت یہ بالکل نہیں تھی کہ تم لوگوں کو الگ کردیا جائے۔ ہر کوئی یہاں الگ الگ باتیں کررہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا یہاں حالات اتنے کیوں بگڑ گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے ان حالات میں میرے گھر والوں کا اہم کردار رہا ہوگا۔ تم شاید یقین نہ کرو مگر چچا کے گزر جانے کے بعد میں نے سب سے ہر بار یہی کہا کہ چچی کا خیال رکھیں۔ مجھے ان کی بیماری کی اطلاع ملی تو میں نے امی کو بار بار یہی تاکید کی تھی کہ چچی کے علاج میں کوئی کمی نہ چھوڑیں۔ روپوں کی فکر نہ کریں۔ جس وقت جتنی رقم چاہیے مجھے بتائیں۔"

"بھائی آپ ان الجھنوں میں خود کو پریشان نہ کریں۔ میری ماں اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھیں۔ تائی امی نے جتنا کچھ ہمارے لیے کیا وہ بہت ہے۔ ان کے بس میں جتنا تھا انہوں نے کیا۔" رائمہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ہاں وہ تو نظر آرہا ہے۔" زرکاش کا لہجہ سپاٹ تھا رائمہ چپ رہی۔

"بہر حال اس گھر کو فروخت کرنے کا ارادہ میں پہلے ہی ترک کرچکا تھا تمہارے اور میرے باپ نے مل کر اس گھر کو بنایا تھا۔ ہمارے پاس یہ گھر ان کی نشانی ہے۔" زرکاش کے قطعی لہجے پر وہ شدید بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اس گھر پر تمہارا اور دراج کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ باقی سب کا ہے۔" زرکاش نے مزید کہا۔

"دراج کہاں ہے کیا وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی؟"

"وہ آپ سے کیوں نہیں ملنا چاہے گی؟ اس کے گھر آنے کا وقت ہوچکا ہے بس آتی ہی ہوگی۔"

"کہاں گئی ہے وہ؟"

"وہ جاب کرتی ہے ایک فیکٹری میں۔"

"فیکٹری میں جاب؟" وہ ششدر رہ گیا۔

"کب سے جاب کررہی ہے وہ؟"

"تایا ابو کی وفات کے بعد سے۔"

"مگر اس کی پڑھائی؟"

"وہ زیادہ دن کالج نہیں جاسکی۔ گھر کے حالات ایسے نہ تھے پھر اسے یا مجھے گھر سے باہر نکلنا ہی تھا۔ میری سلائی سے اخراجات پورے نہیں ہوسکتے تھے امی کی دوائیوں کے لیے زیادہ پیسوں کی ضرورت تھی پھر تائی امی نے بھی کہہ دیا تھا کہ مہنگائی بہت ہے بجلی گیس کے بل کے لیے مجھے دو ہزار روپے ان کو بھی ہر ماہ دینے ہوتے ہیں۔" رائمہ کے اس انکشاف پر وہ سناٹے میں آگیا۔ اب اسے سمجھ آرہا تھا کہ اس کی ماں بہنیں کیوں کل سے اب تک نیچے آنے سے روکتی رہی تھیں۔ اب وہ اپنی غفلت پر شرمسار بیٹھا تھا۔ دس سال پہلے یہاں سے جاتے ہوئے وہ بہت ذمہ دار نہیں تھا مگر پردیس میں وقت کے ساتھ ساتھ اسے رشتوں کی قدر و اہمیت بہت ہوگئی تھی۔ چچا کے بعد باپ کے بھی گزر جانے کے بعد اسے ان کے مقام مل گئے تھے۔ یہ سب اس کی ذمہ داری تھی اور وہ سب کے لیے بہت کچھ اچھا کرنے کے ارادے ساتھ لے کر آیا تھا مگر یہاں سب کچھ ویسا نہیں تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ تخت سے اٹھ کر کمرے کی جانب چلا گیا۔ دونوں کمروں کا جائزہ لینے کے بعد اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ رائمہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جو نظر نہیں ملا پارہا تھا۔

"کیا آپ دوبارہ واپس چلے جائیں گے؟" رائمہ کے سوال پر زرکاش نے اسے دیکھا۔

"نہیں..... ابھی یہاں بہت سے کام کرنے ہیں بہت سی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ مزید غفلت برت کر میں کیا چہرہ دکھاؤں گا روز آخرت اپنے باپ اور چچا کو...... "بوجھل لہجے میں بولتا وہ رکا...... اس کی نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر رائمہ نے صحن میں آتی دراج کو دیکھا۔

"یہ دراج ہے آپ تو اسے پہچان بھی نہیں پا رہے ہوں گے۔" زرکاش کی حیران نظروں پر رائمہ مسکرائی اور پھر دراج کی طرف بڑھی۔

"بھائی تمہارا پوچھ رہے تھے اور پتا ہے بھائی کہہ رہے ہیں وہ اس گھر کو بالکل فروخت نہیں کریں گے۔ ہمیں اس گھر سے کوئی بے دخل نہیں کرسکتا۔" رائمہ کے دبے دبے لہجے میں خوشی نمایاں تھی اس کی نم آنکھوں سے نظر ہٹا کر دراج نے پھر اسے دیکھا جو قریب آ گیا تھا۔

"تم اب فیکٹری نہیں جاؤ گی۔ تمہیں پڑھنا ہے۔" دراج کے چہرے کی معصومیت اور سنجیدگی نے زرکاش کے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ "جو کچھ ہو چکا ہے اور جو غفلت برتی گئی ہے اس کے لیے میں تم دونوں سے معافی مانگتا ہوں میں اب تم دونوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔" غمزدہ لہجے میں زرکاش نے کہا اور خاموشی سے ایک ٹک اپنی جانب دیکھتی دراج کو اس نے سینے سے لگالیا تھا۔

"جب تک میں زندہ ہوں خود کو یتیم مت سمجھنا تم دونوں سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ شزا اور شذرا سے کسی طور پر تم دونوں کی اہمیت کم نہیں۔" بھاری لہجے میں وہ بول رہا تھا مگر دراج کا سارا دھیان اس کے لباس سے پھوٹتی مسحور کن قیمتی پرفیوم کی مہک پر تھا۔ رخسار کے نیچے دبا اس کے گریبان کے نفیس کپڑے کی قیمت کا اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل تھا۔ دھیرے سے پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی نگاہیں زرکاش کے ہاتھ میں موجود رسٹ واچ کا برانڈ پہچان گئی تھی۔ وہ خواب و خیال میں بھی اس برانڈڈ واچ کو چھونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ زرکاش رائمہ سے کیا کہہ رہا تھا اس نے نہیں سنا تھا' سر جھکائے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

"دراج شاید مجھ سے ابھی ناراض ہے۔" اس کا خاموشی سے چلے جانا زرکاش نے بہت محسوس کیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے دراصل وہ پہلی بار آپ سے اس طرح ملی ہے تو بات کرتے ہوئے شرما رہی ہے ورنہ بہت بولتی ہے۔" رائمہ شرمندہ ہوتی صفائی دینے لگی۔

"تم اسے سمجھا دینا اسے فیکٹری بالکل نہیں جانا اب۔" زرکاش کی تاکید پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بھائی امی بلارہی ہیں ماموں کب سے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" بہن کے ناراض لہجے پر وہ رائمہ سے اجازت لیتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀
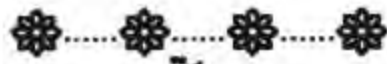
گیٹ کھولتے ہوئے ندا بیگم خوشگوار حیرت سے دوچار ہوئی تھیں۔

"حاذق تم اتنی اچانک یہاں۔"

"بھابی...... حاذق نام کی خوشی اچانک ہی آتی ہے اور قسمت والوں کے لیے آتی ہے۔" شوخی سے بولتے ہوئے اس نے سر جھکایا تھا۔

"جیتے رہو۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں ندا بیگم کھلکھلائی تھیں۔

"میں نے سوچا خود ہی جا کر آپ سے دعائیں لے لوں اور بھائی جان کو ایک بار پھر ترقی مل جانے پر مبارک باد دے دوں۔" اس کے شرارتی لہجے پر ندا مزید ہنسی۔

"وہ ابھی بینک سے نہیں آئے۔ تھوڑا انتظار کرلو اور یہ بتاؤ تم اکیلے آئے ہو ہم تو یہی سمجھے تھے کسی انگریز دلہن کو ساتھ لاؤ گے۔"

"فکر مت کریں' تنہا آیا ہوں مگر تنہا جاؤں گا نہیں۔" ان کے ہمراہ گھر کے اندر جاتا وہ بولا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے تمہاری شادی ہو جائے گی تو تایا جان اور تائی جان اس آخری ذمہ داری سے فارغ ہو جائیں گے۔ حاذق تم ذرا جا کر بیٹھو میں بس دو منٹ میں آتی ہوں رومیل مدرسے سے آنے والا ہے اس کے لیے پراٹھا تیار کر رہی تھی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"ہاں ضرور آپ اپنا کام کرلیں۔ میری فکر نہ کریں۔" حاذق نے فوراً ہی کہا جب کہ ندا تیز قدموں سے کچن کی طرف چلی گئی۔

وہ ٹہلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جہاں ملگجا اندھیرا پھیلا تھا۔ دروازے کے ساتھ ہی سوئچ بورڈ پر ہاتھ بڑھا کر اس نے لائٹس آن کردی تھیں۔ بے خیالی میں صوفوں کی جانب بڑھتا وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔ آنکھیں چندھیا سی گئی تھیں۔ آف وہائٹ لباس میں نمایاں ہوتا اس کا دودھیا وجود سرخ کارپٹ پر بے سدھ نظر آ رہا تھا۔ سرخ رنگ کے فلور کشن پر اس کے ریشمی چمکتے بال بکھرے ہوئے تھے کچھ شریر لٹیں اس کی گردن سے لپٹی تھیں اور کچھ شانے پر اور اس کا خوابیدہ چہرہ...... حاذق پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ دل کی دنیا درہم برہم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ لانبی گھنی پلکوں پر اس کا دل ٹھہر گیا تھا۔ گلابی چہرے کی شفاف جلد پر اس خواب کا سحر چمک رہا تھا جو گھنی پلکوں تلے گزر رہا تھا نازک سی کھڑی ناک کے نیچے ترشے لب گلاب کی نازک پنکھڑیوں جیسے مخملی تھے وہ اس حسین ساحرہ کے سحر میں قید ہوتا جا رہا تھا جو اپنے آپ سے بھی غافل تھی۔ قدم قدم پر اس نے حسین چہرے دیکھے تھے مگر یہ چہرہ اس کے جسم و جان کو اپنے طلسم میں جکڑ گیا تھا۔ اس کے نازک وجود میں پورے چاند کی چاندنی کھلی ہوئی تھی سنگ مرمر جیسے حسین تراشے وجود کے پیچ وخم دنیا سے غافل کر رہے تھے اسے چھونے کی محسوس کرنے کی خواہش شدت سے دل میں جاگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ رہے سہے ہوش بھی کھو بیٹھتا ندا بیگم کی تیز آواز نے اس پر طاری سحر کو توڑ دیا تھا۔

"رجاب...... اٹھو یہاں سے جہاں دل چاہتا ہے پڑ کر سو جاتی ہو...... اٹھو فوراً......" غصے کو بمشکل روکنے کے باوجود انہوں نے انتہائی سخت لہجے میں رجاب کو شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ حاذق کی آنکھیں اس پر ساکت تھیں۔ سوئی سوئی آنکھوں کے گلابی ڈورے حاذق کا دل سینے سے کھینچ لے گئے تھے۔ وہ ٹھیک طرح اس کے سحر سے آزاد بھی نہیں ہو پایا تھا باوجود اس کے کہ ندا بیگم اسے ڈرائنگ روم سے لے جا چکی تھیں۔ وہ اپنے حواسوں میں ہوتا تو یقیناً سمجھ جاتا کہ ندا بیگم اسے رجاب کے پاس یوں کھڑا دیکھ کر شدید ناگواری میں مبتلا ہوئی تھیں۔

"معاف کرنا حاذق مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ بے وقوف لڑکی اپنے کمرے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئی ہے ورنہ میں پہلے ہی اسے جگا دیتی۔" کچھ دیر بعد ڈرائنگ روم میں آتیں ندا بیگم نے نہ چاہتے ہوئے بھی معذرت کی تھی مگر حاذق نے جیسے سنا ہی نہ تھا۔

"بھابی...... یہ رجاب پانچ سال میں اتنی بڑی ہو گئی ہے میں بالکل بھی اسے پہچان نہیں سکا۔" حاذق کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی۔

"لڑکیوں کا پتا ہی کہاں چلتا ہے۔ اچانک ہی قد نکال لیتی ہیں۔" زبردستی مسکراہٹ چہرے پر لا کر وہ ٹالنے والے انداز میں بولی اور پھر فوراً ہی باتوں کا رخ بدل دیا تھا۔ کچھ دیر بعد راسب بھی آ گئے تھے۔ ان سے باتیں کرتا وہ بالکل غائب دماغ تھا۔ آنکھیں بس دوبارہ اسے سامنے دیکھنے کی منتظر تھیں۔ شدت سے وہ پھر اس کے دیدار کا منتظر تھا۔

چائے کا دور چل رہا تھا جب اس کے بے چین دل کی خواہش پوری ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں وہ جھجکتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔ شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجائے اس نے حاذق کو سلام کیا اور ندا بیگم کے پہلو میں جا چھپی تھی۔ حاذق کے تو دل پر ایک بار پھر قیامت گزر گئی تھی کچھ دیر پہلے اس کے جلوے حواس گم کر گئے تھے مگر اب ہلکے آسمانی رنگ کے لباس میں سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے جھکی نظروں سے سامنے آتی وہ جنت کی حور لگ رہی تھی۔ اس کی آواز سماعتوں میں رس گھول گئی تھی حاذق کے لیے بہت مشکل تھا اس کے چہرے سے نظر ہٹانا یا اس سے لاتعلق رہنا' اس کی جھجک اور حیا کو محسوس کرنے کے باوجود وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا سو راسب اور ندا بیگم سے باتوں کے دوران وہ اسے بھی مخاطب کرتا رہا تھا۔ اس کی اسٹڈیز کے حوالے سے چھوٹے چھوٹے سے سوال' جس کے جواب وہ بہت مختصر اور جھینپے انداز میں دیتی اس کی کیفیات اور جذبات سے قطعی انجان اور بے نیاز تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

آج رات بھی سردی کڑاکے کی تھی مگر پتا نہیں وہ کس مٹی سے بنا تھا' سرد ہواؤں سے بے نیاز معمول کی طرح پول سے پشت لگائے اطمینان سے کھڑا تھا۔ سگریٹ کا آخری کش لے کر بچا سگریٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے اس کی نظر سڑک کی طرف اٹھی اور اگلے ہی پل ناگواری سے اس کی ابرو تن گئے تھے۔ دوسری جانب کچھ فاصلے پر رکتی لڑکی احتیاط اس کے تیوروں کا اندازہ لگاتی رہی اور پھر ہاتھ میں موجود ایک تہہ گرم چادر اس کی جانب بڑھائی تھی۔

''یہ چادر لے لو بہت سردی ہو رہی ہے۔'' لڑکی کے لہجے نے اسے ایک پل کے لیے حیران کر دیا تھا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اگلے ہی پل وہ اکھڑے انداز میں بولا۔

''کیوں...... کیا تم انسان نہیں ہو؟''

''نہیں۔'' وہ اتنا ہی بولا تھا۔

''مجھے تو پہلے ہی شک تھا۔'' لڑکی بے اختیار بولی۔

''تم یہاں سے جاتی ہو یا نہیں؟'' وہ بگڑے تیوروں سے بولا اور لڑکی چند لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''وہ کون لوگ ہوتے ہیں جو گاڑی میں آتے ہیں؟ تم ان کے ساتھ روز کہاں جاتے ہو؟''

''جہنم میں جاتا ہوں۔ تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والی؟'' وہ غرایا۔

''کوئی نہیں۔'' اس کے لباس کا دلچسپی سے جائزہ لیتی وہ سرسری لہجے میں بولی۔ دوسری جانب وہ کچھ کہتے کہتے رک کر سڑک کی جانب متوجہ ہوا جہاں سے ایک مریل سا شخص اسی جانب چلا آرہا تھا۔

''آ گیا میرا خون چوسنے۔'' لڑکی کے زہریلے لہجے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا مگر لڑکی اس شخص کو ہی گھور رہی تھی جس نے جھپٹنے والے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''گھر چل...... پیسے نکال کر دے مجھے کہاں چھپا کر رکھے ہیں۔'' سرخ آنکھوں والا مریل شخص اسے ساتھ کھینچ کر لے جانا چاہتا تھا مگر لڑکی ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا گئی تھی۔

''نہیں ہے میرے پاس پیسے' کتنی دولت تو نے کما کر میرے ہاتھ پر رکھی ہے جسے چھپا کر رکھوں گی؟''

''جھوٹ بولتی ہے...... عیار......'' دھاڑتے ہوئے اس شخص نے لڑکی کو ایک تھپڑ بھی رسید کیا۔

''میں عیار ہوں اور تو کون ہے؟ پہلے یہ تو معلوم کر مرد ہے تو جا کر بڑے کہیں کھو محنت مزدوری کر۔'' لڑکی حلق کے بل چیخی تھی۔ جس پر مریل شخص شدید اشتعال میں آ گیا تھا۔ مغلظات بکتے ہوئے اس نے لڑکی پر تھپڑوں اور لاتوں کی بارش

کردی تھی۔ دوسری طرف وہ جو پول سے ٹیک لگائے کھڑا تھا بڑے اطمینان اور دلچسپی سے یہ مناظر دیکھتا نئی سگریٹ سلگا چکا تھا۔

مریل شخص اگرتا بڑتوڑ تھپڑوں اور ٹھوکروں کی برسات کررہا تھا تو لڑکی بھی مزاحمت کی پوری کوشش میں تھی مگر دوسری بار جب وہ زمین پر گری تو دوبارہ قدموں پر اٹھنے کا اسے موقع نہیں ملا تھا۔

''تو صرف یہی زبان سمجھتی ہے دیکھتا ہوں کیسے مجھے روپے نہیں دے گی۔ چل ابھی میرے ساتھ۔'' مریل سے شخص کا سارا دم خم اس کی آواز میں ہی تھا سو دھاڑتے ہوئے وہ اس لڑکی کو گھسیٹ لے جانے کی کوشش میں تھا۔

''تو کون سی شرافت کی زبان سمجھتا ہے۔ مجھے بھی تیری اسی ماں نے جنم دیا ہے جسے صدمے دے دے کر تو نے کسی قابل نہیں چھوڑا اور اب بھی بھگت رہی ہوں تجھے۔ تو مر کیوں نہیں جاتا۔'' لڑکی چلاتے ہوئے دوبارہ اس شخص کو بھڑکا گئی تھی۔ وہ پل پڑا تھا لڑکی پر۔ اس بار لڑکی نے اپنے بچاؤ کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ بس کراہتے ہوئے لاتیں ٹھوکریں کے برداشت کرتی رہی تھی کچھ دیر بعد ہی وہ شخص تھک کر رکا اور بری طرح ہانپنے لگا تھا مگر سرخ ابلتی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا جو چہرہ گھٹنوں میں چھپائے زمین پر گٹھڑی بنی پڑی تھی۔

''میں پیسے لے کر جاؤں گا۔ چل میرے ساتھ۔'' وہ شخص پھولی سانسوں کے درمیان چیخا تھا۔ ''تو ایسے نہیں مانے گی۔'' لڑکی کی ڈھٹائی پر اس نے تلملا کر پیر سے چپل نکالی تھی۔

''چھوڑ دے اسے۔'' مداخلت کرتی اس آواز پر اس شخص نے رک کر پول کی طرف دیکھا تھا۔ ''یہ مرگئی تو سیدھا جیل جائے گا وہاں اتنی آسانی سے نشے کی پڑیا نہیں ملنے والی۔ دو دن میں ہی ایڑیاں رگڑتا مرجائے گا۔'' اس تماشے سے وہ اکتا چکا تھا شاید اس لیے مداخلت کرتا اس شخص کی طرف بڑھا تھا وہ شخص سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں کون ہوں' سامنے پڑی ہے خود ہی پوچھ لے اس سے۔'' بے نیازی سے بولتا وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا اور اگلے ہی پل سرعت سے اپنی جگہ سے بروقت ہٹا تھا کہ لڑکی کا پھینکا گیا پتھر زوردار طریقے سے پول سے ٹکرایا تھا۔ وہ بری طرح دنگ رہ گیا تھا جب کہ لڑکی خونخوار نظروں سے اسے دیکھتی دوسرا پتھر اٹھا رہی تھی۔

''اے رک۔'' بلند آواز میں وہ اسے روک رہا تھا۔

''یہ پتھر اپنے اس نشئی کو مار مجھے اگر مارا تو ہاتھ توڑ دوں گا۔ واپس وہیں رکھ پتھر۔'' اس کی کرخت انداز پر لڑکی پتھر ایک طرف ڈالتی مریل نشئی کو گھورنے لگی تھی۔

''آخری بار کہہ رہا ہوں اب روپے میرے حوالے کردے ورنہ یہیں گڑھا کھود کر دفن کردوں گا تجھے۔'' مریل آدمی کو پھر دورہ اٹھا تھا۔ جواباً وہ کچھ بھی بولے بغیر گھٹنوں میں چہرہ چھپا گئی تھی۔

''ڈرامہ کرتی ہے میرے سامنے۔''

''ایک ایک پیسے کے لیے ترساتی ہے' دیکھنا ایک دن تجھے ہی بیچ کر اکٹھی رقم ہتھیالوں گا۔''

''کس کو بیچے گا؟ دو کوڑی کا بھی نہیں چھوڑا ہے تو نے' میرے بدلے کوئی ایک دمڑی بھی نہیں دے گا تجھے۔'' ایک جھٹکے سے کھڑی ہوتی وہ چلائی تھی جواباً مریل شخص بھی بھڑکتا یک دم رکا اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگیا جو پول سے پشت ٹکائے مریل شخص کو کچھ نوٹ دکھا رہا تھا۔ سب کچھ بھول کر اس شخص نے جھپٹ کر دو نوٹ تقریباً چھین لیے تھے۔

چادر سر پر ڈالتی وہ اپنے پھٹے ہونٹ سے رستا خون صاف کرتی شدید نفرت سے مریل شخص کو گھور رہی تھی جو روپے گنتا تیزی سے وہاں سے جا رہا تھا۔

''تم نے کیوں دیے اس بے غیرت کو پیسے؟'' غضیلے انداز میں وہ اس سے سوال کررہی تھی جو بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا اور ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ دنگ نظروں سے وہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔ عجیب سی ہنسی تھی اس کی ہنستے ہنستے وہ بے حال ہوتا ادھر ادھر جارہا تھا۔ اسے ہی دیکھتی وہ سڑک کی جانب بڑھی اور پھر تیز قدموں سے سڑک پار کرتی زنگ آلود گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔ اندر جانے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی تیز روشنی میں وہ زمین پر گری گرم چادر اٹھا رہا تھا۔

✿ ✿ ✿ ✿

رات کا دوسرا پہر دھیرے دھیرے سرکتا جارہا تھا۔ فرشی بستر پر تکیے پر سر رکھے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اسے معلوم تھا رائمہ بھی جاگ رہی ہے اس کی بدلتی کروٹوں سے وہ انجان نہیں تھی۔

''دراج...... جاگ رہی ہو؟'' رائمہ کی دھیمی آواز پر اس نے خاموشی سے کروٹ اس کی جانب بدل لی تھی۔

''زرکاش بھائی کی باتوں سے بہت ڈھارس ملی ہے لیکن ان کے گھر میں سب کو ان کا ہم دونوں سے قریب ہونا برداشت نہیں ہوگا۔ ہے ناں؟'' رائمہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ آپ کو ہی چند گھنٹوں میں ان پر اندھا اعتبار ہوگیا ہے ان کے کہنے پر آپ بھی مجھے جاب چھوڑنے پر مجبور کررہی ہیں کل اگر وہ اپنے گھر والوں کی باتوں میں آکر ہم سے لاتعلق ہوگئے تو کیا کریں گے ہم؟ میرے لیے دوسری جاب طشتری میں لے کر کوئی دروازے پر نہیں آئے گا۔'' وہ بیزاری سے بولتی چلی گئی۔

''دراج تمہارے اندیشے بجا ہیں مگر بس پتا نہیں میرا دل کیوں گواہی دے رہا ہے کہ زرکاش بھائی ہمارے ساتھ مخلص رہیں گے کوئی ان کو ہمارے خلاف کتنا ہی کیوں نہ بھڑکائے وہ ہم سے تعلق نہیں توڑیں گے ان کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے ہمارے خلاف بہت کچھ ان کے کانوں میں ڈالا گیا ہے مگر انہوں نے ہمارے خلاف کچھ غلط نہیں سوچا بلکہ وہ مجھ سے حقیقت پوچھ رہے تھے، بہت شرمندہ نظر آرہے تھے تمہارے سامنے انہوں نے معافی بھی مانگی ہم سے وہ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں تب ہی تو انہوں نے تمہیں فیکٹری جانے سے روکا ہے اگر تم پھر بھی فیکٹری گئیں تو کہیں وہ ہم سے بدظن نہ ہوجائیں۔ ہم ان کی بات کو اہمیت نہیں دیں گے تو وہ بھی ہمیں، ہمارے حال پر چھوڑ دیں گے بہتر یہی ہے کہ ہم ان کی مرضی کے خلاف نہ جائیں اور پھر میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم فیکٹری نہ جاؤ۔ تم چلی جاتی ہو تو مجھے تمہاری فکر رہتی ہے اندیشے وسوسے پریشان کرتے ہیں آگے کا اللہ مالک ہے۔ کچھ دن گزرنے دو اس کے بعد جو بھی حالات ہوئے ہم دونوں مل کر کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

''ٹھیک ہے آپ کے زرکاش بھائی دس سال بعد واپس آئے ہیں ان کو آزمانے کے لیے دس دن تو دیے جاسکتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''ہم کون ہوتے ہیں کسی کو آزمانے والے زرکاش بھائی بالکل تایا ابو کی طرح مہربان اور محبت کرنے والے ہیں جب وہ یہاں سے گئے تھے تو تم بہت ناسمجھ تھیں مگر مجھے یاد ہے کہ وہ تب بھی ایسے ہی تھے تائی امی اور اپنے باقی بہن بھائیوں سے بالکل مختلف۔'' رائمہ کے لہجے میں زرکاش کے لیے بہت اپنائیت تھی دراج کو حیرت نہیں تھی جانتی تھی کہ رائمہ کے دل میں جگہ بنانے کے لیے دو میٹھے بول ہی کافی ہیں۔

''میں تو پہلی نظر میں ان کو پہچان ہی نہیں سکی تھی۔ اچھی شکل صورت کے تو وہ پہلے بھی تھے مگر اب تو اور زیادہ اچھے اور خوب صورت دکھائی دیتے ہیں۔''

''کچھ زیادہ ہی تعریفیں نہیں ہورہی ہیں؟'' نیم تاریکی میں دراج نے بغور اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔

''بے وقوف ساری دنیا کی بہنوں کو اپنے بھائی اچھے اور پیارے لگتے ہیں۔'' اس کے مشکوک لہجے پر رائمہ نے خشمگین انداز میں گھرکا۔

''مجھے کیا پتا میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے۔'' رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ بیدار بھی اس وقت ہوئی جب دن چڑھ آیا تھا رائمہ تو معمول کی طرح جلدی جاگ گئی تھی واش بیسن کے ساتھ ہی کچن کی کھڑکی تھی اسے برش کرتے دیکھ کر رائمہ کھڑکی کے قریب آ گئی تھی۔

''دراج جانتی ہو صبح کیا ہوا؟'' رائمہ کے سرگوشانہ لہجے پر وہ چونکی۔

''صبح زرکاش بھائی کہیں باہر جارہے تھے میں صحن کی جھاڑو لگارہی تھی تو سامنا ہوگیا۔ پہلے تو انہوں نے مجھ سے یہی پوچھا کہ دراج کو فیکٹری تو نہیں جانے دیا پھر انہوں نے دبے لفظوں میں بتایا کہ وہ کسی کے ہاتھ راشن کا سامان بھیجیں گے فی الحال بس اتنا کہ کسی کی نظروں میں نہ آئے۔ 'کسی' مطلب اوپر تائی امی وغیرہ۔ مجھے بہت شرمندگی محسوس ہوئی میں ان کو منع کرنا چاہتی تھی مگر وہ رکے نہیں ایک گھنٹہ پہلے وہ دکان کا کوئی ملازم تھا مہینے بھر کا راشن اٹھالایا۔ ساتھ میں سبزی اور پھل بھی...... شکر ہے کہ اوپر والوں کی صبح دوپہر میں ہوتی ہے میں احتیاطاً صحن میں ہی رہی جلدی جلدی میں نے سارا سامان کچن میں ٹھکانے لگادیا...... زرکاش بھائی کے محتاط انداز نے مجھے تو اور فکر میں مبتلا کردیا ہے اگر تائی امی کو بھنک بھی لگ گئی تو کیا کیا باتیں بنیں گی۔'' پریشان لہجے میں تفصیل بتاتی وہ اس کے فارغ ہوجانے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

''ہم نے ان سے بھیک نہیں مانگی' وہ جو کررہے ہیں اپنی مرضی سے کررہے ہیں۔'' چہرے پر پانی ڈالتی وہ سرد لہجے میں بولی تھی اور پھر دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی کچن میں ہی آ گئی۔ شاپرز میں موجود فروٹس کا جائزہ اس نے لیا اور پھر چھری اٹھا کر فروٹس کاٹنے لگی۔

''یہیں کھڑے رہ کر کھانا یہ پھل پلیٹ اٹھا کر صحن میں نہ نکل جانا۔'' رائمہ کی تاکید پر اس کے تاثرات بگڑ رہے تھے۔

''اس سے تو بہتر تھا کہ آپ ان کو یہ سب بھیجنے سے منع کردیتیں چند روپے خرچ کرنے سے وہ کنگال نہیں ہوجائیں گے۔ دس سال میں روپے بنانے کی مشین بن گئے ہیں وہ' بہت کچھ سمیٹ کر لائے ہیں۔ ایسے ہی نہیں سب بچھے جارہے ہیں ان کے قدموں میں' کوئی احسان نہیں کررہے ہم پر۔ اپنے گھر والوں کے کالے کرتوتوں کا ازالہ ہے یہ سب اور کچھ نہیں۔'' اس کے تیز تلخ لہجے پر رائمہ ہک دک نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

دو دن کس وحشت میں گزرے یہ وہی جانتا تھا۔ دل بار بار اسے دیکھنے کے لیے مچل رہا تھا۔ گھر میں سب نے ہی اس کی غائب دماغی اور خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ وہ خود اپنی حالت پر حیران تھا اب تک وہ خود کو ایک مضبوط میچورڈ مرد سمجھتا رہا تھا مگر ایک چھوٹی سی لڑکی نے کس طرح اس کے اعصاب کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ رات کو اس کے لیے سونا کٹھن ہوگیا تھا آنکھیں بند کرتے ہی اس کا شرمایا لجایا معصوم سا چہرہ سامنے آجاتا...... سکون جیسے رخصت ہی ہوگیا تھا بے چینی حد سے سوا ہوئی تو اس نے راسب کے گھر فون بھی کیا کہ شاید اس کی آواز سن کر بے چین دل کو کچھ قرار آجائے مگر فون ندا بیگم نے ریسیور کیا۔ ان سے خیر خیریت دریافت کرتے ہوئے وہ رجاب کا نام بھی زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرسکا تھا۔ تیسرے دن اس کا ضبط بالکل ختم ہوگیا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی بھی طرح رجاب کو اپنے گھر لے آئے گا۔ اس کی دونوں بہنیں اپنے اپنے سسرال سے بچوں کے ہمراہ رکنے آئی ہوئی تھیں۔ ساتھ مل بیٹھنے کے بہانے وہ کم از کم اسے دیکھ تو سکے گا۔ ویسے بھی اگلا دن چھٹی کا تھا اور اسے یقین تھا کہ راسب کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ راسب سے وہ

ہمیشہ بہت اٹیچڈ رہا تھا مگر ان کی رعب دار شخصیت سے وہ کافی مرعوب بھی رہتا تھا اس لیے احتیاط ضروری تھی اپنی بہن کے بچوں کے ہمراہ جب وہ رومیل اور رجاب کو ساتھ لے جانے کے ارادے سے پہنچا تو راسب نے واقعی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ حاذق کا تو دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا اس بات سے انجان کے رجاب کتنی بے دلی سے راسب کے حکم پر جانے کے لیے تیار ہوئی تھی کمرے میں وہ ندا بیگم کے سامنے تن فن کرتی پیر پٹختی رہی تھی مگر وہ بھی کیا کر سکتی تھیں سوائے اسے پیار سے سمجھانے کے اور پھر ایک ہی دن کی تو بات تھی۔

اس کی آنکھیں رجاب کو دیکھ کر سیر ہو رہی تھیں وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ رجاب اس کے ساتھ موجود تھی۔ اس کی قربت میں کیسا سرور اور نشہ تھا۔ اس کے ان چھوئے پھولوں جیسے پاکیزہ وجود کی خوشبو میں کیسا کیف آگیں احساس تھا...... ڈرائیونگ کے دوران وہ مستقل بیک ویو مرر سے اس کا دیدار کر رہا تھا۔ یہ فطری سی بات تھی کہ رجاب بھی اس کی نگاہوں میں چھلکتے جذبوں سے انجان نہیں تھی۔ سمٹ کر بیٹھی وہ کچھ ہراساں دکھائی دے رہی تھی اس کے حسین چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا ایسے میں وہ پوری کی پوری حاذق کے دل میں اترتی چلی گئی تھی۔

''رجاب......'' اس کی مدھم پکار میں جو کچھ تھا وہ رجاب کو مزید ہراساں کر گیا تھا۔

''کوئی بات کرو...... اتنی خاموش کیوں ہو...... کیا میرے ساتھ جانا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا؟'' حاذق کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

''ایسا تو نہیں......'' نظر جھکائے وہ بمشکل بول سکی۔

''پھر کیا وجہ ہے خاموشی کی؟'' اس کے سوال پر وہ چپ رہی۔

''جانتی ہو کوئی تمہاری آواز سننے کے لیے ترس رہا ہے؟'' حاذق کا گہرا لہجہ اسے پریشان کر گیا تھا۔

''ویسے تم بڑی بے مروت کزن ہو۔ کبھی تو فیق نہیں ہوئی تمہیں کہ فون پر سلام دعا ہی کر لیتیں۔ میری تو جب بھی راسب بھائی سے بات ہوئی میں تم سمیت سب کے بارے میں ہی پوچھتا تھا۔'' حاذق کا شکایتی لہجہ اسے بہت عجیب لگا۔

''میں فون پر کسی سے بات نہیں کرتی۔ ہمیشہ آغا جان یا بھائی فون ریسیو کرتی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''وہ کیوں؟'' حاذق نے حیرت سے کہا۔

''پتا نہیں...... بس آغا جان کی اجازت نہیں ہے وہ غصہ کرتے ہیں رانگ کالز بھی آ جاتی ہیں تو اس لیے۔''

''مطلب یہ رانگ کالز کے خدشے میرے اور تمہارے درمیان رہے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''گاڑی کی اسپیڈ بڑھ نہیں سکتی۔'' بالآخر سست روی سے اکتا کر رجاب کو بولنا پڑا۔

''کیوں نہیں بڑھ سکتی بالکل بڑھ سکتی ہے۔ یہ تو اڑ بھی سکتی ہے اگر آپ بے ہوش نہ ہونے کا وعدہ کریں۔'' حاذق کے سنجیدہ لہجے پر رجاب نے حیرت سے اسے دیکھا مگر اگلے لمحے ہی بے ساختہ مسکراتی وہ اسے سرشار کر گئی تھی۔

''تمہاری مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے شاید اسی لیے کم مسکراتی ہو۔'' حاذق کی پرتپش نگاہوں نے اس کی مسکراہٹ مدھم کر دی تھی پتا نہیں کیوں رجاب کو یہ تعریف بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

رومیل تو باقی بچوں کے ساتھ مگن تھا جب کہ وہ زبردستی سب کے درمیان موجود ماحول کا حصہ نظر آنے کی کوشش میں تھی مگر حاذق کی موجودگی اپنا طواف کرتی اس کی نگاہیں اور اس کا بار بار مخاطب کرنا رجاب کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ رجاب کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگتی جا رہی تھیں۔ وہ واقعی اس کی نظروں سے چھپنا یا دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ یہ سب جو بھی تھا اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ

رجاب کا ہچکچانا اپنی جانب دیکھنے سے بھی گریز کرنا حاذق کو نظر نہیں آتا۔ وہ مکمل دل و جان سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کبھی تو رجاب سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملے۔ یقیناً اس کی اس خواہش میں بہت شدت تھی جب ہی تو رات گئے بالآخر اسے یہ سنہری موقع مل گیا تھا۔

"رجاب تم نا سمجھ نہیں ہو۔ جان چکی ہو کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔" اس کے فق چہرے کو دیکھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔ "تمہارا مجھ سے دور دور رہنا مجھے نظر انداز کرنا مجھے ہرٹ کررہا ہے۔"

"ایسا تو نہیں......" نظر چرائے وہ بمشکل بولی...... جواباً حاذق بس اسے دیکھ رہا تھا۔ رجاب کو اپنا دل حلق میں آتا محسوس ہوا تھا۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" یک دم ہی وہ صوفے سے اٹھی مگر حاذق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے واپس بیٹھا لیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔" حاذق کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش میں اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے سرخ ہوتے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ حاذق کو اس لمحے وہ خوف زدہ ہرنی جیسی نظر آرہی تھی وہ اپنا غصہ بھول گیا تھا۔ اس کی دبی دبی سسکیاں اور چہرے پر پھسلتے موتی دل کو مضطرب کرگئے تھے۔

"تمہارا ہاتھ پکڑا ہے اس لیے رو رہی ہو...... میرا چھونا برا لگا ہے تمہیں؟" نرم لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا مگر وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی سسکیاں روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

"جب تک مجھے تمہارے رونے کی وجہ پتا نہیں چلے گی میں تمہارا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔" حاذق کی دھمکی نے اس کے آنسو بڑھا دیئے تھے۔

"آپ غصے میں ہیں۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"تو اس میں رونے والی کیا بات ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے آغا جان غصہ کرتے ہیں تو بھی رونا آتا ہے۔" وہ بولی۔

"مجھے تھوڑا سا غصہ آیا تھا۔ میں یہاں تم سے بات کرنے آیا تھا اور تم سنے بغیر جارہی تھی مجھے امید نہیں تھی کہ تم پھر مجھے ہرٹ کرو گی لیکن میں اپنے رویے کے لیے تم سے سوری کرتا ہوں۔" نرمی سے بولتے ہوئے حاذق نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"رجاب...... جو لوگ ہمارے لیے اپنے دل میں اچھے جذبات رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے ان کے ساتھ سرد مہری سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات کا مطلب سمجھ رہی ہوگی۔" حاذق نے سنجیدہ لہجے میں کہا...... دوسری جانب اس نے بھیگا چہرہ صاف کرتی جھکی نظروں سے سرخ مخملی باکس کو دیکھا۔

"یہ تمہارا گفٹ ہے۔"

"مگر کیوں؟" وہ تذبذب میں مبتلا ہوئی۔

"میں سب کے لیے گفٹس لایا ہوں ندا بھابی کو بھی تو تمہارے سامنے گفٹ دیا تھا۔" حاذق نے حیرت سے اسے یاد دلایا۔

"اتنا ڈری سہمی کیوں رہتی ہو تم...... یا پھر مجھ سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا تمہیں؟" اس کے سوال پر وہ سر جھکائے بس خاموش رہی...... وہ اندر ہی اندر لاؤنج سے نکل جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔

"رجاب...... کیا میں اچھا انسان نہیں لگتا تمہیں؟" بغور حاذق نے اس کی جھکی ہوئی بھیگی پلکوں کو دیکھا۔

"آپ...... اچھے ہیں۔" رجاب پھنسی پھنسی آواز میں بولی...... جب کہ حاذق کی آنکھیں خوشی سے چمک

اٹھی تھیں۔

''اور تم بہت زیادہ اچھی ہو...... اس دنیا سے بھی زیادہ۔'' وارفتہ نگاہوں سے اسے حاذق نے دیکھا اور پھر باکس کھول کر خوب صورت جھلملاتا بریسلیٹ انگلیوں میں اٹھایا۔

''تمہیں جیولری پسند ہے؟'' اس کے سوال پر رجاب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ بریسلٹ اچھا لگا تمہیں؟'' اس بار بھی نظر جھکائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اسے میں تمہارے ہاتھ میں پہنا دوں؟'' جواباً اس نے فوراً نفی میں سر ہلانے پر وہ بے ساختہ مسکرایا اور بریسلٹ واپس باکس میں رکھ کر اس کی حوالے کر دیا۔

''تم کیا ہمیشہ سے اتنی ہی بے وقوف ہو؟'' مسکراتی نظروں سے حاذق نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

''اب سر نہیں ہلے گا تمہارا۔'' ایک چپت اس کے سر پر لگاتا وہ صوفے سے اٹھ گیا۔

''میں جا رہا ہوں...... اب تمہیں کہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں آرام سے ٹی وی دیکھ سکتی ہو۔'' اسے تاکید کرتا وہ جاتے جاتے رکا۔

''اور ہاں صبح مجھے یہ بریسلٹ تمہارے ہاتھ میں نظر آنا چاہیے۔'' چور نظروں سے رجاب نے اس کی پشت کو دیکھا جو وہاں سے جا رہا تھا۔ شدید ناگواری کے ساتھ وہ باکس کو دیکھتی رہی تھی۔ حاذق کے دوبارہ وہاں آجانے کا اسے خدشہ تھا لہٰذا اسے تائی کے پاس چلے جانا ہی ٹھیک لگا۔ حالانکہ نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور بھاگ چکی تھی۔

دوسرے دن اس کی یہی کوشش تھی کہ کسی جگہ تنہا نہ بیٹھے اور اس جگہ زیادہ دیر نہ رکے جہاں حاذق موجود ہو اس نے شکر کی سانس لی تھی کہ راسب شام ہوتے ہی اسے اور روحیل کو ساتھ لے جانے آپہنچے تھے۔ اس کا اپنے گھر سے جانا حاذق کو ڈسٹرب ضرور کر رہا تھا مگر دل کو اس چیز کی بہت خوشی تھی کہ اس کا گفٹ رجاب کے ہاتھ میں موجود تھا۔

⚙ ...... ⚙ ...... ⚙ ...... ⚙

وہ کس طرح وہاں تک آئی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی ورنہ تو ایک قدم بھی چلنا محال تھا۔ پول سے ٹیک لگائے وہ بغور لڑکی کے چہرے پر پھیلے تکلیف دہ تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ اپنے روپے پکڑو۔ میں نہیں جانتی تم نے اسے کتنے روپے دیئے تھے مگر میرے پاس بس اتنے ہی ہیں۔'' تکلیف کی لہروں کو ضبط کرتی وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔ دوسری جانب وہ کچھ کہتے کہتے رکا اور پھر خاموشی سے وہ روپے لے لیے تھے۔ لڑکی پلٹ کر چند قدم ہی چلی تھی اور اگلے ہی پل ہلکی سی کراہ کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئی۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں میں باندھے وہ اس بلا کی ٹھنڈ میں پسینہ پسینہ ہوگئی تھی کل کی لاتوں اور ٹھوکروں نے کچھ اثر تو دکھانا ہی تھا۔

''اس حد تک بڑھنے ہی کیوں دیتی ہو اسے؟ کسی دن سر ہی پھاڑ دو اس کا تم پر ہاتھ اٹھانا بھول جائے گا۔'' دو قدم آگے بڑھتا وہ مشورہ دے گیا۔

''کوئی اثر نہیں ہوگا اس پر...... نشہ پورا کرنے کے لیے وہ کسی حد تک بھی جا سکتا ہے۔'' درد کو ضبط کرتی وہ تلخی سے بولی۔

''مگر اس طرح تو کسی دن وہ تمہیں جان سے ہی مار ڈالے گا۔''

''اچھا ہے مار ڈالے روز روز مرنے سے بہتر ہے ایک ہی بار خلاصی ہو جائے۔'' اپنے پیروں پر اٹھتی وہ بولی۔

''تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے تھا۔''

"مجھے مشورے نہ دو جا کر اپنا کام کرو۔" لڑکی نے سڑک پر رکتی گاڑی کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔
"جانے اس گاڑی کے اندر کون کتنی بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہو۔" لڑکی کے طنزیہ تلخ لہجے پر وہ کافی ناگواری سے چند لمحوں تک اسے دیکھ رہا تھا جو تیزی سے سڑک کراس کرتی دور جارہی تھی۔

✿......✿......✿......✿

ٹیکسی سے اترتے ہی اس نے سامنے عمارت کی جانب دیکھا اور اسی طرف نظر جمائے پیچھے ہٹتا پول کے قریب آ گیا...... گزرے دو دن میں وہ لڑکی اسے دکھائی نہیں دی تھی۔ کھڑکی میں بھی نہیں۔ گہری سانس لیتا وہ چونک کر اس درخت کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی گھنی شاخوں تلے تاریکی میں وہ موجود تھی۔
"آج تم بارہ بجنے سے پہلے ہی آ گئے؟" درخت کے چوڑے تنے سے پشت لگائے وہ اس سے مخاطب تھی جو معمول کی طرح آج بھی زرق برق لباس میں لشکارے مار رہا تھا۔
"تم اب کیسی ہو؟" اس کی بات نظرانداز کیے اس نے پوچھا۔
"مجھے چھوڑو...... عادت ہوچکی ہے اب۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔
"تمہارے بھائی کو نشے کی لت کب سے ہے؟"
"پتا نہیں لیکن جب تک خبر ہوئی بہت دیر ہوچکی تھی نشے کے لیے اس نے جبر کر کے گھر کی جو چند چیزیں تھیں سب بیچ دیں اور جب کچھ نہ رہا مجھ سے ہاتھا پائی کر کے روپے چھیننے شروع کردیے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
"جب تم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں تو کچھ روپے دے دیا کرو اسے۔" وہ بولا۔
"آسمان سے روپے برسیں تو اس کے حوالے کروں میرے مرحوم باپ کی پنشن اور میری سلائیوں سے فلیٹ کا کرایہ نکلنے کے بعد بیمار ماں کی دواؤں کا بندوبست اور دو وقت کی روٹی کا انتظام بھی مشکل سے ہوتا ہے۔" اس کے بتانے پر وہ کچھ نہیں بولا خاموشی سے سگریٹ سلگا لیا۔
"سنو...... کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟" لڑکی نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا مگر وہ ان سنی کیے اردگرد نظر دوڑاتا رہا۔
"کیا تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتے؟"
"کیوں بتاؤں کچھ تمہیں اپنے بارے میں؟" وہ یک دم ناگواری سے بولا۔
"اپنا نام ہی بتادو میں جاننا چاہتی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔
"نام کیوں جاننا چاہتی ہو شادی کرنی ہے کیا؟" وہ اکھڑے انداز میں بولا۔
"پہلے مجھے یہ تو سمجھ آئے تمہاری بارات جائے گی یا آئے گی......"
"اس نشئی کے ہاتھوں سے بچ جاتی ہو مگر میرے ہاتھوں دو منٹ میں موت کے گھاٹ اترو گی۔" غصیلی نظروں سے اسے گھورتا وہ غرایا تھا جب کہ لڑکی ذرا بھی خوف زدہ ہوئے بغیر اسے دیکھتی رہی تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ بھڑکا۔
"مجھے تمہارے کپڑے بہت اچھے لگتے ہیں۔"
"سیدھی طرح نکلو یہاں سے اپنے گھر میں جا کر بیٹھو ڈر نہیں لگتا تمہیں؟" اس نے بری طرح اسے جھڑکا۔
"میری اب تک کی ساری زندگی اسی سڑک کو تکتے گزری ہے مجھے یہاں کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی اور پھر اسے دیکھا۔

''میں نے جو چادر تمہیں دی تھی وہ کہاں ہے؟'' اس کے سوال پر وہ فوراً ہی اپنے ہینڈ بیگ پر جھکا اور اگلے ہی لمحے بیگ سے چادر نکال کر لڑکی کی سمت اچھال دی۔

''اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔'' سخت بگڑے لہجے میں وہ اسے جانے کا اشارہ بھی کر رہا تھا۔

''میں نے یہ چادر واپس نہیں مانگی' میں تو صرف یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تم اسے اوڑھتے کیوں نہیں۔'' لڑکی حیرت سے بولتی رکی کیونکہ وہ ان سنی کیے رخ موڑتا دوسری طرف متوجہ تھا۔ سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے فضا میں اڑاتے ہوئے وہ اس لمحے بری طرح چونکا جب چادر کی گرمی اس نے اپنے شانوں کے گرد محسوس کی اسے پلٹ کر لڑکی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

''سردی لگنے سے تم بیمار بھی ہو سکتے ہو۔'' پیچھے ہٹتے ہوئے لڑکی نے کہا اور پھر اس کے سامنے سے ہٹتی ایک پل کو رکی تھی۔

''مجھے تم سے یہ کہنے کا کوئی حق تو نہیں ہے مگر پھر بھی میں کہنا چاہتی ہوں کہ صرف اللہ کے لیے اس خراب راستے سے واپس پلٹنے کی کوشش کرو۔'' ہلکی آواز میں بول کر لڑکی رکی نہیں تھی جب کہ اپنے وجود کے گرد چادر کی گرمی محسوس کرتا وہ اسے دیکھتا رہا تھا جو زنگ آلود گیٹ کے پیچھے غائب ہو رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

کچن سے پانی کا گلاس لے کر وہ تیزی سے دراج کی طرف آئی تھی۔

''تم کیوں اٹھ کر آئیں۔ میں پانی اندر ہی لا رہی تھی۔'' پیار سے اسے ڈپٹتے ہوئے رائمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور گلاس اسے تھمایا۔ تشویش زدہ نظروں سے اس کے زرد چہرے کو دیکھتی وہ سیڑھیوں کی جانب متوجہ ہوئی تھی نیچے اترتے زرکاش نے اشارے سے رائمہ سے دراج کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا دوسری جانب پانی کے گھونٹ لیتی دراج کی قوت شامہ تک جیسے ہی مخصوص کولون کی مہک پہنچی وہ فوراً ہی تخت سے اٹھ کر کمرے کے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جب رائمہ کمرے میں آئی تو وہ تخت پر آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

''زرکاش بھائی تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' اس کے قریب بیٹھتی اس نے بتایا۔ ''دراج...... وہ اتنی فکر رکھتے ہیں ہماری تم کم از کم ان سے سلام دعا ہی کر لیا کرو۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ؟'' اس کے توجہ نہ دینے پر رائمہ نے مزید کہا۔

''نظر آتا ہے کہ وہ کتنی فکر رکھتے ہیں ہماری اپنے گھر والوں سے چھپ کر خیرات دیتے ہیں ہمیں۔''

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟''

''تو اور کیا سوچوں...... ان کو اگر ہماری اتنی ہی فکر ہے تو کیوں سوال نہیں کرتے اپنے گھر والوں سے ان زیادتیوں کے لیے جو ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کی ہیں۔'' وہ بگڑے لہجے میں بولی۔ ''روز اوپر ہنسی' ٹھٹھے لگائے جاتے ہیں محفلیں جمتی ہیں کیوں ان کی جرأت نہیں ہوتی جھوٹے منہ ہی آپ کو اور مجھے اپنے گھر بلانے کی...... ان کا دوغلا پن دکھائی نہیں دیتا آپ کو؟''

''دراج...... وہ بھی سب دیکھ رہے ہیں اپنے گھر والوں کو بھی جانتے ہیں اگر وہ خاموش ہیں تو اس لیے کہ وہ گھر میں کوئی ہنگامہ...... کوئی لڑائی جھگڑا نہیں چاہتے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مزید کچھ ایسی بات ہو جو ہمارے لیے تکلیف کا باعث بنے۔'' رائمہ نے آج پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی...... جواباً وہ ناگواری سے دوسری طرف کروٹ بدل گئی تھی۔

''اچھا چھوڑو سب...... یہ موبائل فون دیکھو۔'' رائمہ کی آواز پر وہ فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اگلے ہی پل اٹھ

کر بیٹھتے ہوئے اس نے رائمہ سے فون لے لیا۔

"ابھی دے گئے ہیں زرکاش بھائی' کہہ رہے تھے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو میں ان کو بلا جھجک کال کرلیا کرو اور تمہاری طبیعت کے بارے میں بھی ان کو ضرور بتاتی رہوں۔ وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ فیکٹری میں دراج کی فرینڈز بھی بن گئی ہوں گی وہ روز ان سے مل نہیں سکتی مگر اس فون کی ذریعے روز ان سے بات کرسکتی ہے۔" رائمہ اسے بتارہی تھی جو بہت توجہ سے فون سیٹ کا جائزہ لے رہی تھی فون بہت مہنگا اور خوب صورت تھا۔ رائمہ کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ دراج کو فون بہت پسند آیا ہے۔

"اب دیکھو ان کو تمہاری کتنی پروا ہے وہ تو اس چیز کے لیے ہی تم سے بہت خوش ہیں کہ ان کے ایک بار کہنے پر ہی تم نے فیکٹری کی جاب چھوڑ دی...... اگر تم ان سے اچھے سے بات کروگی تو ان کا یہ شک دور ہوجائے گا کہ ان کے گھر والوں کی طرح تم ان سے بھی بیزار ہو۔" رائمہ کو اچھا موقع ملا تھا اپنی بات کہنے کا۔

"تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لے آؤں ٹیبلیٹ کھاؤ گی تو بخار کچھ کم ہوگا۔"

"آپ جا کر اپنا کام کریں مجھے ابھی کچھ نہیں کھانا۔" سیل فون میں مگن وہ جھلائے انداز میں بولی تھی رائمہ گہری سانس لے کر اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

اس کی طرف سے رائمہ کی تشویش بے جا نہیں تھی۔ رات تک اس کا بخار زیادہ ہوگیا تھا التجاؤں اور ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود وہ کچھ کھانے کے لیے راضی تھی نہ ہی رائمہ کے اصرار پر ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ تکیے میں منہ چھپائے وہ بس روئے جارہی تھی باہر سے ابھرتی پکار پر رائمہ اپنے آنسو خشک کرتی دروازے کی طرف بڑھی...... اس کے چہرے کو دیکھ کر زرکاش پریشان ہوا مگر خاموشی سے اس کی تقلید میں کمرے میں آگیا۔

"صبح سے اس نے ایک نوالہ تک نہیں کھایا...... پتہ نہیں کیا کرنا چاہتی ہے یہ اپنے ساتھ۔ کوئی بات نہیں کررہی بس روئے جارہی ہے۔" گلوگیر لہجے میں رائمہ اسے بتارہی تھی۔

"یہ رورہی ہے اور تم اس کا ساتھ دے رہی ہو...... بہت ہی عقل مند ہو۔" زرکاش نے خشمگین لہجے میں اسے گھورا اور پھر تخت کے کنارے پر بیٹھ گیا جہاں وہ چادر میں چہرہ چھپائے گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھی زرکاش کی پکار پر بھی اس نے چادر نہیں ہٹائی۔

"دراج اٹھ کر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کیا بات ہے جو رورہی ہو دیکھو تمہاری وجہ سے رائمہ بھی کتنی پریشان ہے۔ اچھا لگتا ہے اس طرح پریشان کرنا۔" زرکاش نرم لہجے میں بولا مگر وہ چہرے تکیے میں ہی چھپائے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش میں تھی۔

"پیار سے بول رہا ہوں اٹھ کر بیٹھو ورنہ میں ایک تھپڑ بھی لگا سکتا ہوں۔" زرکاش کے کچھ سخت لہجے پر بلآخر وہ اٹھ بیٹھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

وہ تیز قدموں سے چل رہی تھی اُسے منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ وہ شہر کی معروف اکیڈمی میں پڑھاتی تھی مگر اس کے باوجود اس کے اہل خانہ کے اخراجات پورے نہ ہو پاتے تھے۔ اس لیے اس نے ایک اشتہار کے مطابق بطور ٹیچر اپلائی کیا اور پھر کرنا ایسا ہوا کہ وہ منتخب بھی ہوگئی تھی۔ بنگلہ میں جاکر دو بچوں کو ہوم ٹیوشن دیتی جس بہت معقول معاوضہ بھی تھا۔ وہ اس لیے خوش تھی اس طرح اس کے چھوٹے بھائی رضا کی تعلیم میں حرج نہ ہوگا اور چھوٹی بہن انعم کی شادی بھی آرام سے ہوسکے گی......

اس کے والدین حیات تھے اس کے والد کا روڈ ایکسیڈنٹ میں معذور ہونا ایک بہت بڑا سانحہ تھا جو سارے خاندان کو سوگوار کر گیا تھا۔ کنول نے اس حادثے کو زیادہ شدت سے اس لیے بھی محسوس کیا تھا کیونکہ وہ گھر کی بڑی تھی اس نے ہی اب سارے گھر کی کفالت کا ذمہ اٹھایا اور اس سلسلے میں وہ جاب ہی کرسکتی تھی اس نے وقتی طور پر جہاں اور جیسی اور جتنے معاوضہ پر بھی ملازمت ملی اس نے بخوشی کی مگر اس کے باوجود گھر کے اخراجات منہ کھولے کھڑے تھے وہ مجبور تھی باپ کی آنکھوں میں اُمڈتی بے بسی اس کے دل کے اندر تک توڑ پھوڑ دیتی تھی مگر اس نے ہمیشہ اپنے آنسو باپ کے سامنے پی لیے تھے۔ مبادا اس کے والد کو اس کے کسی غم کا' تھکن کا احساس نہ ہوجائے۔

وہ ایک فرماں بردار بیٹی تھی اس نے وقت مقررہ سے پندرہ منٹ لیٹ ہوجانے پر خود کو خوب کوسا تھا۔ آج اس کا پہلا دن تھا اور وہ اتنی لیٹ ہوگئی تھی اس کا پہلا تاثر ہی غلط بیٹھا تھا۔ سامنے لان میں دو صحت مند سرخ وسفید بچے بیٹھے تھے جو کتابیں کھولے پڑھنے میں مصروف تھے اس پر نگاہ پڑتے ہی مودب ہوکر بیٹھ گئے تبھی اس کے عقب سے ایک مرد جو بے حد وجیہہ پروقار تھا۔ سامنے آ گیا' کڑی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا بعض نگاہیں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ انسان کو لگتا ہے کہ وہ آر پار بھی دیکھ لینے پر قادر ہوں' وہ اس کو پل بھر میں تولتی نظروں سے دیکھ کر گویا ہوا۔

''میرے بچوں کو وقت کی پابندی کا سبق میں نے بخوبی پڑھایا ہے اگر آج وہ وقت کی پابندی نہ کریں گے تو پھر کیا سیکھیں گے زندگی میں۔ آپ خود ہی ان اصولوں پر عمل پیرا نہ ہوں گی تو پھر بچے کیا خاک سیکھیں گے۔'' وہ اس کے انداز پر بے حد بوکھلا سی گئی تھی' وہ اتنا خوف ناک نہ تھا۔ جتنے خوف ناک اس کے تیور تھے' دیکھنے میں تو وہ ایک معقول اور مہذب سا بندہ تھا جو بلا مبالغہ حسین واقع ہوا تھا' شاید بچے اس پر ہی گئے تھے گول مٹول سے بچے تھے۔ ''آپ کی پہلی غلطی جان کر چھوڑ رہا ہوں۔ امید ہے آئندہ شکایت کا موقع نہیں دیں گی۔'' اس نے ابھی معذرت کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ اپنی بات کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ جلد ہی بچوں سے گھل مل گئی تھی۔

''بچو...... آج ہم ماں پر مضمون لکھیں گے۔'' وہ بشاشت سے بولی...... جب اس کی نگاہ اداس چہروں پر پڑی تو وہ ایک دم سے چپ ہوگئی تھی پھر اسے خود ہی اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ چھوٹا سا یاسر اور ناصر دونوں بے حد سلجھے ہوئے اچھی طبیعت کے مالک بچے تھے۔ خودسری اور ضدی پن مفقود تھا' ہر بات پر ہاں کہتے ہر بات پر فرماں برداری کا اظہار کرتے وہ دونوں بے حد نیک تھے۔ اس ساری بات کا سہرا ان کے والد فریدوں کے سر جاتا تھا' فریدوں بے حد سخت گیر مگر اولاد کے معاملے میں نرم دل واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے بچوں

کی تربیت بھی احسن طریقہ پر کی تھی' وہ دونوں بے حد تابعدار تھے' جیسا کنول نے سوچا تھا کہ امیر کبیر گھرانے کے بچے بے حد بدتمیز اور شرارتی ہوں گے اس کو تنگ کریں گے' ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا بہت جلد وہ دونوں اس سے گھل مل گئے تھے۔

انہوں نے ہی بتایا تھا کہ وہ دونوں ماں کی مامتا سے محروم ہیں مگر ان کے والد نے ان کو کبھی ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ ان کی ہر ضرورت ہر خواہش کا خیال رکھتے تھے مگر پھر بھی بسا اوقات یاسر اور ناصر ماں کی تشنگی محسوس کرتے تھے ان دونوں کو ماں کی کمی بری طرح کھلتی تھی مگر والد کے سامنے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا کہ وہ پریشان نہ ہو جائیں۔ آج جب مضمون کا عنوان ماں تھا تو پھر ان کے چہرے اداس تھے۔

"دیکھو یوں اداس نہیں ہوا کرتے ہر کام میں اللہ کی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" کنول ناصحانہ انداز میں بچوں کو سمجھا رہی تھی تبھی فریدوں کی آمد ہوئی تھی' کنول اس کی آمد سے بے خبر تھی اور بولتی چلی گئی۔

"اگر آپ یوں اداس ہوں گے تو آپ کے پاپا جانی بھی اداس ہو جائیں گے۔ آپ کو ان کے لیے خوش رہنا ہوگا' چلو اب مسکرا دو۔" کنول نے مسکرا کر کہا تو بچے بھی مسکرا دیئے تھے۔

"آپ بہت اچھی ہیں' ہمیں بہت اچھی لگتی ہیں۔" یاسر' ناصر سے بڑا تھا اور سمجھدار بھی۔

"السلام علیکم بچوں کیسے ہو؟" فریدوں نے زوردار انداز میں سلام کیا تو وہ بھاگ کر باپ سے لپٹ گئے۔

"وعلیکم السلام!" فریدوں نے بچوں کو پیار کیا۔

"اب آپ کی چھٹی ہے' آج مابدولت جلدی فارغ ہوگئے ہیں امید ہے اب تک ہوم ورک مکمل ہوگیا ہوگا۔" فریدوں نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک جانب منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"جی ہوم ورک تقریباً مکمل ہے سوائے......" نجانے وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی شاید اس مضمون کے حوالے سے وہ سمجھ گیا تھا۔

"میں باقی کام مکمل کرا دوں گا' آپ کیسے جائیں گی؟" فریدوں نے شام کے ڈھلتے سائے دیکھ کر پرسوچ انداز میں کہا۔ اسے اب اس کامنی سی لڑکی سے ہمدردی ہو چلی تھی' جب سے اسے ماما نے بتایا تھا کہ وہ محض اپنے والد کا بوجھ بانٹنے کی غرض سے یہ کٹھن سفر طے کر رہی ہے تب سے اس کا دل کنول کے لیے گداز ہوگیا تھا۔ بے حد ہمدردی تھی' اتنی نازک سی لڑکی پہاڑ جیسی ذمہ داریاں تن تنہا اٹھا رہی تھی۔ اس نے بھی اپنے والد کی وفات کے بعد سارا بزنس اکیلے ہی سنبھالا تھا' اس کے رشتہ دار عزیز اس کی جائیداد ہتھیانا چاہتے تھے وہ کم سن لڑکا تھا مگر ماں نے اسے بہادر بنایا تھا اس نے کم عمری میں ہی اپنے بزنس کے معاملات کی دیکھ بھال شروع کردی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ ماں کو مزید دکھی نہ ہونے دے۔ اس لیے لازم تھا کہ وہ باقی سب سمیٹ لے جو بچ گیا تھا۔

اس نے دن رات ایک کر کے اس کاروبار کو وسعت دی تھی۔ ماں کا حقیقی معنوں میں بازو بن گیا تھا۔ راشدہ بیگم نے بہت احسن طریقہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کی تربیت کی تھی اور اس نہج پر اب پوتوں کی تربیت کر رہی تھیں اس لیے وہ بچوں کو زیادہ وقت نہ دے پاتی تھیں۔ سارا کام کاج ایک ہوم نرس کیا کرتی تھی' خود فریدوں نے اپنے آفس کی ٹائمنگ بچوں کے اوقات کے حساب سے ترتیب دے رکھی تھی۔

''جی میں خود چلی جاؤں گی' یہاں سے کوئی وین یا رکشہ مل جائے گی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''مجھے یہ سب مناسب نہیں لگ رہا...... آپ چلیں۔ چلو یاسر ناصر ٹیچر کو ان کے گھر ڈراپ کر کے آتے ہیں۔'' وہ زمانے کا سرد وگرم اور بری تیز نظروں کی گرمی کو بھی سمجھتا تھا اس لیے وہ اس اچھی اور معصوم لڑکی کو اس گرداب میں دھنسنے سے بچانا چاہتا تھا۔

وہ اثبات میں سر ہلا گئی' وہ بھی جانتی تھی کہ سر شام جب وہ گھر جاتی ہے تو تھکن سے الگ ذہنی اذیت ہوتی ہے جس سے اسے روزانہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ راستے میں سب خاموش سے تھے' فقط دو مرتبہ گھر کا راستہ سمجھانے کی غرض سے کنول نے لب کشائی کی تھی۔ اب گھر کے سامنے کار رک چکی تھی مگر وہ متذبذب تھی کہ وہ ان کو گھر مدعو کرے کہ نہ کرے جبکہ وہ از خود کنول کے گھر جانے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ذات کنول کے لیے کوئی مسئلہ بن جائے۔

''بہت شکریہ سر آپ کا۔'' وہ تشکر سے بولی۔

''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' فریدوں نے بھی نرم مسکان سے جواب دیا تھا' وہ مطمئن سی گھر میں داخل ہوئی تھی جب گیٹ پر ہی عدیل سے سامنا ہو گیا تھا۔ عدیل نے اسے فریدوں کی کار سے اترتے دیکھ لیا تھا اور معنی خیز انداز میں کھنکھارا تھا۔ عدیل اس کا چچا زاد بھائی تھا مگر یہ اُن رشتہ داروں میں سے تھا جو صرف زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے انہیں کھرچنے آتے ہیں۔ نمک مرچ لگانے آتے ہیں' عدیل کی امی گھر میں براجمان تھیں' تیز چبھتی نظروں سے کنول کو پرکھا تولا تھا۔

''اتنی دیر سے آتی ہو' خیر تو ہے؟'' شبانہ چاچی نے کرخت لہجے میں کریدا۔

''اماں دیر سویر کی تو جانے ہی دو' یہ پوچھو محترمہ آ کس کے ساتھ رہی تھیں۔ یہ کون موصوف تھے جو اُن کو بطور خاص کار میں چھوڑنے یہاں تک آ گئے۔'' عدیل نے مزید لقمہ دیا...... وہ گھبرا سی گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر اپنی ماں کو دیکھا' جہاں بوڑھی آنکھوں میں آزردگی سمٹ آئی تھی۔

''کیا مطلب کس کے ساتھ آئی ہے؟'' اب کے چچی جان بھی خوب بری طرح چونکی تھیں اور کمر رسیدھی کر کے ہمہ تن گوش تھیں۔

''مجھے ان بچوں کے والد صاحب گھر چھوڑنے آئے ہیں کیونکہ شام ہو چکی تھی انہوں نے محض مجھے زحمت سے بچانے کی خاطر ایسا کیا تھا۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت دے رہی تھی جسے شاید قابل قبول نہ گردانا گیا تھا تبھی چچی جان نے ہنکارا بھرا تھا۔

''لو یہ بھی بھلی رہی! اہم بات یہ ہے کہ ان موصوف کو کیوں تم سے ہمدردی کا بخار چڑھا ہے' کہیں یہ بخار کوئی اور رنگ نہ اختیار کر جائے۔'' چچی جان نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''کیوں بھئی یہ سب کیا معاملہ ہے؟'' اب زاہد چچا بھی کود پڑے تھے۔ وہ ان سب کی بحث سے تھک کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی' ایک واحد یہ ہی جگہ تھی جو جائے پناہ تھی۔

''یا اللہ یہ کیسے میرے اپنے ہیں جو درد دینے سے بھی گریزاں نہیں ہوتے۔ دو وقت کی روٹی دینے میں جان نکلتی ہے مگر ناخدا بن کر آ جاتے ہیں حق وصولنے' حق جتانے۔'' وہ رو دی تھی' بے بسی سے آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک گئے تھے۔

"فریدوں بہت حساس ہے' اس نے بہت سرد وگرم دیکھے ہیں۔ اس لیے یہ سب کا ہی احساس کرتا ہے۔" جب کنول نے راشدہ بیگم کا شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرا کر بولیں۔

"جی سر بہت اچھے ہیں۔" سادگی سے کہا جملہ تھا مگر راشدہ بیگم نے اسے بغور دیکھا جہاں کوئی اور شائبہ نہ تھا۔ فقط شکر گزاری کے عکس تھے' پھر وہ مطمئن سی ہو کر سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

"اگر برا نہ مناؤ تو مجھے ذرا کھلی ہوا میں لے چلو' جی گھبرا رہا ہے۔" راشدہ بیگم نے اس سے کہا تو وہ فوراً انہیں کھلی فضا میں وہیل چیئر پر لے آئی تھی' بچے بھی ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

"ٹیچر آج ہمارا پڑھنے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے پھر کل سنڈے بھی ہے ہم کل سارا ہوم ورک کر لیں گے۔" یاسر نے کہا تو ناصر بھی جوشیلے انداز میں ضد کرنے لگا۔

"بچو یہ اچھی بات نہیں ہے آپ کی ٹیچر اتنی دور سے آتی ہیں اور پھر تم لوگوں کی یہ عادت پختہ ہو جائے گی۔ تم لوگ ہوم ورک کرو تھوڑی دیر پڑھ لو پھر ہم سب مل کر شام کی چائے پئیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔" راشدہ بیگم بچوں کی اداسی دور کرنے کی غرض سے بولیں۔

"مگر مجھے تو گھر جانا ہوگا پھر دیر ہو جائے گی۔" وہ انکار کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اسے کل اماں اور ابا کے سامنے جواب دہی کا احساس ہی دکھی کر گیا تھا' کچھ غلط نہ کر کے بھی اگر انسان وضاحتیں دیتا پھرے تو اسے خود اذیتی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر راشدہ بیگم کے اصرار کے سامنے وہ انکار نہ کر سکی تھی۔ پر اہتمام سی چائے لان میں ملازم نے آ کر لگائی تھی تبھی فریدوں کی کار کا ہارن سنائی دیا۔

"ارے واہ آج تو خوب رونق لگی ہوئی ہے۔" فریدوں کے لہجے میں بشاشت تھی۔

"جی آج ہماری موسٹ فیورٹ ٹیچر جی ہمارے گھر

پر ہیں۔ ہمارا دل کرتا ہے کاش یہ ٹیچر یہیں رہیں‘ ہم کو ٹیچر بے حد اچھی لگتی ہیں۔“ ناصر نے جوش سے کہا۔ ایک دم چہار سو خاموشی چھا گئی تھی‘ کنول کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھلک گیا تھا‘ وہ بُری طرح پزل ہوگئی تھی۔

”بیٹا ٹیچر کیسے یہاں رہ سکتی ہیں‘ ان کا اپنا ایک گھرانہ ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو ٹیچر اچھی لگتی ہیں‘ ہم ہر ہفتے اکٹھے چائے پیا کریں گے‘ ٹھیک ہے ناں۔“ فریدوں نے چھوٹے سے ناصر کو خوش کرنا چاہا تھا‘ وہ منہ پھلا کر چپ ہوگیا تھا۔ واپسی پر جب فریدوں نے اسے گھر تک ڈراپ کرنا چاہا تو اس نے گھبرا کر انکار کردیا تھا جسے فریدوں نے بغور دیکھا اور سمجھا تھا۔

”کوئی مسئلہ ہے تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں‘ ویسے کل میں نے آپ کے مین گیٹ پر کسی کو ٹوہ لیتے انداز میں دیکھا تھا‘ بُرا نہ منائیں تو بتائیں گی کہ وہ موصوف کون تھے؟“ فریدوں نے دوستانہ انداز میں پوچھا تو وہ بتاتی چلی گئی..... سارے دکھ نجانے کیسے ایک اجنبی سے بانٹ لیے تھے۔ وہ خاموشی سے سب سنتا رہا تھا‘ پھر فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”اس طرح تو آپ ان لوگوں کی باتوں کو تصدیق دے رہی تھیں یوں ہراساں کرنا ہی تو ان کا اصل مقصد رہا ہے آپ ایک بہادر لڑکی ہیں‘ مجھے بہت قدر ہے آپ کی۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

”لیکن میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی میری ذات کے حوالے سے مجھ پر انگلیاں اٹھائے کیونکہ اس کی زد میں میرے والدین کی عزت وناموس آجاتی ہے۔ مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں۔“ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی تو فریدوں نے ڈرائیور کے ساتھ اسے روانہ کردیا۔

”اب تو کسی کو اعتراض نہ ہوگا‘ عبدالرحیم بابا تو بہت بزرگ ہیں۔“ اب انکار کا کوئی جواز نہ باقی رہا تھا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے ان کے خلوص کے سامنے احسان مند تھی۔ ان کی توصیف کے لیے اب اسے کلمات ہی نہ ملتے تھے۔ اب اس کی ہر بات کا آغاز ہی فریدوں سر کے لفظ سے ہوا کرتا تھا جسے اماں ابا اور چھوٹی انعم نے بھی محسوس کیا تھا پھر انعم کے ایک دن احساس دلانے پر وہ چپ کر گئی تھی۔ مبادا کوئی اسے غلط رنگ نہ دے ڈالے۔

”سر..... مجھے چند دنوں کے لیے چھٹیاں چاہئیں۔“ وہ فریدوں کے سامنے درخواست لیے کھڑی تھی۔

”کس وجہ سے؟“ فریدوں نے بھنویں اچکائیں۔

”میری چھوٹی بہن کی منگنی کو سال ہو چلا ہے‘ اب ہم چاہتے ہیں کہ اس کی شادی ہوجائے۔ دو دن بعد اس کی شادی ہے سادگی سے‘ یہ فرض ادا ہوجائے تو اچھا ہے۔“ کنول نے پھیکی سی مسکان لبوں پر سجا رکھی تھی۔

”لیکن بڑی تو آپ ہیں۔“ نجانے یہ جملہ کس طرح فریدوں کے لبوں سے پھسلا تھا پھر اس نے نجانے کتنی بار دل ہی دل میں خود کو کوسا تھا کیونکہ کنول کا رنگ اچانک سفید پڑ گیا تھا‘ وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

”ہم جیسی لڑکیاں اپنے خوابوں کو آنکھوں کی باڑ تک نہیں آنے دیتیں‘ انہیں گلا گھونٹ کر دبا دیتی ہیں۔“ کنول نے کہا۔

”جی آپ چھٹی لے سکتی ہیں۔ کیا ہم سب کو مدعو نہیں کریں گی؟“ فریدوں نے بات کا رخ پلٹنے کے لیے کہا۔

”کیوں نہیں‘ آپ تو مہمان خصوصی ہوں گے۔“ وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔ فریدوں نے اس چھوٹی سی لڑکی کو ہمدردی سے بڑھ کر کسی اور جذبے کے تحت دیکھا تھا۔

❀......❀......❀

پیلے جوڑے میں ملبوس کنول لمبی چٹیا بنائے ہلکا سا میک اپ کیے بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔ یاسر اور ناصر کی ضد تو تھی ہی خود راشدہ بیگم نے بھی پہلی مرتبہ کہیں جانے کی فرمائش کی تھی جبکہ میاں کی وفات کے بعد وہ بہت کم ہی کہیں آتی جاتی تھیں۔ کنول کے والدین ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے تھے‘ ان کے لیے یہ فکر

کی بات تھی کہ ان کی تنگ گلیوں کو مہکانے عظیم ہستیاں آئی تھیں جو واقعی عظیم تھیں کیونکہ ان کے نزدیک مال و دولت کی نہیں انسان کی وقعت زیادہ تھی۔ آج کنول اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ راشدہ بیگم اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھ اور تول رہی تھیں اگرچہ وہ کم عمر لڑکی تھی مگر ذمہ داریوں کو نبھانا خوب جانتی تھی۔ سلیقہ شعار اور باادب تھی' باتوں کا قرینہ آتا تھا اور اپنی باتوں کی مہکار سے گھر کو گلشن بنانا جانتی تھی۔

راشدہ بیگم نے جاتے جاتے کنول کی امی کے کان میں اپنی بات کا عندیہ دے دیا تھا۔ وہ سب تو خوش ہی نہیں محوِ حیرت تھے' اتنے امیر کبیر لوگ اور رشتہ داری کے طلب گار تھے پھر انہوں نے رضا کی تعلیم کا سارا خرچ خود اٹھانے کی بات کی تھی۔ کفالت کا ذمہ بھی خود لینے کی بات کی تھی' انکار کی تو گنجائش ہی نہ تھی یوں بھی اب انعم اپنے گھر بار کی ہو چکی تھی۔ اب کنول کی شادی ہو اس سے بڑھ کر ان کے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی تھی مگر کنول نے انکار کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔

''میں نہیں چاہتی کہ ساری عمر کسی کی ہمدردی کے بوجھ تلے گزار دوں۔'' رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سجا لی تھیں' یہ ایک پنہاں سچ تھا کہ اس کے دل کے نہاں خانوں پر آویزاں نام فریدوں کا ہی تھا مگر اسے تمام عمر اُن آنکھوں میں اپنے لیے ہمدردی دیکھنے کی سکت نہ تھی مگر والدین کی مجبوریوں نے اس کی محبت کو گرہن لگا دیا تھا۔ اس نے اپنے والدین کی رضا کی خاطر خاموشی سے سرِ تسلیم خم کر لیا تھا پھر سادگی سے اس کو نکاح کے رشتہ میں بندھ کر کنول فریدوں بنتے دیر نہ لگی تھی۔

یاسر اور ناصر بے حد خوش تھے اس کے دائیں بائیں بیٹھے اسے اس نئے سجیلے روپ میں دیکھ رہے تھے جبکہ سب کی خوشی کے باوجود وہ غمزدہ تھی۔ اس کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہ تھا' اس کا غم گسار کوئی نہ تھا۔ وہ اداس بے بس بیٹھی تھی جب راشدہ بیگم نے اسے فریدوں کے بیڈروم میں بھیج دیا تھا۔

''بیٹا تمہیں تو کسی نصیحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم بے حد سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہو' ہمارے گھریلو حالات اور فریدوں کے مزاج کو بخوبی سمجھتی ہو مگر پھر بھی تمہیں نصیحت کرنا چاہتی ہوں جو بھی قدم اٹھاؤ ہر معاملے میں اپنے میاں کی رائے کو فوقیت دینا' زندگی سنور جائے گی۔'' راشدہ بیگم یاسر اور ناصر کو بہلا پھسلا کر باہر لے گئی تھیں۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب فریدوں نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' ہمیشہ کی طرح نرم لہجہ لیے وہ ہمہ تن گوش تھے' وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں اب آپ مجھ سے کیا کہیں گے قبل اس کے میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ میں اس سمجھوتے بھری زندگی کو بسر کرنے کے لیے تیار ہوں' دل سے آپ کی احسان مند بھی ہوں۔ آپ کی ہمدردی میرے لیے بہت ہے' محبت کے لیے تو شاید تمام عمر بھی کم ہے۔'' اس کا لہجہ نم آلود ہو گیا تھا' فریدوں ہونق چہرہ لیے اس کو مسلسل بولتا دیکھ رہا تھا۔

''تم سے کس نے کہا کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے اور اس ہمدردی کی وجہ سے میں نے تم سے شادی کی ہے..... تم جانتی ہو عالیہ میری پہلی بیوی حیات ہے اس نے صرف سوشل ایکٹیوٹیز کی خاطر مجھے اور بچوں کو چھوڑ دیا تھا۔ تمہاری توجہ سے میرے بچے کھل گئے تھے مگر اصل وجہ وہ بھی نہیں' زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے محسوس ہوا کہ مجھے بھی کسی سے محبت ہے اور وہ تم ہو.....'' وہ مسکرا کر سر جھکا گئی تھی۔ زندگی کا سفر سہل ہی نہیں خوب صورت ہو گیا تھا۔

قلم برائے فروخت نہیں

شمسہ فیصل

کتنے دنوں کی کوشش اور بھاگ دوڑ سے آخرکار وہ اندرون شہر کی تنگ وتاریک گلیوں سے اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ یہ ایک بوسیدہ مکان تھا جو دیکھنے سے ہی خوف میں مبتلا کردیتا' جگہ جگہ سے اکھڑا پلستر' میل سے اٹی دیواریں اس بات کی گواہ تھیں کہ یہاں مدتوں رنگ وروغن تو دور کی بات مرمت کروانے کی بھی زحمت نہیں کی گئی تھی۔

گھر کے باہر بائیں جانب لگی نیم پلیٹ آدھی ٹوٹ چکی تھی اور باقی آدھی زنگ آلود ہونے کی بناء پر لکھے نام کو ڈھانپ چکی تھی۔ اندرون بھاٹی کی باغ والی گلی (گلی میں باغ ہونے کی وجہ سے وہ باغ والی گلی کے نام سے مشہور تھی' پانچ سات سیڑھیاں چڑھنے کے بعد پیدل کا لمبا رستہ تھا) گزرنے کے بعد لوہاری کے مین بازار تک وہ پیدل چل کے آئے تھے۔

اب وہ مطلوبہ مکان کے باہر کھڑے تھے' گھر کے دائیں جانب آویزاں ''قلم برائے فروخت'' کچھ لمحے بعد فیض احمد کہہ کر پکارا گیا۔ جواب ندارد' تیسری بار پکارنے پر چالیس' بیالیس سال کا آدمی باہر نکلا۔

''جی فرمایئے۔'' موندی آنکھیں' بکھرے بال' لنگی اور بنیان پہنے' چہرے پر زمانے بھر کی بے زاری لیے وہ ان سے مخاطب تھا' علی نے عمارہ کی جانب دیکھا۔

''فیض احمد گھر پر ہیں۔'' عمارہ نے پردے کے پار جھانکنے کی ناکام کوشش کی۔

''نہیں ......'' لٹھ مار انداز میں وہ کہہ کر پلٹنے لگا۔

''کب تک آئیں گے؟'' مایوسی سے پوچھا گیا۔ آدمی نے بغور عمارہ کو دیکھا۔

''کیا کام ہے؟'' وہ بڑھی ہوئی الجھی ڈاڑھی میں انگلی چلاتے ہوئے بولا۔

''کام ......'' عمارہ نے علی کو دیکھا۔

''ہمیں قلم خریدنا ہے۔'' علی کو بروقت بہانہ سوجھا۔

''کیسا قلم چاہیے؟'' وہ کسی بیوپاری کی طرح بولا۔ علی اور عمارہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہم بیٹھ کر بات کریں۔'' عمارہ نرمی سے بولی۔ اس نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں اس کے تعاقب میں اندر داخل ہوئے۔ بوسیدہ موڑھے انہیں دیتے ہوئے خود جھولا چارپائی (ٹوٹی ہوئی ادوائن) پر بیٹھ گیا۔

''جی بولیے۔'' اس نے چارپائی سے تنکا توڑ کے دانتوں میں گھسایا۔

''قلم کیوں بیچتے ہو؟''

''غریب آدمی ہوں میڈم ......'' اس نے تنکے کا سرا دانتوں سے توڑا۔

''ہنرمند بھی ہو۔'' عمارہ کا لہجہ خفا خفا سا تھا۔

''غریب کی قدر نہیں تو اس کے ہنر کی کیا اوقات۔'' اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

''کب سے بیچتے ہو؟'' علی آہستگی سے بولا جبکہ عمارہ نے پین اور ڈائری نکالی۔

''میں منسٹر نہیں ہوں۔'' اس نے ڈائری اچکی' عمارہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ علی کے ماتھے پہ ناگواری واضح تھی۔

''دیکھیے محترم فیض احمد...... عمارہ کو اپنے ایک سروے کے لیے آپ سے چند ذاتی آفیشل سوالات کرنے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری رہنمائی کرتے ہوئے تسلی بخش جواب دیں۔'' علی نے نرمی سے سمجھایا۔ فیض نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

''بولیے......'' وہ کسی حد تک معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔

''قلم کیوں بیچتے ہو؟'' عمارہ نے ڈائری واپس پکڑی۔

''کوئی اور کام ہے تو بتادیں؟'' اسے زچ کرنے میں مزہ آیا۔

''تم الجھ رہے ہو۔'' علی کوفت سے بولا۔

''میں ایک سے سوال سے اکتا گیا ہوں۔'' اس نے لمبی انگڑائی لی۔

''قلم خریدو گے۔'' سوال غیر متوقع فیض احمد نے چونک کے اسے دیکھا۔

''شہرت بڑی سستی چیز ہے بیگم صاحب...... پیٹ کا ایندھن نہیں بھرتی۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''یہ غلط ہے۔'' علی تلخی سے بولا۔

''صحیح کیا ہے۔'' کڑواہٹ سے رچے لفظ دونوں لاجواب ہوگئے۔ لمحہ بھر کی خاموشی نے تینوں کا احاطہ کیا۔

''مجھے آپ کے قلم دیکھنے ہیں۔'' عمارہ کا لہجہ ذومعنی تھا۔

''میرے قلم میرے راز ہیں' میں وہ عیاں نہیں کرتا۔'' اب کے بار وہ نرمی سے بولا۔

''یہ راز نہیں مسٹر فیض بددیانتی ہے۔'' عمارہ کو غصہ آیا' فیض نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس گھر کے واحد کمرے کی جانب بڑھ گیا' دونوں نے اس کے تعاقب میں قدم بڑھائے' کمرے میں بے تحاشہ بے ترتیب کتابیں رکھی تھیں چوکور کمرے کے ایک کونے میں ایک طرف بوسیدہ کرسی اور میز تھی۔ میز کے اوپر کاغذوں کا پلندہ تھا' دیوار کے ساتھ بستر بچھا تھا' عمارہ نے آگے بڑھ کر میز پر دھرے قلم کو اٹھایا۔

''تو آپ یہ قلم بیچتے ہیں۔'' اس نے ایک

ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''آپ جیسے لوگ دوسروں کی ذاتیات میں دخل اندازی نہ کریں تو صحافت کیسے چمکے۔'' طنز سے بھرپور لفظ عمارہ کو تپا گئے۔
''اور آپ کا المیہ یہ ہے کہ آپ اس ملک کے ساتھ دھوکا کررہے ہیں۔'' وہ بنا گئی لپٹی بولی۔
''آپ بھول رہی ہیں کہ میں کسی کے پاس نہیں جاتا۔'' وہ برا مان گیا۔
''آپ کے گھر کے باہر لگا بورڈ جو دعوت عام دیتا ہے۔'' عمارہ کا بس نہیں چل رہا تھا۔
''کول......'' علی نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ فیض چند لمحے اپنے سامنے کھڑی اس آگ بگولہ ہوتی لڑکی کو دیکھتا رہا پھر بڑھ کر دیواری شیلف سے چند کتابیں اٹھا لایا' اس نے سچ بولنے کی ٹھان لی۔
''یہ میری پہلی تخلیق ''موندلی آنکھیں۔'' اس نے ایک افسانوں کا مجموعہ عمارہ کی جانب بڑھایا جہاں مصنف کے طور پر کسی اور کا نام لکھا تھا اس نے دوسرا ناول ''پیا تیرے دیس میں'' بھی اسے تھمایا۔ عمارہ کو یاد تھا یہ 99ء کا بہترین ناول تھا اور اسے بے حد پسند کیا گیا تھا اس نے چند مزید ناولز اسے مختلف رائٹرز کے تھمائے جو یقیناً شاہکار تخلیق تھیں۔
''اپنے ان مجموعوں کو شائع کروانے کے لیے میں نے کیا کچھ نہیں سہا۔ اس کو رہنے دیں بیگم صاحبہ...... یہاں قدر صلاحیت کی نہیں' اہمیت پیسے کی ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے ساری کتابیں عمارہ کے ہاتھ سے جھٹک لیں۔
''ایک قلم پانچ ہزار...... سودا مہنگا نہیں۔'' وہ انگارہ آنکھیں دونوں پر جما کے بولا۔ دونوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
''مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ چند روپے کے عوض قلم کی حرمت کا سودا کرتے ہیں' لفظ بیچتے ہیں۔ اپنی محنت کسی اور کے نام لگاتے ہیں۔'' عمارہ کے لہجے میں پہلی سی تلخی نہیں تھی' فیض نے استہزائیہ اس کی جانب دیکھا اور منہ پھیر لیا' علی نے خاموشی سے فیض کو دیکھا۔
''اس ناول نے سینکڑوں کمائے ہیں جسے تم نے چند ہزاروں میں بیچا۔'' عمارہ نے ایک ناول زمین سے اٹھاتے اس کی جانب بڑھایا۔
''قلم...... جسے اللہ نے قرآن پاک میں حرمت قرار دیا' اس قلم کی قسم کھائی اسی قلم کو تم نے بے مایہ کردیا۔'' وہ رو دینے کو تھی' فیض نے چونک کے اسے دیکھا اسے رتی بھر کسی کی اپنے لیے جذباتی ہونے کی امید نہیں تھی۔
عمارہ شام کے اخبار کی ایڈیٹر تھی اور کچھ عرصہ پہلے اسے اطلاع ملی تھی کہ ایک شخص اپنی تحریریں بیچتا ہے' اسے بے حد معیوب لگا تب ہی تجسس اور حیرت اسے فیض احمد تک لائی تھی۔ اسے خبر لگانے سے زیادہ اس شخص کے بارے میں جاننے میں دلچسپی تھی جو اپنا قلم و ہنر بیچ کے مطمئن تھا۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
''اگر مجھے قلم کی حرمت کا احساس نہ ہوتا تو یقیناً میں تمہارا یہ قلم توڑ دیتی۔'' فیض احمد سے طویل بحث کے بعد اس نے بوسیدہ رائٹنگ ٹیبل سے قلم اٹھا کے فیض کو پکڑاتے ہوئے دکھ سے کہا اور باہر نکل گئی۔ علی نے ایک نظر فیض کو دیکھا اور تیزی سے عمارہ کے پیچھے نکل گیا' فیض احمد تنہا قلم تھامے ساکت کھڑا گیا۔
آٹھ ماہ بعد......

ثانیہ مسکان

پورے پاکستان کو ثانیہ مسکان کا محبت بھرا سلام۔ 11 نومبر کو گوجر خان میں تشریف آوری ہوئی' آنچل سے وابستگی کو چھ سال ہو چکے۔ اسٹار عقرب ہے' اسٹارز پر یقین تو نہیں مگر عقرب کی تمام خوبیاں وخامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ آئی سی ایس پارٹ ٹو کی طالبہ ہوں' تمام اساتذہ کی پسندیدہ اسٹوڈنٹ ہونے کا اعزاز حاصل ہے' جس کی بہت خوشی ہے۔ انٹیلی جنس آفیسر بننا میرا خواب ہے' بہت سادہ طبیعت کی مالک ہوں سادہ اور سچے لوگ ہی متاثر کرتے ہیں۔ فرینڈز بہت سی ہیں' ابن سینا کا سائنس گروپ' کچھ بچپن کی فرینڈز اب تو کوئی بھی ساتھ نہیں۔ نورین مسکان میں آپ سے دوستی کی خواہش مند ہوں۔ مشاغل میں ناولز پڑھنا' شاعری لکھنا اور پڑھنا' کرکٹ دیکھنا ہیں۔ فیورٹ کرکٹر بلکہ فیورٹ ترین انسان شعیب ملک ہیں جو دنیا میں میرے لیے اکلوتی اٹریکشن ہیں' اللہ کرے کامیابی' خوشی اور اور اطمینان ہمیشہ ان کا مقدر بنے' آمین۔ [illegible] بچے' ٹوٹا ہوا تارا' دھرتی اپنی ماں اور کچھ خواب'' یہ فہرست تو بے حد طویل ہے بھئی! ام مریم کا ''مجھے ہے حکم اذاں'' بہت پسند ہے۔ فطرتاً تنہائی پسند ہوں' شور و ہنگامہ سخت برا لگتا ہے۔ لباس میں لمبی قمیص' چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ جیولری میں ایئر رنگز' چوڑیاں اور رنگز پسند ہیں۔ کھانے میں ہر وہ ڈش جس میں آلو موجود ہو' فروٹس میں کچے امرود' کچے آم' اسٹرابری اور انار شوق سے کھاتی ہوں' اللہ آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے' آمین۔

''ملتے ہیں دنیا میں کچھ لوگ ایسے جو چند لمحوں کی ملاقات میں دل میں اتر جاتے ہیں۔ کبھی محبت بن کے اور کبھی احساس کا رشتہ بن کے جنہیں اپنی بات منوانے کا ہنر آتا ہے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب تک ایسے بے لوث لوگ دنیا میں موجود ہیں' قلم کی حرمت اور عزت قائم رہے گی۔ میں پورے دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ قلم جہاد ہے' کاروبار نہیں۔ آپ کا بہت سا وقت نہ لیتے ہوئے اپنی گفتگو کو سمیٹتا ہوں' اپنی کتاب ''قلم برائے فروخت نہیں'' کا انتساب عمارہ علی کے نام کرتا ہوں۔ میں محترمہ کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے میری پہلی کتاب کی اشاعت میں میری مدد کی۔''
اس نے مسکراتے ہوئے دور بیٹھی عمارہ کو دیکھا' چند مزید باتوں کے بعد وہ اسٹیج سے نیچے اتر آیا' ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ یہ وہ الفاظ تھے جو فیض احمد نے بطور مصنف اپنی پہلی کتاب کی تقریب رونمائی میں کہے۔ اگرچہ اس کے لیے ایک مصنف کی حیثیت سے ابھرنا محنت طلب تھا لیکن اسے اپنی محنت پر یقین تھا' اسے قدم اٹھانا اور رستہ بنانا آ گیا تھا اور لکھنے کا عمل کامیابی کی پہلی دلیل ہے۔ عمارہ نے مسکراتے ہوئے مصنفین کے جھرمٹ میں کھڑے پراعتماد فیض احمد کو دیکھا یقیناً اسے لفظوں کی جادوگری سے دنیا کو تسخیر کرنے کا ہنر آتا تھا۔ وہ کھل کے مسکرائی تھی۔

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

لیقہ ہادیہ کی ڈائری پڑھ لیتی ہے اور اس کے راز سے آگاہ ہوجاتی ہے لیقہ کو اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ جو بہن اپنی ہر بات اس سے شیئر کرتی تھی اس نے ڈائری والی بات سے لیقہ کو لاعلم ہی رکھا تھا تب لیقہ خود ہی ہادیہ سے پوچھتی ہے اور پھر ہادیہ بہن پر بھروسہ کرتی اسے ساری بات بتادیتی ہے۔ دوسری طرف شہباز کی بیٹے کی خواہش تیسری بار بیٹی کی صورت دم توڑ جاتی ہے اس کے سامنے تابندہ کے گھر والوں کی اصلیت آجاتی ہے وہ ہر طرف سے مایوس ہوکر رہ جاتا ہے۔ ماہین عارف علی کو بیٹیوں کے جوان ہونے اور ان کی شادی کا احساس دلاتی ہے پہلی بار عارف علی ماہین کی بات تحمل سے سنتا اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور چند ماہ بعد اپنی زمین بیچ کر اس میں سے کچھ رقم ماہین کو دیتا ہے۔ ہادیہ یک طرفہ محبت میں گرفتار تھی اس بات کا احساس اسے کبیر کے ملک سے باہر جانے پر ہوتا ہے تب وہ اپنی ڈائری جلادیتی ہے۔ ہادیہ ایک اسکول میں جاب کرلیتی ہے اور پرانی یادوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے فراغت کے لمحوں میں رسائل و جرائد کا سہارا لیتی ہے تب ایک ماہنامے کے آخر میں لگے خط نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا خط اس کے پسندیدہ مصنف کا ہوتا ہے وہ طاہر شکیل (رائٹر) کو جوابی خط بھیجتی ہے اور پھر دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور دونوں ہی ان دیکھی محبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ دوسری طرف شہباز لیقہ کے آرٹیکل کو مدنظر رکھتے ماہین کی تربیت کو نشانہ بناتا ہے شہباز کی نظر میں لیقہ بہت اوور ہوگئی تھی جو اس کے نام اب اخبارات میں شائع ہونے لگے تھے اس کی بات پر ماہین کو دکھ پہنچتا ہے۔ ماہین کی طبیعت دن بہ دن بگڑنے لگتی ہے اس کی بگڑتی طبیعت ہادیہ اور لیقہ کے لیے تشویش کا باعث ہوتی ہے لیقہ کا رشتہ ماہین اپنی زندگی میں ہی طے کردیتی ہے جبکہ طاہر شکیل کا انتظار کرتی وہ اپنے آخری سفر کی طرف گامزن ہوجاتی ہے۔ عارف علی کو گھر والے سمجھاتے ہیں کہ ماہین کے ہوتے ہوئے ہادیہ اور لیقہ کو کسی بات کی پریشانی نہیں تھی لیکن اب عارف علی کو ہی سب سنبھالنا تھا۔ گھر والوں کے سمجھانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ کچھ وقت ہادیہ و لیقہ کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ہادیہ اور لیقہ کو اپنے اردگرد اجنبیت کی ایک دیوار سی تنی دکھائی دینے لگی اور اس سے بھی بڑھ کر بڑی امی کے فیصلے نے انہیں حیرانی اور پریشانی کا شکار کردیا تھا۔ جب انہوں نے محض ماہین کی وفات کے دو ماہ بعد ہی لیقہ کے سسرال والوں کو بلا کر دو ماہ بعد کی تاریخ دے دی۔ بغیر کسی سے مشورہ و صلاح لیے یہ ان کا ذاتی فیصلہ تھا ہادیہ بے حد حیران سی سب سن رہی تھی۔

”دو ماہ بہت ہیں شادی کی تیاری کے لیے۔ اچھا ہے وقت پہ رخصت کردیا جائے۔ تمہاری بھی سسرال والے عید کے بعد کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔“ بڑی امی نے ہادیہ سے کہا۔

”مگر بڑی امی آپ تو جانتی ہیں مما جی نے جہیز کے نام پر کچھ خاص تو بنا نہیں رکھا ہر چیز خریدنی پڑے گی۔“

”ہاں تو.......“

”تو اس سب کے لیے پیسے؟“ ہادیہ اچنبھے سے ان کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

”ہوجائے گا سب کچھ...... اللہ نے جو مقدر میں لکھا ہوگا وہ بھی لے جائے گی اور تم بھی......“ بڑی امی نے عام سے انداز میں کہا اور اپنے گھر روانہ ہوگئیں۔ ہادیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ یہ چھوٹا فیصلہ نہیں تھا۔ ایک بیٹی کی گھر سے وداعی کا فیصلہ تھا۔

”تم کیوں اس طرح بیٹھی ہو ہادی۔“ لیقہ دادو کے کمرے سے نکلی تو اسے برآمدے میں سر پکڑے بیٹھا دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

”کچھ نہیں تم بتاؤ تم کیا کررہی تھی؟“ ہادیہ نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر کہا۔

"ابھی ابھی فورتھ ایئر میں آئے ہیں اور آتے ہی ڈھیروں کام دے دیا ہے کمپلیٹ کرنے کے لیے......اور تم مجھے ٹالو مت مجھے تمہاری زبردستی کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی پریشانی بہت واضح دکھائی دے رہی ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے۔" انیقہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"نکی...... بڑی امی نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کردی ہے۔"

"ہیں...... کیا مطلب اور میری پڑھائی؟" انیقہ ہونق سی دیکھتی رہ گئی۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ تمہاری ماں نہیں ہے اس لیے رشتوں کے معاملات کو لٹکانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی کون سا تمہارے سسرال والوں نے نوکریاں کروانی ہیں جو اتنا پڑھنا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی...... انہوں نے کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا بس خود سے کہہ دیا۔"

"ہاں...... مہمانوں کے جانے کے بعد سب گھر والوں کو انفارم کردیا ہے انہوں نے۔"

"سب گھر والوں کا ری ایکشن...... کیا کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

"نہیں۔"

"ہادی...... کیا یہ سب ٹھیک ہورہا ہے؟" انیقہ نے سلگتی نظروں سے اس کے بجھے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

"شاید ہاں...... شاید نہیں......" ہادیہ نے مبہم سے لہجے میں کہا۔

"مماجی کے جانے کے بعد ہماری زندگیاں تو جیسے کھلونوں سے بھی بے وقعت ہوگئی ہیں جس کا جو دل چاہتا ہے وہ فیصلہ ہم پر مسلط کرکے چلا جاتا ہے۔" انیقہ کڑھ کررہ گئی۔

"نکی...... ذرا میرے ساتھ چلو گی۔"

"کہاں......؟"

"اسٹور میں۔"

"وہاں کون سا خزانہ ڈھونڈنا ہے ہادی؟"

"دیکھتی ہوں ناں...... مماجی نے کیا بنایا ہے کیا رکھا ہے وہاں۔"

"چلو......" انیقہ اس کی بجھی ہوئی صورت دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رک گئی اور خاموشی سے چل پڑی۔

اسٹور میں کام کی چیزیں کم کاٹھ کباڑ زیادہ بھرا ہوا تھا۔ ماہین جیسی کفایت شعار خاتون عام سی بے کار چیزوں کو بھی کار آمد بنانے کے خیال سے سنبھال کر رکھ لیا کرتی تھیں۔ دو بڑے بڑے صندوق رکھے تھے۔ جو ماہین کبھی بھی ان کے سامنے نہیں کھولا کرتی تھیں۔ آج عمرو عیار کی یہ زنبیل بھی کھل گئی۔ دو بیڈ شیٹیں، چند سوٹ پیس اور کچھ برتن...... ان دو صندوقوں کی کل متاع ماہین کی جانے کتنے سال میں کی گئی بچت۔ ہادیہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔"

"تو تم کیا ہفت اقلیم کا خزانہ سمجھ کر چلی آئی تھیں یہاں۔" انیقہ نے اس کی طرف مضحکہ خیز نظروں سے دیکھا۔

"جس خاتون کے ہاتھوں نے یہ چند چیزیں جوڑی ہیں، اگر تمہیں یاد ہو ہادی تو اس کے پاس تو ماہانہ خرچ کے لیے بھی کبھی موزوں آمدنی نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے تعلیمی اخراجات کی مد میں ایک ایک کرکے اس کے سارے زیور بک گئے اور جو کچھ بچا تھا، وہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جہاں سے واپسی کی توقع فضول ہے اور ہاں...... یہ جو کچھ بھی ہے ناں، اس میں سے میرے لیے تم کوئی چیز بھی نہیں رکھو گی کیونکہ مماجی نے یہ سب تمہارے نام سے رکھا تھا یہ سب تمہارا ہے۔" انیقہ نے حتمی انداز میں کہا۔

"نکی...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ میں کہاں سے ابتدا کروں، بستر، برتن، زیور، فرنیچر، الیکٹرونکس کتنا کچھ ہوتا ہے جہیز میں......" ہادیہ بے چارگی سے بولی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے دنیا کی سمجھ نہیں تھی یا کبھی وہ بازار نہیں گئی تھی۔ ایک عرصے سے جب سے ماہین کا وزن بہت بڑھ گیا تھا، ہادیہ نے غیر محسوس انداز میں کافی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ بل جمع کروانا، گھر کا راشن لانا، دیگر ضروریات زندگی کی خریداری کرنا اور گھر کے بھی تقریباً سبھی کام وہ ہی کرتی تھی۔ لیکن جہیز بنانا تو ماں کا کام ہے اور وہ انیقہ سے محض دو سال بڑی تھی۔ وہ اتنی بڑی ہرگز نہ تھی جو اس قدر اہم ذمہ داری اٹھالیتی پھر بھی اس نے الماری میں ماہین کے ہاتھوں کے رکھے اٹھائیس ہزار سے ابتدا کی، بستروں کا بڑا صندوق خریدا اور محلے کی ایک خاتون کی مدد سے مخمل اور شنگھائی کی رضائیاں بنوائیں، پھر تکیے سرہانے، کشن اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بنوائیں، بازار سے پانچ چھ بہترین بیڈ شیٹیں خریدیں۔ اگلی امید باقر چچا تھے۔ ایک شام وہ

ان کے پورشن میں چلی آئی۔

"دیکھو ہادیہ پتر.... کاروبار میں آج کل کافی مندا چل رہا ہے گھر کا خرچہ بھی مشکل ہی سے نکل رہا ہے ایسی صورت میں ایک دم چالیس ہزار روپے کہاں سے لاؤں۔" باقر چچا کا لنگڑا بہانہ سنتے ہوئے اس نے اپنی سب سے چھوٹی چچی کو زیورات میں لت پت بڑی توجہ سے دیکھا جو گھر میں بھی یوں ہی سنوری بیٹھی تھیں گویا ابھی کسی شادی میں جانا ہے یا ہو کر آئی ہیں۔

"لیکن باقر چچا آپ کو تو پتہ ہے انیقہ کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی ہے اب کسی نہ کسی طرح تو انتظام کرنا ہوگا ناں۔"

"پتر برا نہ ماننا.... یہ تمہاری بڑی امی یعنی ہماری چچی صاحبہ کے کام بھی نرالے ہی ہیں.... بغیر کسی سے مشورہ کیے انہوں نے تاریخ طے کردی پوچھنا تک گوارہ نہ کیا.... اب یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی ناں۔"

"وہ تو جو ہونا تھا ہو گیا اب آگے کا بتائیں باقر چچا کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"پتر میں تو اتنی مدد کرسکتا ہوں کہ کمپنی سے ایک فریج نکلوا کے دے دوں گا۔"

"مدد....؟ نہیں باقر چچا میں تو ان پیسوں کا سوال کررہی ہوں جو مماجی نے آپ کو دیے تھے۔"

"تو میں بھی تو وہی کہہ رہا ہوں کہ تم باقی سامان کا دھیان کرو فریج مجھ پر چھوڑ دو وہ میں ان پیسوں میں ایڈجسٹ کردوں گا۔"

"جی بہتر....." ہادیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے کدھر چل پڑی.... کھانا کھا کر چلی جانا ہادیہ۔" چچی نے بر سبیل تذکرہ کہا۔

"نہیں چچی بس ابھی چلتی ہوں اجازت دیں۔" ہادیہ ان کے پورشن سے نکل آئی۔ ذہن اسی ادھیڑبن میں تھا کہ ایک مہینہ ہونے کو آیا تھا' بڑی امی جب سے فیصلہ صادر کرکے گئی تھیں ایک دن بھی پلٹ کر نہیں پوچھا تھا کہ آخر وہ کیا کررہی ہیں اور کچھ کر بھی رہی ہیں یا نہیں۔ اگلے دن ہادیہ بچت بینک چلی گئی' فکس ڈپازٹ کی گئی رقم سے پچاس ہزار روپے نکلوائے اور گھر واپس آگئی۔

"یہ تم نے غلط کیا ہادی .... مماجی نے یہ پیسے تمہارے لیے رکھوائے تھے۔"

"میں یا تم الگ تو نہیں ہیں ناں..... اور مجھے پتہ ہے سب کچھ بن جائے گا ان شاء اللہ وٹی کی نہیں ہوگی تمہارے جہیز میں دیکھنا۔ ان پیسوں سے میں نے وہ خریدنا ہے جس کی طرف کسی کا دھیان نہیں جانا اور جو بے حد ضروری ہے۔"

"ارے وہ کیا؟" انیقہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جب میں خرید کرلے آؤں گی تب بتاؤں گی۔" ہادیہ مسکراتے ہوئے بولی اور اسی شام جان گولڈ سے خریدی گئی سونے کی چین' ایک ٹاپس کی جوڑی اور ایک انگوٹھی مردانہ ایک زنانہ' وہ خوشی خوشی انیقہ کو دکھا رہی تھی۔

"یہ دلہا کی انگوٹھی اور چین' یہ ٹاپس تمہاری ساس امی کے لیے اور یہ انگوٹھی تمہاری اکلوتی نند کے لیے۔"

"کیا یہ ضروری تھا ہادی۔"

"ہاں جی بالکل ضروری تھا اور تم یہ کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی نہ ہی میں ان کا ذکر کروں گی۔ آئی سمجھ۔"

"آگئی۔" انیقہ نے سعادت مندی سے کہا۔

"گڈ گرل۔" ہادیہ نے وہ سب کچھ وارڈروب کی دراز میں رکھ کر لاک کردیا۔ رات میں جب تائی امی انہیں کھانے کے لیے بلانے آئیں تو تایا ابو بھی عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہی رات کے کھانے میں شریک ہوگئے تھے۔

"ہادیہ پتر.... انیقہ کی شادی کی تیاریاں تم کیسے کررہی ہو بچہ.... تمہاری تائی بتا رہی تھیں ابھی تک خالہ جی بھی نہیں آئیں' کم سے کم انہیں تو آکر پوچھنا چاہیے تھا ناں' فیصلہ بھی ان ہی کا تھا' ورنہ ماہین کی تو قبر کی مٹی ابھی تک گیلی ہے۔ کہاں انہوں نے شادی کی تاریخ طے کردی۔" تایا ابو اس گھر میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اس سے پوچھا تو تھا' ہادیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تایا ابو.... میری سمجھ میں جو آرہا ہے وہ تو میں کررہی ہوں لیکن پیسے کی کمی کی وجہ سے مجھ سے کوئی کام بھی مکمل نہیں ہو پارہا۔"

"یہی میں تمہیں بتانے والا تھا عارف نے حمایت علی کے ساتھ جو آڑھت کا کام شروع کیا ہوا تھا' وہ تو اب خاصا بہتر ہو چکا ہوگا' میں حمایت علی سے بات چیت کرلوں پھر تمہیں کل بتاؤں گا۔ کچھ تم تو اس سے بھی حل جائے گی۔"

"جی تایا ابو جیسے آپ بہتر سمجھیں۔" ہادیہ کے لیے نوالہ نگلنا مشکل ہو گیا یہ فرض عارف علی کا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر تمام معاملات پر بات کرتا۔ تسلی دیتا اپنے ساتھ کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ کوشش بھی کرتا جبکہ اس نے تو ایک ماہ

سے ڈھنگ سے گھر میں وقت بھی نہیں گزارا تھا' زیادہ سے زیادہ ایک یا آدھے گھنٹے کے لیے آتا' کپڑے بدلتا' کھانا کھاتا اور پھر کہیں چلا جاتا۔ تایا ابو کئی دن تک حمایت علی سے بات کرنے کے لیے جاتے رہے لیکن وہ انہیں دور ہی سے دیکھ کر ادھر ادھر ہو جاتا' تنگ آ کر تایا ابو نے ہادیہ سے کہا۔

"چلو حمایت علی کے گھر تمہیں لے کر جاتا ہوں' اس کی ماں اور بیوی سے تم خود بات کر کے دیکھ لو کیونکہ میں ان کے گھر بھی گیا ہوں کئی بار' مجھے اندازہ ہے کہ وہ گھر پر ہی ہوتا ہے لیکن کہلوا دیتا ہے کہ گھر پر نہیں ہے۔ تم خود جاؤ گی تو پھر پتہ چل جائے گا کہ آخر اصل معاملہ کیا ہے وہ کیوں ہم سے چھپتا پھر رہا ہے۔"

ہادیہ چادر اوڑھ کر ان کے ہمراہ چل پڑی۔ تایا ابو نے دروازہ بجا کر اپنی آمد کی بابت بتایا اور حسب توقع جواب ملنے پر ہادیہ کو اشارہ کیا کہ گھر کے اندر داخل ہو جاؤ۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ہادیہ کو حمایت علی سامنے صحن میں چارپائی پر بیٹھا دکھائی دے گیا۔ ہادیہ کو دیکھ کر گھر کے بھی افراد پہلے تو چونکے اور پھر اپنے جھوٹ پر شرمندہ سے دکھائی دینے لگے۔

"السلام علیکم چچا جی....." ہادیہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام پتر.....کیسی ہو؟" حمایت علی پھیکے سے لہجے میں کہتا ہوا اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"چچا جی..... تایا ابو کئی بار آپ سے ملنے آئے' آپ نہیں ملے تو اس وجہ سے مجھے آج آنا پڑا' آپ کو تو پتہ ہے کہ چھوٹی بہن کی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہوں۔ ڈھیروں چیزیں ہوتی ہیں جہیز کی لینے والی' مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی' تایا ابو نے بتایا تھا کہ ابو نے آپ کے ساتھ کاروبار میں کچھ رقم لگائی ہوئی تھی' اگر ممکن ہو تو آپ اس وقت مجھے اس میں سے کچھ پیسے دے دیں۔" ہادیہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر پلکوں کی لرزش سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس طرح ہاتھ پھیلانے پر اس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ خوددار ماں کی خوددار بیٹی تھی لیکن یہاں معاملہ اس کی بہن کی خوشیوں کا تھا جو اس کی ماں جائی اس کی اکلوتی چھوٹی بہن ہی نہیں تھی بلکہ ایک ایسی ذمہ داری بھی تھی جو اس کی مرتی ہوئی ماں اس کے کندھوں پر ڈال گئی تھی۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اگر اسے بھکاری بھی بننا پڑتا تو یہ صعوبت بھی وہ خوشدلی سے قبول کر لیتی۔

"پتر..... مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ ایک بیٹی کا فرض کیا معنی رکھتا ہے ہم بھی بہنوں بیٹیوں والے ہیں مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تمہارے تایا مجھ سے کئی بار ملنے منڈی اور گھر آتے رہے ہیں لیکن میں بھی کیا کرتا میں ان سے نظر ملا کر بات کرنے کے قابل ہی نہ تھا' پتر مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ میں اس کڑے وقت میں تمہاری مدد نہیں کر پاؤں گا۔ میری طرف سے معذرت قبول کرو۔" حمایت علی کے الفاظ زہر میں بجھے تیروں کی طرح ہادیہ کے دل کو چھیدرہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک بزرگ آدمی محض اس سے ملنے کی خاطر کئی بار اتنی دور چل کر آیا تھا لیکن وہ اس سے مل نہیں سکتا تھا' ایسا کیا معاملہ تھا۔

"چچا جی..... ایسی بھی کیا بات تھی جس نے آپ کو ایسا رویہ رکھنے پر مجبور کیا؟" ہادیہ نے ان کی طرف گہری نظر سے دیکھا۔

"چھوڑو بیٹا..... رہنے دو اب' بس اتنا جان لو کہ تمہاری مدد کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"نہیں چچا جی..... آپ نے مجھے پتر کہا اپنی بیٹی سمجھا تو کہا ناں..... پھر آپ مجھے وہ مسئلہ بھی بتائیں گے۔"

"ایک ماہ پہلے تمہارے ابو آئے تھے منڈی اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ گھر میں چھوٹی بیٹی کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ پیسے کی کمی بیشی کی صورت میں میری بیٹی یا بڑے بھیا تم سے رابطہ کریں گے' میں واضح الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ جو رقم میں نے تمہارے ساتھ کاروبار میں لگائی ہے اس میں سے ایک روپیہ بھی تم ان دونوں میں سے کسی کو نہیں دو گے اور اگر تم نے دیا تو میں اس کی کوئی ذمہ داری نہیں لوں گا' بلکہ تم سے پائی پائی وصول کروں گا۔ اب خود سوچو پتر کہ عارف علی کے اس قدر حتمی الفاظ کو میں کس صورت نظر انداز کر سکتا ہوں بھلا..... میں خود غریب آدمی ہوں۔ اس لیے شرمندہ ہوں پتر مجھے معاف کر دینا۔" حمایت علی کے الفاظ نہیں تھے زہر میں بجھے تیر تھے جو ہادیہ کے وجود و روح میں پیوست ہو گئے۔ وہ جب جانے کے لیے اٹھی تو اس سے ایک قدم بھی اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ منوں وزنی قدموں کو بمشکل اٹھاتی وہ بیرونی دروازے سے باہر آئی' تایا ابو کے چہرے سے جھلکتی امید اس کے بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مرجھا گئی۔

"کیا ہوا ہادی بیٹا..... اندر ہی تھا ناں حمایت علی....." وہ اس کے ہمراہ چلتے ہوئے بولے۔

"جی....." بمشکل اس نے حلق تر کرتے ہوئے جواب دیا۔ اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں یک دم مدھم ہوتے ہوتے جیسے بالکل ہی بجھنے لگی تھیں۔ اس نے زور زور سے پلکیں جھپکیں'

لمبے لمبے سانس لیے مگر دم تھا کہ سینے میں گھٹتا جا رہا تھا۔
کیا اس سے بھی بڑھ کر بے وقعتی اور کم مائیگی کی کوئی حالت ہوسکتی تھی یہ ایک بیٹی کے وجود سے انکار تھا ایک رحمت کی بے قدری اور اللہ کی دی ہوئی اولاد کی نفی تھی۔ عارف علی اپنی ذات کے حوالے سے اس قدر خود غرض بھی ہوسکتا ہے ایسا تو وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ شاید وہ لڑکھڑائی تھی کہ جلدی سے تایا ابو نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا۔

''کیا ہوا ہے ہادی......؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بیٹا...... تم نے بتایا نہیں اندر کیا ہوا؟ حمایت علی ملا کہ نہیں۔ کیا کہا اس نے۔''

''تایا ابو...... مجھے کہیں بیٹھنا ہے۔'' ان کے بازو تھامے وہ بمشکل کھڑی تھی۔ اس کے وجود کی لرزش نے تایا ابو کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے جلدی سے قریب ہی ایک بند دکان کے تھڑے پر اسے بٹھا دیا۔

''تم بیٹھو میں پانی کہیں سے ملتا ہے تو لاتا ہوں یا پھر رکشہ روکتا ہوں۔''

''گھر جانا ہے تایا ابو......'' اس نے سسکاری لی۔

''ہاں ہاں بچے...... ایک منٹ وہ روڈ کی دوسری جانب رکشہ کھڑا ہے میں اسے بلا کر لاتا ہوں تم آرام سے یہیں بیٹھو۔'' وہ تیزی سے روڈ کراس کر کے دوسری جانب سے رکشہ لے آئے۔ اسے رکشے میں بٹھایا اور گھر آ گئے۔ داخلی دروازے سے اندر آتی ہادیہ پر نگاہ پڑتے ہی تائی امی اور انیقہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سر سے ڈھلکتی چادر، آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ مردہ قدموں سے چلتی ہوئی کمرے تک آئی اور بیڈ پر ڈھے سی گئی تھی۔

''انیقہ بیٹا...... بہن کو پانی پلاؤ۔ شاید بلڈ پریشر لو ہوگیا ہے۔''

''تو آپ وہیں سے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے' خراب طبیعت کے ساتھ گھر لے آئے۔ رنگت تو دیکھیں کیسی ہلدی جیسی ہو رہی ہے...... ہائے میرے اللہ۔''

''تائی امی...... ہادی لگتا ہے بے ہوش ہو رہی ہے۔ دیکھیں ناں اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح سرد ہو گئے ہیں۔'' ہادیہ کو سب کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن حواس اپنی جگہ پر نہ تھے۔ آنکھوں پر جیسے کسی نے منوں وزن دھر دیا تھا۔ دل تھا کہ یوں باآواز بلند بلک رہا تھا کہ وجود کے اندر خون کے سر ٹکرانے کی صدائیں اسے اپنی سماعت کو بخوبی محسوس ہو رہی تھیں۔

''کاش وہ نہ جاتی آج وہاں...... ایک بھرم تو رہ جاتا' تھوڑی سی خوش فہمی تو باقی رہ جاتی...... ایک بیٹی کا کچھ مان تو سلامت رہ جاتا......'' سب کچھ خاک میں مل گیا تھا اس کا وجود کسی گرد باد کے گھیرے میں آ گیا تھا اور گرد باد اسے اڑائے اڑائے پھر رہا تھا۔ کبھی اسے زمین پر پٹختا تھا اور کبھی ریت اور مٹی کے ذروں سے بھی ہلکا کر کے ہوا میں اچھال دیتا اور اس سارے میں اس کی ذات کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی جب اسے جنم دینے والا ہی اس سے انکاری تھا تو وہ کس سے اپنا آپ تسلیم کرواتی۔ کس آئینے میں اپنی شبیہہ تلاش کرتی اور کس کو اپنا کہتی' امید ٹوٹ جانے پر یقین کے مر جانے پر کیسا ماتم بپا ہوتا ہے یہ آج کوئی ہادیہ سے پوچھتا......

......□......

وہ بے حد خوش ہوگئی تھی۔ صبح اسکول جاتی وہاں سے واپس آتے ہی انیقہ کی شادی کی تیاری میں لگ جاتی۔ اس نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا اس قیامت کا جو اس کی جذباتی وروحانی محسوسات کی تباہی کا باعث بنی تھی۔ اسے اپنے اردگرد موجود تمام لوگ خود غرض' خون چوسنے والی جونکوں کی مانند دکھائی دینے لگے تھے۔ بے حس' پتھر جیسے' جنہیں ان کا احساس تو کیا ہوتا ایک پل کے لیے جو ان کے متعلق سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے اس نے انیقہ کے کپڑے' بیڈ شیٹس' کراکری اور الیکٹرونکس کی تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں خرید لی تھیں۔ شادی میں پچیس دن پہلے بڑی امی آخر کار ان کے گھر چلی آئیں۔ اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو ناقدانہ نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''میں نے کہا جا کر دیکھوں تو کچھ بنا بھی رہی ہو کہ نہیں۔ اصل میں گل کا فون آیا تھا' وہ کہہ رہا تھا' ہادیہ سے فرنیچر پسند کروا لیں' فرنیچر تو ننھیال والوں کی طرف سے ہی ہوتا ہے ناں۔ تو میں البم لے کر آئی ہوں۔ ڈیزائن وغیرہ پسند کر لو پھر آرڈر دے دیں گے۔'' بڑی امی نے البم اس کے سامنے رکھا۔ ''ویسے جو کچھ بھی لیا ہے ٹھیک ہی ہے کون ساتھ جاتا رہا ہے بازار۔''

''وہ بڑی امی' کراکری کے لیے شاہ گل گئی تھیں ساتھ ورنہ زیادہ تر میں اکیلی ہی جاتی ہوں ایک دو بار تایا ابو بھی گئے ہیں۔'' ہادیہ البم کے صفحات پلٹتے ہوئے بولی۔ فرنیچر کا ڈیزائن فائنل کر کے اس نے بڑی امی کو دکھایا تو انہیں بھی پسند آیا۔

"چلو ٹھیک ہے اور ہاں امیقہ کے سسرال والے کہہ رہے تھے کہ چوڑیاں وہ لوگ بنا رہے ہیں تو تم زیور میں بھاری چیز کیا دینا چاہ رہی ہو وہ بھی بتا دو۔ میرا ارادہ تو تھا کہ چوڑیاں میری طرف سے ہو جاتیں۔"

"بڑی امی اگر چوڑیاں وہ لوگ دے رہے ہیں تو پھر ہم کنگن دے دیتے ہیں۔"

"ہاں چلو ٹھیک ہے۔ کل شام تم آ جانا۔ میرے ساتھ چلی چلنا سنار کے پاس۔ ڈیزائن پسند کر لینا۔"

"جی بہتر بڑی امی۔" ہادیہ کو کافی بوجھ سرکتا محسوس ہوا ورنہ اس سارے دورانیے میں جس طرح سب ہی خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے وہ حیران تھی کہ سب کچھ کس طرح کر پائے گی۔ اب تھوڑا سکون ہوا تھا' اس کے باوجود جو سکوت اس کے اندر سرائیت کر گیا تھا وہ ہنوز وہیں تھا۔ ایک طرف ذمہ داری کا بھاری طوق اور دوسری طرف دل کی دنیا کے تہہ و بالا ہو جانے کا غم...... چکی کے دو پاٹوں کے بیچ اس کی ذات پستی' سرمہ ہوتی جا رہی تھی۔

ماے نی...... میں کینوں آکھاں
درد وچھوڑے دا حال نی
ماے نی میں کینوں آکھاں......

......□......

شادی کے کارڈ چھپ گئے...... چار دن پہلے سامان لینے والے آ گئے' باقر چچا نے یہاں بھی اسے ہری جھنڈی دکھا دی کہ کمپنی سے فریج نہیں نکلوایا جا سکا۔ ہادیہ بھاگتی ہوئی تایا ابو کے کمرے میں آئی۔

"تایا ابو...... سامان لینے کے لیے وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے اور باقر چچا نے فریج کے حوالے سے جو وعدہ کر رکھا تھا وہ بھی نہیں پورا ہو پایا۔ میں کیا کروں ابھی سب کچھ تیار ہے بس فریج کی کمی ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اپنی طرف سے تو اس نے امیقہ کے جہیز میں ایک تنکے کی کمی نہ چھوڑی تھی۔ وہ بھی اگر باقر چچا نے آس نہ دلائی ہوتی تو وہ کسی نہ کسی طرح انتظام کر ہی لیتی۔

"ہادی بیٹا...... پریشان کیوں ہوتی ہو ابھی چلو میرے ساتھ...... ہم ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے فریج لے کر آئیں گے ان شاء اللہ ہماری بچی کے جہیز میں کوئی کمی نہ ہوگی۔" تایا ابو نے نوالہ ہاتھ سے واپس پلیٹ میں رکھ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے وہ متشکر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی اپنے پورشن کی طرف بڑھی۔

"تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں اس وقت۔"

"دس ہزار تایا ابو......"

"بس وہ ساتھ لے چلو میرا بیٹا۔"

"جی بہتر تایا ابو میں ابھی آئی۔" وہ جلدی سے اپنے کمرے سے پیسے اور چادر اٹھا لائی اور تایا ابو کے ہمراہ پیدل ہی بازار روانہ ہو گئی اور پھر تایا ابو نے جو کہا وہ سچ کر دکھایا۔ دس ہزار روپے دے کر اس نے قسطوں پر نہ صرف فریزر اٹھایا بلکہ ٹی وی ٹرالی اور استری اسٹینڈ بھی خرید لیا اور جب وہ واپس پہنچی تو سامان ٹرک میں لوڈ ہو رہا تھا۔ دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی وہ اپنے پورشن میں آ گئی۔ ایک بہت بڑا کام اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور ایک بہت بڑا کام ابھی باقی تھا۔ شادی اور بارات کے کھانے کا انتظام...... اور اس میں اسے گھر کے کسی آدمی کی مدد درکار تھی۔

کافی دیر تک سوچنے کے بعد اس کے دل میں آیا کہ اسے منجھلے چچا سے اس سارے معاملے کو ڈسکس کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ اس حوالے سے اس کے کسی کام آ سکیں۔ یہی سوچ کر وہ ان کے پورشن میں چلی آئی۔ منجھلے چچا گھر پر ہی تھے۔

"چچا جی...... مجھے بے حد ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔"

"ہاں بولو ہادی......" منجھلے چچا اس وقت ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی پر وہ بادل نخواستہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"چچا جی...... اللہ کا شکر ہے امیقہ کا جہیز تو چلا گیا لیکن اب شادی کے تمام انتظامات کے لیے مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں۔"

"کیا مطلب؟"

"چچا جی...... کھانے وغیرہ کے حوالے سے کیا کریں؟"

"تین دن باقی ہیں شادی میں اور تم اب مجھے بتا رہی ہو ہادیہ...... بہت جلدی ہوش آیا ہے بیٹا۔" وہ الٹا اسی پر چڑھ دوڑے تو وہ حیران سی ان کی طرف دیکھنے لگی' کیا یہ بھی اس کی غلطی تھی اس نے تو کسی سے بھی کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ وہ چچا جن پر اس کے باپ کو بہت یقین تھا کہ اس کی بیٹیوں کو رخصت کرنے کے لیے وہ سب مل کر ہر بوجھ بانٹ لیں گے انہوں نے ایک بار بھی پوچھا تک نہ تھا۔ ایک آدھ چیز جہیز میں

اپنی طرف سے دے کر گویا ہر فرض سے بری الذمہ ہوگئے تھے۔ سوائے تایا ابو کے گھر کا ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس نے پوچھا ہو کہ کیا کر رہی ہو؟ کیسے اور کس طرح کر رہی ہو؟ اور اب شکوہ بھی الٹا اسی سے اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"اچھا اب اس طرح منہ مت لٹکاؤ' بارات کے کھانے اور ریفریشمنٹ کا بندوبست ہوجائے گا' مجھے ایکیوریٹ بندوں کا اندازہ کرکے بتادو۔"

"چچا جی بارات پر تین سو سے زیادہ لوگ ہوں گے اور مہندی پر بھی ڈیڑھ سو افراد کی ریفریشمنٹ کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے ہوجائے گا اور اس کے لیے کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہزار روپے درکار ہوں گے۔ اگر وقت پر پے منٹ کردو تو زیادہ اچھا انتظام ہو پائے گا۔" منجھلے چچا کے کہنے پر وہ اندر ہی اندر ڈھے سی گئی۔ اب تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

"چچا جی...... میرے پاس ابھی اس وقت تو کچھ بھی نہیں البتہ باقر چچا نے جو پیسے دینے تھے اگر وہ دے دیں تو پھر ہوسکتا ہے۔"

"ہاں تو کیا کہتا ہے وہ ان پیسوں کے حوالے سے؟"

"کچھ بھی نہیں...... ابھی تک اس معاملے میں انہوں نے کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کی۔" ہادیہ نے کہا تو منجھلے چچا کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

"ویسے تو اس سے پیسے نکلوانے بہت مشکل ہیں البتہ کھانے کا خرچ اگر اس کے ذمے ڈال دیا جائے تو پھر ادا کردے گا۔"

"لیکن میری تو وہ بات بھی ڈھنگ سے نہیں سنتے چچا جی...... میں کیسے ان سے یہ بات کروں؟"

"تم نہیں...... تم رہنے دو' میں خود اس سے بات کروں گا اور تم بے فکر ہوجاؤ' کھانے کا اور دیگر جو انتظامات رہ گئے ہیں سب ہوجائیں گے۔" منجھلے چچا نے کہا تو ہادیہ قدرے پرسکون ہوگئی۔

......□......

اور پھر شادی میں ہر تقریب اتنے بہترین طریقے سے انجام پائی کہ کسی کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ یہ ایک ایسی لڑکی کی شادی ہے' جس کی ماں چند ماہ پہلے اس دنیا سے جاچکی ہے اور جس کے باپ کو اپنی اولاد کا ڈھنگ سے احساس تک نہیں' بارات کا بہترین کھانا اور اس کے بعد ہادیہ نے جس طرح لبیقہ کی ساس نند کو سونے کے تحائف دیئے اس کے شوہر کو اپنے ہاتھوں سے گھڑی اور انگوٹھی پہنائی اور سونے کی چین کا کیس اس کے ہاتھ میں تھمایا' سب ہی نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں' ایک بچی جو کل تک اپنی ماں کے کندھے سے جھولتی تھی' کس طرح اس نے ماں بن کر اپنی چھوٹی بہن کی ہر خوشی پوری کی تھی۔ وقت نے اسے اپنی عمر سے پہلے بڑا کردیا تھا۔ صرف چوٹ لگنے سے درد نہیں ہوا تھا' ہر چوٹ نے اسے سبق بھی سکھایا تھا' وقت بہترین استاد بن کر اسے ایک ایک قدم بڑھانے کا طریقہ سکھاتا رہا تھا اور کبھی مرہم بن کر اس کے رستے زخموں کو ٹھنڈک بھی پہنچاتا رہا تھا۔ لبیقہ رخصت ہوگئی تھی' اپنی تمام تر معصومیت' چلبلے پن کے ہمراہ' اس نے بیڈ کے دوسرے کنارے کی طرف نگاہ ڈالی' آج یہ کونا ویران ہوگیا تھا' اب اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کو لاک بھی نہیں لگا ہوا تھا کیونکہ وہ اپنی ساری فیورٹ چیزیں ایک کارٹن میں پیک کروا کر جہیز کے سامان کے ساتھ پہلے بھجوا چکی تھی۔ جب سے وہ گئی تھی ہادیہ کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں اور دل ہی دل میں لبیقہ کی اگلی زندگی کی خوشیوں اور مسرتوں کے لیے دعائیں بھی مانگ رہی تھی۔

"ہادیہ...... آکر کھانا کھالو بیٹا۔" تائی امی اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

"تائی امی...... بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔"

"ہادی سب لوگ برآمدے میں جمع ہیں بیٹا' آجاؤ۔ جتنی بھوک بھی ہے کھانا کھالو سب کے درمیان بیٹھو بیٹا دل بہل جائے گا میرا چاند۔"

"تائی امی آپ سب کھالیں' سچ میں بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔" ہادیہ کچھ دیر اکیلی رہنا چاہتی تھی اور تائی امی کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کیا پروگرام بنائے بیٹھی ہے' یقیناً تنہا رہ کر رونا چاہتی تھی۔

"تو ٹھیک ہے کچھ مت کھاؤ لیکن سب کے بیچ آکر بیٹھو' اس طرح اکیلے نہ بیٹھو۔ لبیقہ تو خوش و خرم ہوگی وہاں اور تم یہاں سب سے الگ تھلگ بیٹھی آنسو بہا رہی ہو بری بات بیٹا۔ اللہ کا شکر ہے عزت کے ساتھ تمام معاملہ نمٹ گیا۔ یہ تو مقام شکر ہے آؤ میرا بچہ باہر سب کے ساتھ بیٹھو' ہنسو بولو۔" ان کے سمجھانے پر چار و ناچار ہادیہ کو اٹھ کر ان کے ہمراہ باہر آنا پڑا اور پھر تائی امی کے بقول واقعی وہ بہل گئی تھی۔ سب کے ہنسی مذاق نے کافی حد تک اس کی طبیعت کے بوجھل پن کو دور کردیا تھا' پھر وہ بھی سب کے ہمراہ ولیمے پر جانے کے حوالے سے گفتگو میں شریک

ہوگئی تھی۔

❊ ......□...... ❊

رات بھر وہ سو نہیں پائی تھی لیکن ویسے والے دن خوش وخرم ہنستی مسکراتی انیقہ کو دیکھ کر اس سے باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا۔ آج پہلی بار وہ انیقہ کا گھر دیکھ رہی تھی بہت بڑا نہیں تھا' سادہ سا تعمیر شدہ گھر تھا' جس کے تین کمرے انیقہ کے حصے میں آئے تھے اور جو اس کے جہیز کے سامان سے بہت خوب صورتی کے ساتھ سجے ہوئے تھے۔ وہ مطمئن ہوگئی۔ انیقہ کی صرف ایک نند تھی جو شادی شدہ تھی' کوئی دیورانی جٹھانی کا جھنجٹ نہیں تھا بس ایک ساس تھی اور ایک وہ' پرسکون ہی گزرے گی اس کی زندگی۔ ہادیہ سوچ رہی تھی' ورنہ انیقہ کا بچپنا' اس کا لاابالی پن اور بے نیازی اکثر اسے ڈراتی تھی۔ کہ جو اس کا سسرال بھرا پرا ہوا تو کیا ہوگا؟ لیکن اب پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی گھر واپس آ کر وہ اپنے پورشن میں آئی تو عارف علی کو سوتا پاکر عجیب سی ناگواری اس کے رگ وپے میں سرایت کرنے لگی' کل شام انیقہ کی رخصتی کے بعد سے وہ اسی طرح پڑا سورہا تھا' وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ رات دس بجے عارف علی نے آواز دی تو وہ اٹھ کر اس کے کمرے میں آئی۔

"جی ابو....."

"پانی دو ہادیہ پتر....." تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے کہا تو ہادیہ پانی لے کر اس کے قریب چلی آئی۔

"نکی پتر کدھر ہے....." پانی پی کر گلاس اسے تھماتے ہوئے عارف علی نے پوچھا تو ہادیہ کا دل کرلا اٹھا۔

"ابو.....کل شام اس کی رخصتی ہوگئی ہے وہ اپنے گھر میں ہے' آج اس کا ولیمہ تھا۔ ہم ابھی ابھی وہیں سے واپس آئے ہیں۔" اس کی نظروں کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی شاکی تھا۔ عارف علی نے نظریں چرالیں۔

"کمال ہے میں اتنی گہری نیند سویا تھا۔ تم لوگوں نے مجھے جگایا بھی نہیں۔"

"جگایا تھا ابو صبح جانے سے پہلے' لیکن آپ اٹھے ہی نہیں۔" وہ جتا نہ سکی کہ کیسے باپ ہیں آپ جو بیٹی کی رخصتی کے دن بھی نشے میں دھت پڑے رہے۔ کیا اس طرح کے باپوں کی اولادیں عزت کی زندگی جیتی ہیں' کیا ایسے بے حس باپوں کی بیٹیاں رخصت ہوتے ہوئے بابل کی دعاؤں کی آس دل میں رکھ سکتی ہیں اور رخصت ہونے کے بعد کون سے سکھ ہیں جنہیں یاد کر کے میکے سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے کی آس ہوگی انہیں۔ ایسی بیٹیوں کو اللہ اپنے گھر کا ہر سکھ دے تاکہ باپ کے گھر میں ملنے والا ہر دکھ بھول جائیں لیکن ہادیہ کو شاید یہ خبر نہیں تھی کہ ایسی بیٹیاں جو باپ کے گھر سے بے اماں رخصت ہوتی ہیں ہمیشہ بے اماں ہی رہا کرتی ہیں۔ دکھ ان کے آنچلوں کے تعاقب میں رہا کرتے ہیں۔

❊ ......□...... ❊

شادی سے لے کر اب تک قدم قدم پر باپ اور بھائی کی کمی کا احساس اسے بے سکون کرتا رہا تھا۔ اگر اس کا باپ ایک حساس اور پدرانہ شفقت رکھنے والا انسان ہوتا یا پھر اللہ نے جو بھائی عطا کیا تھا اسے زندگی کی نعمت سے بھی سرفراز کیا ہوتا تو شاید کسی کو بھی کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ انیقہ کو مکلاوے پر لے کر آنا تھا اور وہ اپنی جگہ پریشان بیٹھی تھی کہ کس کو کہے۔ اسے خود تو راستوں کا علم بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ صرف اکیلی جا کر انیقہ کو لاسکتی تھی۔ رخصتی کو تین دن گزر گئے۔ شہباز کے پاکستان آنے کی خبر ملی تو ایک دم امید روشن ہوگئی۔ وہ شہباز جوان کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو نہ صرف یاد رکھتا تھا بلکہ ہمیشہ اولیت بھی دیا کرتا تھا۔

"میں گل ماموں سے کہوں گی وہ میرے ساتھ انیقہ کو لینے چلے۔" وہ دل ہی دل میں مطمئن ہوگئی۔ شام میں وہ بڑی امی کی طرف چلی آئی۔ رات گئے گل ماموں بھی آگئے۔ وہ جب بھی پاکستان آتے تھے تو ڈھیروں کام اور مصروفیات پہلے ہی سے منتظر ہوتی تھیں۔

"او ہادیہ بیٹا آئی ہوئی ہے کیسی ہو بیٹا اور انیقہ کی کیا خبر ہے' کوئی فون وغیرہ کیا تم نے؟"

"جی گل ماموں.....کیا تھا ٹھیک ٹھاک ہے خوش ہے' بس ابھی تو اسے لے کر آنا ہے' کل یا پرسوں۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے لے آئیں گے ایسی کیا بات ہے بیٹا۔" شہباز کے کہنے پر ہادیہ نے طمانیت کا سانس لیا۔

"پھر میں اسے فون کردوں گل ماموں کہ ہم کل اسے لینے جارہے ہیں۔"

"نہیں کل نہیں پرسوں' کل مجھے ضروری کام سے اسلام آباد جانا ہے' پرسوں میں فری ہوں گا تو چلے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے گل ماموں۔" ہادیہ اطمینان آمیز خوشی کے ساتھ بولی۔

اس کی دم ساز اس کے بچپن کی ساتھی اس کی نگی دو دن بعد گھر واپس آ رہی تھی' یہ احساس ہی بے حد خوش کن تھا' گھر واپسی کے اگلے دن اس نے خوب جی جان سے گھر کی صفائی کی۔ بہترین سے کھانے کے مینوں کے مطابق سامان منگوایا اور لیقہ کو فون بھی کر دیا کہ کل وہ اور گل ماموں اسے لینے آ رہے ہیں۔ لیقہ اندر ہی اندر خوشی سے پھولے نہیں سمائی' گل ماموں کی آمد تو متوقع تھی ہی نہیں' اور اس گھر میں ان کے آنے کی خبر اس کے لیے غیر متوقع خوشی کا باعث تھی۔ یوں جیسے ماہین خود بنفس نفیس آنے والی تھیں کیونکہ شہباز کے وجود میں انہوں نے ہمیشہ اپنی ماں کو دیکھا اور محسوس کیا تھا اور خود شہباز بھی۔ یہی کہا کرتا تھا کہ بیٹا اپنی ماں کو بلاتی ہو تو ایک بار ماں کہتی ہو اور دو بار ماں' ماں پکارو تو ماما (ماموں) بنتا ہے اور کوئی شک بھی نہیں تھا کہ ایک طویل عرصہ انہوں نے اپنے کہے کی لاج بھی رکھی تھی۔ لیکن جانے کیوں جب سے ماہین کی آنکھیں بند ہوئی تھیں ہادیہ کو سب ہی کے چہرے بہت بدلے بدلے محسوس ہونے لگے تھے۔ پتہ نہیں وہ زود رنج ہو گئی تھی یا واقعی ماہین کے جانے کے ساتھ ہی سب بدل گئے تھے۔ لیقہ کو لے کے آنے کے لیے ہادیہ اس قدر بے چین تھی کہ صبح ہی صبح سب کام ختم کر کے تیار ہو گئی' وقت گزرتا رہا لیکن کوئی بلاوا نہ آیا' دو بار لیقہ فون کر کے پوچھ چکی تھی کہ وہ لوگ روانہ ہوئے کہ نہیں ہادیہ کا جواب دونوں بار انکار میں تھا۔ گل ماموں کو دو تین بار کال کی لیکن انہوں نے فون نہیں اٹھایا' شام کے پانچ بج گئے' دن بھر انتظار کے بعد ہادیہ کی امید ختم ہو گئی تو آنسو اس کے گالوں پر پھسل آئے۔

حوصلہ کرتے ہیں جینے کا مگر ہوتا نہیں
زندگی کا یہ سفر کیوں مختصر ہوتا نہیں

"ہادیہ میں نے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر صبح سے تیار ہو کر تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہوں تم لوگ اتنی لاپروائی کیسے کر سکتے ہو۔ سسرال میں یہ پہلا موقع تھا اور اسی موقع پر تم لوگوں نے میری عزت کا خیال نہیں کیا' کیا سوچتے ہوں گے یہ سب کہ میں میکے والوں پر ایک ناگوار بوجھ تھی جسے اتار پھینکنے کے بعد کوئی پلٹ کر ہی نہیں آیا۔ ہر لڑکی ولیمے کے دن واپس اپنے میکے جاتی ہے۔ مجھے یہاں پانچ دن ہو گئے تمہارے سوا کسی نے ایک فون کال تک نہیں کی۔" لیقہ نے فون کیا تو وہ رو رہی تھی ہادیہ خود بھی بے آواز رو رہی تھی۔

"نگی میں بھی صبح سے تیار بیٹھی ہوں' گل ماموں کا کوئی اہم کام نکل آیا' وہ کینٹ چلے گئے۔ ابھی نیلم آنٹی سے میں نے پوچھا' تم جانتی ہو ناں تمہاری بہن بے بس ہے' نگی مجھے خبر ہے بظاہر یہی چھوٹی چھوٹی باتیں بیٹیوں کو سسرال میں کس قدر ہلکا کر دیتی ہیں لیکن ابھی میں کیا کروں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"کچھ بھی نہیں' مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے ہادی...... افسوس اپنے بڑوں پر ہے' جن کے نزدیک ہماری ذرہ برابر اہمیت نہیں ہے۔ جو خود بیٹیوں والے ہو کر بھی یہ احساس نہیں رکھتے کہ چند دن پہلے اس گھر سے رخصت ہونے والی اس گھر کی بیٹی کیا کچھ فیس کر رہی ہوگی۔"

"لیقہ...... کچھ غلطی میری بھی ہے۔ صبح منجھلے چچا اور شاہ گل آئے تھے۔ منجھلے چچا نے گاڑی کی بکنگ بھی کروالی تھی' کہ عین وقت پر گل ماموں نے کہہ دیا کہ وہ خود جائیں گے تمہیں لانے کے لیے۔ منجھلے چچا نے کہا کہ اگر تمہاری ماں زندہ ہوتی تو اس کی بھی یہی خواہش ہوتی کہ پہلی بار اس کی بیٹی کو میکے لانے کے لیے اس کا اپنا بھائی جائے۔ اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں تو تم لوگ کچھ بھی ایسا نہ کرو کہ تمہارا ننھیال چھوٹ جائے۔ زندگی رہی تو یہ آنے جانے تو چلتے رہیں گے۔ گل جس طرح کہہ رہا ہے اسی طرح کرو۔ اب تم ہی بتاؤ نگی کہ میں کیا کرتی۔" ہادیہ نے کہا تو لیقہ کو جی بھر کے غصہ آیا۔

"تو اگر گل ماموں نے یہ فیصلہ کیا تھا تو پھر لینے کیوں نہیں آئے ظاہر ہے یہ کام ان کی اولیت میں نہیں تھا ناں' آج ممانی ہوتیں تو ہر کام سے پہلے یہ کام ہوتا۔ ایک ان کے چلے جانے سے ہماری وقعت ایک تنکے کے برابر بھی نہیں رہ گئی۔" لیقہ نے فون بند کر دیا۔ ہادیہ خود دکھی تھی اگر منجھلے چچا کے ہمراہ چلی جاتی تو اس وقت لیقہ عزت کے ساتھ میکے میں ہوتی' اگلے دن گل ماموں ہادیہ کو لینے آ گئے۔

"ہادیہ چلو...... امی جی کہہ رہی ہیں یہاں اکیلے نہ رہو۔"

"گل ماموں...... اکیلی کہاں ہوں' سب تو ہیں ارد گرد۔"

"ارے بیٹا...... پتہ ہے مجھے جتنے یہ لوگ خیال کرنے والے ہیں۔ چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"نہیں گل ماموں میں ٹھیک ہوں یہیں۔ ویسے بھی ابو کے کھانے کا دھیان رکھنے والا کوئی نہیں ہوگا اگر میں چلی گئی تو......" ہادیہ کا انداز قدرے روکھا سا تھا۔

"پتر...... یہ وقت نخرے دکھانے کا نہیں...... اور بھی

ہزاروں کام ہوتے ہیں کرنے والے بندہ بشر کے ذہن سے نکل ہی جاتا ہے نہیں لاسکے تو کل چلے جائیں گے وہ کون سا روڈ پر بیٹھی ہے آج نہ سہی کل سہی یہ تو ایسی بات نہیں ہے جس پر اس طرح منہ بنایا جائے۔'' شہباز نے الٹا ہادیہ کو ہی لتاڑ دیا تو آنکھوں میں آئے آنسو حلق میں اتارتی وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ چادر اوڑھ کر باہر گاڑی میں آبیٹھی پھر وہی گھر جہاں کبھی آنے کے لیے بچپن میں وہ ہر لمحہ مچلتی اور ہمکتی تھیں وہاں آ کر بھی اس کا اندر بجھا رہا۔ بظاہر خوشدلی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اندر کہیں کچھ بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔ رات میں شہباز نے انیقہ کو فون کیا۔

''ہم لوگ کل لینے آرہے ہیں تمہیں تیار رہنا۔'' تو انیقہ نے بتایا کہ فیملی میں ہی کہیں دعوت پر جانا ہے کل کی بجائے اگر پرسوں لینے آجائیں۔''

''پھر ایسا ہے پتر کہ میں تو کل فارغ ہوں اگر پرسوں کا پروگرام ہے تو پھر خود ہی آجانا۔''

''ٹھیک ہے کل ماموں ہم لوگ خود ہی آجائیں گے۔'' انیقہ نے کہہ کر فون بند کردیا۔ وہ جان گئی تھی کہ ماہین کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ میکے میں عزت وتکریم' آؤ بھگت تو مائیں کیا کرتی ہیں' جب وہ ہی باقی نہیں تو کسی پر کیا حق جتایا جائے اور کسی سے کیا گلہ کیا جائے اور پھر شادی کے پورے نو دن بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی جہاں اس نے جنم لیا تھا' جس کی دیواروں نے اس کے بچپنے' لڑکپن اور جوانی کی ساری شرارتیں سب ادائیں خود میں جذب کی تھیں اور جواب بالکل اجنبی اور غیر سا لگ رہا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ نکھری ہوئی اور پیاری لگ رہی تھی۔ ہادیہ نے اس کے لیے کھانے پر خاص اہتمام کیا تھا اور کوئی ہو یا نہ ہو مگر وہ تو تھی ناں اس کی ماں جائی۔ درد مشترک کی ڈور میں اس کے ساتھ بندھی ہوئی۔ اس کے بس میں جس قدر بھی تھا' وہ آخری دم تک کرے گی اپنی بہن کے لیے۔ ماہین کی بجھتی ہوئی آنکھوں کی خاموش التجا وہ کبھی بھی بھلا نہیں پائی تھی۔ وہ آنکھیں جو چراغ کی طرح روشن تھیں اور جن کے دم سے ان کی زندگی میں روشنی تھی۔ وہ ان آنکھوں کو کس طرح نظر انداز کردیتی۔

......

اس دن جب ہادیہ اسکول سے آکر گھر کے کام کاج نمٹا رہی تھی تو شاہ گل نے اسے بلا بھیجا۔ وہ ان کے پورشن میں چلی آئی۔ شاہ گل عصر کی نماز پڑھنے میں مشغول تھی۔ وہ ایک طرف رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ سلام پھیر کر شاہ گل نے بے حد سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو ہادیہ قدرے چونکی۔

''خیر تو ہے شاہ گل آپ نے مجھے بلایا تھا۔''

''ہاں ہادیہ...... بہت ضروری بات کرنی تھی تم سے۔''

''جی بولیں' شاہ گل۔ آپ مجھ سے کچھ بھی کہہ سکتی ہیں کیونکہ میں نے ہمیشہ ہر بات آپ سے شیئر کی ہے۔''

''نہیں...... تم نے ہر بات شیئر نہیں کی مجھ سے ہادی اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے' جس پر بات کرنا بے حد ضروری تھا۔''

''میں سمجھی نہیں آپ کس مسئلے کے متعلق بات کررہی ہیں۔''

''ہادی...... میں نہیں جانتی ماہین بھابی تمہارے پروپوزل کے حوالے سے کس حد تک اور کتنا جانتی تھیں اور انوالو تھیں مگر اب جبکہ تمہارا ایک دوسری جگہ رشتہ طے ہوچکا ہے اور بہت جلد شادی بھی متوقع ہے تو پھر تمہیں پرانے رابطے ختم کردینے چاہئیں۔'' شاہ گل نے بنا کسی لگی لپٹی کے کہا۔

''شاہ گل...... میں نے کافی دن گزر گئے کوئی خط نہیں لکھا کوئی رابطہ بھی نہیں کیا۔ میں نے آپ سب کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔''

''تو پھر یہ کیا ہے...... یہ خط کچھ دیر پہلے تمہارے اسکول کے بابا دے کر گئے تھے۔''

''پتہ نہیں شاہ گل...... میں نہیں جانتی۔''

''ہادی...... دیکھو تمہاری ماں اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ یہ صرف ماؤں کا وجود ہوتا ہے جو ہر سرد و گرم میں اپنے بچوں کے لیے سوچتی ہیں۔ میں یا کوئی بھی دوسرا شخص ماہین بھابی کی طرح نہ سوچے گا نہ فیصلہ کرے گا لیکن میں بڑی ہونے کے ناطے تمہیں سمجھا سکتی ہوں بچے کہ تم اب خط نہیں لکھنا' کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھنا۔ تم سمجھ رہی ہو ناں ہادی۔''

''جی شاہ گل...... میں سمجھ رہی ہوں آپ جو کہہ رہی ہیں۔''

''تو پھر میں جیسا کہوں گی ویسا کرو گی ناں۔''

''جی......'' ہادیہ کا سر جھکا ہوا تھا۔

''تو پھر بنا پڑھے یہ خط پھاڑ دو اور اسے جلا دو اور میرے سامنے پھاڑو۔'' شاہ گل نے وہ خط اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اس خط میں کچھ جذبے تھے' کچھ قیمتی اور انمول الفاظ......

بچھڑی ہوئی محبت کا درد اور...... اور شاید کچھ ان کہی حکایتیں۔ شاہ گل کی نگاہیں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر تھیں اس نے خاموشی سے اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور ان کو سختی سے مٹھی میں بھینچ لیا۔

"شاباش...... میں ایک ماں بن کر تمہیں سمجھا رہی ہوں ہادی' ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں' تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ تمہارے اچھے نصیب کے لیے دعا گو ہیں بچے۔"

"ابھی میں جاؤں شاہ گل۔" آنسوؤں کی نمی آنکھوں میں چھپاتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہاں بے شک جاؤ ہادی' مگر سوچنا ضرور۔"

"جی۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ دروازہ اندر سے بند کر کے اس نے خط کے ان ٹکڑوں کو بے حد احتیاط سے جوڑا مگر یہ تحریر طاہر شکیل کی تو نہیں تھی' اجنبی تحریر تھی اور محض چند الفاظ لکھے ہوئے تھے الفاظ بھی کیا تھے دھمکی تھی۔ طاہر شکیل کے ایک جانثار دوست کے دھمکی آمیز الفاظ۔

"آپ ہمارے لیے بے حد قابل احترام ہیں' کیونکہ آپ طاہر بھائی کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں۔ طاہر بھائی ہمارے لیے سب کچھ ہیں ہمارے دوست' بڑے بھائی' غمگسار' ہمدرد' لیکن آپ سے قطع تعلق کر لینے کے بعد وہ اب بالکل نارمل نہیں ہیں۔ شدید بیمار ہیں اور بے حد مایوس بھی۔ ہم سب سے ان کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی اور ان کی اس حالت کی ذمہ دار آپ ہیں' اگر خدانخواستہ ان کو کچھ ہوگیا تو ہم آپ کو بھی معاف نہیں کریں گے اور ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ ہم کیا کچھ کر گزریں گے۔

والسلام!

علی احمر الماس"

طاہر شکیل بیمار تھا...... پورے خط کے الفاظ میں سے صرف یہ ایک جملہ بازگشت بن گیا تھا۔ محض اس سے دوری نے اس کی یہ حالت کردی وہ بیمار ہوگیا' ہادیہ کی نگاہوں میں اونچا لمبا خوبرو طاہر شکیل آ گیا جس کی نرم آنکھوں میں محبت کا مہربان تاثر ثبت تھا اور جسے محض ایک بار دیکھ کر ہی وہ اس کے سحر میں گرفتار ہوگئی تھی۔ جس کے قرب میں زندگی میں پہلی بار اس نے تحفظ اور اعتماد محسوس کیا تھا اور جو اب اس سے کوسوں دور تھا اور شاید ہمیشہ کے لیے دور کردیا گیا تھا۔ کیا قصور تھا اس کا...... غربت...... تنگ دستی...... اس کے پاس دولت نہیں تھی دنیا داری کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر تھا وہ تو کیا اس برتے پر اس سے جینے کا حق ہی چھین لیا جاتا۔

کیا محض اس ایک وجہ سے اسے رد کردیا جاتا اس کی پوری مکمل شخصیت کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جاتا۔ وہ باصلاحیت تھا' محنتی تھا ایک سچا اور دیانت دار شخص تھا۔ اپنے زور بازو پر بھروسا کرنے والا وہ ہادیہ کو خوش رکھ سکتا تھا۔ وہ اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوتے وہ اسے سرد وگرم سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرسکتا تھا۔ وہ کس سے کہے اور کس طرح کہے دل ہی دل میں ایک درد تھا جو اب بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ لیکن وہ بظاہر بالکل خاموش تھی اس کی اندرونی حالت جب اس کے کام پر اثر انداز ہونے لگی تو اسکول کی پرنسپل نے اسے ایک ماہ کی رخصت دے دی۔ سارا دن اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھے رہنا' کبھی کتابیں پڑھتی' کبھی کوئی کام نکال لیتی' دن بدن اکیلی ہوتی چلی جارہی تھی لیکن اس کے اردگرد رہنے والے اپنے حال میں مست تھے۔ کسی کو اس کی فکر تھی نہ خیال۔ دن کیسے رات میں ڈھل رہا تھا اور رات کیسے دن کی صورت اختیار کررہی تھی۔ شاید وہ ان سب باتوں سے بے نیاز ہوچکی تھی۔ اسے ہنستے ہوئے چہروں سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ سب کے درمیان بیٹھتے ہوئے عجیب سی ناگواری' اجنبیت اسے گھیرنے لگتی۔ وہ ان فٹ ہے ان سب کے درمیان' بہت سے جفت میں ایک طاق کی طرح' کبھی بھی یکجا نہ ہونے والا ایک فگر' شاید ان سب کو اس کا احساس ہو بھی لیکن وہ رشتوں پر سے اپنا اعتبار اور یقین کھو چکی تھی۔ ایسے ہی بے کیف اور بے رنگ سے دنوں میں رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ لیقہ کی اپنے سسرال میں پہلی عید ہے تو رواج کے مطابق اسے نگی کے لیے عیدی لے جانی چاہیے۔ پھر جو کچھ اس کی عقل میں سمایا اس نے خرید ڈالا اور رمضان سے ایک دن قبل نگی کے سسرال جا کر اسے دے آئی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی کہ میکے کی سوغاتیں شادی کے بعد بے حد اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہیں۔

"نگی مجھے کچھ خاص سمجھ نہیں آرہا تھا جو بھی میرے ذہن میں آیا میں لے آئی اب پتہ نہیں تمہیں اور اماں کو یہ سب پسند آئے گا کہ نہیں۔" ہادیہ کا لہجہ قدرے بجھا ہوا سا محسوس ہورہا تھا۔

"ہادی کیا بات ہے تم بہت خاموش اور اداس لگ رہی ہو کمزور بھی ہوگئی ہو گھر میں سب کا رویہ تو ٹھیک ہے ناں؟"

لیقہ کو وہ ٹھیک نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

"نہیں...... میں ٹھیک ہوں اور سب کا رویہ بھی ٹھیک ہے نگی۔ چھوڑو وہ سب باتیں یہ بتاؤ یہ کم تو نہیں ہے ناں......"

ہادیہ نے اٹیچی کیس اس کے سامنے کھول دیا۔ سب سسرالی خواتین کے لیے ویلوٹ کے سوٹ' نگی اور اس کے شوہر کے لیے سوٹ' نگی کے لیے میچنگ جیولری' چوڑیاں' مہندی' ڈھیروں کھانے پینے کی چیزیں' اچار' کیچپ' اسکواش' سویاں' چٹنی' چاول' جانے کیا کچھ تھا امیقہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اتنا سب کچھ...... ہادی یقیناً مما جی ہوتیں تو وہ بھی اتنا ہی کر پاتیں مجھ سے محض دو سال بڑی ہو تم لیکن تم نے ہر ہر جگہ پر میری ماں بن کر میرا دھیان رکھا' میکے کا ہر فرض پورا کیا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں تم سے ہادی' تمہارے بس میں جو بھی تھا تم نے اس سے بڑھ کر ہی کیا۔" ہادیہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔ آنسو اندر ہی اندر گرتے رہے مگر اس نے مسکراہٹ کو معدوم نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ وہ امیقہ کو اپنے چلے جانے کے بعد فکر میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ امیقہ اپنے سسرال میں مطمئن رہے اور اپنی زندگی کو سکون کے ساتھ آگے بڑھائے۔ میکے کی کمیوں اور اذیتوں کو یاد کر کے خود کو نہ گھلائے۔

واپس آنے کے اگلے دن سے رمضان شروع ہو گیا اور ساتھ ہی گھر میں ہادیہ کی شادی کے حوالے سے باتیں ہونے لگیں۔

تائی امی ہادیہ کو بتا رہی تھیں کہ اس کے سسرال والے رمضان کی ستائیسویں کو نکاح کرنا چاہتے ہیں اور عیدالاضحیٰ کے بعد شادی کا کہہ رہے ہیں۔ ہادیہ کو تو جیسے شدید غصے نے آ گھیرا۔

"تائی امی...... آپ یہ سب مجھے کیوں اور کس لیے بتا رہی ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں ناں' امیقہ کی شادی کس طرح' کن حالات میں کی ہے اس وقت میرے ہاتھ بالکل خالی ہیں اور ابو کی سوچ اور ہمارے لیے ان کی بے فکری سے بھی آپ اچھی طرح واقف ہیں۔"

"ہادی بیٹا...... ظاہر ہے منگنی کی ہے تو پھر شادی کے حوالے سے وہ جس طرح کہیں گے ہمیں ان کی بات ماننی پڑے گی ناں۔ بیٹی والے تو مجبور ہوتے ہیں۔"

"ہوں...... بیٹی والے...... جو تاریخ طے کر کے چلے جاتے ہیں اور پلٹ کر خبر تک نہیں لیتے۔ بیٹی سسرال میں چند دن کی بیاہتا ہے لیکن اپنے سب کام اول رکھے جاتے ہیں اور اس بات کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ان کی وہ بیٹی اپنے نئے گھر میں کس طرح جی رہی ہوگی' جانے کیسے پیش آ رہے ہوں گے اس کے نئے رشتے دار...... تائی امی اگر ان لوگوں کو بہت جلدی ہے تو کہہ دیجیے کہ اپنے بیٹے کا کہیں اور رشتہ طے کر دیں۔" ہادیہ کا لہجہ تلخ اور دکھ سے بھرپور تھا۔

"نہیں...... نہیں ہادی اس طرح بدشگونی کی باتیں نہیں کرتے بیٹا...... میں شمیمہ سے اور تمہاری بڑی امی سے بات کر کے دیکھتی ہوں' مل جل کر سب کچھ انتظام ہو جائے گا تم فکر مت کرو۔"

"ہاں جی...... خیراتی جہیز......" ہادیہ زیرلب کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ تائی امی اس کی پشت پر نگاہیں جمائے بس سوچتی رہ گئیں۔

......□......
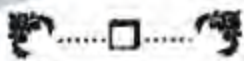
ہادیہ پچھلے تین سال سے رمضان کے مبارک مہینے میں مسلسل اعتکاف میں بیٹھ رہی تھی۔ اس سال بھی کچھ ایسا ہی ارادہ تھا۔ نہا کر گیلے بالوں میں کنگھی کر کے وہ چادر لپیٹ کر باہر صحن میں دھوپ میں آ بیٹھی۔ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی جب تائی امی اس کے پاس چلی آئیں۔

"ہادیہ بیٹا ذرا گھر کا دھیان رکھنا محلے میں فوتگی ہو گئی ہے میں ذرا وہاں جا رہی ہوں۔"

"جی بہتر تائی امی۔" تائی امی برقعہ اوڑھ کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گئیں۔ کچھ دیر گزری تھی کہ ڈیوڑھی سے عارف علی اندر آتا دکھائی دیا۔ عجلت آمیز قدم اٹھاتا وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ غیظ کی ایک تیز لہر ہادیہ کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ مخصوص بو اور شدید دھوئیں نے اس کا سانس لینا مشکل کر دیا۔ عارف علی اس وقت باتھ روم میں اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف تھا۔

"ایسے رشتوں پر' اس طرح کے انسانوں پر تم اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی قربان کرنے چلی ہو ہادیہ...... یہ لوگ جن کے نزدیک تم ایک کپڑے کی گڑیا کی طرح بے جان اور بے حیثیت ہو......" اس کی پرنسپل بہت ہمدرد اور خیال رکھنے والی خاتون تھیں۔ ہادیہ کے تمام حالات سے اچھی طرح واقف اور کسی حد تک طاہر شکیل سے بھی غائبانہ متعارف...... ان کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔

ایک اٹیچی کیس اٹھا کر اس نے چند جوڑے کپڑے اپنا تھوڑا سا زیور اپنی ماں کی تصویریں اور چند ضروری چیزیں اس میں

واپس اپنا پرس چیک کیا تین ہزار روپے اس وقت اس کے پاس تھے۔ چادر اوڑھ کر وہ باہر نکل آئی۔ دماغ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں تو وقت اور حالات نے کند کر ہی دی تھیں۔ غصے نے مہمیز کا کام کیا اور وہ خاموشی سے وہ دہلیز پار کر گئی جس سے باہر کی دنیا کے بارے میں اب تک وہ نہیں جانتی تھی۔ ماں کے نرم ممتا بھرے بازوؤں میں وقت گزارتے اس نے دنیا کو بے حد خوب صورت پایا تھا لیکن دنیا کی اصل بدصورتیاں اور خود غرضیاں اس وقت سامنے آگئیں جب وقت نے ماں کا مہربان وجود چھین کر انہیں بے اماں کر دیا تھا۔ یہ بے سروسامانی، اپنوں کی بے توجہی اور لاپروائی ان کی خود غرضی اور بے اعتنائی تھی جس نے ہادیہ کو اس فیصلے پر لا کھڑا کیا کہ وہ لڑکی جو کبھی اپنے شہر سے باہر بھی اکیلی نہیں گئی تھی بغیر کسی جان پہچان اتے پتے کے بالکل اجنبی شہر کی طرف چل پڑی تھی۔ سکون اور سکھ کی تلاش میں...... اپنائیت اور احساس ڈھونڈنے کے لیے تحفظ اعتبار اور مان پانے کے لیے۔ یہ سوچ بنا کہ اس کا یہ قدم اسے کتنی نگاہوں کا مجرم بنا دے گا۔ کتنی زبانیں اسے بددعائیں دیں گی، کتنی بیٹیوں کو جواب دہی کرنا پڑے گی اور کس کس کی زندگی پر اس کا یہ قدم اثر انداز ہوگا۔ اسے نفرت تھی رات کی تاریکی میں اپنوں کی عزتوں کو نیلام کر کے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو جانے والی لڑکیوں سے۔ اپنوں کی غیرت و ناموس کے ساتھ کھیلنے والی بیٹیوں سے...... لیکن آج جو سورج طلوع ہوا تھا وہ اس کے لیے دن میں تاریک فیصلے لے کر آیا تھا۔ یہ گھر اور اس کے مکین ہمیشہ اس دن کو یوم سیاہ کی طرح یاد رکھیں گے۔ آج اسے لگتا تھا کہ جو بیٹیاں یہ انتہائی قدم اٹھاتی ہیں یقیناً ان میں سے پچاس فی صد خود غرض نہیں بے بس ہوتی ہوں گی۔ انہیں اس فیصلے تک ان کے اپنے گھر والے لے جاتے ہوں گے۔

بس تیز رفتاری سے منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ کھڑکی سے باہر کے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے پل بھر کو ٹھہرتے اور پھر پیچھے کی طرف بھاگتے محسوس ہوتے۔ اس کے قریب ایک خاتون ایک چھوٹی سی بچی کو گود میں لیے بیٹھی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اب تک اس خاتون سے خوب باتیں کر چکی ہوتی۔ مگر اس وقت اس کا ذہن سن تھا۔ خالی بالکل کسی کھائی کی طرح...... کہ اگر وہ بولتی تو اسے اپنی ہی آواز کی بازگشت اتنی بار سنائی دیتی کہ اسے گھٹن اور اذیت ہونے لگتی۔ وحشت سی سوار ہونے لگتی۔ مسلسل منہ بند رکھنے کی وجہ سے اس کے جبڑوں میں اکھٹن سی ہونے لگی اور کنپٹیاں بھی درد کرنے لگی تھیں۔ پتہ نہیں یہ سفر کب ختم ہونا تھا۔ اور اس سفر کے اختتام پر کیا تھا سب کچھ انجانا تھا۔ وہ گھر اس کے مکین اور وہ شخص جس کا آسرا پا کر وہ یہاں تک آ پہنچی تھی جانے کیسے تھے۔ اس کے ساتھ کس طرح پیش آنے والے تھے۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اسے تو یہ تک پتہ نہیں تھا کہ وہ سب رہتے کہاں ہیں۔

"بی بی کرایہ......" بس کنڈیکٹر بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اکیلی ہو بی بی؟"

"جی، کتنا کرایہ؟"

"پانچ سو پچھتر روپے۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

ہادیہ نے اپنے پرس سے پیسے نکال کر اسے تھمائے۔

مغرب کے قریب جانے کون سا شہر تھا ڈرائیور نے بس روک دی تاکہ تمام روزہ دار روزہ افطار کر لیں اس کے ساتھ بیٹھی خاتون نے ایک کھجور اس کی طرف بڑھائی جو اس نے شکریہ کہہ کر لے لی روزہ افطار کر کے ایک گلاس پانی کا پیا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"باجی...... کچھ کھانے پینے کے لیے لے لو......" وہ خاتون از راہ ہمدردی بولی۔

"بھوک نہیں ہے۔" ہادیہ کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

"پھر بھی دن بھر کی بھوکی ہو ابھی دو تین گھنٹوں کا فاصلہ باقی ہے اور باجی اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں...... کیا کوئی پریشانی ہے تمہیں۔"

"کیوں...... آپ نے کیوں پوچھا؟" ہادیہ نے حیرت سے اس خاتون کی طرف دیکھا جس سے اس نے دن بھر میں ایک بات بھی نہیں کی تھی اور جو اس کے چھپے ہوئے چہرے کے تاثرات بھی بھانپ گئی تھی۔

"وہ اصل میں پردے کے باوجود تمہاری آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں، تم کئی بار روئی ہو وجہ بتاؤ گی؟" وہ خاتون خاصے دوستانہ اور ہمدردانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ہادیہ کا دل بھر آیا۔

"نہیں بس ویسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"چلو تمہاری مرضی باجی، لیکن کھانے پینے کے لیے ضرور کچھ لے لینا۔ میں تو اگلے اسٹاپ پر اتر جاؤں گی۔ تم کیا مین سٹی جا رہی ہو۔"

"ہاں جی۔" ہادیہ کے لیے تو انجانی جگہ تھی اسے کچھ خبر نہیں

تھی کہ اسے کہاں اترنا چاہیے۔ رابطے کے لیے کوئی فون نمبر تک نہیں تھا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بس مطلوبہ شہر کے بیرونی اسٹاپ پر رک گئی۔

"چلو بی بی...... آپ کا اسٹاپ آ گیا۔" کنڈیکٹر اب بھی اسے تولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے کوئی فکر نہیں تھی سوائے اس کے کہ اب کہاں جائے گی۔ رات کے اس وقت وہ کس کے پاس جائے اس کے پاس ایڈریس کے نام پر وہ پتہ تھا جس پر طاہر شکیل سے اس کی خط و کتابت ہوتی تھی اور وہ پتہ کسی بک ایجنسی کا تھا جو یقیناً رات کے اس پہر بند ہوگی' ہادیہ کچھ دیر سامان کے ہمراہ سڑک پر کھڑی سوچتی رہی پھر ہمت کر کے ایک رکشے والے کو پکارا۔ سامان رکشے میں رکھ کر ہادیہ نے بک ایجنسی کا پتہ رکشے والے کو سمجھایا۔

"وہ تو باجی اس وقت بند ہوگی۔" رکشے والے نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ پلیز وہیں لے کر چلیں پہلے......" اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے باجی۔" رکشہ چل پڑا دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتی وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش میں لگی تھی۔ رکشے والے کے کہنے کے مطابق وہ بک ایجنسی بند تھی لیکن اس کے سامنے دو تین لڑکے کھڑے تھے۔

"بھائی آپ پلیز ان سے پوچھیں کہ طاہر شکیل صاحب کو جانتے ہیں یہ۔" رکشہ ڈرائیور باہر نکل کر پوچھ گچھ کرنے لگا۔

"جی باجی' وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ جانتے ہیں۔"

"بھائی ان سے پوچھیں کہ وہ رہتے کہاں ہیں؟" امید کی روشنی دکھائی دینے لگی۔ ہادیہ کی ہمت بندھی۔

"باجی وہ کہہ رہے ہیں' ہمیں ان کے گھر کا پتہ تو نہیں البتہ ان کے ایک دوست ہیں احمر الماس ان کے گھر کا پتہ جانتے ہیں یہ۔" احمر الماس...... وہی دھمکی آمیز خط بھیجنے والا طاہر شکیل کا دوست۔

"ٹھیک ہے بھائی ان سے کہیے اگر ان کو زحمت نہ ہو تو احمر الماس صاحب کا گھر دکھا دیں۔" ہادیہ کے کہنے پر وہ لڑکا رکشے والے کے ساتھ آگے بیٹھ گیا۔

تھوڑا دور ہی احمر الماس کا گھر تھا' وہی لڑکا رکشے سے اتر کر احمر کو بلا کر لایا تھا۔ وہ شاید سویا ہوا تھا۔ غیر متوقع شاک کی سی کیفیت سے احمر لو وہ بھاگا چلا آیا تھا۔

"بھ...... بھابی...... آ...... آپ......" بے ربط الفاظ میں خوشی تھی یا حیرت یا پھر کوئی اور جذبہ ہادیہ اس وقت ٹھیک سے سمجھنے سے قاصر تھی۔ بس ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کے دل میں صرف ایک دعا تھی کہ خدائے وحدہٗ لاشریک اسے عزت کے ساتھ گھر پہنچا دے۔ رکشہ تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا اور ہادیہ کا دل جیسے سینے کے اندر زخمی پرندے کی مانند پھڑک رہا تھا۔

"اس نے ٹھیک کیا...... یا غلط...... آگے کیا ہونے والا تھا؟ کیا اس کے گھر والے اسے ڈھونڈتے یہاں تک آئیں گے؟ نہیں وہ کیوں آئیں گے بھلا...... ان کی تو جان چھوٹ گئی خیراتی جہیز بنانے کی زحمت سے بچ گئے وہ۔" ذہن میں سوال و جواب کا ایک سلسلہ تھا جو از خود جاری و ساری تھا۔ کہ اسی اثناء میں رکشہ رک گیا۔ یہ ایک قدرے کھلی گلی تھی۔ روشنی ناکافی تھی' شدید سردی' دھند میں لپٹی رات کے باعث کہیں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ احمر الماس نے دروازہ بجایا...... تیسری دستک پر دروازہ کھولا گیا۔ ہادیہ آگے بڑھی' دروازہ کھولنے والی طاہر شکیل کی والدہ تھیں' جو ہادیہ پر نگاہ پڑتے ہی گویا پتھر کی ہو گئی تھیں۔

"امی...... میں ہادیہ......" ہادیہ نے آگے بڑھ کر بت بنی طاہر شکیل کی والدہ کو پکارا تو جیسے وہ حواس میں آ گئیں اور انہوں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ پتہ نہیں حیرت تھی دکھ تھا کون سا جذبہ تھا جس نے ان کی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ آنے والے دنوں میں پریشانی کی آہٹ محسوس کر کے ہی وہ چپ کھڑی رہ گئی تھیں۔ احمر الماس اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ امی اسے لیے اپنے کمرے کی طرف آ گئیں۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے بابا کو سلام کیا جو حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے اور پھر طاہر شکیل کے قریب چلی آئی نحیف سا طاہر شکیل جس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں اسے دیکھتے ہی جیسے کئی چراغ جل اٹھے وہ اس طرح اٹھ بیٹھا تھا گویا اسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا اور ہادیہ بھی اسے دیکھ کر سفر کی ساری تھکان اور پریشانی بھول گئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ......؟" نظریں جھکا کر اس نے پوچھا تو طاہر کے لب مسکرا اٹھے۔

"پہلے کا تو پتہ نہیں مگر ابھی بالکل ٹھیک ہوں' یقین نہیں آ رہا کہ آپ میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ناممکن...... کس طرح ممکن ہو گیا یا پھر شاید یہ خواب ہے۔" اس کا بھاری لہجہ خوابناک

سا ہو گیا۔

”دیکھ کیسا عجب ہوا تیرا میرے ہاتھ کو تھامنا
رنگ ابھرے ہیں میرے اندر کئی چراغ جل اٹھے
ہے جنوں تیری دید کا تجھے دیکھتے ہی اک نظر
یوں ہوا ہے کہ پانی پر...... کئی چراغ جل اٹھے

......□......

اگلے دن چند افراد کی موجودگی میں انہیں نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ سادگی سے ہونے والی اس شادی میں نہ ڈھولک تھی نہ سہیلیوں کے گیت۔ نہ ہاتھوں پر مہندی نہ چہرے کا بناؤ سنگھار...... ہادیہ کا چہرہ آنسوؤں سے دھل رہا تھا دل اندر ہی اندر بے چین تھا۔ اکیلے کمرے میں بیٹھی وہ آنسو بہا رہی تھی جب طاہر شکیل کمرے میں داخل ہوا۔

”ہادیہ...... آپ کیوں رو رہی ہیں؟“ اس کے قریب بیٹھ کر اس نے ہادیہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر کیا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو نرمی سے پوروں میں جذب کیا تو ہادیہ کے آنسوؤں کے بہاؤ میں اور تیزی آ گئی۔

”ارے...... ارے یہ ساون بھادوں کس خوشی میں بھئی...... اگر تو یہ خوشی کے ہیں تو انہیں بہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے اور اگر دکھ کے ہیں تو اس دکھ کی وجہ جاننا چاہوں گا۔“ اس کا لہجہ قدرے سنجیدہ تھا۔

”میں اس طرح شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی...... میں تو سب کی خوشی کے ساتھ آپ کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی تھی۔ سب کی رضا کو اپنی رضا میں شامل کرنا چاہتی تھی۔ اس طرح ہوتی ہیں کیا شادیاں۔“ اس نے ہچکی لی۔

”دیکھیں ہادیہ...... ایک بات تو آپ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ پراپر طریقے سے یہ شادی تو کسی صورت ممکن ہی نہیں تھی آپ کے اور میرے درمیان اسٹیٹس کی ایک، اتنی بڑی خلیج حائل تھی کہ جسے پاٹنا اس زندگی میں تو ہرگز ممکن نہیں تھا۔ یہی ہونا تھا۔

درمیاں کچھ اس قدر تھے فاصلے
وہ ادھر اور ہم ادھر روتے رہے

اور اگر عمر بھر کا رونا ہی...... طے ہوتا تو آج آپ یہاں میرے سامنے نہ بیٹھی ہوتیں۔ اس شادی کو اسی طرح ہی ہونا تھا اور یہی اللہ کی مرضی بھی تھی۔ بہت سے لوگوں کی نظر میں آپ مجرم اور قابل گرفت ہوں گی شاید قابل نفرت بھی لیکن یہ تو دل سے طے تھا کہ آپ نے میرے نکاح میں آنا تھا' مشیت ایزدی ہے یہ پھر آپ میں یا کوئی بھی اس کے خلاف کس طرح جا سکتا ہے یہ فیصلہ اللہ کا ہے اور بس اس بات پر یقین رکھیں اور آنسو بہانا بند کر دیں پلیز کیونکہ آپ کے آنسو مجھے اذیت دے رہے ہیں۔“ ہادیہ نے سر اٹھا کر اپنے شریک زندگی کو دیکھا جو کل تک اجنبی تھا لیکن آج سب سے بڑھ کر اس کا غمگسار تھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی روشنیاں پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں اور لمس میں انتہا کی اپنائیت وہی اعتماد وہی تحفظ اور وہی اطمینان ہادیہ کے دل میں اترنے لگا۔ کسی الوہی رحمت کی طرح......

دل جیتنا کسی کا بڑے فن کی بات ہے
یہ فن خدا نے اس کی اداؤں میں رکھ دیا

......□......

گزرتے دنوں میں لیقہ اور اس کے شوہر نے اس سے رابطہ کیا اور اس کے میکے میں ہونے والے تمام جھگڑوں اور پریشانیوں کا ذکر بھی کیا اس معاملے میں لیقہ کو ہادیہ کے ساتھ برابر کا قصوروار ٹھہرایا گیا جبکہ وہ بے چاری اپنے گھر میں تھی اور ہادیہ کے اس اچانک فیصلے سے یکسر لاعلم بھی...... شاید میکے والوں کے لیے یہ ایک نادر بہانہ تھا ان بہنوں سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑانے کا۔ لیقہ نے پہلے تو ہادیہ کو اس کے اس فیصلے اور قدم پر کافی برا بھلا کہا اور یہ بھی بتایا کہ اس قدم کی بدولت اسے بے گناہ ہونے کے باوجود کیا کچھ سہنا پڑا' لیکن بعد میں ہادیہ نے جب وہاں اس کے بعد گزرنے والے دنوں کی روداد بتائی تو پھر وہ بھی خاموش ہو گئی۔ دونوں بہنیں اپنی اپنی جگہ اذیت کے پل صراط سے گزری تھیں اور یہ بھی اچھا ہی تھا کہ اب محفوظ ہاتھوں میں تھیں۔ طاہر شکیل اور اس کے گھر والوں نے ہر طرح سے ہادیہ کا بے حد خیال رکھا تھا۔ اسے بے حد عزت احترام سے نوازا تھا۔ کبھی جہیز کا طعنہ نہیں دیا تھا۔ ایک بار ہادیہ نے بابا سے پوچھا۔

”بابا...... آپ کو افسوس نہیں ہوتا کہ آپ کی بہو بنا جہیز کے آپ کے گھر آ گئی۔“ تو بابا بہت خوشدلی سے مسکرائے تھے۔

”نہیں ہادیہ بیٹا...... آپ ہمیں تین کپڑوں میں قبول تھیں اور ہیں...... ہم تو آپ کی والدہ کے احسان مند ہیں جنہوں نے آپ کو سب سے قیمتی زیور یعنی تعلیم سے آراستہ کیا ہے۔ اس کے بعد کسی جہیز کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں مت سوچا کریں بیٹا۔“ اور وہ حیرت سے ان

کے شفیق چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس گھر کے لوگ غریب تھے مگر دل کے کتنے بڑے تھے۔ کتنی گنجائش اور وسعت تھی ان کی سوچوں میں...... اور شاید ہادیہ کے ساتھ اس کی ماں کی دعائیں تھیں اور ان کی تربیت تھی جو وہ ایک بہت بڑا غلط قدم اٹھانے کے باوجود اس قدر عزت و تکریم سے جی رہی تھی۔ ورنہ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ اس طرح اپنے ماں باپ کی دہلیز عبور کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ چار دن بسا کر لوگ انہیں آدھی راہ میں چھوڑ جاتے ہیں اور کچھ بسانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ ہر مرد طاہر شکیل نہیں ہوتا۔ یہ ہادیہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے مقدر میں طاہر شکیل جیسا باعصمت مرد لکھا تھا۔ جس کے نزدیک محبت کر کے عورت کو دھوکا دینا نہیں بلکہ اس کا آسرا بننا زیادہ اہم تھا۔ جو عزت کرنا جانتا تھا جو محبت کر کے نبھانا جانتا تھا اور جس نے ہادیہ کو احساس دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کی چھتر چھایا بن کر رہے گا۔

......□......

جب سے تو نے پاؤں دھرا ہے دل کے سونے جنگل میں
خوشبو سی اک پھوٹ پڑی ہے دل کے سونے جنگل میں
لحہ بھر جو دیکھی تیری روشن جھلمل ہنستی آنکھیں
جگنو رستہ پوچھ رہے ہیں دل کے سونے جنگل میں

ہر گزرتے دن کے ساتھ طاہر کی وارفتگیاں اور بے چینیاں جیسے بڑھتی جارہی تھیں وہ ہادیہ کے معاملے میں انتہاء کا شدت پسند تھا۔ اسے ہادیہ کا بازار جانا پسند نہیں تھا جبکہ ہادیہ اپنے چھوٹے سے کمرے کو سجانے کے لیے بے تاب تھی اور ایک بار امی کے ساتھ بازار جاکر کچھ ضروری چیزیں خرید کر لے بھی آئی تھی۔ طاہر کو اچھا نہیں لگا تھا۔

"ہادی...... ایک بات کہنا چاہتا ہوں......"

"جی......" ہادیہ اس کے کپڑے پریس کررہی تھی اس نے ذرا نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے آپ کا بازار جانا پسند نہیں۔ میں بازار میں بیٹھتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ لوگ کس نظر سے خواتین کو دیکھتے ہیں اور ان پر باتیں کرتے ہیں میں کسی صورت نہیں چاہتا کہ ویسی ہی باتیں آپ کے متعلق کی جائیں۔"

"جی بہتر۔" ہادیہ کو اس کی بات سے اختلاف تھا لیکن اس نے بحث ضروری نہیں سمجھی۔ یوں بھی طاہر جب سنجیدہ چہرے کے ساتھ کوئی بات کہتا تھا تو پھر ہادیہ کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ خاموش ہی رہے۔ اسے بحث کرنا پسند نہیں تھا۔ یوں بھی دلائل اور بحث میں طاہر شکیل سے وہ کسی صورت جیت نہیں سکتی تھی وہ رائٹر تھا صرف اچھا لکھنا ہی نہیں اچھا اور بامقصد بولنا بھی جانتا تھا۔ انہی دنوں اسے خبر ملی کہ ان کے اس چھوٹے سے گھر میں ایک خوشگوار تبدیلی آنے والی ہے تو حیرت آمیز خوشی کے مارے کتنی ہی دیر وہ بول نہ پائی۔

"اس قدر جلدی......" طاہر شکیل کے چہرے سے اندازہ ہی نہیں ہو پارہا تھا کہ وہ خوش ہے یا نہیں...... ہاں لیکن وہ ہادیہ کا اچھے سے خیال رکھتا تھا۔

"پتہ نہیں کیوں میرا کباب کھانے کو دل چاہ رہا ہے خوب اسپائسی سے۔" ہادیہ نے مسکراتے لہجے میں کہا تو طاہر کی نگاہ وال کلاک کی طرف گئی جو رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا...... آپ کیوں اٹھ گئے؟"

"ابھی آپ نے کچھ کہا ہے۔"

"جی...... تو صرف کہا ہی ہے اتنی سردی میں آپ اٹھ کر کدھر چل پڑے؟"

"کچھ نہیں بس جلدی سے جاکر آتا ہوں۔" وہ باہر کی طرف لپکا ہادیہ آوازیں دیتی رہ گئی صرف پندرہ یا بیس منٹ بعد جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں شاپر دیکھ کر ہادیہ مسکرانے لگی۔

"جان طاہر...... بہت کوشش کی مگر اس وقت تک تمام باربی کیو شاپس بند ہوچکی تھیں۔ ایک ہوٹل سے کوفتے ملے ہیں تو وہی اٹھا کر لے آیا۔ اب آپ ایسا کریں کہ فرائنگ پین میں تھوڑا سا گھی ڈال کر لے کر آئیں۔" ہادیہ جلدی سے بستر سے نکلی اور فرائنگ پین میں گھی ڈال کر لے آئی۔ طاہر نے ہیٹر پر فرائنگ پین گرم کیا اور کوفتے گرم گھی میں ڈال کر کچھ دیر فرائی کر کے پلیٹ میں نکالے۔

"یہ لیجیے جان من...... پہلی بار کوفتہ کباب حاضر ہیں خاص الخاص ہماری کیوٹ سی گول مٹول سی وائف کے لیے خلوص دل کے ساتھ۔" ہادیہ نے اس کے ہاتھ سے کوفتہ لے کر منہ میں رکھا محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا اور اس کے ساتھ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس بے لوث محبت پر اس کا حق تھا۔ یہ پرخلوص سچا شخص سرتاپا اس کا تھا۔ زندگی سے اور بھلا کیا چاہا جاسکتا ہے۔

طاہر شکیل کو بے حد کوشش کے باوجود کوئی ڈھنگ کی ملازمت نہیں مل رہی تھی۔ بابا ایک ضعیف العمر شخص تھے۔ زیادہ محنت نہیں کر سکتے تھے پھر بھی خوش اسلوبی سے جیسے ممکن تھا پورے گھر کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ طاہر شکیل دل ہی دل میں نادم ہوتا تھا وہ بابا کو اس عمر میں آرام دینا چاہتا تھا' لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ وسائل کہاں سے لائے۔ جہاں کام کرتا تھا' وہ لوگ وقت پر کبھی بھی معاوضہ ادا نہیں کرتے تھے ایک دن اسی معاوضے والی بات پر طاہر کی دکان مالک سے لے دے ہوگئی اور وہ کام بھی چھوٹ گیا۔

"میں کسی مل میں کام کرلوں گا لیکن سیٹھ کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ ان لوگوں کو ہم مزدوروں کا استحصال کرنے کی عادت پڑ چکی ہے۔"

"لیکن ملوں میں تو کام بہت سخت ہوتا ہے اور ورکنگ آورز بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔" ہادیہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کام تو کوئی نہ کوئی کرنا پڑے گا ناں۔ آخر بابا کب تک کریں گے۔ یوں بھی بابا آج کل میں شہر سے باہر جارہے ہیں کسی کام کے سلسلے میں اور کہہ رہے تھے دس پندرہ دن تک میری آمد کی توقع بھی نہ کرنا اور گھر کا خرچ بھی چلانا۔ اب خود ہی بتاؤ ہادی' کس طرح ممکن ہے یہ۔"

"آپ اگر مل میں کام کرتے ہیں تو بھی ایک ماہ کے بعد ہی تنخواہ ملنی ہے ناں آپ کو..... آپ فکر نہ کریں..... یہ لیں بیچ کر گھر کے لیے راشن لے آئیں۔" ہادیہ نے اسے تسلی دینے کے ساتھ ہی گلے سے چین اور ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر طاہر کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"یہ غلط بات ہے ہادی' میں اس لیے تو نہیں کہہ رہا تھا۔" طاہر نے سرزنش بھرے انداز میں کہا۔

"مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ آپ نے اس لیے نہیں کہا اور میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ آپ ہی کا تو ہے۔ میرا زیور آپ ہیں میری خوشی میری تکمیل تو آپ سے ہے۔ آپ اگر پریشان ہوں گے تو میں ان زیورات کو لے کر کیا کروں گی۔" ہادیہ نے زبردستی وہ چیزیں طاہر کی ہتھیلی پر رکھ دیں تو وہ بھی خاموش ہوگیا۔ اس شام گھر کے تمام افراد کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور آیا اور ایک ماہ کا راشن بھی۔ طاہر کے چہرے پر بکھری آسودہ مسکراہٹ نے جیسے ہادیہ کو اپنی ہی نگاہوں میں سرخرو کردیا تھا۔

"یہی تو ہوتا ہے شریک زندگی' غمگسار' درد بانٹنے والا' سکھ دکھ میں ہمیشہ ہم قدم اور کبھی بھی تنہا نہ چھوڑنے والا۔ میں بھی آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی طاہر' ہمیشہ ہر قدم آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گی۔ ایک دن سب کو یہ احساس دلادیں گے کہ ہم نے ایک دوسرے کا انتخاب کیا تو غلط نہیں کیا۔" ہادیہ نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کیا اور سب کے مسکراتے چہروں کے درمیان اس کا چہرہ بھی کھل اٹھا تھا۔

وہ ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی اور اکثر طبیعت کی خرابی کا شکار رہتی تھی۔ ایک اضمحلال سا طاری رہتا تھا دل ودماغ پر۔ طاہر شکیل اکثر ہی اس کی دلجوئی کرتا رہتا لیکن گزرتے دنوں میں طاہر کی شخصیت کا ایک ایسا پہلو اس کے سامنے آیا جس نے کچھ دیر کے لیے تو اسے گنگ کردیا۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی اس نے وہ سب نہیں دیکھا تھا..... وہ ایک بزدل' دبو اور اندر سے بے انتہا گھٹی ہوئی شخصیت کی مالک تھی۔ محبت بھرے رویوں اور لہجوں کو ترسی ہوئی' جان بوجھ کر غلطی کرنا اور غلطی پر شیر ہوجانا اس کی سرشت نہیں تھی۔ ہاں مگر وہ بے عقل ضرور تھی' اسے بہت جلدی کسی کی سمجھ نہیں آتی تھی اور نہ ہی وہ چہروں سے لوگوں کی اصلیت کو سمجھنے اور پرکھنے کا ہنر رکھتی تھی۔ وہ تو بس محبت دینا اور محبت مانگنا جانتی تھی لیکن گزرتے دنوں میں اس نے دیکھا تھا کہ معمولی معمولی باتوں کو لے کر طاہر اس حد تک غصہ میں آجاتا کہ وہ حیران رہ جاتی' گھبرا کر جواز دیتی تو بات مزید بڑھ جاتی۔ اس پر آیا غصہ نکالنے کا طریقہ بھی طاہر نے انوکھا ہی نکال لیا تھا کہ چھری یا بلیڈ اٹھا کر اپنے جسم پر کٹ لگانے لگ جاتا۔ ہادیہ اندر ہی اندر تڑپتی' سسکتی اس سے معافیاں مانگنے جاتی' کئی کئی گھنٹے اسے مناتی رہتی' لیکن اس کا غصہ اپنی مقررہ میعاد پر ہی اترتا..... اور وہ سارا دورانیہ ہادیہ کی روح آبلہ پا آگ میں جھلستی رہتی' دل میں ہزار شکوے پیدا ہونے لگتے مگر وہ زبان سے بس اپنی دھن میں لگی رہتی۔ امی بابا بھی ان کے معاملات میں کم ہی مداخلت کرتے کیونکہ طاہر غصے میں کسی کی بھی نہ سنتا تھا۔ رات دیر گئے تک دوستوں کی محفلوں میں بیٹھنا' ہادیہ کو اعتراض ہوتا مگر وہ کچھ نہ کہتی' بس دل میں یہی سوچتی کہ چلو اگر اس کا شریک زندگی اسی طرح خوش ہے تو ٹھیک ہے ناں' اسے تو بس اس کی خوشی چاہیے۔

"تمہیں امی نے جتایا ہے ہمارے خاندان میں ہمیشہ پہلی

اولاد بیٹا ہوتا ہے۔" ایک دن بہت موڈ میں طاہر نے کہا تو ہادیہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں تو...... بیٹا ہو یا بیٹی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت ہیں۔"

"ہاں...... مگر میں سوچتا ہوں کہ ہمارا پہلا بیٹا ہو پھر میں دوستوں کو بلاؤں گا' بڑی سی دعوت کریں گے۔" اس کی آنکھیں مستقبل میں آنے والی خوشی کے احساس سے چمک رہی تھیں۔

ہادیہ اندر سے دہل گئی۔ نگاہوں کے سامنے ماہین کا چہرہ آ گیا۔ انہیں بھی تو پوری زندگی بیٹیوں کی ماں ہونے کی سزا دی گئی تھی۔ ایک محروم تمنا عورت جو ہر ارمان کو دل میں چھپائے کسی سے بھی شکایت کا ایک لفظ بنا کہے خاموشی سے اس دنیا سے چلی گئی تھی اور آج وہی احساس محرومی ہادیہ کے اندر کوڑیالے سانپ کی طرح پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اگر میرے آنگن میں بیٹی آ گئی تو......" اس نے کسی جگہ ایک حدیث پڑھی تھی۔

"خوش نصیب ہے وہ عورت جس کی پہلی اولاد بیٹی ہو۔"

کیا نظام تھا اس دنیا کا' جس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں جس کی آل پر درود وسلام بھیجتے ہیں' کیا کبھی ہم نے ایسا سوچا کہ اگر بیٹے اتنے ہی گراں قدر یا بیٹی سے گراں مایہ ہوتے تو اللہ اس نعمت سے اپنے محبوب ﷺ کو کیوں محروم رکھتا۔

اور اسی دورانیے میں اس پر یہ روح فرسا انکشاف بھی ہوا کہ طاہر شکیل پینے پلانے کا شوق بھی رکھتا ہے۔ درد سے بوجھل دل کو اپنے سینے میں چھپائے اس نے بنا کوئی شکایت یا اعتراض کیے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا...... وہ اندر ہی اندر ڈرتی جا رہی تھی۔ اپنے ہی درد کے بوجھ سے نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ اذیت کے ایک پل صراط پر سے گزر کر اس نے ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ ننھے منے سے نقوش کی حامل' فرشتوں جیسی معصومیت لیے اس کی گود میں رب کی رحمت آ گئی تھی۔ اسے ہر دکھ بھول گیا۔ اپنی ممتا بھری آغوش میں لیتے ہی آج اس پر کھلا تھا کہ ماہین ان کی جدائی کی محض سوچ کو بھی آخر کیوں نہیں سہہ پائی تھیں۔ یہ بیٹیاں تو ماؤں کے لیے اللہ کا ایسا انعام ہوتی ہیں جن سے ماؤں کی روحوں کے تار جڑ جاتے ہیں۔ اس رات امی کمرے میں نہ آئیں' طاہر شکیل جب کمرے میں داخل ہوا تو نشے میں دھت تھا۔ ہاتھ میں خون آلود خنجر دیکھ کر ہادیہ کا کلیجہ لرز گیا' طاہر کی گردن اور سینے پر جا بجا کٹ لگے ہوئے تھے' جن سے خون بہہ رہا تھا اور ہادیہ بنا کہے سمجھ گئی تھی اسے بیٹی کی پیدائش ناگوار گزری ہے۔ اسے بیٹیاں پسند نہیں تھیں وہ مسلسل ایک بیٹے کی آمد کا اپنے ذہن میں خیال لیے بیٹھا تھا اور توقع سے ذرا سا بھی ہٹ کر کچھ ہونے پر اس کا ردعمل ایسا ہی ہونا تھا پھر بھی اس رات فجر کی اذان تک ہادیہ روتی رہی تھی۔ وہ جانے اسے کیا' کیا بولتا رہا تھا اور ہادیہ تکلیف بھلائے ننھی بچی کو گود میں لیے بیٹھی اس کی باتیں سنتی اور آنسو بہاتی رہی۔ کبھی جب بچی بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر رونے لگتی تو وہ اپنے پلو کو دودھ میں بھگو کر اس کے منہ میں نچوڑ دیتی دو قطرے منہ میں جاتے ہی بچی خاموش ہو جاتی لیکن اس کے کمرے میں گھر کے کسی فرد نے جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔ ہادیہ کو یاد آیا کس طرح اس کے میکے میں زچہ اور بچہ کا دھیان رکھا جاتا تھا' تین دن تک زچہ بستر پر کروٹ تک نہ بدلتی تھی...... اور گھر کی خواتین میں سے کوئی نہ کوئی اس کے کمرے میں موجود رہتا تھا۔ اس کے اور اس کے بچے کی دیکھ بھال کے لیے۔ نت نئی چیزیں پکا پکا کر اسے کھلائی جاتیں جو اس کی حالت کے پیش نظر اس کے لیے فائدہ مند ہوتیں لیکن یہاں ایسا کچھ نہ تھا' الٹا رات بھر بیٹھ کر رونے کی وجہ سے صبح تک ہادیہ کی آنکھیں متورم اور سوجی ہوئی تھیں۔

"مجھے سر باندھ کر لیٹی تکلیف کا ناٹک کرتی عورتیں بالکل پسند نہیں۔" طاہر کی بات یاد آتے ہی وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے ایسا کچھ بھی نہیں کرنا جو طاہر کو پسند نہ ہو۔" پہلے دن سے اٹھ کر کام میں لگ گئی' انیقہ کو خبر ملی تو اس نے فوراً کہا۔

"طاہر بھائی' سب چھوڑیں مجھے ہادی کا بتائیں' وہ کیسی ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے ناں؟" اس کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"اسے کیا ہونا ہے بھئی' سانڈ کی طرح پورے گھر میں دندناتی پھر رہی ہے۔" طاہر کے جواب نے انیقہ کو حیران کر دیا۔

"میں نہیں مان سکتی طاہر بھائی' اس کے تو سر میں ہلکا سا درد ہوتا تھا تو پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیتی تھی۔ بے چاری مما جانی کو اتنا پریشان کر دیتی تھی کہ وہ اسے اسی وقت ڈاکٹر کے پاس لے کر چلی جاتی تھیں۔"

"بھئی ماؤں کو تو اسی طرح پریشان کیا جاتا ہے' اب تو وہ خود ماں ہے کچھ تو وقار اور سلجھاؤ آ جانا چاہیے ناں اس میں۔"

"جی' یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔"

ہادیہ کو احساس ہوتا تھا کہ طاہر شکیل ننھی ماہ رو کو نہیں چاہتا وہ اسے گود میں نہیں اٹھاتا تھا۔ یہ احساس کہ اس کی بچی بھی

اپنے باپ کے لیے اسی طرح بے وقعت ہے۔ جس طرح وہ خود تھی۔ اسے اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ وہ بے کل اور اداس ہوتی جا رہی تھی۔

"ہادیہ...... تم کچھ اداس اداس ہو خیر تو ہے۔" ایک دن امی کو اس کا بجھا ہوا چہرہ نظر آ ہی گیا۔

"امی طاہر ماہ رو سے پیار نہیں کرتے' انہیں بیٹیاں پسند نہیں ہیں۔"

"نہیں بھئی ایسا نہیں ہے۔ اتنے چھوٹے بچے سے کبھی اس نے لاڈ پیار کیا نہیں اور ویسے بھی وقت سے پہلے اس پر یہ ذمہ داری پڑ گئی ہے اس کی عمر کے لڑکے تو کھیل کود اور خرمستیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں اور وہ بے چارہ باپ بن گیا ہے۔ آہستہ آہستہ ہی سمجھ آئے گی ناں اسے۔" امی کا جواز اسے بے حد بچکانہ اور بودا لگا لیکن وہ خاموش ہی رہی وہ ان سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ورنہ یہ ضرور کہتی کہ رشتوں کی نوعیت بدلنے پر ہم ایک لڑکی سے تو ہر حوالے سے عقل مند ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔ اس کی کسی کوتاہی کو کسی غلطی کو بھی نظر انداز کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ پندرہ سولہ سال کی لڑکی کی بھی شادی ہو جائے تو ہم اسے شادی شدہ کا جواز دے کر ہر طرح کی سمجھ بوجھ کے لائق سمجھ لیتے ہیں تو یہی اصول صنف مخالف کے لیے کیوں نہیں۔"

بہر حال جو بھی تھا' امی ماہ رو سے بہت پیار کرتی تھیں اور ہادیہ کے لیے اتنا بھی کافی تھا۔ ایک عرصے سے طاہر شکیل کی بے روزگاری نے گھر کے بھی افراد کا رویہ خاصا بدل دیا تھا اور یہ رویہ طاہر سے کہیں زیادہ ہادیہ کے ساتھ بدل چکا تھا' طاہر کے منہ پر تو کوئی بات نہ کرتا اس کے پیٹھ پیچھے ہادیہ کو باتیں سننی پڑتیں' کبھی بچی کا دودھ پورا کرنے کا سنایا جاتا' کبھی دو وقت روٹی کھلانے کا' ایک دن ہادیہ کے منہ سے بھی کچھ تلخ الفاظ نکل گئے۔ جس دن امی نے کہا۔

"تم سب میرے نصیب کا کھا رہے ہو میرا شوہر کماتا ہے اور تم سب کھاتے ہو یہ میرا مقدر ہے۔" تب ہادیہ نے بس اتنا کہا تھا۔

"امی ہر انسان اپنے مقدر کا کھاتا ہے...... رازق ذات تو اللہ پاک کی ہے۔ بے شک وہ وسیلہ کسی کو بھی بنا دے۔" اور اس دن تو وہ اپنے کمرے میں آ کر ماہ رو کو سینے میں بھینچے بری طرح روئی تھی جب بابا نے اسے کہا تھا۔

"تم کیسی پڑھی لکھی عورت ہو جو اپنے شوہر کو نہیں بدل سکی۔ اس کا مزاج نہیں بدل سکی' تم خود اسے گھٹنے سے لگا کے بٹھائے رکھتی ہو ورنہ اگر تم کہو تو وہ کیوں نہیں کام کرے گا۔"

"بابا...... وہ ہر جگہ ملازمت ڈھونڈ چکے ہیں' کتنے لوگوں سے کہہ چکے ہیں مگر کہیں بھی کوئی کام نہیں بن رہا۔"

"تو اسے کہو مزدوری کرے۔ میں نے ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا کہ سب کا خرچہ میں نے ہی پورا کرنا ہے۔ اپنی بچی کا دودھ تک تو پورا نہیں کر سکتے ہو تم لوگ اور کیا کرو گے۔" وقت اور حالات کی تلخیوں نے بابا کو بھی سرتاپا بدل دیا تھا۔ ان کی طرف سے دباؤ پڑتا تو وہ طاہر شکیل کو جاب ڈھونڈنے پر اکسانے لگتی۔ وہ چڑ جاتا۔

"یہ تم درمیان میں کس لیے پل کا کردار ادا کر رہی ہو۔ ان سے کہو تمہارے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چھوڑ دیں جو کہنا ہے ڈائریکٹ مجھے کہیں' مجھ سے پہلے بڑے اور اس کی بیوی کے علاوہ تین بچوں کو بھی انہوں نے ہی پالا ہے اب ایک بچی کا دودھ بوجھ بن گیا ہے ان پر تو سیدھا سیدھا مجھے کہیں۔ آئندہ تم مجھے ان کے حوالے سے کوئی پیغام لا کے نہیں سناؤ گی۔"

"جی بہتر......" وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے ایسے میں ماہین کی یاد اسے بری طرح بے چین کر دیتی۔

"مما جی...... آپ کیوں اتنی جلدی چلی گئیں' مجھے آپ کی ضرورت ہے آپ کی رہنمائی چاہیے۔ ایک ایک قدم' مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں؟ ایک اچھی بہو بننے کا خواب تھا میرا مگر اچھی بہو بننے کے چکر میں میں اپنے ہی شوہر کی نظروں میں کم حیثیت اور بے وقعت ہوتی جا رہی ہوں۔ شوہر کا خیال کرتی ہوں تو سسرال ناراض' سسرال کا دھیان کرتی ہوں تو شوہر روٹھ جاتا ہے۔ چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان میرے وجود و روح پستے جا رہے ہیں میں کیا کروں؟" آنسو بے آواز اس کے گالوں پر بہتے جاتے اور ننھی ماہ رو اپنی چھوٹی چھوٹی ہتھیلیوں سے اس کے آنسو پونچھتی' وہ ڈھنگ سے بول نہیں پاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے لفظ ہی سیکھے تھے اس نے۔ مگر وہ اس کی تنہائی کی ساتھی تھی۔ ایک بیٹی سے بڑھ کر ماں کے درد کو سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے بھلا......؟

......□......

بچی کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہادیہ کی پوری کوشش ہوتی کہ اس کے ذمے جو گھر کے کام ہیں اس حوالے سے گھر کے کسی فرد کو کوئی شکایت نہ ہو اور طاہر کو بھی پورا پورا وقت ملے لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ وہ دن بھر کام کر کے اس قدر تھک جاتی کہ

رات جلد ہی نیند اسے آ دبوچتی۔ خود کو زبردستی جگائے رکھنے کی صورت میں اس کے چہرے پر جو عجیب سے تاثرات آتے وہ طاہر کو بھی کوفت میں مبتلا کردیتے۔

”دیکھیے ہادیہ..... میں نے آپ سے شادی کی آپ کی خاطر مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ گھر کے کام ہوتے ہیں یا نہیں؟ نہ ہی مجھے ماہ رو کے حوالے سے کچھ بھی کہنا ہے۔ بچہ بھی ابھی میری ترجیحات میں شامل نہیں تھا۔ یہ صرف اور صرف آپ کی خواہش کے احترام میں دکھائی دے رہی ہے۔ میری پہلی اور آخری ترجیح آپ ہیں مجھے آپ کا وقت چاہیے' آپ کی توجہ چاہیے' میں آج بھی وہی پہلے دن والا طاہر ہوں جو آپ پر کسی کی نظر تو کیا سورج کی کرن بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا۔ آپ جھاڑو پونچھا' برتن' کپڑے ان بے کار چیزوں میں اپنا سارا وقت لگا دیتی ہیں اور جب میری باری آتی ہے تو نیند سے بوجھل آنکھیں لیے میرے پاس آجاتی ہیں۔ مجھے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں ہے ہادی۔“ اور ہادیہ بس حیران پریشان سی اس کا منہ دیکھے جاتی' وہ یہ بھی نہ کہہ پاتی کہ اس طرح گھر والے کب تک برداشت کریں گے۔ کوئی سسرال بھی چاہے کتنا ہی پیار کرنے والا کیوں نہ ہو انہیں اپنی بہو سے بھی بہت سی توقعات ہوتی ہیں۔ جوائنٹ فیملی سسٹم میں تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر نہیں رہا جاسکتا۔ ہمارے اردگرد جتنے بھی رشتے ہوتے ہیں ان سب کی نگاہیں ہمہ وقت ہم پر لگی ہوتی ہیں اور ان نگاہوں میں موجود امید کو سلامت رکھنے کے لیے ایک عورت کو قدم قدم پر خود کو قربان کرنا پڑتا ہے لیکن یہ بات مرد کبھی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ مسٹر پرفیکشنسٹ بنے رہتے ہیں۔ جنہیں ہر چیز ہمیشہ پرفیکٹ چاہیے کہیں بھی کسی بھی جگہ کوئی کمی کوئی سقم نہ ہو۔ اپنے میکے میں ہادیہ نے کبھی مرد ذات کے حوالے سے نہ سوچا تھا۔ جو گنے چنے مرد اس کی نگاہوں کے سامنے تھے چچا' ماموں وغیرہ ان کے سامنے سلام دعا سے بڑھ کر کوئی بات کرنے کی جرأت بھی شاذ و نادر ہی کی ہوگی۔ بھائی کوئی تھا نہیں اور باپ کے نام پر جو شخص اس کے حصے میں آیا تھا اس کے لیے بس اتنا ہی کہا جاسکتا تھا کہ اس کا نام اسکول' کالج کے داخلہ فارم اور مارکس شیٹ پر ولدیت کے خانے کو پر کرنے کے علاوہ کہیں استعمال نہیں ہوا تھا۔ اسے شادی شدہ زندگی عجیب بوجھ سی لگنے لگی۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ اس کا شریک زندگی آخر اس سے چاہتا کیا ہے اس کے بس میں جس قدر تھا وہ اس سے بڑھ کر کرنے کی کوشش کرتی تھی لیکن پھر بھی اسے خوش کرنے میں ناکام تھی۔

ان دنوں گھر کے حالات خاصے خراب چل رہے تھے۔ محلے میں ہونے والے ایک جھگڑے کی وجہ سے پولیس' تھانہ کچہری جیسے معاملات میں ہادیہ کا زیور تو کام آیا ہی تھا' بابا کے کاروبار کو بھی خاصا دھچکا لگا تھا۔ جھگڑا طاہر کا محلے کے ایک دو آوارہ لڑکوں کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ بھی غصے کا تیز تھا اور ادھر بھی خر دماغ لوگ تھے۔ خاصا بڑا جھنجٹ بنا لیکن اللہ اللہ کرکے بابا طاہر کو جیل سے رہا کروا کر لانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ہادیہ کو اپنے زیور جانے کا ایک لمحہ کو بھی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کے سر کا سائیں لوٹ آیا تھا۔ حالات خواہ جیسے بھی ہوں۔ جتنی غربت اور تنگ دستی ہو اگر شریک زندگی ساتھ ہو تو پھر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عورت ہر دکھ ہنس کر جھیل لیتی ہے اگر اس کا محبوب اس کے ہمقدم ہو اور ہادیہ کے لیے تو پوری دنیا میں اس کا واحد آسرا تھا' ہر رشتہ ہر تعلق اس سے جدا ہوگیا تھا صرف اور صرف طاہر کا وجود تھا جو جینے کا بہانہ تھا یا پھر ننھی ماہ رو جو اب پاؤں پاؤں چلنے لگی تھی اور طاہر کو دیکھ کر ہمکتی تھی تو اب دھیرے دھیرے اس کا دھیان بھی اس کی طرف ہونے لگا۔ ایک بار پھر گھر کے حالات سے تنگ آکر بابا ہادیہ سے تلخ ہو بیٹھے۔ وہ بے چارے بھی کیا کرتے' اکیلے دس گیارہ افراد کا بوجھ آخر کب تک اٹھاتے۔ شام میں طاہر کے آتے ہی ہادیہ نے بابا کا پیغام اسے کہہ سنایا۔ فرط غیظ سے طاہر کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

”میں نے آپ سے کہا تھا ناں ہادیہ کہ آئندہ مجھے آپ کسی کا کوئی پیغام نہیں دیں گی۔ جسے جو بھی بات کرنی ہے وہ سیدھا مجھ سے کرے۔ کہا تھا ناں یا بھول گئی۔“

”جی..... مجھے یاد تھا مگر بابا نے کہا تھا اس لیے..... اب وہ بڑے ہیں میں کیسے ان کی بات کو نظر انداز کردوں۔“ ہادیہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

”نہیں ان کی بات کو نظر انداز کیوں کرو..... میری کہی کو نظر انداز کیا کرو' میں جو کہوں ہمیشہ اس کا الٹ کیا کرو..... سب کی مانا کرو سب کو اہمیت دیا کرو۔ ظاہر ہے میری بات کی کیا حیثیت.....؟ جب میری کوئی وقعت نہیں تو میرے کہے کی بھی کیوں لاج رکھو گی تم۔“

”نہیں..... ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ یقین کریں

میرے ذہن میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔'' ہادیہ گھبرا کر اپنی صفائی میں بولی۔

''ہاں تمہارے ذہن میں ایسا نہیں ہوتا مگر تم ایسا ہی کرتی ہو ایسا ہی کرتی ہو تم' چڑاتی ہو مجھے' نافرمانی کرتی ہو میری' میری کہی ہر بات کو نظر انداز کرتی ہو تم......'' وہ اب چلانے لگا تھا اور ساتھ ہی کمرے میں پڑی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔ ہادیہ ماہ رو کو سینے سے لگائے ایک طرف کھڑی لرز رہی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی عام سے انداز میں کی گئی بات کا اتنا شدید ردعمل بھی ہوسکتا ہے۔ طاہر شکیل نے محض کمرے کی چیزیں ہی توڑنے پر بس نہیں کی تھی' بلکہ اپنی کہانیوں کے تمام ادھورے مسودے کمرے کے درمیان رکھ کر جلا دیئے۔ پھر جانے کہاں سے خنجر برآمد کرلیا۔ ہادیہ کی چیخ نکل گئی۔ ماہ رو کو ایک طرف پھینک کر وہ تیزی سے طاہر کی طرف بڑھی۔

''یہ...... یہ کیا کررہے ہیں...... چھوڑیں اسے...... امی...... امی......'' وہ بلک رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ امی کو بلا رہی تھی۔ اس کی چیخ وپکار سن کر امی بابا بھی آگئے اور کسی نہ کسی طرح طاہر کو قابو میں کرکے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا مسئلہ ہے بھئی تم لوگوں کا...... یہ آئے روز چیزوں کی توڑ پھوڑ...... اٹھا پٹخ کس لیے......؟ مجھے سمجھ نہیں آتی باہر سے تو اچھا بھلا آتا ہے جانے تم ایسا کیا کہہ دیتی ہو کہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے؟'' امی نے ہادیہ کو گھرکا تو بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ وہ بس ان کے چہرے کو دیکھ کر رہ گئی۔ کمرے میں گھر کے تمام نفوس بیٹھے تھے ہادیہ ایک طرف ماہ رو کو گود میں لیے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''میں آپ سب لوگوں کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ یہ عورت جو میرے سامنے بیٹھی ہے میں اس سے شدید ترین نفرت کرتا ہوں۔ اتنی نفرت جتنی اس دنیا میں کبھی کسی نے کسی سے نہ کی ہوگی۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔ غیظ وغضب مایوسی' نفرت اور...... اور شاید کہیں توقعات کے ٹوٹ جانے کا درد بھی۔ ہادیہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی ایک لفظ بھی کہے بنا' بس وہ تمام الفاظ اس نے نہایت خاموشی سے اپنے اندر جذب کرلیے۔ آخر یہ الفاظ انہی ہونٹوں نے اسی زبان سے ادا ہوئے تھے ناں جن سے اس کے لیے محبت کے الفاظ نکلتے تھے۔ اس کے لیے تو یہ تمام الفاظ بھی اسی طرح بے حد قیمتی تھے' ہاں بس وہ یہ نہ کہہ سکی کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو میں تو خود بہت بے بس ہوں۔ میں یہی کرسکتی تھی ناں تمہارے لیے کہ تم سے کبھی کوئی فرمائش نہ کرتی' تم پر اپنی ذات کا بوجھ نہ ڈالتی اور میں نے ہمیشہ ایسے ہی کیا' آج تک تم سے کچھ نہیں مانگا' کچھ نہیں چاہا' مگر یہ بات میں نے جب بھی کی گھر والوں کے مجبور کرنے پر کی۔ تم کوئی کام نہ کرو' میری محدود ضروریات تو پوری ہو ہی رہی ہیں' دو وقت کھانے کو مل ہی رہا ہے ناں' مجھے تمہاری ملازمت کی ضرورت نہیں' میں نے ایسے ہر خواب کو اپنی آنکھوں سے کھرچ کر پھینک دیا جس کا تعلق تمہاری ملازمت سے جڑا تھا۔ میری آرزو تھی میری زندگی کا ساتھی صبح کام پر جائے شام میں آئے تو اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کے گجرے ہوں' میں اس کی پسند کا کھانا تیار کروں اور رات اس کے کندھے پر سر رکھے لیٹے اسے دن بھر کی روداد سناؤں۔ چھوٹی چھوٹی ڈھیروں باتیں' مشترکہ مستقبل کے سہانے کھلی آنکھوں سے دیکھے خواب اور دل کی ساری حکایتیں' میرے بنا کہے میری ہر ضرورت ہر خواہش کا پاس رکھے' اسے پتہ ہو میں کیا چاہتی ہوں' مجھے محبت اور توجہ بھیک میں نہ دے میرا حق سمجھ کر دے۔ میں نے کبھی اپنے باپ کے سامنے بھی اپنی ضرورت کے لیے ہاتھ نہیں پھیلائے تھے میری خوددار طبیعت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنی ضرورت کے لیے اپنا دامن وا کروں۔ جسے مجھ سے محبت ہوگی وہ بنا کہے میری ہر بات کو جان لے گا اور پھر اسے پورا کرے گا جسے نہیں ہوگی تو پھر کہہ کر اپنے الفاظ ضائع کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ایک لباس میں حیات گزار دی جائے۔ یہ دنیا اور اس میں بسنے والی ہر چیز فانی ہے' اللہ کے نام کے سوا کسی شے کو دوام نہیں اور میں تو اسی کے آسرے پر جی رہی ہوں۔ آج تم نے اپنے گھر کے تمام افراد کے سامنے نفرت کا اظہار نہیں کیا میری محبت کے منہ پر تیزاب ڈال کر اس کا معصوم چہرہ مسخ کردیا ہے' کیا تمہیں بھائی بھابی کے تمسخر اڑاتے چہرے دکھائی دیئے' جن کی آنکھوں میں طنزیہ مسکراہٹ تھی اور کیا تمہیں میری فریاد کرتی آنکھیں دکھائی دیں جو اس توہین پر خون کے آنسو رو رہی تھیں' تم تنہائی میں مجھے کچھ بھی کہہ دیتے شاید وہ اس قدر جان لیوا نہ ہوتا' جتنا ان سب کے سامنے آج مجھے میری نفی کا احساس ہورہا ہے۔ اللہ جانے کیا بات ہے تم جب بھی کچھ ایسا کرتے ہو مجھے عارف علی اور ماہین کی یاد دلا دیتے ہو۔ وہ چہرہ وہ شخص ہمارا بچپن کھا گیا' ہماری آرزوئیں جلا کر بھسم کی ہیں اس نے' کسی اژدھے کی طرح ہمارا ماضی' ہمارا

حال ہمارا مستقبل تک نگل گیا وہ شخص اور تم جب اس کے برابر جاکر کھڑے ہوجاتے ہو تو یقین کرلو کہ اس سے بڑھ کر میرے لیے اذیت کا اور کوئی سامان نہیں......" سب جاچکے تھے طاہر بھی شور ہنگامہ مچا کر جانے کدھر چلا گیا تھا مگر ہادیہ کے ماضی کے دریچے سے لپکتی آگ اسے اندر ہی اندر جلائے جارہی تھی۔ وہ اب یہاں کہیں نہیں تھی۔ بہت پیچھے اس مقام پر جاکھڑی ہوئی تھی جہاں ماں کا دامن اس سے چھن رہا تھا اور وہ اور لیقہ ایک دوسرے کی انگلی پکڑے بلک بلک کررو رہی تھیں۔

"کیا یہی زندگی ہے' یہ کیسی زندگی ہے کہیں جائے اماں بھی ہے یا نہیں۔ یا ایک دن اپنی ماں کی طرح میرا کلیجہ بھی پھٹ جائے گا اور میں بھی اپنی ننھی سی بیٹی کو حوادث زمانہ کے سپرد کرکے اس جہان فانی سے رخصت ہوجاؤں' کیا یہ مقدر ہے؟"

"ہاں...... یہی مقدر ہے...... یہی تمہاری تقدیر ہے...... تم جہاں سے چلی تھیں واپس وہیں پہنچ گئی مت جلو...... کڑھو...... یا تو کچھ کھا کر مرجاؤ یا پھر جھیل لو......" اور اسے پہلا حل زیادہ مناسب لگا۔ جب کہیں کوئی راستہ نہیں بچتا تو بزدل اور کم ہمت لوگ یہی تو کیا کرتے ہیں۔ اس نے کافی ساری نیند کی گولیاں کھالیں لیکن گھر والوں کو بروقت پتہ چل جانے پر اسے بچالیا گیا۔ شاید زندگی باقی تھی یا زندگی کے نام پر ہونے والا ایک پراذیت ڈرامہ...... مگر جو بھی تھا اس کے لیے بے حد سوہان روح تھا۔ اندر ہی اندر گھلتی جارہی تھی وہ مگر کس سے کہتی...... کس کو سناتی' سسرال سے ملنے والے ہر دکھ درد کو تو بیٹی ماں کی گود میں سر رکھ کر کہہ کر اپنا دل ہلکا کرلے جاتی ہے اور اس کے پاس تو یہ گود بھی نہیں تھی۔ نہ کسی سے کوئی رابطہ' نہ تعلق' نہ واسطہ' لیقہ...... چھوٹی تھی' اوپر تلے دو بیٹیوں کی پیدائش نے اسے بے حد مصروف کردیا تھا اور یوں بھی اس کے سامنے گلہ شکوہ کرکے وہ طنزیہ باتیں نہیں سننا چاہتی تھی کیونکہ اس کی شادی کو لے کر لیقہ کو ددھیال اور ننھیال سے جو کچھ سننا پڑا تھا اور جس طرح کا برتاؤ ان سب نے لیقہ سے روا رکھا تھا اس کے بعد تو ہادیہ خود اس سے بے حد شرمندہ تھی۔ طاہر شکیل بعد میں ٹھیک ہوگیا تھا۔ اپنا غصہ اس پر نکال کر شور ہنگامہ مچانے کے بعد وہ نارمل ہوگیا تھا لیکن ہادیہ کے دل میں ایک گرہ پڑ گئی تھی' وہ اس سے بے طرح ڈرنے لگی تھی۔ پہلے جیسے دوست سمجھ کر دل کی ہر بات اس سے شیئر کرلیتی تھی...... اب کوئی بھی بات کرنے سے پہلے کئی کئی بار سوچتی کہ یہ بات کروں یا نہ کروں' خود پر سے اعتبار کھونے لگی تھی وہ...... اس دن ماہ رو کو سلا کر وہ ویسے ہی کمرے میں بیٹھی تھی جب آنسو بن بلائے اس کی پلکوں پر آن ٹکے اسی پل طاہر نے کمرے میں قدم رکھا۔

"السلام علیکم!" وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

"وعلیکم السلام...... خیر ہے یہ اتنی سوگوار شکل کیوں بنا رکھی ہے۔" وہ قدرے بہتر موڈ میں لگ رہا تھا۔ اس کے نرمی سے پوچھنے پر آنسو پلکوں کی منڈیروں سے چھلک کر گالوں پر بہہ نکلے۔

"میں آج قرآن خوانی میں گئی تھی۔"

"ہیں...... تو اس میں رونے والی کون سی بات ہے یار۔" وہ اسے کندھے سے لگا کر پچکارتے ہوئے مسکرایا۔

"وہاں کمرے میں کافی ساری خواتین بیٹھی تھیں اور پتہ نہیں کیا ہوا جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو اتنی بھیڑ دیکھ کر گھبرا گئی' کسی سے بھی ڈھنگ سے بات نہیں کرپائی' ٹانگیں لرزنے لگی تھیں میری۔" وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو حلق سے نیچے اتارنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے' ایسا کیوں ہوا؟" طاہر نے اسے خود سے الگ کرکے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے نہیں پتہ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری خود اعتمادی ختم ہوگئی ہے۔"

"اور اس کی وجہ......؟"

"نہیں پتہ......" ناک سکیڑ کر وہ بولی۔

"دیکھیے نصف بہتر...... آپ بھلے سے بہت خوش اسلوبی سے اس ماحول میں ڈھل گئیں لیکن اندر سے آپ مطمئن نہیں ہیں۔ ہماری خود اعتمادی کی کمی ایک قسم کا کمپلیکس ہے۔ آپ نے وہاں موجود سب خواتین سے خود کو کم حیثیت سمجھا اور اسی احساس کمتری نے آپ کے اعتماد کو ختم کردیا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔" طاہر نے اس کی آنسوؤں بھری آنکھوں میں جھانکا جو نا مجھی والے انداز میں اسی کو تک رہی تھیں۔ ہادیہ کو لگا وہ ٹھیک کہہ رہا ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی ڈھنگ کا سوٹ نہیں تھا' وہ بہت ہی عام سے پرانے سوٹ میں ملبوس تھی جبکہ وہاں موجود دیگر خواتین خاصے بہتر حلیے میں تھیں ہادیہ نے نگاہ چرالی۔

"دیکھیں آج تک میں نے یہ گوارا نہیں کیا تھا کہ آپ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

دروازے سے باہر پاؤں رکھیں لیکن اگر آپ دن بدن اسی احساس کمتری میں دھنستی چلی گئیں تو بہت جلد آپ کی پوری شخصیت تباہ ہوجائے گی اور میں یہ کسی صورت برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں آپ کو جاب کی اجازت دیتا ہوں۔ کسی بھی اچھے سے اسکول میں آپ ٹیچنگ کی ابتدا کرسکتی ہیں۔“ مسکراتے ہوئے طاہر شکیل میں وہی پرانی شبیہہ دکھائی دی اور ہادیہ دل ہی دل میں خوش ہوگئی' یہ ایک خوش آئند تبدیلی تھی۔ اس طرح اسے ایک ایک روپے کے لیے ترسنا نہیں پڑے گا۔ وہ اپنی بیٹی اور اپنے لیے اپنی مرضی کی خریداری کرسکے گی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب بڑے بھائی کے بچے باہر سے چیزیں لے کر آئے اور ماہ رو نے جب وہ چیزیں دیکھیں تو ضد کرنے لگ گئی۔

”ماما..... چیجی.....“ اور وہ پہلے تو اسے بہلاتی رہی لیکن جب کسی طور وہ نہ بہلی تو بابا کے پاس آ گئی۔

”بابا..... آپ کے پاس کچھ پیسے ہیں ماہ رو چیز کے لیے ضد کررہی ہے۔“ اپنے لیے تو نہیں البتہ آج اپنی بیٹی کی خاطر اسے ہاتھ پھیلانا پڑ گیا تھا۔ اور بابا جو شروع شروع میں بے حد شفیق اور پیار کرنے والے انسان تھے بعد میں طاہر سے ہونے والی ناراضگی کا سارا قصور وہ ہادیہ پر ڈال دیتے اور کچھ اس کی جٹھانی کے کہنے سننے میں آ کر ان کا رویہ بالکل ہی پتھر جیسا سخت ہوگیا تھا۔

”نہیں..... میرے پاس نہیں ہیں پیسے..... جو تھے وہ بچوں کو دے دیئے تھے۔“ وہ کچن میں رکھی چارپائی پر بیٹھے تھے اور بھابی شام کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ ہادیہ خاموشی سے کچن سے نکل رہی تھی جب اس کے کانوں میں آواز آئی۔

”بابا..... چائے بنانی ہے دودھ منگوائیں ناں۔“ یہ اس کی جٹھانی تھی جو بڑے انداز سے بابا سے فرمائش کررہی تھی۔

”یہ لو پیسے..... دودھ منگوالو۔“ بابا کی صرف اتنی آواز اس کے کان میں پڑی اور اس کی روح تک کو جھلسا گئی۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے چادر اوڑھی روتی ہوئی ماہ رو کو گود میں اٹھایا اور گیٹ سے باہر آ گئی۔ اس کا رخ محلے کی ”ماما“ کے گھر کی طرف تھا۔ بے انتہا شفیق خاتون جن کا اپنا تو صرف ایک بیٹا تھا' مگر محلے بھر کے بچے انہیں ماما کہتے تھے اور وہ تھیں بھی ایسی ہی۔ محبت بانٹنے والی' دردمند' جیسے ہی دروازے سے اندر داخل ہوئی اسے اس طرح روتا دیکھ کر وہ گھبرا کر تخت سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”ارے..... ارے ہادیہ..... کیا ہوا خیر تو ہے..... طاہر سے تو جھگڑا نہیں ہوگیا۔“

”نن..... نہیں بے بی بھابی..... وہ ماہ رو اتنی دیر سے رو رہی ہے چپ ہی نہیں ہورہی' چیز مانگ رہی ہے اور میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔“

”اوفوہ..... ہادیہ تم بھی کمال کرتی ہو وہ خود اتنا نہیں روتی' تمہیں روتا دیکھ کر اس بری طرح رورہی ہے چپ ہوجاؤ فوراً اور تمہاری بے بی بھابی کی یہ چھوٹی سی ٹک شاپ کس دن کام آئے گی۔ خبردار جو تم کبھی تکلفات میں پڑی تو' ادھر لاؤ ماہ رو کو مجھے دو۔“ اسے پیار بھری ڈانٹ پلا کر وہ ماہ رو کو اس کی گود سے اٹھا کر ٹک شاپ کے پاس چلی گئیں اور پھر جس جس چیز پر ماہ رو نے انگلی رکھی وہ سب اٹھا کر اس کے حوالے کردیا۔

”یہ..... اتنا بہت کچھ۔“

”بس چپ ہوجاؤ' میں نے اپنی بھانجی کو دیا ہے کوئی احسان نہیں کیا کسی پر۔“ انہوں نے اسے وہیں خاموش کروادیا اور پھر اگلے کئی دن تک ان کا بیٹا بابر صبح اسکول جاتے ہوئے گیٹ بجا کر ماہ رو کی چیز پکڑاتا ہوا جاتا۔

”آنٹی..... ماما نے ماہ رو کے لیے بھیجی ہیں۔“ اور وہ حیران ہوتی کیا دنیا میں ابھی بھی بے غرض لوگ موجود ہیں۔ اسی محلے میں اس گھر کے سامنے بخاریوں کا گھر تھا' ان کی اماں بھی اسی طرح ہادیہ سے بے پناہ پیار کرتی تھیں۔ کہنے کو محلے دار' مگر دل سے رشتے بنا کر نبھانے والے۔ اماں اور بے بی بھابی نے منہ بولے رشتوں پر ایک یقین اور بھروسے کی مہر ثبت کردی تھی۔ اب ہادیہ پریشان ہونے کی بجائے اپنے حصے کا سب کام نمٹا کر ماہ رو کو گود میں لے کر کبھی اماں تو کبھی بھابی کی طرف چلی جاتی۔

انہی دنوں اس نے لیقہ کو کہا کہ اس کے جہیز کے سامان میں سے چند ضروری چیزیں گھر سے اٹھالے' پھر بھی جب اس کی طرف چکر لگا تو وہ اپنا سامان اٹھالے گی لیکن لیقہ نے کہا کہ سب چچا' چچیاں وغیرہ گھر کے کسی سامان کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے' تو وہ کس طرح اس کا سامان لاسکتی ہے۔ پھر طاہر نے بھی اسے منع کردیا..... کہ جو کچھ بھی چاہیے ہم خود ایک ایک کر کے بنالیں گے۔ اس سامان کو بھول جاؤ' مگر ہادیہ کو اپنے ہاتھ سے خریدی سب چیزیں چاہئیں تھیں' وہ انہیں بھول نہیں سکتی تھی

کیونکہ اس نے بہت پیار اور ارمان سے وہ سب کچھ اپنے گھر کے لیے خریدا تھا۔ اس میں کسی کا احسان شامل نہیں تھا پھر بھی کڑوا گھونٹ پی کر خاموش رہی۔ گھر کو سجانے سنوارنے والی آرزو ہر عورت کی طرح اس کے دل میں بھی ہمکتی تھی لیکن بے بس تھی اس لیے خاموشی ہی مناسب تھی۔

□

ہادیہ کو طاہر کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر اس نے کیا ٹھانی ہوئی تھی۔ اللہ جانے اس کے دل میں کیا تھا' اسی طرح رات گئے دوستوں کی محفلیں' ہادیہ ماہ رو کو لے کر کبھی امی بابا کے کمرے میں تو کبھی باہر برآمدے میں بیٹھی رہتی۔ ایک دو بار بابا دبے لفظوں میں اسے منع بھی کر چکے تھے کہ اپنے میاں سے کہو یہ دوستوں وغیرہ کا جھنجٹ دیر تک نہ رکھا کرے۔ ہم لوگوں کو بھی سکون چاہیے ہوتا ہے لیکن وہ طاہر کو کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی زیادہ تو برآمدے میں ہی رہتی لیکن جب سردی زیادہ بڑھ جاتی تو ڈھیٹ بن کر بابا امی کے کمرے میں چلی جاتی' یہ معمول زیادہ عرصہ نہیں چل سکا کیونکہ ایک دن بابا نے براہ راست طاہر کو بلا کر اس سے بات کرلی۔

"یہ دوست دن رات یہاں کیوں بیٹھے رہتے ہیں۔ تمہاری بیوی اور بچی ہمارے کمرے میں بیٹھی ہوتی ہیں اور ہمیں اچھا نہیں لگتا۔"

"ٹھیک ہے آئندہ سے نہیں بیٹھے گی۔" طاہر بابا سے کہہ کر ہادیہ کی طرف مڑا۔

"آئندہ باہر برآمدے میں ہی بیٹھی رہا کرو۔ اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر بھی ہمیں اعتراض ہے۔ یہ شریفوں کا طور طریقہ نہیں چھڑوں کی طرح رات دیر گئے تک ہی ہی ہاہا مچائے رکھنا' محلے والے بھی اب دبی دبی آواز میں بولنے لگے۔"

"محلے والوں کو کس بات کی تکلیف ہے' ہمارا اپنا گھر ہے گھر کے اندر ہم جو بھی کریں اس پر وہ اعتراض کرنے والے کون ہیں اور یہاں ہم کون سا مجرے کروا رہے ہیں دوستوں کی میٹنگ سے محلے والوں کے پیٹ میں مروڑ کس لیے۔"

"دیکھو طاہر...... یہ دوستیاں' راستیاں' سب شادی سے پہلے تک ہوتی ہیں' شادی کے بعد اب تم ایک شوہر ہو باپ ہو' اپنی ذمے داری کو سمجھو۔ خود کو بدلو۔"

"میں کسی کے لیے اپنے آپ کو نہیں بدل سکتا۔ مجھے جو جہاں ہے جیسا ہے ٹھیک ہے کی بنیاد پر جس نے قبول کرنا ہے کرے جسے قبول نہیں کرنا مجھے پروا نہیں۔" طاہر کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"یعنی تم دوستوں کو گھر لانے سے نہیں رکو گے۔" بابا نے حتمی لہجے میں پوچھا۔

"نہیں...... یہ میرا بھی گھر ہے۔ اگر میں یہاں رہتا ہوں تو میرے دوست بھی یہاں ضرور آئیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے یا پھر ہمیں چن لو یا دوستوں کو دونوں میں سے کسی ایک کو ہی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو تم۔" بابا کو بھی طاہر کی ہٹ دھرمی پر غصہ آ گیا اور وہ بھی تو انہی کا بیٹا تھا' ضد اور غصے میں ان سے کہیں آگے۔

"ٹھیک ہے پھر میں دوستوں کو رکھوں گا۔" تلخی سے کہتا ہوا وہ ہادیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

"دیکھا آپ نے...... یہ اس طرح نہیں تھا۔ جب سے اس لڑکی سے اس کی شادی ہوئی ہے تب سے ہی یہ ہم سب سے الگ اور دور ہوگیا ہے۔ اب ماں باپ کی کیا حیثیت۔" بابا کا لہجہ کڑوا ہوگیا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے...... پتہ نہیں اس نے ایسی بات کیوں کی۔" امی خود طاہر کے رویے پر حیران پریشان تھیں۔ انہیں یاد تھا کہ ایک بار ہادیہ نے کہا تھا کہ طاہر نے پہلی رات مجھے کہا تھا کہ میرے امی بابا میرا ایمان' میری کل کائنات ہیں اور آج وہی طاہر محض دوستوں کی خاطر اپنے ماں باپ کو ٹھوکر مارنے پر تیار تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی کیوں اور کیسے آئی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"آپ سمجھتی نہیں ہیں یہ پڑھی لکھی عورتوں کے چلتر...... یہ دومنہ والے سانپ کی طرح ہوتی ہیں منافق اور دوغلی' ہمارے سامنے کچھ ہے یہ اور اپنے شوہر کے کان بھر بھر کر آج اسے ہم سب کے اس قدر خلاف کردیا ہے کہ وہ' ہمیں چھوڑنے پر تیار کھڑا ہے اور میں نے بھی دل میں سوچ لیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک ہماری یہ حیثیت اور وقعت ہے تو پھر ہم بھی انہیں نہیں روکیں گے جدھر جانا ہے جائیں۔"

"وہ تو بچے ہیں آپ بھی ان کے ساتھ بچے بن گئے ہیں۔ اس طرح دونوں طرف کی کھینچا تانی میں رشتوں کے دھاگے ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔" امی نے نرم سبھاؤ سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"نہیں...... میرے دل میں اب ان کے لیے کوئی گنجائش

نہیں ہے اور اس حوالے سے میں آپ کے منہ سے بھی کچھ سننا پسند نہیں کروں گا۔" اپنی بات کے اختتام کے ساتھ ہی بابا نے ان کی طرف سے پیٹھ موڑ لی۔ امی دل ہی دل میں گہرے افسوس اور پریشانی میں مبتلا تھیں۔ ایک طرف شوہر تھا تو دوسری طرف بیٹا..... دونوں کی ضد میں سب سے زیادہ نقصان ہادیہ اور ننھی ماہ رو کا ہونے والا تھا۔ طاہر جیسی طبیعت رکھنے والے موڈی شوہر کے ساتھ ہادیہ جیسی موٹی عقل والی لڑکی زیادہ دن سکون سے نہ جی پائے گی' یہ امی کا اندازہ تھا اور کافی حد تک درست بھی تھا۔ ہر طرح سے ہادیہ اور امی کی کوششیں بے کار گئی تھیں نہ تو طاہر ایک انچ اپنے موقف سے ہٹا اور نہ بابا نے لچک دکھائی۔ اور ایک شام بہت مختصر سامان کے ہمراہ ہادیہ اور طاہر ایک چھوٹے سے گھر میں شفٹ ہو گئے جو بازار میں ایک دکان کے اوپر تعمیر شدہ تھا ایک چھوٹے سے کمرے اور بہت ہی چھوٹے سے دالان پر مشتمل یہ گھر' جہاں سے انہوں نے زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

.....□.....

اس دن اسے تنخواہ ملی تو اندر کہیں وہی گھر بنانے والی عورت بیدار ہو گئی۔ ننھی ماہ رو کو لے رکشے میں بیٹھ کر وہ بازار چلی گئی۔ ایک برتنوں کی دکان کے سامنے رکشہ رکوا کر اس نے چند ناگزیر برتن خریدے اور اسی رکشے میں واپس گھر آ گئی۔ اس کے پاس برتنوں کے نام پر محض ایک ہنڈیا چار گلاس اور چار کپ تھے۔ اسی ہنڈیا میں ماہ رو کے لیے دودھ گرم کر کے چار گلاسوں میں انڈیل کر رکھ دیتی اور پھر اسے دھو کر اسی میں سالن پکا لیتی۔ طاہر کا بھی کچھ خاص کام نہیں تھا۔ بمشکل گھر کا گزارہ چل رہا تھا۔ ہادیہ نے کوئی فضول خرچی نہیں کی تھی' گھر کی ضرورت کا عورت کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے کس حوالے سے پریشانی ہو رہی ہے سو وہ اپنی ضرورت کی چند چیزیں سستے داموں خرید کر لے آئی تھی لیکن شام میں جب طاہر آیا اور اسے پتہ چلا تو جیسے وہ آگ بگولا ہی ہو گیا۔

"آپ کو پتہ ہے ناں مجھے آپ کا بازار جانا پسند نہیں پھر کیوں گئیں؟"

"میں اسکول کے دروازے سے دکان تک رکشے میں گئی تھی وہیں سے چند چیزیں لیں اور اسی رکشے میں گھر واپس آ گئی۔" ہادیہ کو توقع نہیں تھی کہ اسے اس قدر شدید غصہ آئے گا۔ آخر جاب کے لیے بھی تو وہ اسی بازار میں سے گزر کر جاتی تھی دن میں دو بار جاتی اور دو بار آتی تھی۔ ایک لیڈی ڈاکٹر کی بیٹیوں کو ہوم ٹیوشن بھی پڑھاتی تھی وہ۔ ننھی سی بچی کو گود میں لے کر ہر روز دو بار ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے انہی راستوں پے آنا اور جانا..... گھر کے لیے سودا سلف بھی وہ خود لے کر آتی تھی تو پھر آج ایسی کیا قیامت آ گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے آگے سے توجیہیں اور جواز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ تمہیں پتہ ہے ناں کہ مجھے تمہارا بازار جانا پسند نہیں۔"

"جی۔" مری مری آواز میں ہادیہ نے کہا۔

"پھر بھی تم گئی..... گئی ناں..... تو اس کا سیدھا صاف مطلب یہی ہے کہ تم جان بوجھ کر مجھے چڑاتی ہو۔ میری نافرمانی کر کے تم مجھ پر ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میری حیثیت تمہاری نظر میں ایک ٹکے کی بھی نہیں۔"

"اس میں ان سب باتوں کا بھلا کہاں سے معنی نکلتا ہے' مجھے گھر کے لیے ضرورت تھی یہ سب تو میں لے آئی۔ سودا سلف بھی تو لاتی ہوں۔" ہادی کو کوفت ہونے لگی۔

"ہاں سودا سلف لاتی ہو' نوکری کرتی ہو تو اس میں مزید آوارگی بھی شامل کرتی جاؤ' جو ضرورت تھی تم مجھے کہہ سکتی تھیں میں مر تو نہیں گیا تھا۔"

"آپ کو کہہ دیتی' مگر آپ کے نزدیک گھر کی چیزیں فضول ہوتی ہیں آپ مجھے منع کر دیتے اس لیے میں خود لے آئی۔"

"اوہ یعنی یہ بھی پتہ تھا کہ میں لا کر نہیں دیتا' تمہیں اسی سے اندازہ کر لینا چاہیے تھا کہ میں اگر ناگزیر سمجھتا تو ضرور لا کر دیتا۔ اہم نہیں تھیں ناں یہ چیزیں بھی تو نہیں لا کر دی تھیں..... مگر نہیں میری کوئی حیثیت نہیں ہے غریب ہوں ناں' ہر خواہش ہر آرزو پوری نہیں کر سکتا امیر باپ کی بیٹی' تو یہ بے قدری تو سہنی پڑے گی۔" وہ مزید تلخ ہوتا جا رہا تھا۔ اندر کہیں بے اطمینانی اور حالات کی شکستگی نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں تھا' وہ اس کے لیے ہر سکھ ہر خوشی خرید کر اس کے قدموں میں ڈھیر کرنا چاہتا تھا لیکن وقت کے ہاتھوں مجبور تھا' کہیں بھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا' یہی تنگی اور لاچاری تلخی بن کر اس کے لہجے میں گھر کر گئی تھی اور یہ تلخی اتنی بڑھ گئی کہ جھگڑے کی صورت اختیار کر گئی۔ ہادیہ نے ایک بیگ میں اپنے اور ماہ رو کے کپڑے رکھے اور اسے لے کر گھر سے نکلنے لگی۔

"اگر اپنی ماں کی اولاد ہو تو دوبارہ اس دروازے سے اندر

پاؤں مت رکھنا۔" لہو رنگ آنکھوں کے ہمراہ طاہر نے گرج کر کہا اور ہادیہ روتے ہوئے ماہ رو کو سینے سے چمٹائے اس چھوٹے سے گھر کا دروازہ عبور کرگئی۔ رات کے اس پہر راستوں کی خبر بھی نہیں تھی اور نہ ہی ہاتھ میں پکڑا کرایہ کافی تھا۔ وہ بس پر سوار ہوگئی' پریشانی کی حالت میں ایک سیٹ پر بیٹھ گئی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ماہ رو سو رہی تھی۔ اٹھ جاتی تو بھوک کے مارے بلکتی پھرتی۔ بس کا کنڈیکٹر ایک بزرگ سا آدمی تھا' جب وہ کرایہ لینے آیا تو ہادیہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"ارے بیٹا کیا ہوا؟"

"چاچا جی میرا پرس کہیں گر گیا ہے اور میرے پاس ابھی صرف تین سو روپے ہیں یہ تو آدھے راستے کا کرایہ بھی نہیں ہے اور میں نے بہت دور جانا ہے' مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں؟"

"ارے بیٹا...... تم روؤ نہیں' میری بھی بیٹیاں ہیں' تمہاری آنکھ میں آنسو اچھے نہیں لگ رہے بیٹا اللہ پر توکل کرو...... وہ مالک ہے اگر نقصان ہوا ہے تو فائدہ دینے والی ذات بھی اسی کی ہے۔ فکر نہیں کرو تم اس سیٹ پر آرام سے بیٹھو کوئی تمہیں نہیں اٹھائے گا۔ اور میں تم سے کرایہ بھی نہیں لیتا' بس خاموشی سے اپنا سفر پورا کرو اور میری بیٹیوں کے لیے دعا ضرور کرنا بیٹا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھ گیا اور ہادیہ کو کچھ سکون ہوا' اب ان پیسوں سے وہ اپنی منزل پر پہنچ سکتی تھی' لیکن کہاں...... کہاں جائے گی وہ۔ یہ تو ابھی تک اس نے سوچا ہی نہیں تھا' میکے کے دروازے تو کب سے وہ اپنے ہاتھوں سے بند کر آئی تھی۔ سسرال میں بھی اس کی جگہ نہیں تھی۔ لے دے کے صرف لیقہ تھی جس کا سہارا لے سکتی تھی وہ۔ اور یہ تو اسے بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ سب اس کے ساتھ کیا رویہ رکھیں گے۔ کیونکہ پہلے دو بار وہ لیقہ کے گھر ملنے خوشی آئی تھی۔ اچھی طرح دینا دلانا کیا تھا تو اس وقت سب کے رویے اچھے تھے' اور اب تو وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر اپنے شوہر سے ناراض ہو کر ایسی حالت میں جا رہی تھی کہ ڈھنگ کا لباس تن پر تھا نہ ڈھنگ کا جوتا پاؤں میں۔ پرانی سی چادر میں ملبوس یہ ہادیہ اس خوش لباس' بااعتماد ہادیہ سے یکسر جدا تھی جسے وہ سب جانتے تھے' رات بھر سفر کے بعد اگلے دن وہ دوپہر تین بجے کے قریب جب لیقہ کے گھر پہنچی تو لیقہ اس کی آمد سے باخبر تھی۔ کیونکہ طاہر شکیل کئی بار فون کرکے اس کی بابت پوچھ چکا تھا۔ رات والا غصہ اتر گیا تھا اور اب وہ ایک فکرمند شوہر کی طرح بے چین تھا۔ ہادیہ نے سارا قصہ کہہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں واپس نہیں جاؤں گی۔ سفر کی تھکی ہوئی تھی جیسے ہی قدرے سکون میں آئی ماہ رو کو لے کر سوگئی۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کس وقت طاہر کا فون آیا اور لیقہ جو طاہر کی بے حد عزت کرتی تھی ہادیہ کو لے کر اس سے تلخ کلامی کر بیٹھی۔ وہ اسے اپنے سگے بھائی کی طرح چاہتی تھی لیکن دوسری طرف اس کی وہ بہن تھی جو بچپن سے اب تک سوائے دکھ کے کچھ نہیں پاسکی تھی اس زندگی سے۔ اور اب اپنے ہی شریک زندگی نے اس کی ساری توقعات اور مان توڑ دیا تھا تو یہ تلخی اس کے لہجے میں کیوں نہ آتی۔ بہن تھی ناں' اسی ماں کی اولاد تھی' جس کے وجود سے ہادیہ نے زندگی حاصل کی تھی۔

"اب تم ہرگز نہیں جاؤ گی وہاں' بہت جھیل لیا تم نے......" لیقہ ہادیہ کو گلے سے لگائے رو رہی تھی۔ بار بار اس کے تن پر پہنے بے قیمت کپڑوں کو دیکھتی' کبھی اس کے بے رونق چہرے اور اجڑے بکھرے بالوں کو۔

"انہوں نے تمہاری قدر نہیں کی ہادیہ...... طاہر بھائی نے رول دیا تمہیں' انہیں کیوں یہ خیال نہیں آیا کہ تم ان کے لیے کیا قربان کرچکی ہو۔ ایک عزت دار گھرانے کو رسوا کرکے سب کو ٹھکرا کر تم نے ان کا دامن تھاما تھا' آخر کس لیے ایسا کیا تھا تم نے......؟ سکھ ہوتا' خوشیاں ملتیں تو کیوں ایسا کرتیں تم' ان کے پاس سکھ اور سکون کی تلاش میں گئی تھی ناں...... انہوں نے بھی دکھ ہی دیا۔" لیقہ بے حد دکھی تھی اس کی حالت کو دیکھ کر۔

کچھ دن گزر گئے' امی کا فون آیا کہ طاہر بہت برا حال کیے بیٹھا ہے' اپنا پورا وجود زخم زخم کیے بیٹھا ہے تم نہ آئیں تو زیادہ دن جی نہیں پائے گا۔ وقتاً فوقتاً طاہر کے دوستوں کے فون آنے لگے کہ بھابی واپس آجائیں' ہم گارنٹی دیتے ہیں طاہر آئندہ کچھ بھی نہیں کرے گا' اس بار تھوڑی سی گنجائش نکال لیں۔ ہادیہ بظاہر جتنی بھی مضبوط بن جاتی لیکن اندر ہی اندر طاہر کے لیے اس کی محبت نے اسے کچوکے لگانے شروع کردیے تھے۔ مجھے طاہر کے پاس چلے جانا چاہیے۔ اندر ہی اندر دل اپنے محبوب کے لیے ہمکنے لگا۔ غلطیاں کہاں نہیں ہوتیں' خطائیں کون نہیں کرتا' مجھ سے بھی غلطی ہوئی ہے مجھے طاہر کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے تھی' اندر ہی اندر اپنا احتساب کرنے کے بعد وہ فیصلہ پر پہنچ گئی تھی کہ وہ واپس طاہر کے پاس جائے گی۔ اسی رات سوتے میں لیقہ کے شوہر نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی کوشش

کی وہ سب چھت پر سو رہے تھے ہادیہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں یعنی وہ جاگ رہا تھا اور جان بوجھ کر اس پر بری نظر ڈالی تھی۔ ہادیہ نے ماہ رو کو اٹھایا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے کمرے میں چلی گئی۔ دروازے کو اندر سے کنڈی لگا کر باقی ساری رات اس نے جاگ کر گزاری اور اگلے دن صبح صبح ایقہ کو سب کہہ سنایا۔ ایقہ ہک دک سی اس کی بات سن کر اندر گئی اور شوہر کے سر پر قرآن پاک رکھ دیا۔

"مجھے سچ سچ بتائیں جو کچھ ہادیہ کہہ رہی ہے کیا وہ سچ ہے' کیا آپ نے اس پر بری نظر ڈالی۔" اس کا دل اندر سے رو رہا تھا۔

"مجھے پتہ نہیں چلا میں نیند میں تھا ایقہ' شاید میں سمجھا کہ تم ہو ہادیہ تو میرے ذہن میں بھی نہیں تھی۔" اس کی بات پر ایقہ نے سو فیصد یقین کرلیا تھا اور ہادیہ کی غلط فہمی دور کرنے کی بھی پوری کوشش کی تھی لیکن ہادیہ بے وقوف یا پاگل نہیں تھی' اس نے اس کی کھلی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں۔ وہ اپنی بیوی کو جھوٹ بول کر بہلا سکتا تھا مگر ہادیہ کو نہیں...... اور اسی شام اس نے فیصلہ کرلیا۔

"نکی...... میں کل واپس جارہی ہوں طاہر کے پاس۔" ہادیہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی تختی تھی۔

"ہادی' تم نے ابھی تک دل میں اسی بات کی گرہ رکھی ہوئی ہے یقین کرو علی ابھی تک شرمسار ہیں کہ پتہ نہیں تم نے ان کے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ جبکہ وہ تو ایسا کچھ بھی سوچ نہیں سکتے' نیند میں وہ تمہیں ایقہ سمجھ بیٹھے۔" ایقہ صفائی پیش کررہی تھی۔

"مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے نکی' لیکن ایک بات میں نے اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ عورت کے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے' طاہر مجھے ڈانٹیں' ماریں لیکن ان کا نام ہی معاشرے میں میری عزت کی ضمانت ہے۔" ہادیہ نے سر جھکا کر کہا۔ وہ اسے یہ نہ کہہ سکی کہ شوہر سے دور رہ کر خود پر بری نظر ڈلوانے سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے گھر میں رہ کر اس کے جوتے کھالیے جائیں۔ یوں بھی جب شادی ہوجاتی ہے تو عورت کو خودداری' انا' خود آگاہی اور عزت نفس کے پاٹ بھول جانا چاہیے۔ اسی میں اس کی عافیت ہوتی ہے۔ اس نے خود کو بہت اچھی طرح باور کروالیا تھا اور اگلی صبح سامان کے نام پر جو چند پرانے جوڑے اس کے پاس تھے سمیٹے اور واپسی کے لیے عازم سفر ہوگئی۔ ...... پر دروازہ کھلا ملا تھا' گھر کا بھی اور شوہر کے دل کا بھی۔ اس ...... تمام رنجشیں اور شکوے بھلا کر اسے خود میں

سمیٹ لیا اور ہادیہ کو ایسا لگا تھا جیسے جلتی ہوئی آگ پر کسی نے شبنم کے قطرے ڈال دیے یا پھر کڑی دھوپ کی تمازت میں طویل آبلہ پائی کا سفر طے کرکے اچانک سائبان مل گیا۔ اس کے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے ہادیہ نے دل ہی دل میں خود کو یقین دلایا کہ اس کی گمشدہ جنت یہیں ہے۔ اسے اپنی خوشیاں یہیں تلاشنی ہوں گی۔

......□......

دو دن گزرے تھے کہ ایقہ کی کال آگئی اور اس کال نے ہادیہ کے ہوش و حواس معطل کردیے۔ ایقہ کی رشتے کی نند انہی دنوں ان کے گھر پر تھی جن دنوں ہادیہ وہاں تھی ہادیہ کے آنے کے دو دن بعد اچانک ان کو یاد آیا کہ ان کی سونے کی چوڑی گم ہوئی ہے اور حساب کروانے پر ہادیہ کا نام نکلا ہے۔ اپنی ہی بہن کے اجنبی اور مشکوک لہجے پر ہادیہ کا دل خون ہوگیا۔ کسی نے الزام لگایا تھا اور ایقہ نے یقین بھی کرلیا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور اذیت کیا ہوسکتی تھی۔

"مجھے افسوس ہے ہادی کہ اب میں تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھ سکوں گی۔ کیونکہ میرے سسرال والے ہی ایسا نہیں چاہیں گے اور ظاہری بات ہے میں نے پوری زندگی یہیں اسی گھر میں گزارنی ہے ناں تو مجھے ان کا خیال رکھنا پڑے گا۔ مجھے معاف کردینا۔" ہادیہ کو سپورٹ کرنے کی بجائے وہ بھی اس قطار میں جا کھڑی ہوئی تھی جن کے ہاتھوں میں پتھر تھے اور ہادیہ کی لہولہان روح کا دم گھونٹنے کے لیے یہ احساس ہی کافی تھا۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔

"واہ میرے مالک...... اس سے بڑھ کر برا اور کچھ نہیں ہوسکتا...... کبھی بھی نہیں۔ یہ آخری کڑی تھی اس دنیا کے ساتھ تعلق کی زنجیر کی اور وہ بھی ٹوٹ گئی' مجھے خود کو یقین دلانا ہے کہ میرا کوئی بھی نہیں ہے میں اکیلی ہوں اور اکیلے ہی زندگی کا یہ سفر طے کرنا ہے۔" آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرکے وہ ایک عزم سے اٹھی تھی۔

"لوگ کہتے ہیں وقت بہترین استاد ہے اور میں کہتی ہوں کہ غربت ایک ایسا مدرسہ ہے جہاں سے آپ رویوں کو پڑھنے کا ہنر سیکھتے ہیں۔"

......□......

نت نئی جگہوں پر ملازمتیں کرتے' ادھر سے ادھر دھکے کھاتے' دن ہفتوں اور مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بیتتے

چلے گئے۔ وقت اور حالات نے جہاں طاہر کے اندر تلخیاں ہی تلخیاں بھردی تھیں وہیں ہادیہ کی سہنے کی طاقت اور برداشت کو بھی ختم کردیا تھا۔ وہ اپنا علاقہ اپنے لوگ چھوڑ کر بلوچستان کے ایک دور افتادہ علاقے میں آ بسے تھے ایک ہی ادارے میں دونوں ملازمت کررہے تھے۔ گھر کے حالات بھی کسی حد تک بہتر ہوچکے تھے۔ ان گزرے سالوں نے اس کی گود میں ایک اور پھول کھلا دیا تھا اور بابا کا سایہ بھی چھن گیا تھا۔ امی البتہ پہلے ہی کی طرح اس کے بچوں کا دھیان کرتی تھیں۔ اور بابا کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے کے ہمراہ اسی کے پاس آ گئی تھیں۔ ہادیہ کا گھر‘ گھر نہیں تھا ایک چھوٹا سا مہمان خانہ تھا‘ جس میں اس کے ہمراہ چند اور ٹیچرز بھی رہتی تھیں اور اسی گھر میں اس کے اسٹوڈنٹس کا بھی باقاعدہ آنا جانا تھا۔

وقت اور حالات نے اس کے اندر محبت اور شفقت کا ایک دریا سا موجزن کردیا تھا۔ اپنے طلبہ وطالبات سے بے انتہا خصوصی لگاؤ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ ہمہ وقت ان کی مدد کو تیار رہتی۔ اس کے گھر کے دروازے ہر پل کھلے رہتے اپنے بچوں کے لیے۔ اس کا کہنا تھا کہ ایک استاد حقیقی معنوں میں اس وقت استاد بنتا ہے جب وہ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے اخلاق وکردار کی تربیت بھی کرتا ہے۔ ان کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس حوالے سے کوئی کچھ بھی سوچتا رہے وہ اس کی چنداں پروا نہیں کرتی تھی۔ رشتوں سے محرومی اور دوری نے اسے اتنا زود رنج بنا دیا تھا کہ وہ اپنے اردگرد بسنے والے ان لوگوں میں رشتے تلاش کرنے لگتی تھی جن سے اس کا کوئی خاص ربط بھی نہ تھا۔ اس کے اسٹوڈنٹ اسے استاد کم اور ماں زیادہ سمجھنے لگے تھے۔ اس کی کولیگز جن کے لیے وہ محض ان کی ہم منصب نہیں تھی ایک بڑی بہن کی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ کبھی پلٹ کر اپنے ماضی کو دیکھتی تو سب کچھ ایک خواب کی طرح لگتا تھا۔ اس نے کیسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں‘ اس کی ماں کتنی مہربان اور دردمند خاتون تھیں‘ اس نے کتنی ٹھوکریں کھائیں اپنوں کے دیئے کتنے زخم سہے پھر بھی مسکراتی رہی‘ ماضی کا خار اس کی روح میں ایسے چھید کرنے لگتا کہ وہ تڑپ جاتی۔

اسے خبر ملی تھی‘ عارف علی اس دنیا سے رخصت ہوچکا تھا‘ مرتے سے کسمپرسی کی حالت تھی اس کی‘ بے انتہا تنہائی اور مایوسی کے عالم میں وہ اس دنیا سے گیا تھا۔ محلے کے چند لوگوں سے بعد میں پتہ چلا وہ رات کے اندھیرے میں رویا کرتا تھا اور ماہین کو پکارتا تھا۔

”بیٹا تم کہاں ہو...... دیکھو مجھے کوئی پانی کا نہیں پوچھتا‘ کسی کو میرا کوئی خیال نہیں ہوتا‘ میں بہت اکیلا ہوں‘ بہت تنہا‘ میں جینا نہیں چاہتا۔“ اور ایسے ہی ایک دن اس کا دل بند ہوگیا تھا۔ ایک تاریک باب کی طرح بند ہوکر مٹی میں دفن ہوگیا تھا وہ۔

پھر اسے پتہ چلا تایا ابو بھی دنیا سے چلے گئے‘ اس رات وہ بلک بلک کر روئی تھی۔ اسے پوری دنیا سے الگ ہوجانے‘ ہر رشتے سے بچھڑ جانے پر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا جتنا تایا ابو کے دنیا سے جانے کا۔ اس انسان نے ان لمحوں میں اس کا ہاتھ تھاما تھا جب سگے باپ نے بھی پروا کرنی چھوڑ دی تھی۔ اپنا آرام وسکون تج کر وہ ہادیہ کے قدم سے قدم ملا کر چلتا رہا تھا۔ وہ اپنے تایا ابو کی مہربانیاں اور ان کے ساتھ کو کبھی بھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس دن اسے لگا اب اس کی پشت پر کسی کا ہاتھ نہیں ہے‘ اس کے لیے دعا کرنے والا اب کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ یہ باقی رشتے تو دنیا کی سجاوٹ تھے‘ بس سامنے آگئے تو مسکرا کر بات کرلی‘ ورنہ کبھی یاد کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی‘ ان رشتوں پر کیسا مان‘ کیسا بھروسہ......؟

......

”مس کیا میں آپ کا نمبر مانگ سکتا ہوں۔“ بے انتہا نرم اور دھیمی آواز پر ہادیہ نے سر اٹھا کر دیکھا‘ سیونتھ اسٹینڈرڈ کا حماد خان اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

”کیوں نہیں بیٹا...... لایئے کاغذ میں لکھ دیتی ہوں۔“ ہادیہ نے اس کے پیپر کلپبر پر موجود پیج پر اپنا نمبر لکھ دیا۔

”بی کیئرفل بیٹا‘ میرا نمبر دھیان سے سنبھال کر رکھیے گا‘ کسی کو بھی میری پرمشن کے بغیر نہ دیجیے گا۔“

”ان شاء اللہ مس‘ کسی کو نہیں دوں گا۔“ وہ کہہ کر مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ہادیہ کا نمبر بہت کم بچوں کے پاس تھا۔ صرف وہی بچے جو اس کے گھر آتے تھے اور دل سے اسے اپنی ماں کی جگہ رکھتے تھے۔ حماد خان بھی ان بچوں میں شامل تھا۔ انتہائی لائق‘ ذہین‘ خاموش طبع اور سلجھا ہوا بچہ‘ جو خود بخود ٹیچر کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالیتے ہیں۔ وہ بھی ایک ایسا ہی بچہ تھا۔ کبھی کسی کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی نہ کلاس فیلوز سے لڑائی جھگڑا نہ کام میں کوتاہی‘ وہ ہر روز گھر آنے لگا‘ ہادیہ کے

بچوں کا پیارا سا بھیا بن گیا۔ گھر کے ایک فرد کی حیثیت اختیار کرنے لگا۔ ہادیہ فارغ اوقات میں پڑھائی میں اس کی مدد کرتی اور وہ بھی کچھ دیر پڑھ کر کچھ دیر بچوں کے ساتھ کھیل کود کر اپنے گھر چلا جاتا۔ وہ اس قدر معصوم اور دل موہنے والا بچہ تھا۔ دھیرے دھیرے ہادیہ کے دل میں اس کے لیے بے پناہ ممتا اور شفقت بھرتی چلی گئی۔ وہ ایک روایتی پٹھان گھرانے کا فرد تھا اور بہن بھائیوں میں سب سے بڑا۔ وہی محبت جو اپنے چھوٹے بہن بھائیوں میں بانٹتا تھا' اسی کا کچھ حصہ ہادیہ کے بچوں کے لیے بھی مخصوص ہوگیا۔ اس نے ہادیہ کو ٹیچر کہنا چھوڑ دیا امی جان کہنے لگا اور ہادیہ کو بھی اس سے ایسا ہی والہانہ پیار محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس کی اپنی اولاد ہی ہو لیکن وہ بے خبر یہ نہ جان سکی کہ اس کے اردگرد رہنے والے سب لوگ اور اس کے بہت قریبی لوگ بھی اس کے اس والہانہ پیار کو جانے کس نظر سے دیکھ رہے تھے۔

ان دنوں طاہر کو کسی بات پر شدید غصہ آیا اور اس نے پہلی بار ہادیہ پر ہاتھ اٹھایا۔ ہادیہ بس حیرت وصدمے کے مارے گنگ ہوگئی۔ وہ تو کبھی توقع بھی نہیں کرسکتی تھی کہ طاہر اس پر ہاتھ اٹھائے گا۔ جب بھی کوئی اسے کہتا طاہر بھائی بہت سخت مزاج اور غصے والے ہیں۔" تو وہ ہمیشہ مسکرا کر کہا کرتی تھی۔

"یہی تو ان کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔ مجھے ان کا تلخ لہجہ بھی پسند ہے مگر وہ روایتی شوہر نہیں ہیں آج تک انہوں نے بدکلامی کی نہ ہی مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔" جن لوگوں کے سامنے وہ بڑے دھڑلے سے یہ سب کہا کرتی تھی ان لوگوں نے اس رات اس کی چیخ وپکار سن لی تھی' اس کا مان' بھروسہ' یقین' اعتبار' توقعات ہر چیز اپنی موت آپ مرگئے تھے۔

اس سے پہلے بھی دو بار طاہر شکیل اسے گھر اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا اور پھر کچھ دن بعد لوٹ آیا تھا۔ مگر اس بار اس نے ہادیہ کو جیتے جی ختم کردیا تھا' ہادیہ کو شادی کی پہلی رات یاد آگئی جب طاہر کی ڈھیروں ہدایت کے جواب میں اس نے محض اتنا کہا تھا۔

"مجھے آپ کا کہا ہر لفظ قبول ہے آپ جو چاہیں گے میں ویسا کروں گی' بدلے میں آپ سے صرف اتنا چاہوں گی کہ مجھے بھی کسی کے سامنے برا بھلا نہ کہیے گا اور مجھ پر ہاتھ نہ اٹھائیے گا۔ عورت پر ہاتھ اٹھانے والے مرد بہت بزدل ہوتے ہیں۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا' ریت کی دیوار پر ہاتھ اٹھانا ایک جیسا عمل ہے...... اتنا یاد رکھیے گا' جس دن آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا' اس دن کے بعد میں آپ کے گھر میں نہیں رہوں گی' میں گھر چھوڑ کر جانے کا نہیں کہہ رہی ہاں میں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں ہوں گی۔" اور طاہر نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا ہادی' کبھی بھی نہیں' میں آپ پر ہاتھ اٹھاؤں یہ ممکن ہی نہیں۔ آپ اپنی زندگی میں اب تک جتنی تکلیف سہہ چکی ہیں میرے بس میں ہو تو میں ان تکالیف کا عکس بھی آپ کی ذات پر سے مٹادوں۔ کجا کہ میں خود آپ کو اذیت دوں۔" اور آج اسی نے اس کے پندار کے پرخچے اڑادیے تھے۔ اگلے دن اپنے دکھتے وجود کو ایک بار پھر اکٹھا کرکے مسکراتے ہوئے اس نے اسکول میں قدم رکھا تو اس کی کولیگز کی آنکھوں میں اس کے لیے آنسو تھے لیکن وہ تو پتھر بن چکی تھی۔ آنسو آنکھوں کی پتلیوں میں برف کی طرح جم گئے تھے سب کی سنتی رہی' مگر کچھ نہیں بولی اور بولنے کو اس کے پاس تھا بھی کیا۔ اپنی بے وقعتی کا ماتم تو اس کی روح اس کے وجود کے اندر بپا کرتی تھی۔ اندر اتنا واویلا تھا کہ باہر کی صدائیں کچھ کہتی ہی نہیں تھیں۔ روٹین کے مطابق پیریڈ لیتی رہی' پیریڈ ختم ہونے پر کلاس سے باہر نکلی تو حماد خان اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"امی جان...... آپ کے چہرے اور بازو پر یہ چوٹوں کے نشان کیسے ہیں؟"

"کچھ نہیں بیٹا...... وہ تم نے دیکھا تو ہے جہاں پانی کا نل لگا ہوا ہے وہاں اردگرد اکثر کیچڑ ہوجاتا ہے۔ رات پانی بھرتے پھسل کر گرگئی' پاس پڑی اینٹ کا کنارہ چہرے پر لگ گیا' کچھ خاص چوٹ نہیں ہے ٹھیک ہوجائے گی' تم کلاس میں جاؤ سر امان آرہے ہیں پیریڈ لینے کے لیے۔" جھوٹی سچی کہانی گھڑ کر بچے کو مطمئن کرکے وہ وہاں سے اسٹاف روم میں چلی آئی اور یہ اس کی خام خیالی ہی تھی کہ وہ اپنے بچے کو مطمئن کرچکی ہے کیونکہ دن بدن حماد خان کی بڑھتی ہوئی محبت اور اس کا احساس اسے باور کرارہا تھا کہ وہ بچہ اس کے لیے اپنے دل میں بے انتہا احساس رکھتا ہے۔ انہی دنوں طاہر اپنے کسی کام سے اپنے دوست کے پاس راولپنڈی چلا گیا۔ اسے جانے کے لیے کچھ رقم کی ضرورت تھی ہادیہ نے پاس رکھے سارے پیسے اٹھا کر اسے دے دیے بعد میں گھر کے خرچ کے لیے تنگی ہوگئی' اس

شام حماد خان خاصی دیر تک بچوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔
"امی جان...... کافی دیر ہوگئی ہے پھر لائٹ بھی چلی جائے گی آپ نے بچوں کے لیے کھانا نہیں پکایا؟"
"ارے بیٹا جی...... پک جائے گا کھانا بھی' کوئی مسئلہ نہیں۔" ہادیہ نے اسے ٹال کر خود کو کسی اور کام میں مصروف ظاہر کرنے لگی تو حماد خان' چپکے سے باورچی خانے میں چلا آیا اور یہاں آ کر اس پر کھلا کہ گھر میں پکانے والی کوئی چیز تھی ہی نہیں' اسے بے حد تکلیف ہوئی' آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی خاموشی سے وہ گھر سے باہر چلا گیا۔
"ماہ رو...... بیٹا بھیا کہاں ہے؟" ہادیہ نے برآمدے میں بیٹھی ماہ رو سے پوچھا۔
"وہ تو چلے گئے ماما۔"
"نہیں...... نہ سلام دعا کی نہ مل کر گیا' کمال کے بچے ہیں آج کل کے بھی۔" وہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔
"ماما...... مجھے بھوک لگی ہے۔" شازم اس کے پاس آ گیا۔ وہ بھوک کا بہت کچا تھا۔ چھوٹا بھی تھا۔
"او ماما کی جان...... بس ابھی پکاتی ہوں۔" ہادیہ کہہ کر کچن میں آ گئی لیکن بے حد فکر مند تھی کیونکہ گھر میں کچھ بھی نہیں تھا اور وہ کتنی دیر تک بچوں کو بہلا سکتی تھی ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ کھٹکا ہوا اس نے سر اٹھا کر دیکھا کچن کے دروازے پر کھڑا حماد خان دکھائی دیا' کندھے پر آٹے کا تھیلا' ہاتھ میں گھی اور سبزیوں' دودھ کے پیکٹ کا شاپر پکڑے' ہادیہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"میں آپ سے کوئی بات نہیں کروں گا امی جان۔ میں ناراض ہوں آپ سے۔" سامان کچن میں رکھ کر وہ پلٹ گیا۔
"کیوں بیٹا...... مجھ سے ناراض کیوں؟"
"سر طاہر آپ کو یہاں چھوڑ کر گئے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہ ہم سب مل کر آپ کا خیال رکھ لیں گے لیکن آپ اپنی کوئی پریشانی ہمیں نہیں بتاتی ہیں۔ آج ہم سب کھانا کھا لیتے اور یہاں میری ماں اور میری چھوٹی سی بہن اور بھائی بھوکے رہ جاتے۔ تو کیا ہم خود کو معاف کر سکتے تھے آپ نے بہت غلط کیا امی جان آپ نے ہمیں یہ احساس دلایا کہ ہم سب آپ کے کچھ نہیں لگتے۔ منہ بولے رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" وہ سر جھکائے بولے گیا۔
"ارے...... ارے بس کرو' کیا بولے جا رہے ہو بیٹا...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں بس یہ سوچ کر چپ تھی کہ کیا کروں' تم تو خود بچے ہو اپنی ہر ضرورت کے لیے والدین پر انحصار کرنے والے' میں تمہیں یہ سب کہہ کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی میرا بچہ......" ہادیہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"مجھے پتہ تھا تمہیں علم ہوگا تو تم جہاں سے بھی ہو کھانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کرتے اور میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔"
"اگر آپ مجھ پر بھروسہ کر کے یہ کہتیں ناں امی جان کہ حماد بیٹا گھر میں آج کچھ بھی نہیں ہے اپنی ماں اور ان ننھے بھائی بہن کے کھانے کا انتظام آج تمہارے ذمے ہے تو یقین کریں مجھے زیادہ خوشی ہوتی اور آئندہ میں آپ سے پوچھوں گا نہیں خود باورچی خانے میں آ کر دیکھ لیا کروں گا۔ بس بات ختم۔" اس کے لہجے میں بھی بھی شکایت تھی لیکن ہادیہ نے بالآخر اسے منا ہی لیا۔ اس رات حماد کھانا بھی ان کے ساتھ کھا کر اپنے گھر گیا' کبھی کبھی جب وہ زیادہ دیر تک بیٹھا رہتا تو ہادیہ اسے گھرکتی۔
"حماد...... اب اٹھو بیٹا اپنے گھر جاؤ' تمہاری ماں تمہاری راہ دیکھ رہی ہوگی۔" تو وہ مسکرا دیتا۔
"میری ماں کے میرے علاوہ پانچ بیٹے' دو بیٹیاں ہیں امی جان...... میری راہ دیکھنے کی اس کے پاس فرصت نہیں ہوتی یوں بھی مجھے اس گھر سے زیادہ آپ سب کے درمیان زیادہ سکون اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔" اس کے جواب پر وہ خاموش ہو جاتی۔ وہ ہادیہ کو زیادہ دیر خاموش نہیں رہنے دیتا تھا۔ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے اسے ہنساتا رہتا' وہ کوئی کام کر رہی ہوتی تو بھاگ کر اس کا ہاتھ بٹانے کو آ جاتا' ہادیہ ہنستی رہتی۔
"تمہیں تو بیٹی ہونا چاہیے تھا حماد' بھولے سے لڑکا بن گئے تم۔"
"ارے امی جان...... تھری کلاس سے میں اپنا یونیفارم خود دھوتا اور پریس کرتا آ رہا ہوں اور اپنے سب سے چھوٹے بہن بھائی کو تو پالا ہی میں نے ہے۔ تبھی تو میں آپ سے کہتا ہوں میں صرف آپ کا بیٹا نہیں بیٹی بھی ہوں اور سہیلی بھی ہوں' یہ جو آپ کی آنکھوں میں ایک اداسی ہے ناں' یہ ختم کرنے کے لیے اللہ نے مجھے آپ کی زندگی میں بھیجا ہے' آپ اپنا ہر دکھ مجھ سے کہا کریں کچھ بھی سوچ کر اپنے دل پر بوجھ مت ڈالا کریں۔ میں ہوں ناں آپ کا بیٹا بھی ہوں' سہیلی بھی' بہن بھی اور بھائی بھی۔"
"اتنی ہمہ گیر شخصیت چھپی ہے تمہارے اس ننھے سے وجود

میں۔" ہادیہ مسکرا دیتی وہ اتنا بڑا نہیں تھا مگر بے حد سمجھدار اور حساس بچہ تھا۔ معاملات کو سمجھنا اور پریشانیوں کو مل جل کر حل کرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ ایک دو بار ہادیہ اکیلے بینک تک گئی تو اسے یہ بات بھی اچھی نہیں لگی۔

"امی جان آپ نے کہیں بھی جانا ہو مجھے انفارم کر دیا کریں میں خود آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ یہ علاقہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں عورتیں کھلے عام آ ئیں جائیں۔ اس لیے احتیاط لازم ہے۔" اور ہادیہ نے اس کے ہمراہ آنا جانا شروع کر دیا وہ کہیں بھی جاتی، طاہر کو بتا دیتی کہ حماد میرے ساتھ جا رہا ہے اور طاہر کو کبھی بھی اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ مطمئن ہو جاتا کہ چلو ہادیہ اکیلی تو نہیں جا رہی کم از کم۔

طاہر کی گھر واپسی کے بعد بھی حماد کی روٹین وہی تھی وہ کافی دیر تک بیٹھا رہتا باتیں کرتا رہتا بچوں کے ساتھ کھیلتا رہتا نماز کا بے حد پابند تھا وہ اور ہادیہ کو اس کے لیے جائے نماز بچھانا بہت اچھا لگتا تھا۔ اذان ہوتے ہی وہ بس اتنا کہتا۔

"امی جان...... جائے نماز۔" اور ہادیہ اس کے لیے جائے نماز بچھا دیتی۔ گزرتے دن کے ساتھ ساتھ طاہر کو حماد کی آمد تھوڑی ناگوار گزرنے لگی لیکن وہ ہادیہ کو منع نہیں کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہادیہ اسے اپنے بچوں کی طرح چاہتی ہے۔ اس لیے محض ہادیہ کی خوشی کی خاطر وہ اپنی ناگواری کو چھپائے رکھتا۔

اسے واپس آئے کچھ دن ہی گزرے تھے کہ اسکول انتظامیہ کے ساتھ کسی بات پر طاہر کی تلخی ہو گئی۔ طاہر اپنی جگہ بالکل ٹھیک موقف رکھتا تھا لیکن پرنسپل صاحب کو اس کی بات ٹھیک سے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس تلخی کا نتیجہ نوکری ختم ہونے کی صورت میں نکلا۔ طاہر نے خود تو جاب چھوڑی ہی اپنے دیگر ان کولیگز کو بھی جاب چھوڑنے کا کہہ دیا جو اس کے گھر میں مقیم تھے ظاہر ہے ہادیہ نے بھی جاب چھوڑ دی۔ اس طرح بیک وقت پانچ افراد ملازمت چھوڑ کر گھر بیٹھ گئے۔ یہ علاقہ اپنا نہیں تھا نہ یہ لوگ اپنے تھے، گھر تک ادارے کی طرف سے ملا ہوا تھا، پرنسپل کے ساتھ بے حد اچھے تعلقات یک دم اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ اس نے گھر چھوڑنے کا الٹی میٹم دینے کے ساتھ ساتھ ساٹھ ہزار قرض کا فوری مطالبہ کر دیا جو طاہر نے اپنے کام کے سلسلے میں لے رکھا تھا۔ ایک طرف آمدنی کا ذریعہ ختم ہو گیا۔ گھر بھی چند دن میں خالی کرنا تھا اور اتنا بڑا قرض کیسے ادا ہوگا، ہادیہ کی پریشانی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ اچانک اتنے بڑے مسائل کو کس طرح حل کیا جائے۔ سب سے پہلے ضرورت تھی مناسب نوکری کی، ہادیہ کی بھرپور کوشش سے اسے اور اس کی ساتھی کو ایک اسکول میں ملازمت مل گئی۔ اگرچہ بعد میں اسے پتہ چلا کہ اس پرنسپل نے اس اسکول کی انتظامیہ تک رسائی حاصل کر کے ان لوگوں کو دھمکایا بھی تھا کہ ہادیہ اور اس کی ساتھی کو اسکول سے نکال دیں لیکن وہ خاتون خاصی عمر رسیدہ اور نیک دل تھیں انہوں نے کسی دھمکی پر کان نہیں دھرے اور اس طرح ہادیہ کے گھر کا چولہا کسی نہ کسی طور جلنے لگا۔ اب دوسرا بڑا مسئلہ قرض کا تھا اس دن وہ فکرمند بیٹھی تھی جب حماد چلا آیا۔

"کیا بات ہے امی جان؟ آپ بہت پریشان نظر آ رہی ہیں خیر تو ہے ناں سر طاہر نے تو کچھ نہیں کہا۔"

"نہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا بیٹا مگر مجھے قرض کی فکر ہے یہ پرنسپل نے محض چند دن کا وقت دیا ہے اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے ممکن ہوگا۔"

"امی جان میرے ذہن میں ایک حل ہے اب یہ علم نہیں کہ آپ کو مناسب لگتا ہے کہ نہیں۔" حماد نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا......؟" ہادیہ عدم دلچسپی سے بولی جانتی تھی ایک بچہ بھلا اس کی پریشانی کا کیا حل کر سکتا ہے، بس اس کا دل رکھنے کو اس کی بات سن رہی تھی۔

"امی جان...... پچھلے دنوں میرے ایک رشتے دار مجھے یہیں قریبی شہر ایک شخص سے ملانے لے گئے جو ذہین بچوں کو گڈ کوالٹی ایجوکیشن کے لیے مالی مدد دیتا ہے، اس نے مجھے چالیس ہزار روپے دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اگر آپ راضی ہوں تو میرے ساتھ وہاں چلیں، میں وہ پیسے نہیں لوں گا بلکہ اس سے لے کر آپ کو دے دوں گا۔" حماد کے لہجے میں خلوص اور فکر کا رنگ گھلا ہوا تھا۔ ایک چھوٹے سے بچے کے اندر اتنی بڑی قربانی کا جذبہ ہادیہ کی پلکیں نم کر گیا۔

"نہیں بیٹا...... وہ تو تمہارا حق ہے میں جانتی ہوں تمہارے والد ایک سفید پوش انسان ہیں وہ پیسے تم اپنی پڑھائی پر خرچ کرو تم ایک محنتی بچے ہو تمہیں آگے بڑھنے کا موقع ملنا چاہیے۔"

"امی جان...... میں ان پیسوں کو لے کر فی الحال کیا کروں گا ابھی مجھے اس رقم کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی آپ کو ہے اور میں آپ کا بیٹا ہوں، وہ رقم میں خرچ کروں یا آپ، بات تو ایک ہی ہے ناں۔ بس مجھے نہیں پتہ آپ سر طاہر سے بات کر کے

انہیں منائیں پھر میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

ایک بچے کے اصرار پر ہادیہ جو اس وقت بے تحاشہ پریشانی سے گزر رہی تھی مان گئی اور کسی نہ کسی طرح اس نے طاہر کو بھی منالیا اور ایک صبح حماد کے ساتھ وہ قریبی شہر کے لیے روانہ ہوگئی۔ ایک وسیع وعریض گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو گھر کی خواتین نے خوش اخلاقی سے خیر مقدم کیا۔ ملک عاصم اس علاقے کا ملک تھا بے حد دولت مند' مسلم ٹاؤن کا ایک جانا مانا ہوا شخص' وہ گھر پر نہیں تھا۔ اس کے گھر والوں نے اپنی طرف سے پوری مہمان نوازی کی۔ ہادیہ نے ملک عاصم کی بہن کے سامنے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تو اس نے تسلی دی کہ شام تک بھائی گھر آجائے گا تب آپ ان سے بات کر لیجیے گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ آپ کی مدد کریں گے۔ پورا دن گزر گیا شام ہوگئی۔ ملک عاصم کو جانے کس نے فون کر کے الٹا سیدھا بتایا کہ اس نے گھر والوں کو فون کر کے کہا کہ جو مہمان آئے ہوئے ہیں ان سے کہو وہ چلے جائیں' گھر کی خواتین خود بھی خاصی شرمندہ تھیں لیکن ظاہر ہے اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ مغرب کی اذانیں ہورہی تھیں جب حماد ہادیہ کو لے کر اس گھر سے نکلا۔ اس وقت کوئی گاڑی دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"حماد...... بچے ہم لوگ اس وقت کہاں جائیں گے۔ یہاں تو کوئی بھی ہمارا جاننے والا نہیں ہے اور شہر سے باہر کی طرف سے گاڑیاں بھی نہیں گزر رہیں۔" ہادیہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی پریشانی تھی۔

"امی جان...... آپ پریشان نہ ہوں میں کچھ کرتا ہوں۔" حماد خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک بڑی پریشانی میں گھر گئے تھے۔ اسی اثنا میں اسے اپنے پیچھے بہت ہلکی رفتار سے ایک لینڈ کروزر آتی دکھائی دی۔

"امی جان...... پیچھے مڑ کر مت دیکھیے گا' مجھے لگتا ہے ملک عاصم کے لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

"ہمارا پیچھا کر رہے ہیں...... !مگر کیوں بچے......؟" ہادیہ مزید گھبرا گئی۔

"امی جان...... یہ وقت گھبرانے کا نہیں ہے۔ ہمت سے کام لیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔" حماد ہادیہ کا ہاتھ تھام کر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ دور سے کچھ روشنیاں دکھائی دیں تو ان کے قدموں میں تیزی آگئی۔

"لگتا ہے کوئی ہوٹل یا سرائے ہے۔ وہاں پہنچ کر کچھ سوچتے ہیں۔" حماد کے کہنے پر ہادیہ بھی تیز قدم اٹھانے لگی۔ مسلسل چلنے کی وجہ سے پیروں میں بے تحاشا درد ہورہا تھا اور پاؤں میں آبلے بن گئے تھے۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جارہا۔" ہادیہ کراہ کر بولی۔

"بس تھوڑا دور اور...... امی جان پلیز حوصلہ رکھیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرے ذہن میں ایک حل آرہا ہے' ہم اپنے علاقے کے ملک کو فون کر دیتے ہیں ان کا ضرور یہاں کوئی جاننے والا ہوگا' اس بے وقت کی مصیبت سے ہمیں نکالنے کی کوئی نہ کوئی سبیل کرلیں گے وہ۔" روشنیوں کے قریب آتے ہی بڑا سا ہوٹل دکھائی دیا۔ ہادیہ باہر لگے درخت کے نیچے پتھر پر بیٹھ گئی۔ وہ لینڈ کروزر بھی کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔

خوش قسمتی سے حماد کے سیل فون میں تھوڑا سا چارج ابھی باقی تھا اور اپنے علاقے کے ملک کا نمبر بھی۔ اس نے کال کر کے بے حد مہذب الفاظ سے اپنے ملک کو بتایا کہ وہ اس وقت کس پریشانی میں ہے۔

"سر...... میں اکیلا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی میرے ساتھ ایک فی میل ہیں میری ٹیچر اور مجھے خود سے زیادہ ان کی فکر ہے۔"

"ٹھیک ہے بچے تم پریشان نہیں ہو میں ابھی وہیں سے کسی کو بھجواتا ہوں وہ تم لوگوں کو بحفاظت گھر تک پہنچا دے گا۔" ملک فیاض نے بات کر کے کال کاٹ دی۔

"امی جان...... میری بات ہوگئی ہے آپ فکر نہیں کریں ابھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہوجائے گا۔" حماد خاصا پرامید تھا اور ٹھیک ہی تھا کیونکہ محض پانچ منٹ بعد ہی ملک فیاض کی کال آگئی تھی۔

"کچھ دیر تک سفید ٹوڈی ہوٹل کے بالکل سامنے آجائے گی بزرگ سے آدمی ہیں حاجی صاحب۔ انہیں اپنا تعارف کرا دینا' وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ ان شاء اللہ تم لوگ ان کے ساتھ سکون سے واپس آجاؤ گے۔"

"جی سر۔" حماد نے فون بند کردیا۔

"امی جان...... اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ ابھی کچھ دیر میں ملک صاحب کا آدمی ہمیں یہاں سے لے جائے گا۔" حماد کے کہنے پر ہادیہ نے سکون کا سانس لیا ورنہ سیل فون کی بیٹری ڈیڈ ہونے کے بعد سے وہ طاہر کی طرف سے بھی بے حد فکر مند تھی اور اب حماد کا سیل فون بھی بند ہوگیا تھا۔

وائٹ ٹوڈی روڈ کے دوسرے کنارے پر آ رکی تھی۔ حماد جا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص سے بات کرنے آ گیا۔

"امی جان آ جائیں...... وہی ہیں۔" ہادیہ نے جلدی جلدی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ہادیہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور حماد بیٹھ رہا تھا جب اچانک لینڈ کروزر سے تین چار گن بردار مسٹنڈے باہر نکل کر تیزی سے آگے بڑھے وہ پشتو میں گالیاں دیتے ہوئے حماد کو بالوں سے پکڑ کر گاڑی سے باہر گھسیٹ رہے تھے۔ حاجی صاحب اور ہادیہ کے چلانے کی پروا کیے بنا انہوں نے حماد کو دونوں بازوؤں سے پکڑا اور زبردستی کھینچتے ہوئے اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ اس قدر آنافانا ہوا تھا کہ ہادیہ کے حواس مختل ہوگئے۔ حاجی صاحب نے پوری رفتار سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ہادیہ چند ثانیے کے لیے تو جیسے حواس باختہ سی تھی پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گئی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں......؟"

"تمہیں تمہارے گھر پہنچانے؛ جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔" وہ بہت مشاقی سے سامنے دیکھتے ہوئے پوری رفتار سے گاڑی بھگا رہا تھا۔

"لیکن میں اپنے بچے کو لیے بنا یہاں سے نہیں جاؤں گی؛ کسی صورت نہیں آپ گاڑی واپس موڑے پلیز......"

"تم...... تم پاگل تو نہیں ہوگئیں۔" حاجی صاحب کو اس کی عقل پر شبہ ہوا۔

"جو بھی ہو سر میں حماد کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ پلیز آپ گاڑی واپس موڑیں مجھے گھر نہیں جانا۔"

"تم واقعی پاگل ہو دیکھو وہ لڑکا پٹھان ہے یہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑیں گے لیکن اتنا یاد رکھنا اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئی تو شاید پھر کبھی تمہارے گھر والے تمہارا پتہ نہ پاسکیں۔ تمہارے ٹکڑے کرکے رکھ دیں گے یہ لوگ' بے وقوف مت بنو۔"

"نہیں سر...... میں اس بچے کو یہاں لانے کی ذمہ دار ہوں میں اگر چلی گئی تو اس کے ماں باپ کو کیا جواب دوں گی۔ اس وقت ان حالات میں' میں اسے کسی صورت اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے کہنے پر واپس موڑ رہا ہوں گاڑی' اب جو بھی نتیجہ ہو اس کی ذمہ دار تم خود ہوگی اور دوسری بات میں تمہیں ملک کے دفتر نہیں تھانے ڈراپ کردوں گا آگے کے

مسائل تم جانو پولیس جانے اور وہ ملک عاصم جانے۔" حاجی سخت کبیدہ خاطر تھا' ہادیہ کی ضد کی وجہ سے' لیکن ہادیہ جانتی تھی کہ حماد ہر مشکل وقت میں اس کے ساتھ کھڑا رہا تھا آج اس پر مشکل وقت آیا تو وہ کس طرح اپنا دامن بچا کر بھاگ نکلتی۔ بچے والدین کی حفاظت نہیں کرتے' والدین کا فرض ہوا کرتا ہے مشکل اور پریشانی میں اپنے بچوں کو تحفظ دلانا۔

حاجی اسے تھانے ڈراپ کرکے چلا گیا۔ تھانیدار خاصا سلجھا ہوا انسان لگ رہا تھا' اس نے ہادیہ سے جو بھی سوال کیے' ہادیہ نے سچ سچ سب کچھ بتادیا۔ تھانیدار نے ملک عاصم کو فون کرکے حماد کے صحیح سلامت ہونے کی تصدیق بھی کرلی اور ملک عاصم کے کہنے پر اپنی پولیس موبائل میں ہادیہ کو ملک عاصم کے آفس میں لے گیا' جہاں وہ حماد سے پوچھ گچھ کرچکے تھے بعد میں ہادیہ سے بھی وہی سوال کیے گئے ان کی یہاں آمد کا اصل مقصد پوچھا گیا تو ہادیہ نے بھی وہ بتایا جو حماد بتاچکا تھا۔ کیونکہ یہی سچ تھا' وہ اپنی پریشانی لے کر ملک کے پاس آئے تھے اس سے قرض یا پھر مالی امداد کے لیے' اس کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ ملک عاصم نے اسی دورانیے میں ہادیہ کے اسکول کے پرنسپل اور حماد کے والد اور اس کی فیملی کے کچھ بااثر لوگوں کو بھی بلالیا تھا تاکہ معاملے کی مزید جانچ پڑتال کی جاسکے۔ پریشانی میں اٹھایا گیا ایک بے سوچا سمجھا قدم ہادیہ کو آج ایک ایسے دوراہے پر لے آیا تھا' جس پر ایک طرف حماد اپنے خاندان بھر میں بداعتمادی اور بے اعتباری جھیلنے کے لیے کھڑا تھا تو دوسری طرف ہادیہ کی ایک طویل عرصے کی کمائی ہوئی عزت داؤ پر لگ گئی تھی۔ ملک عاصم نے بذات خود اس سے معافی مانگی تھی۔

"آپ کا اس طرح آکر بے مقصد پورا دن ہمارے گھر میں گزارنا' اور پھر پیدل ہی یہاں سے روانگی نے ہمیں شک میں ڈال دیا۔ مزید شک کو تقویت اس وقت ملی جب آپ ہمارے ایک اینٹی گروپ کے بندے حاجی کی گاڑی میں جا بیٹھے تو ہم نے یہی سمجھا کہ سب کچھ پلان کیا ہوا تھا۔ اب یہ محض اتفاقات تھے جو اس معاملے کو اس نہج تک لے آئے۔ ہم سب آپ سے معذرت خواہ ہیں' تھانیدار نے اپنے فون سے ہادیہ کی بات طاہر سے بھی کرادی اور ہادیہ نے اسے تسلی دے دی کہ اب حالات بہتر ہیں۔ رات کے دوسرے پہر پرنسپل حماد اور اس کے والد کو اس کے گھر پر اور ہادیہ کو اس کے گھر پر ڈراپ کرکے گئے۔ مسلسل گریہ اور آہ و زاری نے ہادیہ کی حالت بری کردی تھی۔ اس کے باوجود اس نے گھر آکر الف سے ی تک ساری بات طاہر کو کہہ سنائی لیکن اگلے دن کا سورج حماد کے لیے بے پناہ پابندیاں لے کر آیا تھا اور ہادیہ کے لیے بہت سی رسوائیاں۔ حماد کے والدین نے اس کے اسکول جانے پر پابندی لگادی تھی اور گھر سے نکلنے پر بھی اور دوسری طرف پرنسپل صاحب نے آتے ہی پورے علاقے میں یہ مشہور کردیا کہ ہادیہ اسکول کے ایک بچے کو یونیفارم میں دوسرے شہر لے کر گئی اور اس کا قرض اتارنے کے لیے اسکول کے نام پر چندہ اکٹھا کرتی رہی۔ لوگوں سے بھیک اور خیرات مانگتی رہی۔ ہادیہ کی زندگی کا بدترین دور تھا یہ...... گھر بدر کردیے جانے کے بعد طاہر نے ہادیہ سے کہا کہ کسی بھی طرح مجھے اپنے علاقے میں جاکر پیسوں کا بندوبست کرکے آنا ہوگا۔ یہاں اگر ہم اسی طرح بیٹھے رہے تو دی گئی مہلت ختم ہوجائے گی اور پرنسپل کو مزید ہماری توہین کرنے کا موقع ہاتھ لگ جائے گا اور ہادیہ نے طاہر کو خوشی جانے کی اجازت دے دی۔ صبح بچوں کو گھر میں بند کرکے وہ اور اس کی ساتھی مائرہ اپنی جاب پر چلی جاتیں' ہر طرح کی کوشش کے باوجود وہ کچھ بھی نہیں کرپارہی تھی اور مہلت کے دن گزرتے جارہے تھے۔ ایک دن ادیبہ سے فون پر حال احوال ہوگیا' اس نے معذرت کرلی کہ میں نے سب کے کہنے میں آکر تم سے اس طرح بات کی مجھے معاف کردو اور ہادیہ کا دل تو تھا ہی روئی کے گالوں سا نرم اور ادیبہ کے لیے تو اس کے دل میں بے حد گنجائش تھی اور وجہ وہی مہربان ممتا بھری آنکھیں تھیں جو آخری لمحوں میں بس اس کی طرف امید سے دیکھتی رہی تھیں۔ بے شک ان آنکھوں کی جوت بجھے ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا مگر وہ آج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس کے دل کے نہاں خانوں میں جگمگا رہی تھیں۔ ان آنکھوں کی امید کبھی نہ ٹوٹے' بس یہ سوچ کر وہ ادیبہ کو کبھی بھی کوئی دکھ نہیں دے سکتی تھی' ورنہ اسے ادیبہ سے شکایتیں تھیں' وہ سامان جو ہادیہ کے مانگنے پر ادیبہ کو نہیں مل سکتا تھا کہ سب چچا چچیاں اس سامان کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے وہ سب کچھ ہادیہ نے ادیبہ کے گھر میں استعمال ہوتے ہوئے دیکھا تھا پھر بھی اس لیے خاموش رہی تھی کہ چلو کوئی غیر تو نہیں ہے ناں میں استعمال کروں یا میری بہن بات تو ایک ہی ہے۔ اب بھی اس کی معذرت پر ہادیہ نے کھلے دل سے نہ صرف اسے معاف کردیا تھا بلکہ پھر سے تعلق بھی

استوار کرلیا۔ ایقہ سے ہی پتہ چلا تھا کہ گل ماموں پاکستان آئے ہوئے ہیں امید ایک دم سے جی اٹھی تھی۔ دوبار ماں...... ماں...... پکارو تو ایک ماما (ماموں) بنتا ہے' میں اپنا دکھ اپنا درد ان کو کیوں نہ کہوں جو میرے سامنے ہیں' میں جن کا خون ہوں' پوری زندگی میں کی گئی ایک خطا تو اللہ بھی بخش دیتا ہے۔ انسان تو پھر انسان ہیں' اسے یاد آیا شازم کی دفعہ وہ بہت بیمار رہی تھی بچہ بھی کمزور تھا تو لیڈی ڈاکٹر نے اسے سیزرین لکھ کر دیا۔ ان دنوں بھی غربت پوری طرح آن وارد ہوئی تھی بڑی مشکلوں سے اسے بڑی امی کا فون نمبر ملا' طاہر سے چھپ کر اس نے بڑی امی کو فون کیا تھا۔

"بڑی امی...... میں بہت بیمار ہوں' ڈاکٹر نے بڑا آپریشن لکھ دیا ہے' کہیں سے کوئی امید بھی نہیں ہے' اس لیے آپ سے کہہ رہی ہوں اگر ہوسکے تو میری کچھ مدد کردیجیے۔" شادی کے چھ سال بعد پہلی بار اپنی ماں کی ماں کے سامنے ہادیہ نے ہاتھ پھیلائے تھے سوچا ہوگا ماں ہوتی تو کبھی رد نہ کرتی' کبھی دست سوال خالی نہ لوٹاتی تو یہ تو ماں کی ماں ہیں ناں' بہت سنا ہے اصل سے سود پیارا ہوتا ہے مگر وہ بھول گئی تھی کہ یتیم اور بے آسرا لوگوں کے لیے ساری کسوٹیوں کا' محاوروں کا معنی بدل جایا کرتا ہے' ایئر پیس سے آتی آواز اس بات کا ثبوت تھی۔

"بیٹا...... جب سے تمہارے ماموؤں کی شادیاں ہوئیں تب سے انہوں نے مجھے خرچہ دینا تک بند کردیا ہے' میں تو خود پائی پائی کے لیے دوسروں کا منہ دیکھتی ہوں میرا بچہ' اگر میرے پاس ہوتے تو پیسے کیا تم سے اچھے تھے۔" اور اسی طرح کی چند باتیں کرکے بڑی امی نے فون بند کردیا تھا' حالانکہ ایقہ کے ذریعے اسے خبر ملی تھی کہ لالا آنٹی کے گھر کی تعمیر کے سلسلے میں بڑی امی نے لاکھوں روپوں سے ان کی چھپ چھپاتے مدد کی تھی۔

اب پھر وہ ایسے مقام پر کھڑی تھی جہاں ہر امید کا در بند ہوچکا تھا۔ اس نے پھر اسی دروازے کو کھٹکھٹانے کا فیصلہ کرلیا جس دروازے پر اس کی ماں ماہین کو بڑا یقین تھا بڑا مان تھا۔ اس نے چند الفاظ میں میسج ٹائپ کرکے گل ماموں کو سینڈ کردیا اور بے تابی سے ان کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ امید واثق تھی کہ گل ماموں اس کے مسئلے کو نہ صرف سمجھیں گے بلکہ اس کی مدد بھی ضرور کریں گے۔ دن بھر بے تابی سے انتظار کرنے کے بعد آخر شام کو ان کا میسج آ ہی گیا۔ اس نے بے تابی سے میسج اوپن کیا۔

"اپنوں کے سروں کو خاک آلودہ کرکے انہیں اپنی موت مار کر چلے جانے کے بعد دوبارہ کس امید پر یہ سب لکھ بھیجا' جب فیصلہ کیا ہے تو پھر خودداری اور خودی کو سلامت رکھ کر اسے جھیلو بھی۔" لفظ تھے یا تیزاب کے چھینٹے جنہوں نے اس کی روح کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

"میری ماں...... آکے دیکھ ناں...... تیری بے اماں بیٹی کس حال میں ہے۔ بہت پیارے تھے ناں یہ سب لوگ تجھے' ان کی خوشیوں کی خاطر تو ہمیں بھی بھول جاتی تھی' راتوں کو عبادتیں کرکرکے تو نے اپنے ان رشتوں کے لیے کتنے سکھ مانگے تھے رب سے' آکے دیکھ تو سہی تیرے یہ سب پیارے تیرے وجود کے ایک حصے پر کس طرح نشتر زنی کرتے ہیں۔ کس طرح اس کی پہلے سے زخمی روح کو مزید چھلنی چھلنی کرتے ہیں۔ میری ماں...... تو چلی گئی تھی تو مجھے بھی ساتھ لیتی جاتی' کیوں چھوڑ دیا اس بے حس دنیا میں خوار ہونے کے لیے۔ کیوں' کیوں؟ رات بھر بلک بلک کر روتی رہی تھی وہ...... کتنے دن اس کے حواس ہی ٹھکانے پر نہیں آئے تھے۔ یہ اپنے ہیں...... یہ رشتے ہیں۔ ایسے رشتوں سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان کسی یتیم خانے میں ہی پل کر بڑا ہوجائے۔ کم سے کم کوئی امید کوئی توقع تو نہ بیدار ہوگی ناں اس کے دل ودماغ میں۔ خدائے بزرگ وبرتر کا وجود نہ ہوتا تو شاید یہ انسان ایک دوسرے کو چبا کر نگل ہی ڈالتے۔ برا وقت آتا ضرور ہے اور بہت کچھ سکھاتا بھی ہے اور ایک مخصوص دورانیے کے بعد آخرکار چلا بھی جاتا ہے' ہادیہ کو بھی ایک دو مہربان خواتین نے بروقت مدد کرکے مزید ذلت وخواری سے بچالیا تھا۔ پرنسپل کا قرض چکانے کے بعد اسے ایک بہتر جگہ ملازمت مل گئی اور ایک بار پھر اس کے گھر کے حالات نے بہتری کی طرف کروٹ لینی شروع کی۔ اس سارے اذیت ناک دورانیے میں حماد کی زندگی میں بھی خاصی تبدیلیاں آئیں اسے پشاور ایک ریزیڈنشل کالج میں داخل کروادیا گیا جہاں اس نے اپنی سیونتھ کلاس پاس کرلی۔ اس کے بعد اس نے اسکالر شپ کا ایگزام دیا جس میں کوالیفائی کرلینے کے بعد وہ ایک بے حد مشہور اور بہترین ادارے میں زیر تعلیم ہوگیا لیکن اس نے کسی قدم پر ہادیہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح فون کرکے وہ ماہ رو اور شازم کا' ہادیہ اور طاہر کا احوال پوچھتا رہتا۔ حالانکہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ طاہر کے دل میں اس کے لیے ناگواری

بڑھتی جارہی تھی ایک باراس نے ہادیہ کے سیل فون میں میسج دیکھ لیا جواس نے اپنی پرانی دوست مائرہ کو کیا تھا' اس سے پہلے والے میسج میں حماد سے متعلق بات چیت ہورہی تھی تو ہادیہ نے ٹیکسٹ کیا تھا۔

"ہاں مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ اگر حماد نہ ہوتا تو یہاں زندگی میں کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔"

اس سے پہلے کیا بات کی گئی تھی اس کی طرف طاہر کا دھیان نہیں گیا تھا اسے تو اس ایک جملے نے سر سے پاؤں تک زہریلا کردیا' کہ آخر حماد میں ایسا کیا ہے' کہ اگر وہ نہیں تو زندگی ختم ہوجائے گی۔

ہادیہ جواز دیتی رہ گئی کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا میرا مقصد تو یہ تھا کہ اس شہر میں پھر ہمیں وقت گزارنے کی کیا ضرورت' جہاں چاروں طرف صرف اور صرف دشمن تھے اس شہر میں خیر خواہوں کے نام پر چند بچے تھے اور ان بچوں میں ہادیہ کو سب سے پیارا حماد تھا۔ وہی حماد جو اس کے لیے اتنی اذیت سہہ چکا تھا' وہی حماد جو اتنی کم عمر میں محض اس کی وجہ سے ہاسٹل کے دھکے کھا رہا تھا' اپنے والدین' اپنے گھر والوں اور پیاروں سے دور ہوگیا تھا۔ اس کا ساتھ دینے کی سزا ہی تو ملی تھی اسے...... پھر وہ کیوں نہ اسے چاہتی...... وہ اس کے کلیجے کا وہ ٹکڑا بن گیا تھا جسے کاٹ کر الگ تو کردیا گیا تھا لیکن جو اس سے دور ہوکر بھی اس کے لیے ہمکتا تھا۔ اور جس جگہ سے اسے کاٹ کر الگ کیا گیا تھا وہ حصہ اب بھی رستا تھا' درد سے کراہتا تھا۔ یہ منہ بولا رشتہ خون کے رشتوں سے زیادہ قیمتی تھا ہادیہ کے لیے۔

ایک بار پھر اس کے ان الفاظ نے گھر بھر میں ہنگامے کی فضا طاری کردی تھی۔ طاہر شکیل نیند کی گولیاں کھا کر عجیب عجیب حرکتیں کرتا پھر رہا تھا' دو دن سے گھر کی فضا مکدر تھی' ایک بار تو اس نے کال کرکے امی کو ہادیہ کی چیخ و پکار سنوائی اسی طرح لیقہ کو بھی۔ بری طرح اس کا گلا گھونٹا' مغلظات بکیں' بچوں کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں ہادیہ اندر ہی اندر بری طرح خائف تھی۔ ایک بار پھر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ بچوں کو لے کر گھر سے چلی گئی۔ اپنی پرانی دوست مائرہ کے ہاں چند دن گزارنے کے بعد وہ لیقہ کے گھر چلی گئی' طاہر شکیل بھی جب ہوش میں آیا تو وہ بھی گھر کو تالا لگا کر پنجاب چلا گیا' ایک ماہ کے بعد اس نے ہادیہ سے رابطہ کیا' اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کیا اور ہادیہ کو واپس آنے پر اصرار کیا' لیقہ نے اسے سمجھایا کہ ہر بار تم ذلیل ہوتی ہو اور پھر سب کچھ بھول کر طاہر بھائی کے پاس چلی جاتی ہو۔ اب آخری بار طاہر بھائی سے ہم تمہاری صلح کروائیں گے اس کے بعد دوبارہ کبھی بھی تمہارے معاملات میں نہیں بولیں گے۔" ہادیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ انہی دنوں ہادیہ نے جہاں اپلائی کیا ہوا تھا وہاں سے اس کی کال بھی آگئی۔ بلوچستان کے ایک نسبتاً سلجھے ہوئے علاقے میں اسے اچھی تنخواہ پر ملازمت مل گئی تھی۔ لیقہ نے طاہر شکیل کو گھر پر بلالیا۔ تمام گلے شکوے شکایات سن کر دونوں کو ہی سمجھایا بجھایا گیا اور ایک بار پھر نئی امید کے ساتھ ہادیہ طاہر کے ہمراہ وہاں آگئی جہاں اسے اپنی ملازمت شروع کرنی تھی۔ ایک ڈیڑھ سال سکون سے گزر گیا۔ طاہر کی اپنی مصروفیات تھیں۔ رات دیر تک انٹرنیٹ پر بیٹھنا اور دن بھر سوئے رہنا۔ ہادیہ اسکول سے دو یا تین بجے گھر آتی اور آتے ہی گھر کے کاموں میں لگ جاتی۔ گھر کے کام نمٹاتی تو بچوں کو لے کر پڑھانے بیٹھ جاتی۔ اس قدر تھکا دینے والی روٹین میں طاہر کے لیے پھر شکوے کی گنجائش نکل آتی تھی کہ وہ اسے پراپر وقت نہیں دیتی اور جب پاس بیٹھتی ہے تو اتنی بیزار ہوتی ہے کہ سوائے کوفت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وہ کہہ نہ پائی کہ ایک انسان کے وجود میں جتنی گنجائش ہوتی ہے میں اس سے تین گنا زیادہ اس وجود سے کام لیتی ہوں تو ظاہر ہے اس نے تھکنا تو ہے ناں۔

اس کی ہر ضرورت کا دھیان رکھنے کے باوجود وہ خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود بے روزگار تھا' اندر ہی اندر یہ احساس کہ میں گھر میں ہوتا ہوں اور ہادیہ کام کرتی ہے اسے عجیب سے احساس سے دوچار کرنے لگا تھا۔ ہادیہ اکثر بازار سے تمام سودا سلف بھی لے کر آتی' بچوں کے ساتھ طاہر کے کپڑے جوتے ضرورت کا سامان بھی خرید کر لاتی' لیکن کہیں بھی اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ طاہر پر یا کسی پر احسان کررہی ہے۔ یہ اس کا گھر تھا' اس گھر میں اس کا شریک زندگی تھا' وہی شریک زندگی جس کے ساتھ سکھ کی زندگی جینے کے اس نے خواب دیکھے تھے۔ جس کی محبت ایک ایسی خوش رنگ تتلی تھی جس کا پیچھا کرتے کرتے وہ یہاں تک آن پہنچی تھی' اس گھر میں اس کے بچے تھے' اس کے وجود کے دو اہم حصے' جن کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتی تھی لیکن طاہر شکیل اندر ہی اندر گھٹن کا شکار ہوتا جارہا تھا' ہادیہ کی چھوٹی

چھوٹی باتوں کو وہ بہت محسوس کرتا تھا اسے لگتا ہادیہ اندر ہی اندر خود کو اس سے کہیں برتر سمجھنے لگی ہے۔ وہ جان بوجھ کر اس کی نفی کرتی ہے اس کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتی' ہادیہ کی ترجیحات بدل چکی ہیں اب اسے طاہر کی کوئی پروا نہیں رہی وہ بس اپنی نوکری گھر بار اور بچوں میں مگن اور خوش ہے۔ جبکہ ایسا ہرگز بھی نہیں تھا۔ ہادیہ جان بوجھ کر کبھی بھی ایسا کچھ نہیں کرتی تھی جس سے طاہر کے پندار نفس کو ٹھیس پہنچے وہ کبھی بھی اسے دکھ دینے کی کوشش نہیں کرتی تھی لیکن پھر بھی اس سے کوئی نہ کوئی خطا ایسی سرزد ہو جاتی جو اسے طاہر کی نظروں میں مجرم بنا کر رکھ دیتی۔ کبھی طاہر کی نیند خراب ہونے کے خدشے کے پیش نظر وہ سیل فون اٹھا کر باہر چلی جاتی اور کسی سے بات کر رہی ہوتی تو طاہر کو لگتا کہ یہ جان بوجھ کر باہر جا کر باتیں کرتی ہے میرے سامنے بات کرنا اسے پسند نہیں۔

اس روز بھی اس کی کولیگ ساجدہ اس کے پاس آئی کہ چوکیدار کی امی نے بتایا ہے یہاں کچھ فاصلے پر محلے میں ایک عورت نے کپڑوں کی دکان کھول رکھی ہے آپ میرے ساتھ چلیں بچوں کے کپڑے لے کر آتے ہیں۔ اس نے طاہر سے پوچھا جو دن بھر سونے کے بعد اسی وقت اٹھا تھا۔

"وہ ساجدہ کہہ رہی ہے یہاں سے کچھ دور ایک عورت نے محلے میں اپنے گھر میں دکان کھولی ہے' چوکیدار لالا کی امی بھی جا رہی ہیں ہمارے ساتھ کیا میں چلی جاؤں۔"

"ہاں...... مجھے کھانے کے لیے کچھ دے دیں اور آپ بے شک چلی جائیں۔"

طاہر کا موڈ ٹھیک ہی لگ رہا تھا۔ اسے کھانا دے کر بچوں کو سمجھا بجھا کر وہ ساجدہ اور خالہ کے ہمراہ اس عورت کے گھر چلی گئی۔ وہاں طاہر اور بچوں کے لیے کپڑے خریدنے کے بعد اب وہ بیٹھی دیکھ رہی تھی ساجدہ اور ہر سوٹ پر کئی کئی منٹ بحث مباحثہ کر رہی تھیں اسی میں مغرب کی اذان ہونے لگی اور ساتھ ہی طاہر کے میسج آنے شروع ہو گئے۔

"کہاں ہو...... اتنی دیر کہاں لگا دی؟" اسے تو اس جگہ کے راستوں کا علم بھی نہیں تھا وہ کیا بتاتی۔ بس یہی کہا۔

"ساجدہ اور خالہ ابھی خریداری کر رہی ہیں۔"

"تو تم وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟"

"یہ فری ہوتی ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ آتی ہوں زیادہ دیر نہیں لگے گی اب۔"

"یہ میری ڈھیل کا نتیجہ ہے جو آج تم اس وقت گھر سے باہر آوارہ گردی میں مصروف ہو۔ مجھے جگہ کا بتاؤ میں خود آتا ہوں۔"

ہادیہ نے طاہر کا یہ میسج ساجدہ کو دکھایا اور اسے کہا کہ خدارا اب بس کر جاؤ۔ اٹھو بہت دیر ہو گئی ہے' طاہر بہت غصے میں ہیں یہ نہ ہو کہ اپنا غصہ بچوں پر اتارنے لگ جائیں۔ اس کی وجہ سے ساجدہ اور خالہ نے مزید خریداری پھر کبھی پر موقوف کر دی اور واپس ہو لیں۔ گھر آئی تو طاہر موجود نہیں تھا۔ بچوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پاپا بہت غصے میں باہر گئے ہیں۔ ہادیہ بے چاری کا وجود سن ہو کر رہ گیا۔ اس نے ساجدہ اور خالہ کو روک لیا۔

"کیا آگ تم لوگوں نے لگائی ہے اب بجھا کر بھی تم ہی جانا۔ مجھ میں حوصلہ نہیں طاہر کا اتنا غصہ سہنے کا۔" تھوڑی دیر میں طاہر بھی گھر واپس آ گیا۔ ساجدہ اور خالہ نے ہادیہ کی پوزیشن کلیئر کی۔

"دیر ہماری وجہ سے ہوئی ہے یہ بے چاری تو بہت پہلے سے بار بار کہے جا رہی تھی کہ دیر ہو رہی ہے گھر چلو' مگر ہم ہی مصروف تھے ہم نے اس کا دھیان ہی نہیں کیا۔ آپ پلیز غصہ مت ہوں۔" تو طاہر نے نہایت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے آپ بے فکر ہو جائیں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے یوں بھی انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ میری ناراضگی کی وجہ کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے ہادیہ طاہر بھائی کا موڈ بہتر ہو گیا ہے اب یہ کچھ نہیں کہیں گے ہم بھی اب چلتے ہیں۔" ساجدہ ہادیہ کو تسلی دے کر اپنے گھر چلی گئی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی' طاہر شکیل کا غصہ کا گراف ہر پل کے ساتھ بڑھ رہا تھا' اگرچہ اس نے ابھی تک کہا تو کچھ بھی نہیں تھا لیکن چہرے کے تاثرات اس قدر ڈراؤنے تھے کہ ہادیہ کا دم خشک کرنے کے لیے کافی تھے ہادیہ کی لائی ہوئی چیزوں کو اس نے ایک نظر دیکھا تک نہیں تھا۔ رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا' الٹا تین چار نیند کی گولیاں کھا کر سو گیا تھا۔ ہادیہ کے ذہن میں تھا کہ صبح تک نارمل ہو جائیں گے لیکن جب وہ اسکول سے واپس آئی تو صبح کا ناشتہ بھی جوں کا توں رکھا تھا' ہادیہ کا ماتھا ٹھنکا کمرے میں داخل ہوئی تو بے تحاشا دھوئیں نے اس کا استقبال کیا۔

"کھانا لاؤں......"

"مجھے نیند کی گولیاں چاہئیں۔" کرخت پتھریلے لہجے میں کہی گئی اس بات نے ہادیہ کو مزید پریشان کر دیا۔ یعنی ابھی

ابتداء ہوچکی تھی اور جانے انتہا کب اور کیسی ہونی تھی۔ ہادیہ نے پیون سے نیند کی گولیوں کا ایک پتہ منگوا کر اس کے حوالے کردیا۔ گولیاں کھانے کے بعد بجائے نیند آنے کے وہ اس طرح چاق و چوبند دکھائی دینے لگا گویا بالکل فریش ہو۔ ہمیشہ کی طرح اسے بٹھا کر وہ اپنے پسندیدہ کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ یعنی اس کی ماضی کی چھوٹی چھوٹی لاپروائیوں غلطیوں کو جن پر کئی بار وہ پہلے بھی اسے سنا چکا تھا' دہرانا شروع ہوچکا تھا' اور وہ بھی سر جھکا کر بیٹھ گئی یہ سب سننا ضروری ہوتا تھا۔ اس طرح طاہر شکیل اپنا کتھارسس کرکے مطمئن ہوجاتا تھا لیکن اگر کہیں کسی جگہ ہادیہ اپنی صفائی میں کچھ بولتی یا کہتی تو پھر بات بہت بڑھ جاتی تھی۔

"امیقہ' مائرہ اور حماد کو فون کرو وہ تینوں مجھے صبح تک یہاں موجود چاہئیں۔"

"ان تینوں کا اس وقت یہاں کیا ذکر؟ اپنے اپنے گھر میں سکون سے ہیں وہ لوگ۔"

"ہاں اپنے اپنے گھر میں وہ سب بدذات سکھ اور سکون سے ہیں لیکن ان کی وجہ سے میرے گھر کا سکون تباہ و برباد ہے۔ تمہارے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں ناوہ اور تمہارا خیر خواہ میرا بدترین دشمن ہے۔ بلاؤ ان تینوں کو یہاں۔" اس کا موبائل بھی طاہر نے خود اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ جب ہادیہ کسی طرح نہ مانی تو طاہر نے امیقہ کو فون کردیا۔

"تمہاری بہن اب میرے لیے ناقابل برداشت ہوچکی ہے کل تک یہاں پہنچو میں نے اس کا فیصلہ کرنا ہے۔"

"طاہر بھائی میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا لاسٹ ٹائم جب آپ کی صلح کروائی تھی کہ آئندہ ہم آپ کے کسی معاملے میں نہیں آئیں گے' یہ آپ میاں بیوی کا نجی معاملہ ہے' جس طرح چاہیں اسے حل کریں۔" امیقہ نے جواب دے کر فون بند کردیا۔

"نجی معاملہ؟ اگر یہ نجی معاملہ ہوتا ہے تو یہ تیل لینے آتے ہیں ہمارے معاملات میں اس وقت یہ نجی معاملہ نہیں تھا جب فون پر تمہاری اس کمینی بہن نے میرے ساتھ بدکلامی کی تھی۔ اس وقت تو بڑے دھڑلے سے بکواس کی تھی کہ مجھے پتہ ہے مرد ذات کس حد تک گر سکتا ہے اسے اچھی طرح پتہ نہیں ہے کہ مرد ذات کس حد تک گر سکتا ہے؟ اگر اپنی سلامتی چاہتی ہو تو اسے کہو آجاؤ' ورنہ گھر اور گھر میں موجود ہر چیز آج جل کر راکھ ہوگی'

تمہارے بچوں سمیت۔" ہادیہ کی توقع کے مطابق طاہر کا غصہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے شام سے رات ہوگئی۔ اس دورانیے میں طاہر اپنے کمرے کا حلیہ بگاڑ چکا تھا۔ ہادیہ کی خاموشی اس کے غصے کو مزید بڑھا رہی تھی۔

"ہر بات میں نافرمانی' ہر بات میں کم حیثیتی کا احساس دلانا' تم لوگوں نے میری ذات کو تباہ کرکے رکھ دیا۔ مجھے دو کوڑی کا بنادیا' اب چپ ہو' بولتی کیوں نہیں؟"

"میں...... میں کیا بولوں......" ہادیہ اندر ہی اندر لرز رہی تھی جانتی تھی طاہر کا اس قدر غصہ کسی بڑی ہی صورت پر برے ہی انجام پر اختتام پذیر ہوتا تھا۔ رات گیارہ بجے تک اس کا دماغ بالکل ہی آؤٹ ہوچکا تھا۔

"مجھے مٹی کا تیل چاہیے ابھی اور اسی وقت' آج یہ گھر نہیں بچے گا' کچھ نہیں بچے گا۔ جاؤ کہیں سے بھی مٹی کا تیل لے کر آؤ۔" ہادیہ گھر سے باہر کھڑی سوچ رہی تھی کس کو مدد کے لیے پکارے کسے کہے کہ اس شخص کو کچھ دیر کے لیے کہیں اس ماحول سے دور لے جائے' تاکہ اس کا دماغ ٹھنڈا ہوجائے' اگر یہ مسلسل اسی طرح بے حواس رہا تو آج کچھ بھی نہیں بچے گا' سامنے اسکول کے پیون کا گھر تھا' وہ وہیں چلی گئی۔ ان کو جاکر سارا قصہ بتایا تو وہ بھلا مانس اس کے ساتھ چلا آیا۔

"باجی...... آپ گھر جائیں میں کچھ منٹ بعد آؤں گا۔ بھائی جان کو میں سنبھال لوں گا' آپ فکر نہیں کریں۔" ہادیہ گھر میں داخل ہوئی تو کچن کا سارا سامان الٹا پڑا تھا۔ لاؤنج کے پردے کو آگ لگی ہوئی تھی' اس نے پانی ڈال کر وہ آگ بجھائی تو طاہر نے آگے بڑھ کر بیڈ کی چادر کو آگ لگادی۔

"آپ کیا کررہے ہیں...... آخر کیا چاہتے ہیں......" ہادیہ گھٹی گھٹی آواز میں چیخ پڑی تھی۔

"تباہی و بربادی...... نیست و نابود کرنا چاہتا ہوں سب کچھ' مجھے اللہ کی اس زمین پر اپنے لیے کچھ بھی نہیں چاہیے اب رشتے نہ سہولتیں نہ سکھ اور آرام۔" اس نے چلا کر کہا' اتنی دیر میں پیون دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا' طاہر کو پکڑ کر بٹھایا۔

"بھائی جان...... اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہوتا' یہ سب کیا کررہے ہیں آپ؟"

"یہ عورت میری نافرمان ہے' جس چیز سے منع کرتا ہوں وہی کام کرتی ہے۔ کسی کو بھی ایک بات دو بار' چار دس بار بتائی

جائے تو اس کی عقل میں آجاتی ہے لیکن اسے پچاس باری کہی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی' یا پھر جان بوجھ کر یہ مجھے رد کرتی ہے اس گھر میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔"

"نہیں...... نہیں بھائی جان...... ایسا کچھ نہیں ہے میں تو اپنی بیوی کو باجی کی مثالیں دیا کرتا ہوں کہ دیکھو باجی کس طرح اپنے میاں کا دھیان رکھتی ہے' کسی بچے کی طرح آپ کو سنبھالتی ہے' کبھی بھی شکوہ شکایت نہیں کی باجی نے۔"

"آپ نہیں جانتے' اپنے کولیگز میں بیٹھ کر یہ ہمیشہ میری برائی کرتی ہے اور خود کو معصوم و مظلوم ثابت کرتی ہے' ہر جگہ' ہر مقام پر میں برا اور یہ اچھی بن جاتی ہے' میرا ردعمل شدید ہوتا ہے' وہ سب کی نظروں میں آجاتا ہے لیکن کبھی کسی نے سوچا کہ میں ایسا کیوں کرتا ہوں' میں پاگل ہوں جو اچانک بیٹھے بیٹھے سکون کی زندگی گزارتے گزارتے میں اس طرح چلانے پر اتر آتا ہوں۔ یہ...... یہ عورت میرا جینا حرام کردیتی ہے' میری اس حد تک نفی کردیتی ہے کہ میں چیخ اٹھتا ہوں۔" روتی ہوئی ہادیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ یہ سب کہہ رہا تھا۔ شدت جذبات سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"بس...... یہ قصہ ہی ختم ہوجانا چاہیے۔ میرے اندر کی اذیت' میرے اندر کا خلا کسی کو نہ دکھائی دے گا نہ کوئی اس کا درماں بن سکتا ہے اور مجھے اس اذیت سے نجات چاہیے۔"

"بھائی جان...... آپ میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے باہر آجائیں' ذرا تازہ ہوا میں گھوم پھر کر آتے ہیں۔" پپون اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے اٹھا کر باہر لے گیا۔ ہادیہ کو صرف اور صرف بچوں کی فکر تھی۔ وہ بچوں کو لے کر ساجدہ کے گھر چلی گئی۔ نیچے ہونے والے ہنگامے کی وجہ سے ساجدہ بھی جاگ رہی تھی۔

"بھائی کس لیے جھگڑا کررہے تھے ہادیہ۔"

"وہی کل جو تم لوگوں کے ساتھ محلے والی دکان پر گئی تھی اس بات پر۔"

"ہیں...... مگر بھائی نے تو ہم سے کہا تھا کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور ہم بھی بے فکر ہوکر آگئے تھے۔ پھر یہ اتنا زیادہ ہنگامہ۔" ساجدہ حیران و پریشان تھی۔ "میڈم آپ کو بار بار فون کررہی تھی آپ نے نہیں اٹھایا تو مجھے فون کیا میں نے بتایا کہ شاید ان کا جھگڑا ہورہا ہے اٹھا پٹخ کی آوازیں آرہی ہیں ان کے گھر سے۔"

"پھر......" ہادیہ گھبرا گئی۔

"پھر کچھ نہیں فون بند کردیا انہوں نے۔" ابھی ساجدہ کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ نیچے بہت سے لوگوں کے ایک دم بولنے اور شور کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہادیہ مزید سہم گئی۔

"لگتا ہے میڈم آئی ہیں ایک منٹ میں کھڑکی سے دیکھتی ہوں۔" ساجدہ نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ نیچے کافی سارے لوگ کھڑے تھے۔ کالونی کے دیگر متعلقہ لوگ' پرنسپل اس کا شوہر اور اس کا بیٹا اور طاہر کو گھر کے اندر بند کیا ہوا تھا۔ وہ دروازہ بری طرح دھڑ دھڑا رہا تھا۔ ہادیہ کے دل میں بار بار آرہا تھا کہ میں نیچے جاؤں لیکن طاہر کی ناگفتہ بہ حالت سے ڈر کر وہ وہیں دبکی رہی۔ گھر کی حالت دیکھنے کے بعد انتظامیہ نے پولیس کو بلا کر طاہر کو اس کے حوالے کردیا۔ ساتھ ہی ہادیہ کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ کل صبح تک فیصلہ کرلے اگر اس نے یہاں جاب کرنی ہے تو اسے اپنے شوہر کے خلاف درخواست دینی ہوگی اور اگر شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو کل اپنا سامان اٹھا کر یہاں سے چلی جائے۔ فوری طور پر ہادیہ کے لیے فیصلہ بہت مشکل تھا۔ وہ طاہر کو کسی صورت چھوڑ نہیں سکتی تھی لیکن حالات ایسے نازک موڑ پر آگئے تھے کہ کچھ وقت کے لیے اسے عقل سے کام لینا تھا۔ اس کے ذہن میں تھا کہ طاہر اگر پنجاب چلا جاتا ہے تو زیادہ بہتر ہے وہ جا کر وہاں گھر وغیرہ دیکھ لے اور معاملات سنبھال لے بعد میں وہ بھی اس کے پاس چلی جائے گی لیکن طاہر کو جب پولیس نے گاڑی میں بٹھا کر روانہ کیا تو وہ راستے میں اتر کر دوبارہ اسکول آگیا۔ چھٹی کا وقت تھا۔ ہادیہ بچوں کے ہمراہ گھر آچکی تھی۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ طاہر کا اسکول کے سیکیورٹی گارڈز سے جھگڑا ہوا ہاتھا پائی ہوئی اور وہ پھر پولیس کے شکنجے میں چلا گیا اس بار پولیس نے اس کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا۔ بات عدالت تک پہنچ گئی۔

پندرہ سولہ دن جیل میں اس نے خود پر جو بھی جھیلا وہ اس کی روح کو مزید زخمی کرگیا۔ اس کے احساسات کو بے پناہ مجروح کرگیا اور براہ راست نہ سہی پھر بھی یہ سب اس کے ساتھ ہادیہ کی وجہ سے ہوا تھا' ہادیہ اندر ہی اندر بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔ وہ اس سب کے لیے خود کو معاف نہیں کرسکتی تھی اور شاید طاہر بھی اسے کبھی معاف نہ کرتا' جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا' ہر رابطہ ہر تعلق جیسے مٹی کے ساتھ مٹی ہوگیا۔ محبت کے دعوے محبت کے سارے خواب راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ جدائی اس طرح درمیان میں حائل ہوتی

کہ ایک کو دوسرے کی خبر تک نہ رہی۔ طاہر کے ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے کی خبر سن کر کئی دن وہ چھپکے چھپکے آنسو بہاتی رہی لیکن اسے دیکھنے کے لیے اس کے پاس جانے کے لیے ہمت نہ کرپائی۔ بہت سے لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ خلع لے لو...... محض نام کا یہ تعلق رکھنے کا کیا فائدہ ہے اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ طاہر بھی اس سے بری طرح بدگمان ہو چکا ہے۔ مگر وہ جانتی تھی اس کے دل پر تو آج بھی اسی بے مہر کا نام لکھا تھا‘ وہ شخص بہت پیارا بہت اپنا تھا اسے محبوب تھا وہ جو چاہتا تھا کر نہ پاتا تھا‘ یہ وقت اور حالات کی ستم ظریفی ہی تو تھی کہ وہ آج اس سے دور ہو چکا تھا اور اس بار صرف جسم کی دوری نہیں تھی اب ان دونوں کے درمیان دل و دماغ اور روحوں کی دوری بھی حائل ہو گئی تھی۔ غلط فہمیوں کی ایک ایسی خلیج درمیان میں آ چکی تھی کہ اسے پاٹنا آسان نہیں رہا تھا اور ہادیہ کی ایک ہی منطق تھی اسے خلع نہیں لینی خلع تو وہ عورت لے جسے کسی اور کو زندگی کے ساتھی کا درجہ دینا ہو...... کسی اور شخص پر بھروسہ کرنا ہو اور ہادیہ ماہین کی بیٹی تھی‘ ایک ایسی عورت کی بیٹی جس نے اپنی زندگی اور اپنی ذات کا زیاں برداشت کرلیا تھا مگر اپنے کردار پر داغ لگوانا پسند نہیں کیا تھا۔ اپنی تکلیفوں اذیتوں‘ ادھورے خوابوں اور خواہشات کے ہمراہ منوں مٹی تلے جا سوئی تھی‘ تو کیا تھا اگر وہی زیاں ہادیہ کے حصے میں آیا تھا۔ تین سال ہوگئے تھے اسے طاہر سے جدا ہوئے‘ ان تین سالوں میں اس نے دنیا کے ہزاروں رنگ‘ لاکھوں ڈھنگ دیکھ لیے تھے ان گزرے دنوں میں اس کے بچھڑے رشتوں کے ساتھ بھی رابطہ استوار ہو گیا تھا۔ وہی مادیت پرستی‘ خود شناسائی‘ وہی رشتوں کی تحقیر‘ اپنوں میں جا کر بھی ہادیہ کا دل بے سکون اور نامراد ہی رہا تھا۔

”بہت خوشی ہوتی ہے ہادی...... جب ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے اور ایقہ نے اپنے بل بوتے پر اپنی تعلیم مکمل کرلی اپنے گھر کو خود سنبھال لیا اپنے منہ سر والی ہو...... مردوں کی طرح بہادر اور حالات کے آگے سینہ سپر......“ اس کی خالائیں اس کی ممانیاں خوب مہنگے ملبوسات اور زیورات زیب تن کیے جب اس کی چند ہزار کی نوکری کو خراج تحسین پیش کرتیں تو اس کا اندر جل کر راکھ ہونے لگتا۔

”کیا اگر یہی سب ان کی اپنی بیٹیوں کو سہنا پڑتا‘ برداشت کرنا پڑتا تو یہ ان کے لیے بھی ایسے ہی نادر کلمات کہتیں۔ بڑی امی شدید بیمار تھیں کئی دن سے انتہائی نگہداشت میں تھی۔ ڈاکٹرز کچھ خاص پرامید نہیں تھے لالہ آنٹی ان کے ساتھ ہسپتال میں ہی موجود تھیں‘ بہوؤں کو سیر و تفریح اور اپنی آسائش کے سامنے اپنی بوڑھی ساس کا دکھ اور تکلیف دکھائی نہیں دے رہا تھا اور وہی شہباز جس نے بھی اپنی بہن ماہین کے سامنے تابندہ کے رشتے کے حوالے سے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ کسی ایسی لڑکی سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتا جو اس کی ماں کے سامنے بولے یا اس کی ماں اور بہنوں کو نظر انداز کرے آج وہی شہباز اپنے بیوی بچوں میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے ماں کی یاد تک نہیں آتی تھی۔

”امی جی کے علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو پیسے کی بالکل فکر نہیں کرنا۔“ فون پر یہی کہہ دیتا اور لالہ آنٹی یہ نہ کہہ سکیں کہ امی جی کو آپ کے پیسوں کی نہیں آپ کی ضرورت ہے۔ آج جب وہ موت کی دہلیز پر ہیں چند بچی کھچی سانسیں لے رہی ہیں تو بھی آپ کے پاس اتنا وقت نہیں کہ کچھ دیر کو آ کر ان بجھتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ لیں۔ اس وجود کو اپنی نظروں میں بھرلیں جس نے ایک طویل عرصہ آپ لوگوں کے لیے ہی درد سہا۔ ایقہ بڑی امی کو دیکھنے گئی تو کتنی ہی دیر بے آواز روتی رہی۔ بستر پر پڑا نحیف و نزار وجود اس خاتون سے بالکل الگ تھا جو بھی ایک ضدی انا پرست اور خود شناس خاتون کا ہوا کرتا تھا‘ جو صرف اور صرف فیصلہ کرنا جانتی تھیں اور جن کے کہے کو ٹالنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ آج تہی دست اور بے اماں پڑی تھیں۔

”ایقہ دعا کرو امی جی ٹھیک ہو جائیں ہم سب امی جی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ جو کچھ تھوڑا سا تعلق بچا ہوا ہے یہ امی جی کی وجہ سے ہے۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو سب کچھ بکھر جائے گا۔“ لالہ آنٹی کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ ایقہ نے لہو رنگ آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

”لالہ آنٹی...... زندگی کا اختتامیہ تو اٹل ہے کسی نے جلدی جانا ہے کسی نے دیر سے‘ مگر جانا تو سب ہی نے ہے۔ دعا ہے کہ بڑی امی کی مشکل رب پاک آسان کردے۔ ہاں یہ بات ضرور کہوں گی کہ بڑی امی نے آپ کے لیے اور نیلم آنٹی کے لیے ہمیشہ ہی بہت کچھ کیا ہے۔ اب تک میکے کی بہت بڑی ڈھارس آپ کو ملی ہے اگر اب یہ آپ کی زندگی سے چلی بھی جائیں تو شاید چند دن ہی آپ ان کے لیے آنسو بہائیں گی۔ ماشاء اللہ اپنے گھر بار والی ہیں جوان بچوں کی مائیں ہیں‘ تھوڑا سا پیچھے مڑ کر نگاہ ڈالیں آپ کی بی بی باجی تھیں کس طرح اور کن

حالات میں چھوڑ گئی تھیں ہمیں تو یہ تک نہیں پتہ تھا کہ مر جانے والوں کا سوگ کس ڈھنگ سے منایا جاتا ہے' وہ فرش عزاء آج تک ہمارے دلوں میں بچھا ہوا ہے لالہ آنٹی صبر کی دعا کے سوا ہم خالی دامن اور دے بھی کیا سکتے ہیں۔" انیقہ کے الفاظ نے لالہ آنٹی کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ اس ادھیڑ عمری میں اپنی ماں کی جدائی کے تصور سے لرز گئی تھیں اور ہادیہ اور انیقہ کے درد کی تو کہیں کوئی حد تھی نہ علاج تھا' انہوں نے کس بے دردی سے دکھوں کے جلتے الاؤ میں انہیں جھلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ ہر ایک اپنی زندگی میں یوں مگن ہوا تھا کہ پلٹ کر نہ دیکھا اور اب بھی کوئی دکھ درد بانٹنے کی بجائے انہیں خود انحصاری پر شاباش کے چند الفاظ دے کر ہر فرض سے بری الذمہ ہو جاتے تھے اور پھر محض چند ہی دنوں میں بڑی امی خالق حقیقی سے جا ملیں' اپنے دکھ درد' اپنے ٹوٹے ہوئے مان اور یقین کے ہمراہ...... جو انہیں اپنی اولاد پر تھا لیکن اب جو کہیں باقی نہیں تھا۔ ایک جسد خاکی سمجھ کر انہیں خاک کے سپرد کر دیا گیا تھا اور رہ جانے والے پھر سے زندگی کی گہما گہمی میں مصروف ہو چکے تھے' دوسری طرف ہادیہ نے مسلسل سوچ اور ذہنی خلجان میں مبتلا رہنے کے بعد ایک بار پھر اپنے دل کے فیصلے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے جو ضد پر اڑا تھا کہ طاہر کو منا لے۔

کہیں ملا تو کسی دن منا ہی لیں گے اسے
وہ زود رنج سہی پھر بھی یار اپنا ہے

دنیا میں اذیتیں تو تھیں ہی...... پھر دنیا کی ٹھوکریں کھانے سے بہتر تھا کہ اپنے شریک زندگی کی دھتکار سہہ لی جائے' بڑھتی ہوئی ماہ رو اور چھوٹے سے شرارتی شازم کو بھی باپ کا سایہ چاہیے۔ ایک بیٹی کے لیے سب سے بہتر محافظ اس کا باپ ہوتا ہے اور ایک بیٹے کے لیے سب سے بہترین دوست بھی......

وہ اپنے بچوں کو اتنی بڑی محرومیاں نہیں دینا چاہتی تھی وہ شازم کو باپ کی انگلی پکڑ کر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی اور ماہ رو کے اندر ایسا خلا پیدا ہونے سے بچانا چاہتی تھی جیسا خلا اس کے اندر تھا اور جس خلا نے اس کی شخصیت کو اس قدر ادھورا اور بے اعتبار و بے اماں بنا دیا تھا' سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ دل سے اس بات کو سمجھتی تھی کہ طاہر غصے کا بے شک بہت برا سہی' مگر وہ دل کا برا انسان نہیں تھا۔ وہ کسی کا بھی برا چاہنے والا نہیں تھا' ہادیہ کو یقین تھا کہ وہ آج بھی اس سے اول روز جیسی محبت کرتا ہے' ہزار غلط فہمیاں سہی مگر اس نے اپنے دل میں ہادیہ کی محبت کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا تھا جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ کا نتیجہ تھا۔ وہ ہادیہ اور بچوں کے لیے بہت سا کچھ بہت سی خوشیاں خریدنا چاہتا تھا لیکن حالات کے ہاتھوں بے بس تھا اور یہی بے بسی اس کے اندر الاؤ کی طرح دہکتی رہی اور اس کی خوش مزاجی اور خوش امیدی کو کھا گئی۔ اور ہادیہ کو دنیا سے دنیا کی باتوں سے اب کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اسے اپنا پرانا طاہر چاہیے تھا' وہی طاہر جو اس کے راستوں سے کانٹے چننے کی اس کے راستوں میں پھول بچھانے کی باتیں کیا کرتا تھا' وہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے اسے بتانا چاہتی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے وہ آج بھی اسی سے محبت کرتی ہے۔ اسے آج بھی اس کی دھیمی مسکراہٹ' اس کی آنکھوں کی لو دیتی چمک سے عشق ہے وہ آج بھی دنیا کے ہر موضوع پر اس سے باتیں کرنا چاہتی ہے اسے اپنے دکھ سنانا چاہتی ہے' اس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے اندر جمع سارے آنسو بہانا چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کسی نئی فلمیں دیکھتے ہوئے ان پر تبصرہ کرنا چاہتی ہے' وہ چاہتی ہے کہ پچھلے اتنے سارے سالوں کو درمیان میں لائے بغیر ایک نئی شروعات کی جائے' ماضی کو اپنے حال سے کاٹ کر عضو معطل کی طرح پھینک دیا جائے۔ کسی کوتاہی کو دوبارہ نہ دہرانے کا عہد کیا جائے' ایک دوسرے کے سامنے گزری خطاؤں کو دہرا کر طعنہ زنی کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو خوشی بہم پہنچانے کے لیے جس حد تک ہو سکے کوشش کی جائے۔

کیا آپ ہادیہ کے اس فیصلے کو سراہتے ہیں؟! اگر آپ ہادیہ کی جگہ ہوتے تو کیا آپ بھی یہی فیصلہ کرتے......؟ امید صبح تو ازل سے ہارے ہوئے انسان کا ایک خواب ہے' وقت ابھی بھی کچھ ہاتھ میں ہے اور انسان...... جس قدر بھی زیاں کرلے مگر توقع تو ہمیشہ منافع کی ہی رکھتا ہے ناں...... آپ کا کیا خیال ہے۔

تمت بالخیر

میں تینوں سمجھاواں گی

صباء عیشل

وہ اپنے آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر خیال تھا کہ بار بار بھٹک رہا تھا۔ صبح ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل تک آتے ہوئے اس نے وسیم کا صحنان سے بات کرتے ہوئے ادا ہونے والا آخری جملہ سن لیا تھا۔

"ابھی نہیں ضیاء بھائی آفس چلے جائیں پھر بات کرتا ہوں بہت ضروری بات ہے۔" اس کا مطلب تھا کہ وسیم پھر سے کچھ الٹا سیدھا سوچ رہا تھا۔

"سنو صوحی...... وسیم کوئی پریشان کرنے والی بات کرے تو مجھے فوراً بتا دینا۔ میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔" یوں تو ضیاء صحنان کو کال کرنے کا کہہ آیا تھا لیکن پھر بھی جانے کیوں دھیان بار بار اسی طرف جا رہا تھا۔ موبائل فون کی اسکرین روشن ہوئی تو اس نے فوراً فون اٹھایا صحنان ہی تھی۔

"بولو...... کیا کہہ رہا تھا وسیم؟" ضیاء نے سوال کیا اور جواب میں جو صحنان نے کہا وہ سن کر تو اس کا رنگ ہی اڑ گیا۔

"اچھا سنو تم نے بالکل پریشان نہیں ہونا گھر آ کر اس پر بات کروں گا۔ مل کر سوچیں گے کہ اس کا حل کیا نکل سکتا ہے۔" اس نے صحنان کو تو حوصلہ دے دیا لیکن خود اچھا خاصا پریشان ہو گیا تھا۔

"اس لڑکے کو بھی بیٹھے بٹھائے کوئی نہ کوئی دورہ پڑتا رہتا ہے۔" وہ زیرلب بڑبڑایا۔

فون بند کر کے اس نے کہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ کچھ دیر بعد جانے کیا سوچ کر اس نے جھکا سر اوپر اٹھا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور چہرے پر گہری مسکراہٹ۔

☆☆☆......☆☆☆

جنوری کی سرد شامیں تھیں۔ شام کا آغاز ہوتے ہی دھند اترنا شروع ہو جاتی اور دیکھتے ہی دیکھتے رات کی سیاہی اس دھند کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ضیاء اور صحنان کے علاوہ سب گھر والے جیسے جیسے کھانا کھاتے گئے قیصر صاحب کے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ صحنان نے کھانا کھا کر چائے پکانے کے لیے کچن کا رخ کیا ایک چولہے پر چائے رکھی اور دوسرے پر انڈے ابلنے رکھے۔ اب برتن سمیٹنے ٹیبل پر آئی۔ صحنان نے ایک نظر ضیاء کو دیکھا اور برتن اکٹھے کر کے کچن میں رکھنے چلی گئی لیکن ساتھ ہی چولہے کی آنچ کم کر آئی تھی۔ وہ جانتی تھی ضیاء اس سے بات کرنے کے لیے ہی بیٹھا ہے۔ قیصر غنی صاحب کے کمرے میں سب موجود تھے اور ظاہر ہے اتنی رات میں بنا کام کے صحنان ضیاء کے کمرے میں کبھی نہ جاتی اس لیے اب جو بھی بات ہونی تھی وہ یہیں ہونی تھی۔ وہ اب خاموشی سے ٹیبل صاف کر رہی تھی۔

"پھر کیا سوچا تم نے۔" ضیاء نے اسے مخاطب کیا۔

"میں کیا سوچ سکتی ہوں؟" صحنان نے الٹا سوال داغا۔

"ظاہر ہے اس کی ہمیشہ کی بے سروپا باتوں کی طرح اسے بھی نظرانداز کر دیا ہوگا۔" ضیاء نے ایک گہری سانس بھری۔

"ہوں...... اور کیا کیا جا سکتا ہے وسیم کی تو عادت ہے الٹا سیدھا ہانکنا۔ شاید وہ کبھی نہیں سدھر سکتے۔" صحنان نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن آنکھوں کے کنارے نم ہو گئے تھے۔

"اگر تم چاہو تو اس بار ہم مل کر وسیم کو سدھارنے کی ایک کوشش کر سکتے ہیں۔" ٹیبل صاف کرتی صحنان کا ہاتھ رک گیا' وہ ضیاء کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی جواب اسے اپنا پلان بتا رہا تھا۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن مما اور ماموں' ممانی کو کیسے سمجھائیں گے۔" صحنان نے ضیاء کی پوری بات بغور سننے کے بعد اس سے استفسار کیا۔

"بس وہ سب ہینڈل کرنا میرا کام ہے۔ تم وہ کرو جو تمہیں کہا ہے اور ابھی عصر جاگ رہی ہے تم اس سے بھی بات کر لو۔ وسیم کو یہ احساس دلانا بہت ضروری ہے کہ ضروری نہیں ہم جیسا سوچیں ویسا ہی ہو۔ اس بندے کی ساری لاپروائی اڑن چھو نہ کر دی تو میں بھی ضیاء نہیں۔" ضیاء نے مسکراتے ہوئے صحنان کی طرف دیکھا تو جواباً وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

"لیکن ضیاء بھائی...... اگر وسیم کا فیصلہ پھر بھی یہی رہا تو؟" صحنان نے اسے ضیاء بھائی کہا اس کا مطلب تھا کہ وہ اس بات کو سوچ کر واقعی بہت پریشان ہے۔ یہ صحنان کی برسوں کی عادت تھی وہ جب بھی پریشان ہوتی اور اسے مدد کی ضرورت ہوتی تو اس کی زبان سے بھائی کے بجائے ضیاء بھائی ادا ہوتا تھا اور ضیاء کو خود ہی اندازہ ہو جاتا کہ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہے۔

"ارے میری پاگل سی بہن...... کیوں اس بات کو لے کر پریشان ہوتی ہو۔ اس اسٹوپڈ کو اتنی سینس کب ہے کہ وہ اپنا اچھا برا سمجھ سکے۔ بڑا ہو گیا لیکن بچپنا اب بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ بہت جلد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ خود تم سے معافی مانگے گا۔ اب چلو مسکراؤ اور سب کو چائے دے کر خود بھی آرام کرو۔ ٹھنڈ بہت ہو رہی ہے۔" صحنان کے اندر کا ڈر باہر آیا تو ضیاء نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔ اسے اپنی یہ سادہ اور معصوم سی کزن بہت عزیز تھی۔ (اس کی کوئی بہن نہیں تھی) لیکن صحنان کے روپ میں اللہ نے یہ رحمت اس کو عطا کر دی تھی۔

"لے لو...... یہاں جانے کون سے راز و نیاز جاری ہیں اور ہم کب سے چائے کے انتظار میں دیدہ و دم ہم راہ کیے بیٹھے ہیں۔" سمیعہ پھوپو کی آواز سن کر پہلے تو دونوں چونکے لیکن پورا جملہ سن کر اتنی پریشانی میں بھی بے اختیار دونوں کے قہقہے گونج اٹھے۔ سمیعہ اردو ناول پڑھنے کی بے حد شوقین تھیں۔ مزاج انتہائی سادہ اور پیدائشی دماغی طور پر کمزور تھیں اسی لیے پانچویں جماعت سے آگے پڑھ نہ سکیں لیکن اچھی اردو بولنے کے شوق میں اردو کی مشکل تمثیلات، محاوروں اور جملوں کو گفتگو میں استعمال کر کے اس کی ٹانگیں توڑا کرتی رہتی تھیں۔ شاذ و نادر ہی وہ کوئی درست لفظ ادا کرتی تھیں ورنہ اکثر و بیشتر وہ جملوں کی ترتیب اس قدر دلچسپ انداز میں بدلتی تھیں کہ سامنے والا مسکرائے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ سادہ الفاظ میں یوں کہا جائے کہ قیصر غنی ہاؤس کی مسکراہٹیں سمیعہ کے دم سے قائم تھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

"چائے کی خوشبو تو یہاں تک آ رہی ہے صوحی۔" سمیعہ نے ایک نظر صحنان کو دیکھا تو صحنان کچن کی طرف بھاگی۔

"جلدی سے سب کو چائے دے کر خود بھی آرام کرو۔ غضب خدا کا ساری دنیا خواب خرگوش کا مزہ لوٹنے میں گم ہے اور یہاں ہم مینڈکوں کی طرح جاگ رہے ہیں۔"

"پھوپو...... مینڈک نہیں الو" ضیاء نے پیار سے پھوپو کے شانے تھام کر تصحیح کرنا چاہی لیکن وہ پھوپو ہی کیا جو بات پوری سن لیں انہوں نے ضیاء کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"ہاں وہی کہہ رہی ہوں الو بھی طوطے کوے بیچ کر سو چکے ہوں گے۔" ضیاء کے چہرے پہ ایک بار پھر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پھوپو...... طوطے کوے نہیں گھوڑے گدھے۔"

"ہاں...... ہاں گھوڑے گدھے بھی سو گئے ہوں گے۔" ضیاء کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔ کچن میں ان کی باتیں سن کر ہنستی مسکراتی صحنان چائے کی ٹرے لے کر نکلی تو اس کے چہرے پر کچھ دیر والی پریشانی کا ذرا سا شائبہ بھی نہ تھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر ضیاء بھی اطمینان سے دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جن کی شروع سے عادت تھی کہ وہ روز رات کو سونے سے پہلے خاندان کے سب افراد کے ساتھ نشست جمایا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ عمل خاندان کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتا ہے اور آپس میں محبتیں پیدا کرتا ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

قیصر غنی صاحب اور صائمہ غنی کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے تھے۔ بڑے فہام غنی اور ان سے دو سال چھوٹے سہام غنی۔ غنی صاحب کو بیٹی کا باپ کہلوانے کا بہت شوق تھا لیکن اللہ کی مرضی کہ اگلے سات سال تک ان کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ بہت منتوں مرادوں سے سات سال بعد اولاد کے آنے کی خوش خبری ملی تو وہ اس وقت کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے جب ان کے آنگن میں ننھی پری کی قلقاری گونجتی۔ ان کی دعاؤں میں بیٹی کی خواہش اور دعا اور بھی بڑھ گئی اور اللہ کی کرنی ایسی ہوئی کہ بیٹی تو آ گئی بظاہر بہت خوب صورت اور صحت مند...... لیکن ذہنی طور پر کمزور بھی۔ پہلے دو سال تو کسی کو یہ احساس نہ ہوا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا سب کو احساس ہونا شروع ہو گیا کہ سمیعہ غنی سیکھنے کے مراحل عام بچوں سے بہت زیادہ وقت میں سیکھ رہی ہے۔ شاید غنی صاحب اللہ سے بیٹی مانگتے وقت اس قدر شدت پسند ہو گئے تھے کہ ہر بار یہ کہنا بھول گئے کہ اللہ انہیں صحت مند زندگی والی اور مکمل اولاد عطا فرمائے۔ دونوں میاں بیوی نے اپنی بیٹی کی تندرستی کے لیے اسے ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر سے علاج کروایا لیکن آخر میں سب کا یہی کہنا ہوتا کہ اس کمی کا علاج ممکن ہی نہیں ہے۔ مسلسل کوشش اور محنت کے باوجود دونوں ماں باپ سمیعہ کو پانچویں جماعت سے آگے نہیں پڑھا سکے تھے۔ ہاں البتہ وہ گھر پر خود سے پڑھنے کی کوشش کرتی رہتی۔ غنی صاحب اور بیگم غنی بیٹی کا غم دیکھ کر اندر ہی اندر دکھی ہوتے رہتے اور ایک دوسرے سے نظریں چراتے۔ فہام اور سہام دونوں کی شادی ایک ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ دونوں کی بیویاں پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی تھیں۔ ساس سسر بھی ان کی ناز برداری کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ دونوں کی شادی کے پانچ سال ہنسی خوشی گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں اللہ نے فہام کو دو بیٹوں ضیاء وسیم اور سہام کو ایک بیٹی عصر اور ایک بیٹے جاثم سے نوازا تھا۔ گھر بھر میں خوشیوں کا راج تھا۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ پھر اچانک ایک تقریب میں کسی خاتون کو سمیعہ اپنے لندن پلٹ بیٹے کے لیے بہت پسند آ گئی۔ سب کے لاکھ انکار کے باوجود انہوں نے اس گھر کی دہلیز پکڑ لی اور ہاں کروا کر ہی دم لیا۔ کچھ ماہ تک تو سب کے دلوں میں اس شادی کو لے کر خدشات رہے لیکن پھر ایک ایک کر کے سب دور ہوتے چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد صائمہ غنی اور ان کی چھوٹی بہو کا ایک کار حادثے میں ڈرائیور سمیت انتقال ہو گیا۔ گھر والوں پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ گیا تھا۔ ایسے میں فہام اور ان کی بیوی تہمینہ نے آگے بڑھ کر بچوں سہام اور قیصر غنی صاحب کو سنبھالا۔ لیکن ابھی قدرت کو مزید امتحان مقصود تھے۔ چالیسویں تک سمیعہ کا باپ کے گھر ہی رہنے کا ارادہ تھا۔ ابھی چالیسویں میں کچھ دن باقی تھے کہ ایک لفافہ گھر آیا جس میں سمیعہ کی رہائی کا پروانہ تھا اس پیغام کے ساتھ کہ ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس لندن پلٹ شخص کو کچھ عرصے کے لیے بیوی کی تلاش تھی۔ پولیس میں رپورٹ کروائی گئی سب بے سود ثابت ہوا۔ وہ فراڈ شخص اپنی ماں کے ساتھ لندن شفٹ ہو چکا تھا۔ جان سے پیاری بیٹی کو اس اجڑی حالت میں دیکھنا باپ کے لیے اپنی بیوی اور بہو کی موت سے بھی بڑا صدمہ تھا۔ جس کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ دنیا کی بے حسی کو نہیں جانتی تھی جو دنیا کی طرح چالاک نہیں تھی اور شکار کی تلاش میں بیٹھے گھاگ شکاری یہ بات اسے ایک نظر دیکھ کر ہی جان چکے تھے۔ غنی صاحب اندر سے بالکل ٹوٹ چکے تھے دو ماہ بعد ہی سمیعہ کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تو اندر سے ڈرے سہمے محمد غنی نے بچوں کے رشتے بچپن میں ہی آپس میں طے کر دیئے تھے۔ فہام کے بڑے بیٹے ضیاء کا رشتہ سہام کی بیٹی عصر سے اور چھوٹے بیٹے وسیم کا رشتہ ننھی صحنان سے۔

ضیاء دھیمے مزاج کا سلجھا ہوا انسان تھا۔ نرمی اور حلاوت اس کی ذات کا خاصا تھا۔ بچپن سے ہی صحنان کے ساتھ اس گہرا لگاؤ رہا تھا۔ ہر خوشی، پریشانی اور چھوٹی سے چھوٹی بات بھی صحنان ہمیشہ ضیاء سے بانٹتی آئی تھی۔ جب سے ضیاء کچھ بڑا ہو کر چیزوں کو سمجھنے لگا تھا اس کے دل میں سمیعہ کے لیے جہاں عزت بڑھ گئی تھی وہیں وہ صحنان کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ وسیم ہمیشہ اس بات پر چڑتا تھا کہ صحنان ضیاء کی ہر بات مانتی ہے۔ صرف یہی نہیں وسیم یہ جاننے سے پہلے بھی کہ اس کی بچپن میں منگنی ہو چکی ہے بچپن کے طے کیے گئے رشتوں کے سخت خلاف تھا اور اب جب سے بڑوں نے دبے دبے لفظوں میں وسیم کو صحنان سے نسبت کا بتایا تھا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی صحنان کا موازنہ عصر سے کرنے لگا تھا۔ صحنان سانولی سی سلجھی ہوئی، کم گو، ہر وقت کتابوں اور گھر کے کاموں میں گم رہنے والی عام سی لڑکی تھی۔ اس کے برعکس عصر ماڈرن زمانے کے مطابق نت نئے فیشنز کے لباس پہننے والی، کچن میں گھسنے کے بجائے ہر وقت اپنے ناخن ٹوٹنے اور نئی نیل پالش کی فکر میں ہلکان نظر آتی، بولتی تو مقابل کو صرف باتوں سے چاروں شانے چت کر دیتی۔ سیاہ شانوں تک آتے بالوں کو سرخ نیل پالش لگے

ہاتھوں سے پیچھے جھکتی تو وسیم کا دل ڈول جاتا۔ وہ بے اختیار ضیاء کی قسمت پر رشک کرتا اور خود کو کمتر محسوس کرنے لگتا۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو عصر کے مقابلے میں صحنان میں خوبیاں کہیں زیادہ تھیں لیکن کیا کیا جائے کہ وسیم ہر بات کا ظاہری پہلو دیکھتا تھا۔ ہر کام کے لیے شارٹ کٹ تلاش کرتا رہتا۔ ایگزام کی تیاری کرنی ہے تو گیس پیپرز ہیں نا اور سوئے اتفاق ہر بار اچھے مارکس آجاتے۔ قیصر غنی نے بھلے وقتوں میں سستے داموں دونوں بیٹوں کے لیے پانچ پانچ مرلہ جگہ خریدی تھی جہاں کچھ سالوں بعد شہر کی سب سے بڑی مارکیٹ بن گئی تھی۔ بعد میں سہام اور فہام نے اپنے اپنے حصوں کی جگہ پر شاپنگ پلازہ تعمیر کروالیا تھیں اور ان کی دکانوں کا کرایہ لاکھوں میں آتا تھا۔ گھر میں پیسے کی ریل پیل ہونے کے باوجود ضیاء نے تعلیم پوری ہونے سے پہلے ہی پارٹ ٹائم نوکری کرنا شروع کردی تھی اور اب ایک بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں بطور مینیجر نوکری کررہا تھا۔ کمپنی کی طرف سے ہر طرح کی سہولیات کے علاوہ ضیاء کو گاڑی بھی دی گئی تھی۔ یہ مقام ضیاء نے اپنی محنت' قابلیت اور سمجھداری کے باعث حاصل کیا تھا۔ پر وسیم ایم بی اے مکمل ہوجانے کے بعد بھی ابھی تک جاب کے لیے سنجیدہ نہیں تھا۔ اسے ہر ضرورت کے لیے ضیاء فہام یا قیصر غنی کی طرف دیکھنا پڑتا تھا۔ عموماً دادا جی بناء کہے ہی اسے پیسے پکڑا دیا کرتے تھے لیکن فہام اب اس حوالے سے سختی برتنے لگے تھے۔ اور ہر بار اس کے رقم مانگنے پر اس سے "کیا کرنا ہے۔" ضرور پوچھتے۔ اس بات سے وسیم اب ان سے نالاں رہنے لگا تھا۔ فہام کو اس بات کی فکر تھی کہ اب وسیم کو سمجھدار ہوجانا چاہیے تھا کہ وہ دونوں بیٹوں اور بھانجیوں کی شادی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر سکون سے اللہ کی عبادت کرسکیں۔ بات یہ نہیں کہ وہ وسیم سے نوکری کروانا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کی سوچ تھی کہ کما کر کھانے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کمایا کیسے جاتا ہے۔ لیکن وہ نوکری کرنا ہی نہیں چاہتا تھا بس سب کچھ ایک جست میں حاصل کرلینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس پلانز کا ایک ڈھیر تھا اتنے پیسے ہوں تو یہ کاروبار شروع ہوسکتا ہے اتنے ہوں تو وہ۔ لیکن لاکھوں روپے آتے کہاں سے؟ فہام صاحب نے ہر معاملے میں نرمی برتنے کے باوجود اس معاملے میں صاف انکار کردیا تھا۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے وسیم مستقل مزاج نہیں اور اس کے ہاتھ میں پیسہ دینا وقت اور پیسے دونوں کا ضیاع کروانا ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں بارش کردوں پیسوں کی جو تو ہوجائے میری......"

گانے کی آواز پر سب کی نگاہیں ادھر ادھر دیکھ کر ایک ہی سمت تک گئیں تھی۔ بالآخر وسیم کی جیب سے موبائل نکلا تو فہام سہام اور دادا جان نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ کال اٹینڈ کرنے وہ باہر نکل گیا تھا۔

"دادا جان...... مجھے آپ سب سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وسیم کے باہر نکلتے ہی ضیاء نے ایک نگاہ صحنان اور باقی لوگوں پر ڈالی اور قیصر غنی صاحب کو مخاطب کیا۔ صحنان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ باقی سب بہت غور سے ضیاء کو سن رہے تھے۔

"جیتے رہو بیٹا...... ہمیں تم پر بہت مان ہے۔" دادا جان نے ضیاء کی بات سن کر اسے سینے سے لگالیا۔

"یہاں آؤ میرا بیٹا میرے پاس۔" انہوں نے صحنان کو پاس بلایا۔

"پریشان نہیں ہوتے بچے سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وسیم بچہ ہے۔ لاڈ پیار نے اسے خودسر ضرور کردیا ہے لیکن وہ بگڑا نہیں۔" انہوں نے صحنان کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"میرے پاس آپ سب ہیں تو مجھے کیا پریشانی؟ اور دادا جی جس بہن کے پاس ضیاء بھائی جیسا بھائی ہو اسے کسی بھی غم کی کیا پروا۔" صحنان سر جھکا کر ہولے سے بولی۔

وسیم فون سن کر واپس آیا تو بات کا رخ بدل دیا گیا تھا۔

"ہاں بھئی برخوردار پھر کب جارہے ہو گیم شو میں؟"

"پاپا پاس منگوانے ہیں بس جیسے ہی مل جائے۔ بہت مشکل سے ملتا ہے...... سیٹیں محدود ہوتی ہیں اور خواہش مند زیادہ۔ اصل میں یہ پروگرام بہت مقبول ہے اور بہت قیمتی انعامات کی بارش ہوتی ہے۔ بس اب میرے پاس بھی اپنی کار ہوگی۔ آپ میں سے کوئی نہیں جائے گا کیا؟" اس نے جس جوش سے بات شروع کی تھی آخر میں انداز بہت دھیما ہوگیا تھا۔

وسیم پر آج کل اپنے بل بوتے پر امیر بننے کا جو خبط سوار ہوا تھا وہ اس کو دوستوں کے ساتھ مل کر نجی ٹی وی چینل کے ایک معروف پروگرام میں جا کر پورا کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اس کے پاس پلانز کا ایک ڈھیر تھا جن میں سے ایک یہ تھا کہ وہ گیم شو میں کار کئی تولہ سونا اور دوسری قیمتی چیزیں حاصل کرکے ایک ہی رات میں لاکھوں کا ذاتی مالک بن جائے اور سب کو دکھا دے گا

کہ پیسہ کمانے کے لیے دن رات محنت کرنا ضروری نہیں۔ دادا جان اور پاپا امیر ضرور تھے لیکن فضول خرچ بالکل نہیں...... اور وسیم کی لاپروا اور من موجی طبیعت کو دیکھتے ہوئے دونوں ہی کسی نئے بزنس کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے کر نقصان کروانے کے متحمل نہیں تھے۔ وہ پچھلے کئی روز سے اس پروگرام میں جانے کی اجازت مانگ رہا تھا شروع میں تو دادا جی نے سخت مخالفت کی لیکن ضیاء کے کہنے پر اسے آج اجازت مل ہی گئی تھی۔

"ارے نہیں یار...... تو موجیں کر۔ ہماری کوئی عمر ہے ٹی وی پر آنے کی اور ایک بات بتادوں۔" فہام کے بجائے دادا جی نے جواب دیا اور ایک پل کو رکے۔

"ضیاء کو گاڑی ہم نے نہیں لے کر دی...... جانتے ہونا؟ یہ سب اس کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے۔ ہم بچوں کو بلاوجہ کی عیاشیاں کروانے کے سخت خلاف ہیں۔ ہماری ذمہ داری تھی تمہیں پڑھانا لکھانا اور تمہیں راستہ دکھانا سو ہم کر چکے۔ ایمان داری سے جاب کرنی ہو تو بتادینا ضرور مدد کریں گے اس سے زیادہ کی امید نہ رکھنا۔" دادا جی نے بھی آج وسیم کو آئینہ دکھا ہی دیا تھا۔

"اچھا میں کہہ رہا تھا وہاں آپ کی عمر کے بھی بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔" آج اسے ڈانٹ کی پروا بھی کب تھی۔

"لیکن ہم نہیں جائیں گے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ الٹا سیدھا ناچ کر...... لٹک کر بیہودہ طریقے سے رزق اللہ کھا کر لوٹنے کا شوق ہے نہ ضرورت۔ تمہاری ضد ہے جانے کی اس لیے پہلی اور آخری بار اجازت دے دی ہے۔ اب ایسی کوئی اور ضد نہ کبھی نہ کرنا جس میں اپنی عزت نفس محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو۔" قیصر غنی صاحب کم ہی غصے میں آتے تھے لیکن جب ان کو غصہ آتا تو ایسی کھری کھری سناتے کہ مقابل کی بولتی بند ہو جاتی...... اور ویسے بھی بڑوں کے سامنے نہ بولنا اس گھر کے سب افراد کی اچھی عادت تھی۔

"جی دادا جی......" وسیم نے خفت سے کہا۔

"چلو وقت بہت ہو گیا سردی بھی کافی ہے اب سوتے ہیں۔" فہام صاحب اٹھے تو سب ایک ایک کر کے اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆......☆☆☆......☆☆☆

"صحنان...... صحنان کہاں ہو یار...... دیکھو تو میں کیا لایا ہوں۔" وسیم اسی آواز دیتا گھر میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے، بھئی ایسا کیا لے آئے ہو۔ صحنان کے تو ہاتھ پیر پیلے کر دیئے حسنی نے۔ اتنی بار کہا ہے ہر کام دیکھ بھال کر کیا کرو مگر نہ بھئی میں کس کھیت کی گوبھی ہوں۔ جتنا مرضی سمجھالو۔ مجال ہے جو اس کے منہ پر جوں رینگے۔" سمیعہ حسب عادت شروع ہوئیں تو اچھے خاصے محاوروں کی درگت بنا ڈالی۔

لیکن وسیم کا دھیان تو ہاتھ پیر پیلے کر دیئے پر اٹک گیا تھا۔

"ایسے کیسے پیلے کر دیئے ہاتھ...... ارے بھئی اگر میں نے کچھ کہہ دیا تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ ایسے اچانک......! اوہ تو......" وسیم نے سر پہ ہاتھ مارا کہیں واقعی صحنان کی شادی تو نہیں ہو رہی۔ وہ اچانک خوش ہوا تھا۔

"ایک ساتھ دو دو خوشیاں واہ مزہ آ گیا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر سمیعہ کی جانب متوجہ ہوا جو کوئی موٹی سی کتاب لیے بیٹھی تھیں۔

"سنیں پھوپو...... یہ صحنان ہے کہاں؟"

"آئے کچن میں ہی ہوگی ابھی بتایا تو حسنی نے ہاتھ پیلے کر دیئے اس کے۔" وسیم کچن کی طرف دوڑا۔

اور کچن کے دروازے پر حیران و پریشان کھڑا صحنان کے پیلے ہاتھ دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہوا؟" اس کی اچانک آواز سے زمین پر گری ہلدی صاف کرتی صحنان چونکی۔

"ممانی جان کے ہاتھ سے ہلدی کا ڈبہ چھوٹ گیا تھا۔ میں ساتھ کھڑی تھی پکڑنے کی کوشش کی تو یہ ہو گیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ دکھا کر پیروں کی طرف اشارہ کیا۔

"اور ادھر پتا ہے پھوپو کیا کہہ رہی تھیں......؟" وہ مسکرانے لگا پتا نہیں کیوں مسکراہٹ خود ہی لبوں تک آ گئی تھی۔ پہلے زیادہ خوشی ہوئی تھی یا اب اس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"کیا......!" صحنان اب ہلدی کا ڈبہ اٹھا کر دھونے کے لیے واش بیسن پر رکھنے لگی۔

"وہ کہہ رہیں تھیں کہ...... صحنان کے ہاتھ پیلے کر دیئے حسنی نے اور میں دوڑا چلا آیا کہ واقعی تمہاری شادی ہونے تو نہیں لگی...... خیر تم یہ دیکھو ہمیں گیم شو کے پاس مل گئے ہیں اور تمہیں پتا ہے ہم نے چار لوگوں کی فیملی بھی بنالی ہے۔ احسن کی امی اور بہن اور ان کے بچوں کے ساتھ میں اور خرم ان کے کزن کے طور پر ساتھ جائیں گے۔ وہ بس شوقیہ جا رہے ہیں ان کے آنے جانے کا خرچا ہم برداشت کریں گے اور جو کچھ جیتیں گے

وہ میرا اور خرم کا آدھا آدھا۔" صحنان اس کی ایکسائٹمنٹ پر حیران تھی۔

"اتنی خوشی اور خدانخواستہ ایسا کچھ نہ ہوا جو یہ سوچ رہا ہے تو...... ہشت......"

"صحنان کیا سوچ رہی ہو۔"

"اللہ کرے سب ویسا ہی ہو جیسا تمہارے حق میں بہتر ہو۔" صحنان نے دل سے دعا دی۔

"آمین...... بس تم نے دعا کردی نا...... اب ایسا ہی ہوگا۔ تم جانتی ہو میں جب بھی مشکل میں ہوتا ہوں تمہارے پاس چلا آتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہوتا ہے کہ تم میرے لیے جو بھی دعا کروگی وہ ضرور قبول ہوگی اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہاری دعا سے میرا ہر پرابلم سولو ہوجاتی ہے۔" وسیم ہنار کے کہے چلے جارہا تھا۔ صحنان کی آنکھوں میں مرچیں لگنے لگیں تھیں۔

"اتنا یقین ہے تو کیوں اپنی دعا کو رد کررہے ہو۔" وہ رخ بدل کر یونہی ہاتھ دھونے لگی۔

"اچھا فری ہوکر روم میں آنا۔ مجھے ڈریس سلیکٹ کرنا ہے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا کیا پہنوں۔" وسیم بولتا ہوا کچن سے نکل گیا۔

"تم میرے بغیر نہیں رہ سکو گے۔ ایک ڈریس تک نہیں سلیکٹ کرسکتے اور مجھ سے دور ہونا چاہتے ہو۔" صحنان کی آنکھیں اب لبالب پانی سے بھرگئی تھیں۔ تسبیح ٹوٹ گئی تھی۔ آنسوؤں کے دانے ایک ایک کرکے بکھرتے چلے گئے۔

☆☆☆......☆☆☆

"بھئی آج شام کا کھانا میں پکاؤں گی۔ صحنان آج تمہاری چھٹی۔" سیاہ بالوں کی اونچی پونی ٹیل جو عصر کے سرہلانے کے ساتھ ادھر ادھر جھول رہی تھی سیاہ جینز اور سرخ و سیاہ ٹاپ کے ساتھ اس کے دھان پان سے سراپے پر خوب جچ رہی تھی۔ دائیں بائیں کچھ آوارہ لٹوں نے اس کے دلکش چہرے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ سیاہ بالوں کے درمیان اس کا چہرہ ایسا ہی بھلا معلوم ہورہا تھا جیسے تالاب کے کائی زدہ پانی میں کنول کا خوب صورت پھول۔

وسیم نے محو ہوکر اس کی خوب صورتی کو دیکھا اور پھر غیر محسوس طور پر صحنان کو دیکھنے لگا آج تو صحنان کے انداز بھی کچھ الگ ہی محسوس ہورہے تھے۔ ہمیشہ درمیان سے مانگ نکال کر بالوں کی لمبی چوٹی بنانے والی صحنان نے آج بال ایک سائیڈ پر کررکھے تھے اور آگے دائیں طرف چند بل دے کر چوٹی آگے کی ہوئی تھی۔ سانولے چہرے کی نرمی اور ملائمت وہ اتنی دور سے بھی محسوس کررہا تھا۔ عصر کے ساتھ بات کرتے وقت وہ مسکرائی تھی بائیں جانب پڑنے والے ڈمپل کو شاید اس نے آج پہلی بار نوٹ کیا تھا اور کٹاؤ دار ہونٹوں کے نیچے ٹھوڑی سے ذرا سا اوپر درمیان میں سیاہ تل اس کے نمکین حسن کو اور بڑھا رہا تھا۔

نجانے کیوں وسیم نظریں ہٹانا بھول ہی گیا تھا۔ صحنان اتنی خوب صورت ہے اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا...... وہ پلک جھپکائے بنا خاموشی سے اسے دیکھے جارہا تھا کہ اس کی نظروں کی تپش محسوس کرکے صحنان نے اس کی طرف دیکھا۔ سیاہ آنکھوں میں کاجل کی لکیر نے آج آنکھوں کو خوب صورت بنادیا تھا۔ نگاہوں سے نگاہیں ملیں تو وسیم جھینپ سا گیا۔ صحنان کی آنکھوں میں شکوے رقص کرنے لگے تھے۔ دل جیسے کسی انہونی کا منتظر تھا۔ وہ خاموشی سے لاؤنج سے اٹھ گیا تھا۔

"اچھا صوحی بتاؤ نا کیا پکاؤں آج؟" عصر اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ بھی پکالو۔" وہ بددلی سے بولی۔

"اُف...... اچھا پھوپو آپ بتائیں آپ کیا کھائیں گی آج۔ تائی امی آپ ہی کوئی مشورہ دے دیں۔" عصر نے سمیعہ اور تہمینہ سے پوچھا۔

"تمہاری پھوپو سے تو جب پوچھو وہ ایک ہی سبزی پکانے کا مشورہ دیتی ہے۔ میرا تو خیال ہے شلجم گوشت پکالیتے ہیں کافی دن ہوئے کھائے ہوئے۔" تائی امی نے ہنستے ہوئے سمیعہ کو چھیڑا اور آج کے کھانے کے لیے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا پھوپو آپ بھی بتائیں آپ کے لیے کیا پکاؤں؟ آج میرا بہت دل کررہا ہے کہ میں کوکنگ کروں۔"

"بتاؤں......؟" سمیعہ نے کتاب سے نظر اٹھا کر ایک لفظ کہا اور پھر سے کتاب کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"جی بتائیں نا۔" عصر نے ان کی بات کا جواب دیا۔

"بتاؤں......" سمیعہ نے ایک بار پھر کہا تائی امی اور صحنان مسکرانے لگیں تھیں۔

"بتائیں نا پھوپو......" عصر اب سمیعہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی تھی۔

صحنان اور تائی امی اب ہنس رہے تھے۔ عصر حیرت سے ان کو دیکھنے لگی۔

"ارے کہا تو ہے بتاؤں پکالو۔" تائی امی کا قہقہہ بے ساختہ

تھا۔ صحنان البتہ ہمیشہ کی طرح دھیما دھیما ہنستی رہی۔

"بھئی 'بتاؤں' بینگن کا پنجابی ورڈ ہے۔" تائی امی نے اسے بتایا۔

"اوہ مطلب بینگن کو پنجابی میں 'بتاؤں' کہتے ہیں۔ اردو کیا کم تھی جواب پھوپو پنجابی سیکھنے لگی ہیں۔" عصر نے پہلا جملہ خفت سے اور دوسرا مسکراتے ہوئے ادا کیا اور پیار سے سمیعہ کی پیشانی چوم لی۔ ان کی ذات کی معصومیت اور زندگی کی کٹھنائیوں کا اس گھر میں سب کو احساس تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

گھر کے سب لوگ ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور کیوں نہ بیٹھتے آج اس گھر کے سب سے لاڈلے سپوت نے ٹیلی وژن پر نظر آنا تھا۔ صحنان کچن میں مصروف تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ جلد از جلد کھانا پکا کر وہ بھی سب کی طرح فارغ ہو جائے۔ دل سے بار بار یہی دعا نکلتی تھی کہ اللہ تعالیٰ وہ کرے جو وسیم کے حق میں بہتر ہو۔

"صوحی...... تھوڑا سا گروی رکھ لینا۔" سمیعہ نے وہیں سے صحنان کو پکارا۔

"ہیں......! کیا گروی رکھنا ہے اور کیوں؟" ممانی جان نے حیرانی سے کہا۔ اور باقی سب بھی سمیعہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"بھئی سالن میں گروی رکھنا ہے۔ آپ لوگ تو ذرا سی بات پر برتن دھو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔"

"سمیعہ بیٹا برتن نہیں...... ہاتھ دھو کر۔" قیصر صاحب پیار سے بولے۔

"ہاتھ کیوں دھونے میرے تو ہاتھ صاف ہی ہیں اور برتن تو میں ویسے بھی نہیں دھوتی۔ میری صحنان سارے کام خود ہی کر لیتی ہے۔" وہ ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا گروی رکھنا ہے؟" انہوں نے ایک بار پھر سوال کیا۔

"امی کا مطلب ہے چکن میں گریوی رکھنا ہے۔" صحنان کچن سے نکل آئی تھی اور قیصر غنی کا سوال سن چکی تھی۔ سب ہی سمیعہ کے "گروی" کا مطلب سمجھ کر مسکرانے لگے۔

ٹی وی پر پروگرام شروع ہونے لگا تو سب ہی اس طرف متوجہ ہو گئے۔ آٹھ سے نو بج گئے لیکن وسیم کہیں نظر نہ آیا۔ سب ہی گیم شو میں بغور وسیم کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر کار وسیم نظر آ ہی گیا۔ میزبان لوگوں کے پاس جا کر انعامات کی بارش کر رہا تھا اور لوگ ایسے جھپٹ رہے تھے جیسے زندگی بھر کی اشیائے ضروریات یہاں سے ہی ملنی ہوں۔ سب کے درمیان بیٹھا سیاہ لباس میں ہیرو بنا وسیم سینے پر دونوں ہاتھ باندھے چند لمحوں کے لیے اسکرین پر نظر آیا وہ اس چھینا جھپٹی مہم کا حصہ نہیں لگ رہا تھا۔

"یہ سب دیکھ کر میرے تو پیروں تلے پسینہ آ گیا...... توبہ توبہ۔ ان لوگوں کے حواس خطا کیوں نہیں ہوتے۔ اور یہ بانٹنے والے لوگ تو جیسے خرگوش بانٹ رہے ہوں...... چھیننے والے تو سب لے جاتے ہوں گے اور باقی لوگ ناک ملتے رہ جاتے ہوں گے۔" سمیعہ نے دونوں ہاتھ توبہ کرنے والے انداز میں کانوں پر رکھ لیے۔

"سمیعہ دانتوں تلے پسینہ ہوتا ہے اور خرگوش بانٹ نہیں بندر بانٹ...... لیکن یہاں اس محاورے کا استعمال صحیح نہیں......" قیصر غنی صاحب نے ابھی بات آدھی ہی کی تھی اگلی تصحیح کرنا باقی تھی کہ سمیعہ بول پڑیں۔

"بابا دانتوں تلے تو زبان ہوتی ہے اور سچ کہا آپ نے اگر بندر بھی ہوتا تو ایسے نہیں چھین سکتا تھا جیسے یہ لوگ ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں یہ ان کے ہی کام کا بس...... ہم جیسوں کو تو دن میں چاند نظر آ جائے۔" اس بار تہمینہ نے مسکراتے ہوئے سر کو اشارے سے سمیعہ کی تصحیح کرنے سے منع کیا کہ کہیں سمیعہ برا نہ محسوس کر جائیں۔ ویسے بھی سمیعہ ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی طرح رونے لگ جاتی تھیں اس لیے سب ہی اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ سمیعہ کو کوئی بات بری نہ لگے۔

"وسیم بھائی آ گئے۔" عصر چیخی۔

پروگرام کے ہوسٹ نے موٹر سائیکل جیتنے کے لیے کیک کھانے کے مقابلے میں چار لوگوں کو بلایا تھا۔ اب وہ بتا رہا تھا کہ اس مقابلے میں ایک منٹ میں کیک ایسے کھانا ہے کہ ہاتھ کا استعمال نہیں ہو۔ تھری ٹو ون۔

وقت شروع ہو چکا تھا۔ وسیم کا کلوز اپ آیا وہ منہ نیچے کیے کیک کھانے کی کوشش کر رہا تھا منہ اوپر ہوا تو ناک اور منہ دونوں ہی کیک کی کریم سے لتھڑ گئے تھے۔ سب کیک پر ٹوٹ گئے تھے لیکن بلا کا ٹپ ٹاپ سے تیار رہنے والا وسیم اب ٹشو پیپر سے منہ صاف کر رہا تھا۔

سب ہی خاموشی سے دیکھ رہے تھے اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ منہ صاف کر کے وقت سے پہلے ہی ہوسٹ

سے ہاتھ کے اشارے سے معذرت کرتے ہوئے اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''واہ گڈ شاباش...... میرا بھتیجا ہے ایسے کیسے ایک موٹر سائیکل کے لیے اپنا وقار کھو دیتا۔'' سہام پرجوش انداز میں بولے۔ ضیاء اور صحتان سمیت سب کے چہروں پر فخر تھا۔ مسکراہٹ سے سب کے چہرے دمک رہے تھے۔

''ہماری تربیت ہے یہ...... ہمیں فخر ہے کہ ہمارے بچے اپنی عزت نفس قائم رکھنا جانتے ہیں۔'' قیصر غنی کی آواز خوشی سے کپکپا رہی تھی۔ دیکھنے والوں کے لیے یہ عام سی بات تھی لیکن اس گھر کا ہر مکین جانتا تھا کہ یہ کوئی عام بات نہیں تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا جی...... وسیم میں بچپنا ضرور ہے لیکن وہ خود کو بھول نہیں سکتا۔ اسی لیے میں نے آپ سے کہا تھا دور سے چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والے وسیم کو ایک بار سب کچھ قریب سے دیکھ لینے دیں۔'' ضیاء نے دادا جی کے ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔

''ویسے لوہا گرم ہے دادا جی کیا خیال ہے صبح اگلی چوٹ بھی ماردی جائے۔'' ضیاء شرارت سے مسکرایا۔

''بہت عرصہ ہوا اس گھر کی خاموشی میں شہنائیوں کی آواز نہیں گونجی...... بس اب سب ہی تیاری شروع کردو۔ میں وہ خوش نصیب ہوں جو ایک نہیں بلکہ اپنے بچوں کی چار اولادوں کی شادی ایک ساتھ دیکھ کر پھر سے جوان ہو جاؤں گا۔'' ہر دل خوشی اور مسرت کے احساس سے معمول سے تیز دھڑک رہا تھا۔ ابھی پروگرام کا آدھا حصہ باقی تھا وسیم کی قسمت کہ کسی اور سیگمنٹ میں قرعہ اندازی میں اس کا نام ہی نہیں نکلا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''او میرا شیر پتر آیا...... جی خوش کردتا ای اوئے۔'' وسیم خالی ہاتھ شرمندگی سے سر جھکائے گھر میں داخل ہوا اور شکست خوردہ کھلاڑی کی مانند بھاری قدموں کو گھسیٹ کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا مبادا کوئی دیکھ نہ لے۔ کیا' کیا باتیں نہ کی تھیں اس نے اور اسے منہ کی کھانی پڑی تھی۔ کیا منہ لے کر جاتا وہ دادا جی اور باقی لوگوں کے سامنے۔ وہ سب تو اسی کی راہ تک رہے تھے۔ ان کے کمرے سے بیرونی گیٹ کا منظر واضح نظر آتا تھا وہ کب سے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ جوں ہی اپنے کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے اسے آتا دیکھا فوراً ہی لپک کر اس کے پیچھے جا پہنچے اور پیچھے سے ہی پکڑ کر بانہوں میں بھر لیا اور دادا جی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

''چاچو...... پلیز ابھی نہیں۔ صبح دادا جی سے ملوں گا۔ ابھی مجھ میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں۔'' وہ رقت آمیز انداز میں بولا۔

''ایسے کیسے صبح ملنا ہے...... بھئی ہم سب تو تمہارے انتظار میں اب تک سوئے نہیں۔'' وہ اسے لیے کمرے میں داخل ہوئے۔

''دادا جی مجھے معاف کردیں۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی جو آپ کی باتوں کو سمجھ نہیں سکا۔ یہاں جانے سے پہلے میں بہت ایکسائیٹڈ تھا لیکن وہاں جا کر علم ہوا کہ......'' وہ آتے ہی دادا جی کے گلے لگ گیا تھا۔

''میرا دل ہی نہیں کیا وہاں کچھ چھیننے کا۔ لوگ چھینتے رہے اور میں دیکھتا رہا۔ مجھے وہاں آپ اور آپ کی باتیں بہت شدت سے یاد آئیں۔''

''اگر آج تو وہاں سے اپنی عزت نفس اور ہمارے سکھائے ہوئے آداب کو بھلا کر کچھ لے بھی آتا تو مجھے ذرا برابر خوشی نہ ہوتی۔ جو فخر مجھے آج تجھ پر محسوس ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔'' دادا جی اسے گلے لگا کر تھپکی دے رہے تھے تعریف کر رہے تھے حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ آپ سب کی ہر بات مانوں گا۔'' وہ ایک جذب کے ساتھ بولا۔

''چل اب جا کر سو جا صبح کا آغاز ایک نئے جذبے کے ساتھ کرنا۔ دیکھ بیٹا ہمت کرے انسان تو کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ میں تیرے ساتھ ہوں بہت جلد تو اس مقام پر ہوگا جہاں تجھے ہونا چاہیے مگر شرط یہ ہے کہ نیت صاف ہو۔ جب تک نیت صاف نہیں ہوگی تم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کامیابی کے دو ہی گر ہیں ایک صاف نیت اور دوسرا محنت۔ جو بندہ ان پر عمل کرے وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتا۔''

☆☆☆......☆☆☆

جنوری کے اواخر ایام تھے سردی کا زور کچھ کم ہوگیا تھا۔ یہ ایک نئی صبح کا آغاز تھا۔ قیصر غنی ہاؤس کے کچن میں آج ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ صحتان اور ضیاء کی اچانک طے ہو جانے والی شادی کی وجہ سے صحتان کو ضیاء سے پردہ کروا دیا گیا تھا۔ آج ایک

عرصے بعد تہمینہ ناشتہ بنارہی تھیں لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کس کے لیے کیا پکائیں۔ عصر اور سمیعہ دونوں تہمینہ کی مدد کے لیے کچن میں موجود تھیں۔

''کیا...... صوحی کی شادی ضیاء سے طے کردی گئی؟'' وسیم چیخا۔

''تم نے ہی تو صحتان سے کہا تھا تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ ضیاء کو کمپنی کی طرف سے پندرہ فروری کو انگلینڈ بھیجا جارہا ہے اور واپسی میں سال بھی لگ سکتا ہے۔ اس لیے ہم نے طے کیا کہ ضیاء کا نکاح کردیتے ہیں تاکہ وہ صحتان کو بھی ساتھ لے جاسکے۔ اس بہانے گھر میں رونق بھی ہوجائے گی۔ کیا تم ایک بار پھر بڑوں کے فیصلے کے خلاف جانے والے ہو؟'' فہام نے سنجیدہ انداز میں سوال کیا۔

''جن کی شادی ہے ان کو اعتراض نہیں تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ میں آتا ہوں۔'' وہ کرسی پیچھے کھسکا کر ضیاء کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''بھائی یہ کیا سن رہا ہوں میں......؟'' وہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیار ہوتے ضیاء کو دیکھ کر بولا۔

''کیا سن لیا بھئی...... اچھا میرے جانے کا؟ بس کافی عرصے سے یہ بات چل رہی تھی کل ہی مجھے بھی اچانک علم ہوا۔ چل آ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' ضیاء نے مسکراتے ہوئے ہاتھ سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں صحتان کی بات کررہا ہوں۔ آپ کی اور اس کی شادی کی بات۔'' اس نے ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ارے ہاں...... بس تم نے صحتان سے بات کی اس نے مجھ سے پوچھا اور تب مجھے احساس ہوا کہ واقعی تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ میں نے دادا جی اور پاپا سے بات کی اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔''

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے...... کسی کو اتنا خیال بھی نہیں آیا کہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار مجھ سے پوچھ ہی لیں۔'' وسیم جھنجلایا۔

''بھئی تم سے کیا پوچھنا تھا تم نے ہی تو یہ فیصلہ کیا تھا ورنہ ہمیں تو اس بات کا احساس ہی نہ ہوتا کہ میرا اور صحتان کا دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکتا ہے۔'' وسیم یک دم خاموش ہوگیا۔

ضیاء نے اسے واقعی لاجواب کردیا تھا۔ ابھی رات ہی تو اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کچھ ایسا نہیں کرے گا جس سے کسی کو دکھ ہو اور صبح ہوتے ہی امتحان شروع ہوگیا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹ آیا۔ لیکن اس بار وہ صحتان کے کمرے کی طرف بڑھا۔

''اگر واقعی وہ بھی یہی چاہتی تھی تو پھر وہ درمیان میں نہیں آئے گا۔'' اس نے یہ سوچ لیا تھا۔

دروازہ کھلا تھا وہ سامنے ہی بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے دھیما دھیما سا مسکرا رہی تھی۔ مسکراتے چہرے پر بننے والا خوب صورت ڈمپل اس کی ساری توجہ کھینچ لے گیا۔ بے اختیار ہی اس کا جی چاہا کہ وہ اس کو چھو کر محسوس کرے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ صحتان نے فوراً سے آنکھیں کھول کر دروازے کی سمت دیکھا۔

''آجائیں۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''بہت خوش نظر آرہی ہو؟''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟''

''لگتا ہے تمہیں اسی کا انتظار تھا۔'' اسے کہیں بہت درد ہوا تھا۔

''راستہ دکھانے والے بھی تم تھے اور انگلی اٹھانے والے بھی تم ہو۔'' آنکھیں نم ہورہی تھیں۔

''یہ تو نہیں کہا تھا اعلان ہی کردو۔'' وہ تنک کر بولا۔

''تو گویا تم کہتے تو اعلان کرتی ورنہ گھٹ گھٹ کر مرجاتی اور تم تماشا دیکھتے۔''

''میں تمہیں بدلنا چاہتا تھا۔'' اب کی بار آواز شکستہ ہوئی۔

''میں واقعی بدل گئی ہوں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''اور میں نے کل سے خود کو بدلنا چاہا لیکن سب کچھ بدل گیا۔ اب جو نہیں ملا وہ میری محرومی۔ میں خاموش رہوں گا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی خوش رہو ہمیشہ۔'' اس کا دل بھر آیا...... وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

صحتان کی آنکھوں میں پانی جمع ہوکر موتی کی شکل اختیار کرگیا تھا۔ شفاف موتی لڑھکا تو باقی کے موتی خود بخود بنتے اور پھسلتے چلے گئے۔

☆☆☆......☆☆☆

دن کیسے گزرے کچھ پتا ہی نہ چلا...... شادی کی تیاریاں کرتے کرتے بالآخر آج وہ دن آہی گیا تھا جب نکاح ہونا

تھا۔ کیونکہ دلہن کو اسی گھر میں رہنا تھا اس لیے طے یہ پایا تھا مہندی والے دن ہی نکاح کردیا جائے اور اگلے دن ولیمہ۔ مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ صحنان اور عصر دونوں نے ایک جیسے لباس پہنے تھے۔ سرخ ہرے اور پیلے رنگ کی جالی دار تہہ والے لہنگے جن کے نیچے بناری گولڈن کپڑا تھا۔ لہنگے کے اوپر پیلے رنگ کی چولی پر سبز اور گولڈن نفیس سا کام بنا ہوا تھا اور ہرا گھیر دار دوپٹہ جو ان کی دوستوں نے سلیقے سے سیٹ کردیا تھا۔ ایک ہی سا پھولوں کا زیور پہنے صحنان اور عصر اس قدر خوب صورت لگ رہی تھی کہ کہنا مشکل تھا پھول خوب صورت ہیں یا پھول لگا کر سجنے والیاں۔

قیصر غنی نے پرانی روایات پر عمل کرتے ہوئے نکاح سے پہلے دلہنوں کو اسٹیج پر لانے سے منع کردیا تھا۔ وسیم نے بدل جانے کا ثبوت دیتے ہوئے شادی کی تیاری اور کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور تو اور ضیاء کی خواہش پر مہندی اور ولیمے کا سوٹ بھی اس جیسا ہی لیا تھا۔ وہ الگ بات تھی اس کی آنکھوں کی بجھی جوت کسی سے بھی چھپی نہ تھی۔ وسیم کھانے کے کچھ ضروری کام نمٹا کر لان میں فنکشن کے انتظام کے لیے لگائے گئے خوب صورت شامیانے میں داخل ہوا تو ضیاء نکاح نامے پر دستخط کررہا تھا۔ وسیم کو اپنے اس قدر غیر اہم سمجھے جانے پر افسوس ہوا تھا۔

”کیا میں اب اس قابل بھی نہیں کہ میرے بھائی کے نکاح کے لیے میرا انتظار کرلیا جاتا۔“ اس نے آگے بڑھ کر گلے لگ کر ضیاء کو مبارک باد دی۔ حالت یہ تھی کہ اب گرا کہ تب گرا۔ ضیاء نے اس کے پیچھے ہٹنے پر اسے غور سے دیکھا۔ رنگ پیلا زرد تھا نگاہوں میں دھندلا پن اتنا کہ جیسے وہ زندہ ہی نہیں۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“

”دل گھبرا رہا ہے شاید تھکاوٹ ہوگئی ہے۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ واپس مڑا تو ضیاء نے اس کے قدموں کی شکستگی دیکھتے ہوئے فہام سے سرگوشی کی۔

”وسیم...... بیٹا عصر کو کل کچھ پیسے پکڑائے تھے ذرا بھاگ کر لا تو دو۔“ فہام کی آواز پیچھے سے آئی۔

”جی پاپا۔“ وہ سارے گھر میں عصر کو ڈھونڈتا رہا۔ تہمینہ نے بتایا کہ وہ کسی کام سے بازار گئی ہے۔

پاپا کو بتا کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا آیا۔ اسے واقعی آرام کی ضرورت تھی۔ ہولے ہولے چلتے ہوئے وہ اچانک

سیڑھی پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ سر گھوم رہا تھا۔ پھر رہی سہی ہمت مجتمع کر کے وہ کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ کمرے کا دروازہ کھولا لائٹ آن کی وہ یونہی بند ہوتی آنکھوں سے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا کہ کمرے کی لائٹنگ کی سجاوٹ سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ سرخ آنکھوں سے مڑ کر سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا جہاں ضیاء کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر ادھر ادھر نظر کی تو حیران رہ گیا...... قیصر غنی، سہام، فہام اور ضیاء سمیت خاندان کے سب ہی بڑے اس کے کمرے میں موجود تھے۔ ایک طرف صوفے پر صحنان اور عصر موجود تھیں۔ وہ حیران ہوا یہ کیا ہو رہا ہے۔

"سب میرے کمرے میں کہیں پھر سے کچھ غلط تو نہیں کر دیا میں نے۔" وہ سوچتے ہوئے آگے آیا۔ قیصر غنی نے کھسک کر اپنے ساتھ اس کے لیے جگہ بنائی۔

"آؤ بھئی میاں رانجھے دیر ہو رہی ہے۔ قاضی صاحب شروع کیجیے۔" اسے واقعی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"محمد وسیم فہام آپ کو صحنان بنت علی زیب کا رشتہ حق مہر دو لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت حکومت پاکستان قبول ہے؟" اسے لگا وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہو۔

"ارے بھئی کیا دلہے کا گڑ کھائے بیٹھے ہو بولو نا......" سمیعہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور ساتھ ہی کاندھے پر چٹکی کاٹی......وہ ایک دم زور سے اچھلا۔

"جی...... جی...... قبول ہے...... قبول ہے...... قبول ہے۔" اگر یہ حقیقت تھی تو اس سے زیادہ خوب صورت پل اور کوئی ہو سکتا تھا کیا۔

سب آپس میں مبارک باد دے رہے تھے۔ گلے مل رہے تھے اور وسیم کا دل کر رہا تھا کہ زور زور سے قہقہے لگائے۔ اچھل کر چلانگیں لگا کر گول گول گھوم کر خوشی کا اظہار کرے۔ وہ سب ایک بار پھر سے لان میں پہنچ گئے تھے۔

"کیوں بھئی...... میاں رانجھے کہو ہماری پلاننگ کیسی رہی؟" دادا جی ضیاء کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔ وسیم بھی جھینپ کر ان کے ساتھ جا لگا تھا۔

"سپر...... بہت بہت اچھی۔" اس نے صحنان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ ہماری طرف سے تمہاری شادی کا تحفہ......" دادا جی نے اسے چابی تھمائی۔

"یہ کیا ہے؟" وسیم کچھ سمجھا نہیں تھا۔

"ہمارے چھوٹے پوتے کی شادی کی خوشی میں ہم نے اسے تحفے میں گاڑی گفٹ کی ہے۔"

"دادا جی...... مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں میں غلط تھا۔"

"تحفہ واپس نہیں کرتے رکھ لے یار رکھ لے۔" ضیاء نے ٹانگ اڑائی تو وسیم نے مسکراتے ہوئے چابی جیب میں رکھ لی۔

"میں نے جو غلطیاں کی میں ان پر دل سے شرمندہ ہوں۔ اللہ گواہ ہے میں نے صحنان اور آپ کے رشتے پر کبھی شک نہیں کیا میں بس صحنان کو اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا تھا۔ شروع میں مجھے بچپن سے منسوب ان رشتوں کے بارے میں جان کر بہت غصہ آیا تھا اور میں خوش بھی نہیں تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا اور دل سے راضی تھا بس میں سادہ سی صحنان کو بدلنا چاہتا تھا اور سب ویسا ہی ہو رہا تھا جیسا میں چاہتا تھا۔ میں خوش تھا کہ سوچ بدل رہی ہے لیکن یہ شادی والی بات سن کر تو میرے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی...... اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاتا۔ مجھے معاف کر دیں میں شرمندہ ہوں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ صحنان کی نظریں ضیاء سے ملیں۔ دونوں مسکرائے......ضیاء نے اپنا وعدہ پورا کیا وسیم اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہا تھا۔

"اگر واقعی کسی سے معافی مانگنی ہے تو صحنان سے مانگو اس سب میں سب سے زیادہ پریشان وہی رہی ہے۔" دادا جی نے وسیم کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے گلے لگایا۔

"آپ سب کو میری اور صحنان کے درمیان بات کا کیسے علم ہوا؟ جہاں تک میں صحنان کو جانتا ہوں صحنان خود سے تو کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وسیم کو اب خیال آیا تو وہ ذرا سا پیچھے ہٹ کر پوچھنے لگا۔

ضیاء اور قیصر غنی کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔

"میں مہمانوں کے پاس بیٹھتا ہوں ضیاء ذرا تفصیل بتا دو صاحب زادے کو۔" دادا جی اپنی لاٹھی تھام کر اٹھے۔ آج تو دادا جی کی شان بھی نرالی تھی سفید کرتا شلوار پر سیاہ واسکٹ پہنے قیصر غنی کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی اور چھپتی بھی کیسے اپنے بچوں کے چار چار بچوں کی ایک ساتھ شادی ہوتے دیکھنا کوئی چھوٹی بات تھوڑی تھی۔

"اس دن جب تم صحنان سے میرے جانے کے بعد

ضروری بات کرنے کا کہہ رہے تھے۔ میں نے سن لیا تھا اور میں نے ہی صحتان کو تاکید کی تھی کہ تمہاری وہ ضروری بات اگر خطرے والی ہوئی تو مجھے ضرور مطلع کردینا۔ پھر وہی ہوا تمہاری بات سن کر صحتان بہت پریشان ہوگئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ میری بہن صحتان میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں کہ اس کو ناپسند کیا جائے اس لیے میں نے سب کے ساتھ مل کر پلان کیا کہ ہم عین وقت تک یہی ظاہر کریں گے کہ صحتان کی شادی مجھ سے ہو رہی ہے...... اور گیم شوز میں جس طرح خود کو بھلا کر ناچ گانا' عجیب وغریب شکلیں بنا کر اور جوڑیاں بنا کر مذاق ہوتا ہے وہ سامنے دیکھ کر ہی تم سمجھ سکتے تھے اس لیے میں نے سب سے کہا کہ تمہیں اجازت دے دیں کیونکہ ظاہر ہے اس طرح کی حرکتیں ذی عقل انسان تو بالکل نہیں کرنا چاہے گا اور مجھے تم سے بھی یہی امید تھی۔ سب نے ایسا ہی کیا ویسے ابھی میرا تمہیں مزید تنگ کرنے کا ارادہ تھا لیکن میرے نکاح نامے پر سائن کے بعد جو تمہاری حالت تھی اس کے بعد میں نے اور دادا جی نے طے کیا کہ بس بہت ہوگیا رانجھے صاحب کہیں گزر ہی نہ جائیں اس لیے پلان کا دی اینڈ کردیا۔" ضیاء نے مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں وسیم کو بتایا اور وسیم بھی تفصیلات سنتے ہوئے مسکراتا رہا تھا۔

"میں بھی چلتا ہوں اب' ذرا اپنی بیوی سے اظہار محبت کرلوں آج چودہ فروری ہے۔ بھول گیا تو اب تو وہ بیوی بن گئی ہے ساری عمر مجھے طعنے دے گی۔" ضیاء نے شرارتی انداز میں کہا۔

☆☆☆......☆☆☆

وسیم دوزانو ہوکر صحتان کے پاس بیٹھ گیا...... وہ تڑپ کر اٹھ کر نیچے بیٹھنے لگی تو وسیم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے پھر سے بٹھا دیا۔

"کچھ کہو گی نہیں...... مجرم حاضر ہے......"

"جن سے پیار کیا جائے انہیں سزا نہیں دی جاتی ان کا ہر ستم سر آنکھوں پر۔"

"میں پھر بھی تم سے معافی......" صحتان نے مہندی لگے ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ کر اسے آگے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔

"آپ میرے ہیں...... میرے لیے بس یہی احساس کافی ہے۔ گزری باتوں میں کیوں وقت برباد کریں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں ان پلکوں پر کبھی کوئی غم کا ستارا نہیں ٹمٹمانے دوں گا۔" وسیم نے ہولے سے اس کی پلکوں کو چھوا۔ وہ مسکرادی۔

"گال کا حسین ڈمپل......" وسیم نے انگلی لگا کر اسے چھوا۔

"ویسے دادا جی اتنے بھی پرانے نہیں ہمیں ملانے کے لیے انہوں نے چودہ فروری ہی چنا ہے۔"

"ہیپی ویلنٹائن ڈے۔" وسیم نے اس کے مسکراتے ہونٹوں کے عین نیچے محبت کی مہر ثبت کی۔ درمیان میں سیاہ تل پر محبت۔

"تو یہ طے تھا اب زندگی بہت خوب صورت گزرنے والی ہے۔" وسیم سوچ رہا تھا اس سارے قصے میں ایک سبق تو اس نے بہت اچھی طرح سے سیکھ لیا تھا۔

"نیت صاف...... منزل آسان......"

صحتان کے معاملے میں وسیم کو خود بھی نہیں علم تھا وہ کیا چاہتا ہے۔ کبھی دل کہتا اچھا ہے کہیں اور شادی ہوجائے جان چھوٹے۔ پھر سوچتا اس کی اتنی عادت ہے کسی اور کے ساتھ کیسے رہ پاؤں گا۔ پھر خیال آتا عادت ہی تو ہے بدل ہی دوں گا اور پھر وہی دل اس کی دوری کے احساس سے غم سے چور ہونے کو تھا۔ اگر پہلے والے حالات میں اس کی شادی صحتان سے ہوجاتی تو شاید وہ کبھی نہ سمجھ سکتا اسے صحتان سے کتنی محبت ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی اس خیال کے ساتھ گزار دیتا کہ اس نے کمپرومائز کیا نہ چاہتے ہوئے بھی بڑوں کے آگے سر جھکایا۔ وہ دل ہی دل میں گھر والوں کے پرفیکٹ پلان کو داد دے رہا تھا۔

"واقعی ہمارے بڑے اکثر ہمیں ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔" زندگی میں پہلی بار گھر والوں کے فیصلے کو دل سے تسلیم کیا تھا۔ صحتان سے محبت کے راز کو پانے کے بعد بھی بغاوت کی سوچ تک نہ آئی اور جب ناامید ہوگیا تھا تو سوچ کی پاکیزگی کا انعام صحتان کی صورت میں سامنے تھا۔

"اب کامیاب انسان بننے کے لیے باقی ہے "محنت" جس سے کبھی جی نہیں چرانا۔" وسیم خوش دلی سے سوچ رہا تھا۔

☺

یوم محبت

تحریم اکرم چوہدری

کبھی رنگوں سے کھیلو تم
مجھے تصویر کر ڈالو
میں کوئی خواب ہوں شاید
اسے تعبیر کر ڈالو
میری سوچیں بھٹکتی ہیں
زمانے کی سرائے میں
کبھی ممکن جو ہو تم سے
انہیں زنجیر کر ڈالو......

وہ اس کے سامنے کھڑا گنگنا رہا تھا چہرے پر نامعلوم سی دلکش مسکراہٹ ابھری مگر اس کا ارتکاز نہ پا کر لمحوں میں معدوم ہوگئی۔ اس نے من چاہے احساسات کو الفاظ کی لڑی میں پرو کر اس کے سامنے پیش کیے تھے مگر وہ لاتعلق بنی بیٹھی رہی۔ کیا لاتعلق بنے رہنا اتنا آسان تھا اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور پھر اسے متوجہ کیا جو آنکھوں پر سیاہ گلاسز لگائے نخوت زدہ انداز اپنائے بیٹھی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ کہا تھا عرین......" اس نے آس کا سرا تھام کر عرین کو مخاطب کیا۔

"ہمم...... میں جواب دینے کی پابند تو نہیں۔" وہ ہنسی سراسر مذاق اڑاتا لہجہ۔ آس کی ڈور ریشم کی مانند الجھنے لگی تو اس نے ایک بار پھر سے سلجھانے کی لاحاصل کوشش کی۔

"میں جواب طلبی کا حق ہی تو لینا چاہتا ہوں۔" وہ بے بس تھا اور بے بسی اذیت کا دوسرا نام ہے۔

"میں یہ حق سوتیلے رشتوں سے زیادہ غیروں کو دینا پسند کروں گی۔" اس کے منہ سے انگارے جھڑ رہے تھے اور ان کی زد میں مسعود کمال کا ناتواں وجود بھبک رہا تھا اذیت سی اذیت تھی۔

"کیا تم یہ اختیار کسی کو دے چکی ہو؟" ہمت داد طلب تھی۔

"ہاں شاید......" یہ دو لفظ نہیں بلکہ نیزے کی انی تھی جو سیدھی مقام دل پر جا چبھی تھی۔ ایک ہوک اٹھی مگر آہوں کا گلا دبا کر اور سسکیوں کو بے موت سلا کر ضبط لازم ٹھہرا تھا۔

"تمہیں ماما بابا کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے۔" شاید اس نے آخری کوشش کی گئی تھی۔

"بابا ماما نہیں بلکہ صرف مما اور وہ بھی تمہاری مما......" اس کے لہجے میں نفرت انڈ آئی تھی جسے چھپانے کی اس نے قطعی کوشش نہ کی۔

"کاش تم رشتوں کو سگے سوتیلے کے ٹھپے لگانے کی بجائے انہیں تسلیم کرنے اور پرکھنے کے علم سے بھی آشنا ہوتیں۔ رشتے صرف احساس کے ہوتے ہیں اور احساسات کو کبھی منجمد نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ احساسات کی موت ضمیر کی موت ہے۔" مسعود نے سرخ اینٹوں کے دھلے فرش پر نگاہیں ٹکائے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

"تمہیں روزانہ ایک ہی سوال کرنے کی بجائے نئی باتوں کے سرے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ضرور کرنی چاہیے۔" عرین نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ سنہری کرنوں میں زوال کا ظہور تھا آنگن میں شام اترنے کو تھی اور یہ شام تو شاید مسعود کمال کے وجود میں بھی اتر آئی تھی۔ سیاہ اندھیری اور تاریک سی جو بخت کو سیاہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نے نہایت سفاکی سے سوچا اور یہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مگر فیصلہ کا حق تو صرف ایک ہی ذات کو حاصل ہے اور بے شک وہ واحد ولاشریک ہے یکتا ولاثانی۔

❀......❀......❀

وہ صبح بہت ہی بوجھل تھی ان گنت دکھوں سے بھرپور۔ گلاس ونڈو کے پار صبح کا اجالا نئے دن کی شروعات کی نوید سنا رہا تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں گلاس ڈور سے چھن چھن کر کمرے میں آنے لگیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی تقریباً ساڑھے نو کا وقت تھا اس نے دس منٹ میں تیاری کی اور ڈائننگ ٹیبل پر آ پہنچی۔ بابا ابھی تک گھر پر تھے‘ فریدہ ماما کے ساتھ ساتھ مسعود کمال اور اس کا چھوٹا بھائی زین بھی وہاں موجود تھے۔ دراصل فریدہ ماما اس کی دوسری امی تھیں اور مسعود کمال ان کا سگا بیٹا تھا جبکہ زید فریدہ ماما اور عرین کے بابا کا اکلوتا چھوٹا بیٹا تھا۔ مسعود اس سے بہت پیار کرتا تھا مگر عرین اسے ابھی سوتیلے کے درجے پر فائز کرچکی تھی‘ اب بھی وہ سب کو مشترکہ سلام کرنے کے بعد جلدی جلدی ناشتا کرنے لگی جب فریدہ ماما نے اسے پیار سے پکارا۔

”سکون سے کھاؤ بیٹا۔“ عرین ایک لمحے کو رکی اور ان پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

”سکون تو اس گھر کی دیواروں سے نچوڑ لیا گیا ہے اب صرف نحوست کا پنچھی اس مکان میں راگ الاپتا ہے۔“ فریدہ ماما کی آنکھوں میں اشکوں کی نمی اتر آئی۔ ہاں واقعی گھر تو رشتوں واحساسات سے بنتے ہیں جبکہ عرین تو کسی رشتہ کو قبولیت کا درجہ بخشنے کو ہی تیار نہ تھی۔

”ہاں یہ مکان ہی تو ہے......“ پلکوں کی باڑ پھلانگ کر ایک آنسو گستاخی کا مرتکب ٹھہرا تھا‘ ڈائننگ ٹیبل کی فضا سوگوار سی ہوگئی تھی۔

”عرین......“ بابا نے عرین کو گھر کا تھا مگر وہاں کسے پروا تھی۔ وین کی آواز سنتے ہی وہ باہر بھاگی...... ماما نے فضا کی سوگواریت کو محسوس کرکے زین کی شرارتوں کا تذکرہ شروع کردیا۔ بابا زین کی جانب متوجہ تھے جبکہ مسعود کمال کی آنکھوں میں نامعلوم سی اداسی کی لہر بل کھا رہی تھی۔ ناشتا کرنے کے دوران ہی اس نے اپنے ٹرانسفر آرڈرز کے متعلق ماما بابا کو بتایا۔ بابا کے لبوں پر شکوہ در آیا جبکہ ماما پر تو گویا سکتہ طاری ہوگیا تھا۔

”بیٹا...... کیا میری محبت میں کوئی کمی تھی جو آپ ہمیں یہ سزا دے رہے ہیں۔“ اور مسعود تو گویا بابا کی اس بات پر تڑپ ہی اٹھا تھا۔

”نہیں بابا...... آپ تو میرا فخر ہیں...... پلیز مجھے ایسے شرمندہ نہ کریں۔ کچھ جاب کی نوعیت ایسی ہے اور کچھ حالات کا تقاضا بھی‘ بس آپ کی اجازت مطلوب ہے۔“

”حالات کو مورد الزام ٹھہرانا ہمارا خود ساختہ بہانا ہے۔“ دلیل کے پرخچے اڑانا کوئی بابا سے سیکھتا۔ مسعود نے سر جھکا دیا۔

”میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں مگر...... جلدی واپس آنا۔“ بابا نے اسے گلے لگایا اور کندھے تھپکتے باہر چلے گئے شاید اشکوں کا پردہ لازم تھا مگر ماما نے تو یہ تکلف بھی نہ کیا اور اس کے ہاتھ تھامے رو دیں۔

”آپ کے آنسو میری کمزوری ہیں‘ کیا آپ چاہتی ہیں کہ یہ اشک میرے قدموں کو زنجیر کرلیں‘ خدارا چپ کرجائیں۔“

"تو پھر مت جاؤ۔" اداس کونج نے سر اٹھایا۔
"حالات کا تقاضا یہی ہے کہ میں یہاں سے دور چلا جاؤں۔" ایک تڑپ تھی اس جملہ میں۔
"حالات کا تقاضا یا دل کا؟" فریدہ ماما کے جواب بھی سوال میں پوشیدہ ہوتے تھے۔
"آپ تو سب جانتی ہیں ماما پھر بھی......" اس نے بھی ہار مان کر سر ماں کے کندھے سے ٹکا دیا۔
"میری دعاؤں میں ہمیشہ تمہاری خوشیوں کی دعائیں پوشیدہ ہیں مگر میں اپنی دعاؤں سے زیادہ تمہاری خوشیوں کی قبولیت چاہوں گی۔" ایک آنسو فریدہ کے چہرے پر چمکنے لگا تھا' کونجوں کے جوڑے نے تڑپ کر دیکھا۔
"ماما میں نہیں جاتا بس آپ روئیں مت۔" اس نے تسلی دی۔
"نہیں بیٹا...... تمہاری رضا میں میری رضا ہے۔ تم تیاری کرو۔" ٹوٹے دل کے ٹکڑوں کو مزید کچلتے انہوں نے جواب دیا' کونجوں کے اداس جوڑے نے سر جھکا لیا۔

❁......❁......❁

سنہری کرنیں ایک عجب سی تپش خود میں سموئے زرد بارش کی بوچھاڑ کی مانند قطرہ قطرہ برس رہی تھیں۔ سورج شانِ بے نیازی سے جلوہ گر تھا جب وہ مسز شیرازی کی کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد فرح کے ہمراہ گراؤنڈ میں آبیٹھی۔ فرح اس کی بیسٹ فرینڈ مزاج آشنا تھا جبھی دونوں میں خوب بنتی تھی۔ ابھی وہ دونوں وہاں بیٹھی ہی تھیں کہ زینی' کرن اور ثناء بھی انہی کے پاس آگئیں۔ یہ پانچ لوگوں کا ایک گروپ تھا' مسز شیرازی کی کلاس کے بعد پانچوں اکٹھی آبیٹھتی اور عرین زور و شور سے انہیں ماما فریدہ بقول اس کے سوتیلی امی کے قصے سناتی اور زینی' کرن' ثناء اس کی ہاں میں ہاں ملاتی۔ آج بھی وہ بڑے رنج والم کے تاثرات چہرے پر سجائے اپنی مظلومیت کا قصہ ان کے گوش گزار کررہی تھی جبھی کرن بولی۔
"ہاں یار یہ سوتیلی مائیں' باپ یا کسی رشتہ دار کے سامنے ایسے بن جاتی ہیں جیسے ان سے زیادہ تو ہمارا ہمدرد کوئی ہو ہی نا۔" اس کے چہرے پر گھیری بے زاریت تھی۔
فرح نے تاسف سے اس کی جانب دیکھا وہ جانتی تھی کہ آنٹی فریدہ بہت اچھی ہیں یہ صرف عرین کی خودساختہ سوچ ہے کہ سوتیلی مائیں اولاد پر ظلم کے پہاڑ توڑتی ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتی نا' فرح عرین کو سمجھا سمجھا کر تھک جاتی مگر وہ مان کر ہی نہ دیتی۔ فرح زچ ہوجاتی اور آخر آج غصہ میں بولنے لگی۔
"یہ صرف تمہارے ذہن کا فتور ہے جو کرن' ثناء اور زینی نے بھرا ہے۔ تمہیں کھرے و کھوٹے کی پہچان ہی نہیں رہی۔ تم آنٹی کی محبت کی قدر نہیں کرتی اور بدتمیزی کرتی نہیں چوکتی اور وہ ہیں کہ اف تک نہیں کرتیں۔ ماں صرف وہی نہیں ہوتی جس نے جنا ہو' ماں وہ ہوتی ہے جس نے ہمیں غلط صحیح کی پہچان کروائی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو استاد کو بھی باپ کے مرتبے پر فائز نہ کیا جاتا۔ رشتوں کی پہچان کرنا سیکھو۔" فرح نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور وہ بے دردی سے گراؤنڈ کی گھاس کو نوچتی رہی۔
"مجھے ان کے پیار و محبت سے انکار نہیں' انہوں نے میری ممی کی جگہ لی ہے شاید جبھی مجھے وہ سب مصنوعی محسوس ہوتا ہے۔" آنسوؤں کا ایک گولہ حلق میں اٹک گیا فرح نے اسے گلے لگالیا۔
"عرین تمہیں مثبت سوچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" فرح نے اسے نئی راہ دکھائی۔
"ہاں شاید......" دو لفظی جواب کے بعد طویل خاموشی چھاگئی۔
بے کیف سے دن گزرنے لگے' گھر کی فضا میں ان دیکھا جمود سرائیت کر گیا تھا۔ وقت پر لگا کر اڑنے لگا' زندگی اسی ڈگر پر چلتی رہی کہ اچانک کتاب زیست میں ایک نیا موڑ آگیا۔

❁......❁......❁

پو پھٹتے ہی گگن پر سورج مشرق کے دہانے سے اپنی جھپ دکھاتا اور دھیرے دھیرے مغرب کی جانب سرکتا وقت کے کشکول میں ایک خوب صورت دن کا نذرانہ ڈال

کررہتے سفر باندھتا اور مہتاب کو شب بھر کے لیے فلک کے سینے میں راج دھانی کی نوید سناتا۔ روز وشب کا یہ چکر اسی خوب صورتی سے رواں تھا۔

یونیورسٹی میں نیو ائر پارٹیز کے تذکرے ماند پڑے اور ویلنٹائن ڈے کے لیے ہر کوئی پرجوش تھا۔ فرح تو ویلن ٹائن ڈے کے ویسے ہی بہت خلاف تھی۔ عرین کے ذہن تک رسائی ناممکن جبکہ زینی، کرن اور ثناء تو تھی ہی آزاد ماحول کی پروردہ۔ وہ پانچوں گراؤنڈ میں ہی بیٹھی تھیں جب ثناء نے اس سے ویلنٹائن ڈے پارٹی میں شرکت کی بابت پوچھا، عرین خاموش رہی۔ جبھی ببل گم چباتی زینی ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"عرین تمہیں پتا ہے کہ بلال بھی پارٹی میں آئے گا بلکہ ان کا پورا گروپ وہاں مدعو ہے۔" وہ سب جانتی تھیں کہ عرین بلال کو پسند کرتی ہے اور بلال تو شاید اس کی محبت میں گرفتار تھا۔ عرین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ان کی ہاں میں ہاں ملائی جبکہ فرح تو اس کے حامی بھرنے کا سن کر ہی حیرت زدہ رہ گئی اور واپسی پر اسے پکڑلیا۔

"تم پاگل ہو گیا...... بلال ایک فلرٹی لڑکا ہے۔ وہ تمہیں دھوکا دے رہا ہے اور تم بخوشی اس کے جال میں قید ہو تف ہے تم پر۔"

"میرا دل مطمئن ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"دل حقیقی محبتوں سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ کی محبت حقیقی ہے۔" لاجواب کرنے کی سعی کی گئی۔

"کیا میری خوشی تمہیں تکلیف دے رہی ہے؟" براہ راست سوال پوچھا۔ فرح کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

"ہاں...... جو لڑکی اپنے ماں کی محبتوں کو دکھاوے سے تشبیہ دیتی ہے وہ ایک سچی دوست کے خلوص کو کیونکر پہچان سکتی ہے۔" سنہری کرنوں نے مظلوم لڑکی کا ظالم روپ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور سورج اپنے مشاہدے پر پشیمان تھا۔

ویلنٹائن ڈے کے لیے اس نے سرخ انارکلی فراک کا انتخاب کیا تھا جو کہ سنہری نگینوں سے مزین تھا۔ دامن پر

بھی سنہری پٹی اور چھوٹے چھوٹے نگینے اس کی خوب صورتی دو چند کررہے تھے۔ اس نے ہلکی پھلکی تیاری کے بعد کرن کو مس کال دی کیونکہ وہ چاروں اکٹھی جانے والی تھیں۔ فرح نے اس دن کے بعد سے مخاطب ہی نہ کیا تھا اور نہ ہی عرین نے خود مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ماما فریدہ نے اس پر آیات قرآنی پڑھ کر پھونکا اور کچن میں چل دیں جبھی کرن نے اپنی آمد کی اطلاع دی اور وہ سج سج کر قدم اٹھاتی کار میں آبیٹھی۔

پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد گاڑی ایک نہایت وسیع وعریض شاندار ہال کے سامنے رکی۔ ہال کو مکمل طور پر برقی قمقموں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ پارٹی کا آغاز ہوچکا تھا' بے ہنگم میوزک' نوجوان طبقے کا بے حجابی کی تمام سرحدیں پار کرتا لباس' اسے اس ماحول سے گھن آئی مگر یہ سب تو متوقع تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب ثناء اس کی جانب آئی۔ ریڈ سلیولیس ٹاپ کے ساتھ جینز پہنے اس کا دو آتشہ حسن جگمگا رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ عرین کسی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ وہ اسے لیے ہال کے اندرونی کمروں کی جانب بڑھ گئی۔

''تم کمرہ نمبر 7 میں چلو وہاں بلال' کرن اور زینی وغیرہ انتظار کررہے ہیں' میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ابھی وہاں پہنچی ہی تھی کہ اسے اندر کمرے سے آتی آواز نے رکنے پر مجبور کردیا۔

''ویسے عرین ہے بہت خوب صورت۔'' اجنبی آواز تھی۔

''ہاہاہا...... خوب صورتی اور معصومیت کا حسین امتزاج کہو۔ وہ بے چاری فرح میرے خلاف کرنے کی کوشش میں خود ہی اپنے خلاف کر بیٹھی۔'' آشنا آواز پر وہ چونکی' وہ مکروہ آواز بلال کی تھی۔ عرین کے خوب صورت آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی در آئی۔

''آہ...... ماما فریدہ ٹھیک ہی کہتی تھیں' محبتوں کے دعویدار عزتوں کے نیلام گھر میں محبوب کی موجودگی قطعی برداشت نہیں کرتے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ خود ہی شکار کی گھات میں ہوتے ہیں...... تو کیا بلال ایک شکاری تھا اور یہ پارٹی عزتوں کا نیلام گھر۔'' سوالات کی ایک مثلث بندھ گئی' اس کا سر چکرانے لگا وہ دروازے سے ذرا سائیڈ پر ہوکر سیل پر ایک نمبر ڈائیل کرنے لگی جبھی ایک سایہ سیڑھیوں کے پیچھے گم ہوا وہ چونکی مگر پھر موبائل پر متوجہ ہوگئی۔ پہلی ہی بیپ پر کال اٹینڈ کرلی گئی' یہ کال ایک تماشہ تھی اور عرین کو اب یہ تماشہ دیکھنا تھا۔

''ہم سب روم میں تمہارا انتظار کررہے ہیں' خیریت تم پہنچی نہیں ابھی۔'' بلال لہجے میں محبت کی شیرینی گھولے بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں پچھلے بیس منٹ سے روم کے باہر کھڑی تمہاری گفتگو سے لطف اندوز ہورہی ہوں۔'' وہ بلاخوف وجھجک بولی جبھی دروازہ کھلا اور وہ مکروہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے بغیر کسی ندامت کے اس کی جانب بڑھا۔ اردگرد کوئی نہ تھا' عرین کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کچھ قابل اعتراض تو نہیں کہا میں نے......'' شیطان ہنسا تھا اور بے شک سامنے کھڑا انسان مکروہ صورت شیطان ہی تھا جس کا انتخاب خود عرین نے کیا تھا۔

''میری ماں کی دعاؤں میں اثر تھا جو میں تم جیسے درندہ صفت انسان سے بچ گئی۔'' عرین نے روتے ہوئے اعتراف کیا اور پیچھے ہال کی جانب قدم بڑھائے' تیز دوڑنے کے سے انداز میں۔

''ارے بچی کہاں ہو۔'' بلال نے تیزی سے اس کا بازو پکڑا اور سیڑھیوں کی اوٹ میں کھڑے سائے اس کی جانب لپکے تھے۔ بلال کا خوف تھا یا شرمندگی کا احساس غالب تھا عرین چکرا کر نیچے گری اور بلال بھاگ کھڑا ہوا۔ اندھیرے میں سرگوشی ابھری اور عزتوں کے نیلام گھر میں عزتوں کے محافظ آپہنچے تھے۔ وہ بھید بھری رات بھید کھولنے پر مصر تھی اور اس رات اندھیری رات کی تاریکی میں محبتوں کی نقاب کشائی کے مکروہ صفت شیطان کا چہرہ بے نقاب ہوا تھا اور ہاں اسی رات سوتیلے رشتوں میں پوشیدہ لازوال و پرخلوص محبتوں کی حقیقت آشکار ہوئی تھی۔

ایک لفظ محبت..... ایک لفظ تسلی
خود اپنے لیے اس نے..... لکھا تو بہت رویا

وہ دور آسمان کی وسعتوں میں نظریں ٹکائے جانے کیا کھوج رہی تھی۔ شفق پر ایستادہ حرارتی گولہ سرد راتوں کے چاند کی مانند ٹھنڈا تھا۔ دن شام کے قالب میں ڈھلنے لگا‘ کبوتروں کا غول وقفہ در وقفہ پھرکی آواز سے اس کے اوپر سے گزر رہا تھا جبھی ماما فریدہ بھی سبزی اٹھائے باہر عرین کے پاس ہی آ بیٹھی تھیں۔ بادلوں کے ایک ٹکڑے نے سورج کے تاروں کو چھیڑ کر آسمان نارنجی رنگ سے رنگ ڈالا تھا۔ ماما فریدہ نے اس کی نظروں کی سیدھ میں نگاہ دوڑائی جو گہرے آسمان کی لاانتہائی وسعتوں میں گم تھی‘ سنہری سورج کی جگہ نارنجی گولے نے لے لی تھی۔

”ہر شے رنگ بدلتی ہے‘ یہی وقت کا تقاضا ہے اور شاید قدرت کا اصول بھی۔“ انہوں نے اسے متوجہ کیا اور کمال حیرت وہ ہو بھی گئی۔

”ہاں انسانوں کی طرح مگر انسانوں کے بدلتے رنگ اذیت کا باعث بنتے ہیں۔“ اور ثابت ہوا تھا عرین اشاروں کی زبان سمجھتی ہے اور کیا خوب سمجھتی ہے۔

”تغیر کائنات کا حصہ ہے اسے تسلیم کرنا بھی ہنر ہے۔ انسانوں کو ہر ہنر میں طاق ہونا چاہیے۔“ کیا دلیل تھی ان کے پاس۔

”ہاں تبدیلی ہی تو آنگن دل کی بہاروں میں خزاں رت کی نوید سناتی ہے۔“ شام کی سیلی سیلی ہوا میں اشک گل کی سی نمی تھی۔ اس نے آسمان پر نگاہ دوڑائی کبوتروں کا غول غائب تھا ہاں البتہ ایک کبوتر غول سے بچھڑ تا رستہ بھٹک کر چبوترے کی دیوار پر آ بیٹھا تھا اور رستہ سے تو عرین بھی بھٹک گئی تھی مگر بچالی گئی۔ ماما فریدہ سبزی چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھیں شاید تسلی دینا مقصود تھا۔

”فریبی محبت کے اجڑنے پر ماتم کیسا۔“ ماما فریدہ کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

”یہ محبتوں کے اجڑنے کا ماتم نہیں بلکہ خوشیوں کے روٹھنے کا سوگ ہے شاید.....“ عرین کی سوچیں بھٹک رہی تھیں اس لیے بے ڈھنگا جواب دیا۔

”اپنے اردگرد بکھری بچی محبتوں کے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹو‘ حقیقی خوشی حاصل ہوگی۔“ ایک اشارہ تھا۔ عرین روتی ہوئی ماما فریدہ کے گلے لگ گئی۔

”کیا ابھی بھی آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں ماما کہ میں آپ کے بیٹے کی دلہن بنوں۔“

”آہ.....“ ماما فریدہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سوتیلی ماں سے ماں تک کا سفر بہت کٹھن و دشوار تھا‘ بھٹکا

عادت

حبس زدہ موسم میں
دل کے نرم زمین پر
وقت کی کڑی دھوپ نے
زمانے کی ٹھوکروں نے
اک حشر برپا کیے رکھا
دل کے نازک آبگینے پر
کچھ چوٹیں اپنوں نے لگائی ہیں
بظاہر کچھ نہیں ٹوٹا
مگر روح کی گہرائی میں
کچھ جذبات‘ نرم احساسات
دم توڑ گئے
بس دل کا آئینہ پاش پاش ہوا
کچھ اپنوں کے بدلنے سے
میں اندر سے ٹوٹ گئی
اک عرصہ ہوا مسکرائے ہوئے
اک مدت سے اب تو عادت ہے یہ
سر شام ہی یادوں کے سب چراغ
بجھا دیتی ہوں کہ اب
یاد کی کوئی چنگاری
دل کو راکھ نہ کر دے
اب تو عادت ہے یہ

ماریہ طفیل پارس..... چکوال

کبوتر‘ ساتھیوں کی تلاش میں تھا۔ مایوسی کی کوئی تند لہر اس پر آ کر نہ گزری تھی وہ پر یقین تھا۔ ماما فریدہ نے اس کی پیشانی چومی۔

”انسان خطا کا پتلا ہے...... نادانی بھی ہم تم سے ہی ہوتی ہے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ حزن کا بے نام خول چڑھا کر زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرلو...... جو ہوا وہ ماضی تھا اور بیتے کل کو ماضی کی قبر میں دفن کردینا ہی بہتر ہے۔ اس واقعہ کا کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں‘ مسعود سے بھی نہیں۔“ انہوں نے تنبیہ کی۔ ”اور ہاں ہو سکے تو فرح سے معافی مانگ لینا‘ وہ تم سے ناراض ہے۔“ عرین خاموش رہی۔

”اور سنو...... مسعود کمال کچھ ہی دیر میں گھر پہنچنے والا ہے‘ اسے منانا تمہارا کام ہے۔“ ماما فریدہ کے چہرے پر الوہی سی مسکان تھی‘ ہوا نے بھی شریر ہنسی دبائی تھی مگر پھر ایک قہقہہ لگایا۔ عرین ان کے گلے لگ گئی ایک آنسو نکلا تھا خوشی کا آنسو‘ اشک تشکر۔

”میں نے اور تمہارے بابا نے سوچا ہے کہ اگلے ہفتے میں کسی بھی دن تمہیں مسعود کمال کے نام کی انگوٹھی پہنادی جائے۔“ اس کے گرد کوئی عطر دان گرا تھا اور اس کے خوشبو سے سارا آنگن مہک اٹھا تھا۔

”مجھ سے پوچھے بغیر۔“ عرین نے مصنوعی پن سے آنکھیں پھیلائیں‘ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔

”ارے ہاں...... ہاں...... میں تو ہوں ہی ظالم اور سوتیلی ماں۔ تمہاری رضامندی کے بغیر بھی کام چل جائے گا۔“ وہ بھی شریر مسکراہٹ دبائے اسی کے انداز میں بولتی اندر چلی گئیں۔

عرین کی نظریں بے اختیار فلک پر اڑتے کبوتروں کی غول پر جا رکی۔ چبوترے پر بیٹھے تنہا کبوتر نے اڑان بھری اور غول میں جا شامل ہوا اور ہاں اس دن عرین نے جانا محبتوں کے دعویدار کبھی بھٹکنے نہیں دیتے‘ جیسے فریدہ ماما اور فرح۔

اس دن فرح‘ ماما فریدہ کو لے کر اس پارٹی میں آ پہنچی تھی اور اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی کیونکہ وہ جانتی تھی عرین جتنی معصوم ہے بلال اس سے زیادہ دھوکہ باز اور فلرٹی انسان ہے جبھی وہ اس سے فاصلہ رکھے اس کا پیچھا کرتیں سیڑھیوں میں آ چھپی تھیں اور وہ مارے ندامت کے وہیں چکرا کر گر پڑی‘ قصہ مختصر اس نے ماما فریدہ سے معافی مانگ لی اور انہوں نے اسے گلے لگالیا اور اسی دن عرین نے اعتراف کیا کہ ”واقعی رشتوں کی نمائش کے لیے سگے سوتیلے کے ٹیگ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رشتے تو صرف احساس کے ہوتے ہیں اگر احساسات منجمد ہوجائیں تو اپنے بھی غیر ہیں اور اگر احساسات زندہ ہوں تو غیر بھی اپنے۔“

مغرب کی اذانیں ہونے لگی تھیں‘ فلک پر تاریکی کی سلطنت تھی۔ کمرے سے شور کی بلند آواز آ رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ شاید نہیں بلکہ یقیناً مسعود کمال آ چکا ہے اب صرف ایک کام باقی تھا اور وہ تھا مسعود کمال کو منانا۔

❀......❀......❀

جانے سرو و کیف میں کیا ہم سے ہوگیا
ساقی سا مہربان خفا ہم سے ہوگیا

شام رات کے قالب میں اتر رہی تھی‘ اطراف جانب اندھیرے کی براجدھانی قائم و دائم تھی۔ بلب کی سنہری روشنی قطرہ قطرہ پگھلتی اس پر گر رہی تھی مگر وہ اس سب سے بے نیاز بنا لیپ ٹاپ پر جھکا ہوا تھا جبھی قدموں کی چاپ ابھری‘ ایک سایہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پہلو میں آ بیٹھا وہ چونکا۔

”میں معذرت کی طلب گار ہوں۔“ بالآخر عرین بولی۔

”کیسی معذرت......؟“ سامنے والے کی نگاہوں میں استعجاب ابھرا لاعلمی کا ناٹک رچایا تھا۔

”میرا گزشتہ رویہ تمہارے ساتھ کچھ خاصا اچھا نہیں تھا۔“ آواز بھرا گئی‘ ہمت تو بس اتنی سی تھی۔

”کچھ خاص اچھا یا......؟“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر

اسے پانی پانی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ عرین نے آنسوؤں بھرے تر چہرہ صاف کیا...... ہوا میں اس کے آنسوؤں کی سی نمی تھی۔

"خیر تمہیں گزشتہ باتوں کو بھول کر نئی باتوں کے سرے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ضرور کرنی چاہیے۔" جواب کسی سنگریزے کی مانند دل کو گھائل کر گیا تھا۔

"رشتوں پر قائم ہوا میرا اعتماد توڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔" آنگن میں لگے اکلوتے مالٹے کے پودے پر لگے پتوں میں ہوا سرسراتی پھر رہی تھی جبھی عرین کی آواز سن کر ٹھٹک کر رکی' مسعود کمال نے چیزیں سمیٹیں اور اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"محبتوں میں شکست نزع کا دوسرا نام ہے اور اعتراف محبت سانس کے مترادف' میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ سنو میں جینا چاہتی ہوں۔" اور مسعود کمال کے اندر کی جانب بڑھتے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ مالٹے کے پتوں میں چھپی ہوا سرشاری آنگن میں اڑنے لگی اور ساتھ ساتھ کہتی جاتی۔

"ہاہاہا...... یہ مشرقی لڑکیاں اعتراف محبت کرنے سے لاج آتی ہے اور کرتی بھی ہیں تو اتنے بھونڈے انداز میں۔" مسعود کمال چلتا ہوا اس تک آیا' ہوا کسی سرشاری سے اس کے قدموں میں عود آئی تھی۔

"سنو ہجر کی کٹھن و دشوار مسافتیں اعتراف محبت کے ایک لفظ کے آگے دم بھرتی نظر آتی ہیں۔ تمہارے سانس لینے کا جواز میں ہوں۔" اظہار محبت سرشار کر گیا تھا' اس نے بھی دھیرے سے مسعود کے پیچھے چلتے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔ کچھ دن بعد اسی آنگن میں ایک شام اتری تھی۔ گلابی دودھیا سی شام کسی دوشیزہ کی مانند نازک و حسین سی۔

اور اسی شام مسعود کمال نے عرین کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنا کر بے مول کر دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی کی تو بات ہے جب مسعود نے کہا تھا۔

"یہ انگوٹھی میری محبت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

یہ درد مسلسل میری دنیا میں رہے گا

گلشن کی بہاروں پر سر شام لکھا ہے
پھر اس نے کتابوں میں میرا نام لکھا ہے
یہ درد مسلسل میری دنیا میں رہے گا
کچھ سوچ کر اس نے میرا نام لکھا ہے
جس نے کبھی میری جانب مڑ کر نہیں دیکھا
اس شخص کے ہونٹوں پر میرا نام لکھا ہے
میں کیسے جیوں اس سے بچھڑ کر
میری ہر سانس پر اسی کا نام لکھا ہے

لاریب انشال...... اوکاڑہ

ایک سرگوشی ابھری اور عرین سوچنے لگی۔

ہاں محبتیں اظہار کے لیے ایام کی محتاج نہیں ہوتیں جبھی مسعود نے اسے انگوٹھی پہنائی اور وہ لایعنی سوچیں جھٹکتی اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

یوم محبت کا حساب یوم جزا پر رکھ چھوڑا اور بے شک اس دن کسی سے کوئی ناانصافی نہ کی جائے گی۔

"گلابی شامیں' حسیں یادوں کی پیامبر ہیں' آؤ ان شاموں میں ٹھہرے خوشگوار لمحات کو امر کرلیں۔" سنہری جگنوؤں نے صدا بلند کی اور اڑان بھر کر گلابی شام کی سرخی میں گم ہو گئے۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

میٹرک کا امتحان دینے کے بعد پروین کو کالج کی زندگی کا اشتیاق و تجسس ستانے لگا ڈاکٹر بننے کی خواہش نے سر ابھارا مگر سائنس کے کسی مضمون میں رغبت محسوس نہ ہوئی تو بہت جلد ہی اس نے اپنے پسندیدہ مضامین کا انتخاب کرلیا کلیر تھنکر تو وہ ہمیشہ سے ہی تھی۔

سرسید کالج برائے خواتین میں دونوں بہنوں کو باآسانی داخلہ مل گیا رحجان انگریزی ادب کی طرف تھا مگر کالج میگزین کے لیے مضامین اور شاعری اردو زبان میں لکھنے لگی اور اس کی پہلی نظم "برسات" جس کا عنوان اس نے اپنے پسندیدہ موسم سے ہی لیا تھا۔

پروین نے دوسری نظم اپنی بے پناہ پیار کرنے والی استانی عرفانہ عزیز کی فرمائش پر لکھی، اس نظم کا عنوان "صبح وطن" تھا اس نظم کو خوب سراہا گیا جس کی وجہ سے پروین کی حوصلہ افزائی ہوئی نیز اس کے جذبہ شوق کو استحکام ملا یہی ایک لکھاری کا سب سے پہلا اور اہم ٹانک ہے جس کی اسے کبھی کمی نہ ہوئی تھی۔

اب اسے احساس ہوا کہ وہ تو شعر بھی کہہ سکتی ہے یوں وہ "بینا" کے تخلص سے اپنے کالج پر چھاگئی۔1968ء میں اس نے الیف اے کا امتحان امتیازی پوزیشن سے پاس کیا اور اسکالرشپ حاصل کرلی 1969ء میں کراچی یونیورسٹی سے بھی بی اے آنرز انگریزی میں اسکالرشپ حاصل کرکے والدین کا سر فخر سے اونچا کردیا پروین جب سے پیدا ہوئی تھی والدین کے لیے فخر و مسرت کا سامان بنی رہی انہیں کبھی اولادِ نرینہ کی کمی کا احساس تک نہ ہوا تھا پروین ان کے لیے قابل ستائش و قابل آفرین بیٹے کی مانند تھی۔

پروین طبع سادہ تھی کبھی اپنی علمیت کا چرچا نہ کرتی تھی کبھی اپنی یونیورسٹی میں بڑے پن کا اظہار نہ کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ ہر دل عزیز تھی۔ خوش بخت عالیہ کراچی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ ہی زیر تعلیم تھیں وہ اس سے سینئر تھیں اس کے باوجود ان کی آپس میں خوب بنتی تھی، اس وقت کی دوستی کی مزے دار باتیں، شرارتیں اور چھیڑ خانیاں وہ کبھی بھولتی نہیں تھی، خوب مزے لے کر بات کیا کرتی تھی، جب بھی خوش بخت کا نام زبان پر آتا تو اس کی حسین آنکھوں میں بیتے دنوں کی یادوں کی ضوفشانی دوڑ جایا کرتی تھی مہتاب راشدی سے پروین کی جان پہچان پہلے سے تھی مگر اٹوٹ دوستی میں اس وقت تبدیلی ہوئی جب دونوں ایک ادبی ڈیلیگیشن کے ساتھ چائنا گئیں آخری دم تک مہتاب سے اپنی دوستی پر پروین ناز کرتی رہی اور مہتاب نے بھی دوستی کا حق نبھایا، پروین بھی ایک سچی اور کھری دوست تھی اس میں تلون مزاجی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی جس پر اعتماد کرتی تو پھر شک کی گنجائش نہ چھوڑتی تھی بچپن ہی سے خوش مزاج، باتمیز اور مہذب بچی تھی فطرت میں شرارت کا عنصر بھی خوب تھا ہمیشہ دوسری لڑکیوں کو شرارت کی طرف مائل کرکے خود بہترین تماشائی بن جاتی تھی۔

1972ء میں پروین نے انگریزی ادب میں ایم اے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا اور 1973ء میں تعلیم کے پیشے سے وابستہ ہوگئی عبداللہ کالج برائے خواتین میں انڈر گریجوایٹس کو انگریزی کی تعلیم سے روشناس کرانے لگی اس کے بعد نو سال کے عرصے تک وہ اسی ملازمت میں رہی۔

اپنی زندگی کی روٹین اور یکسانیت کے ماحول سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے اس نے ایم اے کی ایک اور ڈگری حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور 1981ء میں کراچی یونیورسٹی سے انگریزی لسانیات کی ڈگری فرسٹ پوزیشن میں حاصل کرلی، ٹیچنگ میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی، دل اس جمود سے ناخوش تو تھا ہی، اس نے سی ایس ایس کے امتحان کی تیاری شروع کی، شب و روز کی محنت اور جدوجہد سے اس امتحان میں دوسری پوزیشن حاصل کرلی جس کی وجہ سے پروین فارن سروس کے

لیے منتخب ہوگئی۔

اس نے ٹریننگ کے لیے سول سروس اکیڈمی جوائن کرلی، یہاں اس کی ملاقات طلعت سے ہوئی جس کا نام بہت جلد اس کی بہترین دوستوں میں شمار ہونے لگا تھا طلعت انکم ٹیکس آفیسر بنی اور یہ ساتھ آخری سانس تک اس کا بہترین سہارا ثابت ہوا پروین نے اکیڈمی کا امتحان بھی 154 طلبا میں سے تیسرے نمبر پر میرٹ پوزیشن میں پاس کیا۔

اسے بہترین پروبیشنر کا اعزاز اور اعلیٰ کارکردگی پر طلائی تمغہ دیا گیا اور فارن سروس کے بجائے اس نے کسٹمز کو اپنے لیے بہترین جانا اور وہ اسسٹنٹ کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوگئی، 4 ستمبر 1986ء میں اس عہدے کا چارج چھوڑ کر اپنا تبادلہ سنٹرل بورڈ آف ریونیو اسلام آباد کرالیا۔

اب یکسانیت نے پھر اس کے دل میں کھلبلی مچائی اور کچھ نیا پن ڈھونڈنے کی آرزو نے سوچ پر غلبہ پالیا نہایت خود اعتمادی سے امریکا کی ہارورڈ یونیورسٹی کے جان ایف کینیڈی کے سرکاری اسکول میں ایڈورڈسن پروگرام میں وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور فل برائٹ اسکالرشپ حاصل کرنے کے بعد امریکا روانہ ہوگئی وہاں فرسٹ ٹائم ہی ڈرائیونگ ٹیسٹ میں کامیاب ہوئی اور اس کی زندگی دوسروں کی محتاجی سے نکل کر آسان اور سہل ہوگئی۔

جب ہارورڈ اسکالرشپ ایک سال کے لیے لیٹ ہوگیا تو اس نے پاکستان واپس آنے یا وہاں فارغ رہ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے یونیورسٹی میں پڑھانے کو ترجیح دی کیونکہ وہ اپنی زندگی کا ایک پل بھی ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھی اسی دوران 1991ء میں وہ قصر صدارت میں حسن کارکردگی پر ایوارڈ حاصل کرنے پاکستان پہنچی اور جب واپس امریکا پہنچی تو اس کا اسکالرشپ منسوخ ہوچکا تھا یوایس ایڈمیشن کچھ وجوہات سے بند ہو رہا تھا اور پروین کا نام بھی اسی فہرست میں تھا پروین کی کامیابیوں کے پیچھے جہاں اس کی ماں کی دعاؤں کا بہترین رول تھا وہاں پروین کی مستقل مزاجی، حوصلے اور ہمت کا بھی دخل تھا فطرت کے اسی قابل فخر روپ میں اس نے مستحکم فیصلہ کیا کہ وہ اپنے قدم آگے بڑھائے گی، پیچھے پلٹ جانا اور اس فیصلے پر راضی برضا ہوجانا کم ہمتی ہے یہ سوچ کر وہ قدرے مطمئن ہوئی مئی 1991ء میں اپنے وطن عزیز لوٹی، مراد نیلوفر کے زیر سایہ اسکول جاتا رہا، چھ ہفتوں کے قیام کے بعد اسے یہاں اپنے مقصد میں کامیابی نظر نہ آئی تو وہ واپس امریکا چلی گئی تگ و دو کے بعد آخرکار اسے کیمبرج میساچوسٹس میں ہارورڈ یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل گیا۔

جون 1992ء میں پروین نے جان ایف کینیڈی اسکول آف گورنمنٹ سے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور بارہ میں سے دس پرچوں میں اس نے "اے" کا درجہ حاصل کیا پروین نے اپنے لیے جن مضامین کا انتخاب کیا تھا ان کے موضاعات درج ذیل ہیں۔

تجزیے اور انتظام و انصرام میں تاریخ کا استعمال اور اہمیت امریکا کی خارجہ پالیسی، پریس، سیاست، پبلک پالیسی، تیسری دنیا میں ترقیاتی دنیا میں ترقیاتی پالیسی کا تجزیہ، پبلک پالیسی اور مائیکرو اکنامکس، خواتین سیاست میں ایک سیاستدان ہونے کی حیثیت کا تجزیہ، وہائٹ ہاؤس میں پالیسی کے ارتقاء پر غور وخوض، اختیارات کا استعمال، خواتین اور رہبری، غریب طبقات میں صحت کا بگاڑ اور سدباب، ذہانت وفطانت پر سیمینار۔

اس میں ہر طرح کے حالات پر مکمل طور پر حاوی ہونے اور ثابت قدم رہنے کے اصول شامل تھے ان پر کمپرومائز کرنا اس کی فطرت میں ہی نہ تھی اس نے اپنے مقالے (تھیسز) کے لیے موضوع کافی سوچ بچار کے بعد منتخب کیا جس کا مشورہ ہم سے بھی لیا گیا تھا موضوع بہت بامعنی اور وزنی تھا، پاکستان اور انڈیا میں 1971ء کی جنگ میں میڈیا کا کردار اس مقالے میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا تاسف نمایاں نظر آتا ہے۔ اس مقالے سے متاثر ہوکر اس کے اساتذہ نے اس کو اسی موضوع پر مزید تحقیق کرنے کی پیش کش کی جو اس وقت اس نے مسترد کردی اور آنے والے چند سالوں میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا عہد مستحکم کرلیا۔

پاکستان واپس پہنچ کر اس نے اپنی نوکری صدر دفتر اسلام آباد سے شروع کی اور ایک بار پھر سے گھر کی تمام ذمہ داریوں کے ہمراہ زندگی کی گاڑی چل پڑی، وہ اپنی ہی دنیا میں مگن، خوش وخرم اپنے گیتو کے ساتھ اس کے مستقبل کے بارے میں پروگرام بنانے لگی جن میں پروین آپا کے مشورے شامل تھے۔

آج بھی اس کے لیے پروین قادر آغا صاحبہ کی کوشش جاری وساری ہے جس کی جیتی جاگتی مثال مراد کی کامیاب زندگی ہے۔

ماریہ نور...... شاہ کوٹ

کیا خوب ہوتا کہ یادیں ریت ہوتیں
مٹھی سے گرادیتے' پاؤں سے اڑا دیتے

آنسہ شبیر عطاریہ...... ڈوگہ گجرات

کوئی ہاتھ بھی ناں ملائے گا جو ملو گے گلے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو

نبیلہ لیاقت سوئو...... سرگودھا

نہ دیپ ہے نہ سخن اب نہ حرف ہے نہ بیاں
کوئی بھی حیلہ تسکین نہیں اور آس بہت ہے
امید یار' نظر کا مزاج' درد کا رنگ
تم آج کچھ بھی نہ پوچھو کہ دل اداس بہت ہے

ثوبیہ نواز اعوان...... کنڈان' سرگودھا

احساس ندامت' اک سجدہ اور چشم تر
اے خدا کتنا آساں ہے منانا تجھ کو

نوشین مظفر...... اوکاڑہ

سہولت ہو' اذیت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
کہ اب کوئی بھی صورت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
اور اب گھر بار جب چھوڑ کر آہی چکے ہیں تو
تمہیں جتنی بھی نفرت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے

حبیبہ ناز...... کہروڑ پکا

خواہش سے نہیں گرتے پھل جھولی میں
وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا
کچھ نہیں ہوگا اندھیروں کو برا کہنے سے
اپنے حصے کا دیا خود ہی جلانا ہوگا

مسکان...... کے پی کے

اس کی نظر میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہوسکی

شازیہ مغل...... اٹک

تو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض کہ پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

مریم شاہ...... کراچی

بیت نہ جائیں مجھ سے یہ بارہ موسم
رہ نہ جاؤں اس سال بھی تنہا اتنا کہنا
لمحے بھی لگتے ہیں سال اب تو تم بن مجھے
رات اور دن تو صدیاں لگیں اتنا کہنا

سعدیہ سعدی...... لاہور

راز کہہ دیتے ہیں نازک سے اشارے اکثر
کتنی خاموش محبت کی زباں ہوتی ہے

نبیلہ ناز...... ٹھنگ موڑ اللہ آباد

اگر بازو پر بھروسہ ہے تو انصاف نہ مانگو
پچھتاؤ گے اس دور میں زنجیر ہلا کر

انیقہ نور...... مانسہرہ

تم کو ہی فرصت نہ تھی کسی افسانے کو پڑھنے کی
ہم تو بکتے رہے تیرے شہر میں کتابوں کی طرح

سلمٰی عنایت حیا...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

میرے ہاتھوں کو قدرت نے ہنر کچھ ایسا بخشا ہے
کبھی کھو کر بناتا ہوں' کبھی پاکر بناتا ہوں
میں جب بھی ٹوٹ جاتا ہوں کسی سے کچھ نہیں کہتا
میں چکنا چور ہو کر بھی نئے منظر بناتا ہوں

ندا حسنین...... کراچی

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنادیتے ہیں

حنا مہر...... کوٹ ادو

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کرے

لاریب شہروز...... کراچی

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

صباء عیشل...... بھاگووال

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

سدرہ شاہین...... پیرووال

وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر
ہم تو سنتے ہیں کہ نیند آتی نہیں

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

تڑپتا دیکھتا ہوں جب کوئی شے
اٹھا لیتا ہوں اپنا دل سمجھ کر

اریبہ منہاج...... ملیر کراچی

صبح سے ہے بے تابی جی کو آہ! نہیں کچھ بھاتا ہے
دیکھئے کیا ہو شام تلک جی آج بہت گھبراتا ہے

عائشہ سلیم...... کراچی

اے دل تجھے رونا ہے تو جی کھول کے رو لے
دنیا سے نہ بڑھ کر کوئی ویرانہ ملے گا

رخسانہ اقبال...... خوشاب

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

ام عمارہ...... چیچہ وطنی

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

جویریہ ضیاء...... کراچی

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھ کر
میری طرف تو دیکھئے سرکار کیا ہوا

ہالہ سلیم...... کراچی

بے خودی میں ہم تو تیرا در سمجھ کر جھک گئے
اب خدا معلوم کعبہ تھا کہ وہ بت خانہ تھا

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

اب عطر بھی ملو تو محبت کی بو نہیں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

آمنہ رحمان...... مری

مدت سے انتظار میں اپنی کٹی ہے یاں
اب تک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہے

راؤ رفاقت علی...... دنیاپور

غزالاں! تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

نادیہ عمران...... کہروڑپکا

کچھ تعلق کا گماں ہوتا ہے
یونہی بے وجہ پکارا کیجیے

امبرین فرحان...... کراچی

تم تو اپنے ہو تمہیں دل سے نکالیں کیسے
ہم تو دشمن کو بھی بے گھر نہیں ہونے دیتے

قراۃ العین...... اسلام آباد

غضب آیا، ستم ٹوٹا، قیامت ہوگئی برپا
فقط اتنا ہی پوچھا تھا کہ تم کو پیار ہے ہم سے

نجمہ شاہین...... منڈی بہاؤالدین

یاد آتی ہو تو ہوجاتی ہیں نم میری آنکھیں
کیا تصور میں بھی ستانے کی قسم کھائی ہے تم نے

ثمینہ...... فیصل آباد

کچھ خاص نہیں بس اتنی سی ہے داستان محبت میری
ہر رات کا آخری خیال، ہر صبح کی پہلی سوچ ہو تم

سحرش اویس...... میرپور آزاد کشمیر

وہ جنہیں ہم نے سونپی ہیں دل کی دھڑکنیں
وہ اپنا ایک پل دینے پہ ہزار بار سوچتے ہیں

bazsuk@aanchal.com.p

کچن کارنر

زہرہ جبین

ساگ گوشت

اجزاء:-

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
ہری مرچ	چھ عدد
ٹماٹر	ایک عدد
میتھی	دو چھوٹی گٹھی
تیل	آدھا کپ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
دہی	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ
قصوری	میتھی دو چائے کے چمچ

ترکیب:-

پالک کو صاف کر کے ابال لیں۔ اب پالک کو ہری مرچ، ٹماٹر اور میتھی کے ساتھ بلینڈ کر کے رکھ لیں۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا، نمک اور بکرے کا گوشت ڈال کر دس منٹ کے لیے فرائی کریں۔ اب اس میں دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کرلیں۔ اس کے بعد ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر تھوڑی دیر کے لیے ڈھکیں اس کے بعد پکالیں، یہاں تک کہ گوشت تقریباً پک جائے۔ اب بلینڈ کیا ہوا پالک کا مکسچر شامل کر کے پانچ سات منٹ کے لیے ڈھکیں اور پھر یہاں تک چمچ چلائیں کہ تیل اوپر آجائے۔ آخر میں دودھ اور قصوری میتھی ڈال کر فرائی کریں اور نکال لیں۔

صباء عیشل...... بھاگووال

دہلی خاص نہاری

اجزاء:-

گائے کا گوشت	سات سو پچاس گرام
نمک	حسب ذوق
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کشمیری مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
تیل	ڈیڑھ کپ
لال آٹا	حسب ضرورت
ادرک (پانی میں بھگو لیں)	ایک چائے کا چمچ
لہسن (کوٹ کر پانی نکال لیں)	ایک پوتھی
گارنش کے لیے	
ادرک (سلائس میں کاٹ لیں)	ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا
دھنیا (کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	تین سے چار عدد
لیموں	دو عدد
نہاری مصالحہ کے لیے	
سونٹھ	تین ٹکڑے
ململ کا کپڑا	حسب ضرورت
سونف	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
شاہ زیرہ	دو کھانے کے چمچ
کالی الائچی	چار عدد
لونگ	دس عدد
پیاز	پانچ عدد
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
گھی	پکانے کے لیے
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

سب سے پہلے بیف گوشت لے لیں اور اس میں ادرک لہسن پیسٹ اور ہلدی ڈال کر اسے ابالیں تاکہ گوشت کی بساند ختم ہوجائے اور گوشت گل جائے اور اس کا پانی بھی تیار ہوجائے۔ اب پین میں گھی گرم کریں اور پیاز کو ادرک اور لہسن کے پانی سے فرائی کریں۔ پھر اس میں لال مرچ پاؤڈر، کشمیری مرچ پاؤڈر، نمک اور بیف گوشت کا پانی شامل کریں اور بھونتے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد بیف گوشت بھی شامل کردیں۔ پھر ململ کے کپڑے میں سونف، شاہ زیرہ، کالی مرچ، کالی الائچی، سونٹھ، لونگ اور ہری الائچی ڈال کر اسے باندھ کر شامل کردیں۔ اب لال آٹا چار کھانے کے چمچ کے برابر لے کر پانی میں گھول لیں اور نہاری میں شامل کردیں۔ اب آنچ ہلکی کردیں اور اسے مزید پکائیں۔ پھر ململ کے کپڑے کی تھیلی نکال لیں اور نہاری کو دم پر رکھ دیں۔ آخر میں دھنیا چھڑک کر گارنشنگ کر لیں اور ساتھ ہی پلیٹ میں ادرک، ہری مرچیں اور لیموں سجا کر پیش کریں۔ دہلی کی خاص نہاری ناشتے کے لئے تیار ہے۔

طلعت نظامی.....کراچی

گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
پانی	ایک کپ
ٹماٹر (کٹے اور اُبلے ہوئے)	تین عدد
ہری مرچ	تین سے چار عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	آدھی گٹھی

ترکیب:۔

پہلے بیف انڈر کٹ کو اچھی طرح سے دھو کر صاف کر کے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ اب تیل گرم کر کے پیاز اور دار چینی شامل کر کے اتنا پکائیں کہ پیاز نرم ہوجائے۔ اس میں بیف کی بوٹیاں شامل کر کے دو سے تین منٹ تک بھون لیں۔ اب آلو، نمک، ادرک لہسن کا پیسٹ، دھنیا، زیرہ، ہلدی، لال مرچ، گرم مصالحہ، جائفل جاوتری اور پانی شامل کر کے ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر پانچ سے چھ منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ٹماٹر، ہری مرچ، مٹر اور ہرا دھنیا شامل کر کے آنچ تیز کر کے اچھی طرح سے بھون لیں۔ مزے دار بیف دیگی ٹیبل مصالحہ تیار ہے۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

سبزی گوشت مصالحہ

اجزاء:۔

گوشت انڈر کٹ	آدھا کلو
تیل	ایک چوتھائی کپ
پیاز (درمیانی کٹی ہوئی)	ایک عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
آلو (باریک کٹے ہوئے)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ

مصالحے دار چاول

اجزاء:۔

آئل	دو کھانے کے چمچ
الائچی	چھ عدد (تین کو کھول لیں)
ثابت دھنیا (ہلکا سا کوٹ لیں)	آدھا چائے کا چمچ
لہسن (کتر لیں)	ایک جوا
چاول (بھیگے ہوئے)	ایک کپ
چکن یا مٹن کی یخنی	ساڑھے چھ کپ
دہی	چار کھانے کے چمچ
دالیں (بھیگی ہوئی)	آدھا کپ
مونگ پھلی (فرائی کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
سیاہ مرچ پسی ہوئی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت

ہرا دھنیا | گارنش کے لیے

ترکیب:۔

ایک ساس پین میں تیل گرم کریں۔ اس میں گرم مصالحے اور لہسن ڈال کر ایک منٹ کے لیے فرائی کریں۔ اس تیل میں یخنی کے ساتھ دالیں ڈالیں ذرا سا چمچ چلاتے ہوئے پکائیں اور پھر چاول شامل کریں۔ پانچ سے دس منٹ پکائیں پھر دہی شامل کر کے احتیاط سے چمچ سے مکس کر دیں۔ مونگ پھلی بھی ڈال دیں اور دو منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں، ہرا دھنیا سے گارنش کریں۔

حنا مہر......گوٹ ادو

انڈے کی بریانی

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
انڈے (ابلے اور درمیان سے کٹے ہوئے)	آٹھ عدد
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	دو عدد
پسی ہوئی لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسی ہوئی ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
ناریل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
پودینہ	چند پتے
ہری مرچیں	چار عدد
پانی	آدھی پیالی
گھی	دو کھانے کے چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

دیگچی میں تیل گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ ایک منٹ تک بھونیں، پھر پیاز سنہری کر لیں۔ اس میں لہسن، ادرک، ٹماٹر، لال مرچ، ہلدی، دھنیا، زیرہ، پسا ہوا گرم مصالحہ اور نمک ڈال کر بھونیں پھر ناریل کا دودھ اور پانی شامل کر کے آمیزہ گاڑھے ہونے تک پکائیں۔ ایک علیحدہ دیگچی میں آدھا چاول، تیار مصالحہ، انڈے، ہرا دھنیا، پودینہ اور ہری مرچوں کی تہہ ڈال کر اوپر سے باقی چاول ڈال دیں۔ اس پر گھی ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

اریبہ منہاج......کراچی

ربڑی

اجزاء:۔

دودھ	ڈیڑھ کلو
چینی	ڈیڑھ پاؤ
الائچی (پسی ہوئی)	اگر پسند ہو تو
کارن فلور	آدھا کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

دودھ کو گرم کریں بوائل ہو جائے تو چولہا ہلکا کر دیں اور دودھ میں تھوڑا سا کارن فلور ڈال دیں اور ہلاتے رہیں۔ دودھ گرم ہو کر سائیڈوں میں سے جمنے لگے تو چمچ کی مدد سے یہ جما ہوا دودھ دوسرے برتن میں نکالتے جائیں جب سارے دودھ کی بالائی جمع ہو جائے تو اس برتن کو چولہے پر رکھیں بالائی گرم ہو جائے تو پسی ہوئی الائچی پاؤڈر ڈال کر تھوڑا سا پکائیں ربڑی تیار ہے۔ کسی اچھی سی ڈش میں نکال لیں۔

ہالہ و عائشہ سلیم......کراچی

آرائش حسن

حدیقہ احمد

عرق گلاب سے شگفتگی و شادابی

گلاب کو پھولوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اسے دافع عفونت (اینٹیسیپٹیک) جڑی بوٹی کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کی خوشبو بھینی بھینی ہوتی ہے، جس سے تھکن دور ہوجاتی ہے۔ عرق گلاب آپ کی جلد کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ جلد کے میل کچیل کو صاف کردیتا ہے۔ عرق گلاب صدیوں سے استعمال کیا جارہا ہے۔ زیبائش و آرائش کی چیزوں میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔

عرق گلاب بیش بہا خزانہ ہے۔ اس کی دافع عفونت، دافع جراثیم اور مانع تکسید (اینٹیا آکسیڈینٹ) خصوصیات کی بنا پر یہ ہر قسم کی جلد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ جسم میں پانی کی مقدار کو مناسب سطح پر رکھتا ہے، جس سے جلد چکنی اور چمک دار رہتی ہے۔ یہ جلد کو خشک نہیں ہونے دیتا، چنانچہ ہر موسم کے لیے بہترین موائسچرائزر ہے۔

روئی لے کر اسے عرق گلاب میں ڈبوئیں۔ پھر چہرے، گردن، ہاتھ اور کلائیوں سے دھول مٹی کو صاف کریں۔ عموماً رات کو جلد کی صفائی مناسب رہتی ہے اور دن بھر کی دھول مٹی صاف ہوجاتی ہے۔ صبح غسل کرنے کے بعد آپ خود کو تازہ دم پائیں گے۔ سارا میل کچیل دور ہوچکا ہوگا۔

بعض افراد کی جلد حساس ہوتی ہے اور ان پر کچھ بھی لگانے سے ردعمل ہوجاتا ہے، خاص طور پر ایسی خواتین جلد پر کچھ لگانے سے محتاط رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں وہ عرق گلاب استعمال کرسکتی ہیں۔ روئی کو عرق گلاب میں ڈبو کر ان ساری جگہوں پر پھیرلیں، جہاں سوزش اور جلن ہورہی ہے۔ یہ شکایت تھوڑی دیر میں ختم ہوجائے گی۔ اگر آپ کے چہرے پر مہاسے ہوں تو عرق گلاب استعمال کریں۔ عرق گلاب جلد میں رطوبت پیدا کرتا اور جراثیم کا خاتمہ کرڈالتا ہے لہٰذا مہاسے رفتہ رفتہ ختم ہوجاتے ہیں۔

مہاسوں کو ختم کرنے کے لیے دو چمچے پسی ہوئی صندل کی لکڑی میں ایک چمچہ عرق گلاب ملالیں۔ پھر اس لگدی کو چہرے پر لگائیں۔ جب چہرہ خشک ہوجائے تو دھوڈالیں۔ اس عمل سے مہاسے چند روز میں ختم ہوجائیں گے اور چہرہ شگفتہ اور شاداب ہوجائے گا۔

عرق گلاب کسی ٹانک سے کم نہیں ہے۔ گھر سے باہر جاتے وقت اسے ہاتھوں، پیروں اور چہرے پر لگائیں۔ جب آپ کوئی طویل سفر کرکے واپس آئیں تو چہرہ دھوکر عرق گلاب لگائیں، آپ تھوڑی ہی دیر میں تازہ دم ہوجائیں گے۔

وہ خواتین جو پابندی سے نیل پالش لگاتی ہیں، ان کے ناخن مردہ، بے جان اور بے رونق ہوجاتے ہیں عرق گلاب میں لیموں کا عرق ملاکر لگانے سے آپ کے ناخن چمک دار اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

اگر آپ اپنے چہرے کی جھریاں ختم کرنا چاہتی ہوتو دو چمچے چنے کا آٹا لے کر اس میں ایک چٹکی ہلدی اور تھوڑا سا عرق گلاب ملالیں۔ پھر اس آمیزے کو چہرے پر لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد جب چہرہ خشک ہوجائے تو دھوڈالیں۔ تھوڑے عرصے میں جھریاں ختم ہوجائیں گی۔

عرق گلاب آنکھوں کے گرد پڑجانے والے سیاہ حلقوں کو کم کرتا ہے۔ ایک چمچہ کھیرے کا رس لے کر اس میں تھوڑا سا عرق گلاب شامل کرلیں۔ اب اس آمیزے کو روئی سے سیاہ حلقوں پر لگائیں۔ چند دنوں میں حلقے ختم ہوجائیں گے۔

عرق گلاب میں چقندر کا رس شامل کرکے ہونٹوں کا مساج کریں۔ یہ عمل تین بار کرنے سے آپ کے ہونٹ ملائم اور چکنے ہوجائیں گے۔ ان کی سیاہی ختم ہوجائے گی اور یہ گلابی ہوجائیں گے۔

سردیوں میں خشک جلد سے نجات

سردیوں کا ایک تحفہ خشک جلد بھی ہے۔ ٹھنڈی اور خشک ہوا آپ کی جلد سے نمی اور لچک چرالے جاتی ہے۔

اس خشکی کو دور کرنے کے لیے یوں تو بازار میں ڈھیروں موئسچرائزر اور لوشن وغیرہ موجود ہیں لیکن اگر ہمیں اپنی جلد کو لچکدار نرم ملائم بنانے کی اشیاء کچن ہی سے مل جائیں تو اپنی جیب پر کیوں بوجھ ڈالا جائے۔ یہ اشیاء آپ کی جلد پر جادوئی اثر کرسکتی ہیں اور سردیوں میں بھی آپ نرم وملائم جلد کی مالک بن سکتی ہیں۔

زیتون کا تیل:

جلد کو خشکی سے دور کرنے کے لیے زیتون کا تیل نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔

اس میں شامل اینٹی آکسیڈنٹس اور صحت مند فیٹی ایسڈ جلد کے لیے بہت مفید ہیں زیتون کا تیل پورے جسم کے لیے نہایت مفید رہتا ہے۔ نہانے سے آدھے گھنٹے قبل زیتون کا تیل ہاتھوں' ٹانگوں اور دیگر ایسے حصوں پر مل لیں جہاں خشکی کا خاصا اثر ہو مساج کریں پھر نہالیں۔

نہانے کے بعد ہلکا سا موئسچرائزر لگالیں۔ اس کے علاوہ دو ٹیبل اسپون زیتون کے تیل میں چار ٹیبل اسپون باریک پسی گڑ کی شکر ملالیں ایک ٹیبل اسپون شہد بھی شامل کرلیں۔

اپنی خشک جلد پر یہ مرکب ہلکے ہاتھ سے دائروں کی صورت میں چند منٹ تک نرمی سے ملیں۔ نہا کر ہلکا سا موئسچرائزر لگالیں۔

دودھ:

اگر آپ کی خشک جلد آپ کو بہت زیادہ پریشان کررہی ہو تو ریفریجریٹر سے ایک لیٹر دودھ لے کر اسے کھلے منہ کے پیالے میں ڈال دیں۔ اس ٹھنڈے دودھ میں ایک صاف کپڑا ڈال کر نچوڑیں اور خشک جلد پر 5 منٹ تک ملیں۔ دودھ میں شامل غیر سوزشی اجزاء اس کھجلی کو دور کردیں گے اور لیکٹک ایسڈ خشک جلد کو پرسکون کردے گا۔

ناریل کا تیل:

سردیوں میں خشکی سے ایڑیاں ہاتھ اور کہنیاں سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ انہیں رات سونے سے قبل ناریل کے تیل سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

نیم گرم پانی سے غسل کے بعد اپنے جسم کو ہلکا سا صاف کرلیں پھر ہاتھ' کہنیوں اور ایڑیوں پر ناریل کے تیل کی موٹی تہہ جمادیں۔ ان مقامات پر دستانے اور موزے پہن لیں اور سو جائیں۔ صبح آپ کی جلد خشکی سے مبرا ہوچکی ہوگی۔

جو کا غسل:

ہزاروں سال سے جو کا آٹا حسن کی نگہداشت کے لیے استعمال ہورہا ہے۔ سائنس بھی یہ کہتی ہے کہ جو جلد کو نرم و لچکدار بنانے' صفائی کرنے کے لیے بہترین اینٹی آکسیڈنٹ ہے خاص طور پر سردیوں میں اس کا استعمال بہت مفید رہتا ہے۔

ایک کپ خشک جو لے لیں اور گرائینڈر میں ڈال کر باریک آٹا بنالیں غسل کے ٹب میں پانی ڈال کر اس آٹے کو اس میں ملالیں۔ ہاتھ سے پانی کو چند سیکنڈ ہلائیں پھر ہاتھ ٹب میں ڈال کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے بیٹھ جائیں۔ باہر نکل کر خود کو ہلکا سا خشک کرلیں۔

ایلو ویرا:

خشک جلد کا سب سے بہترین علاج کنوار گندل' گھیکوار یا ایلو ویرا میں چھپا ہوا ہے۔

ایک ٹکڑا گھیکوار لے کر اس میں سے جیل نکال لیں اور خشک جلد پر ملیں۔ اس سے جلد نرم ہوگی اور جلد پر ایک ایسی تہہ جم جائے گی جو مساموں میں خشکی کو داخل ہونے سے روکے گی جلد کسی ہوئی محسوس ہوگی بعدازاں آپ موئسچرائزر بھی لگا سکتی ہیں۔

ضروری ہے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق ان گھریلو ٹوٹکوں کا انتخاب کریں لیکن انہیں مستقل لگائیں سردیوں کے دوران موئسچرائزر لگانا' کلینزنگ اور ٹوننگ کرنا مت بھولیے گا خاص طور پر نہانے کے فوراً بعد جسم چہرے پر موئسچرائزر ضرور لگائیے۔ پانی پئیں اور جلد کو اندر باہر سے نکھار دیں۔

محبت کی آیت الکرسی

اے میرے خوش نفس......میرے خوش نظر
میں تم سے
اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتی ہوں
کائنات کو گواہ بنا کر
اپنی وفائیں تم سے منسوب کرتی ہوں
اے میرے خوش کلام
میری محبت نے تمہیں قبول کیا جیسے بھی تم ہو
میرے لیے تم ہمیشہ تم ہی رہو گے جیسے بھی تم ہو
سنو......اے میرے خوش فکر
مجھے تم سے
ایسا کچھ بھی نہیں چاہیے جو بہت اچھا ہو
بھلا تمہاری محبت سے زیادہ کیا اہم ہو سکتا ہے
تمہاری دلداری سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے
میں وعدہ کرتی ہوں اے میرے خوش خیال
میں ہر پل تمہاری ہمسفر رہوں گی
ہر اچھے برے وقت ہاتھ تھامے رہوں گی
تمہاری خفگی میری سر آنکھوں پر رہے گی
تمہاری تھکن بھی ہنس کر بانٹ لوں گی
میں جانتی ہوں میرے خوش رو......
تم میری محبت کا فخر بن کر میرے ساتھ چلو گے
میرے غمگسار......سدا میرے دلدار رہو گے
میں تم سے وعدہ کرتی ہوں
تمہاری پرانی رفاقتوں کی کوئی تفصیل کبھی نا لوں گی
جو بھی تمہارا ماضی رہا اس کی بابت سوال نا کروں گی
اے میرے خوش سخن
تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔
مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے......کل بھی رہے گی
بس......تمام عمر مجھ پر یقین رکھنا، میرا اعتبار کرنا
میرے آج میں بھی میرے، کل کو مت کھوجنا
سنو......میرے خوش جمال
میں تمہاری آنکھوں میں اپنے خواب رکھنا چاہتی ہوں
میں اپنی باقی عمر تمہارے پہلو میں بسر کرنا چاہتی ہوں
میں تمہارے ساتھ جینا تمہارے ساتھ مرنا چاہتی ہوں
کیا تم بھی......میرے خوش کلام
کیا تم بھی......؟

ڈاکٹر نگہت نسیم......آسٹریلیا
انتخاب: سعیدہ نثار

غزل

باندھ لیں ہاتھ سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے کہ تعویذ بنا لیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں تمہیں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
جیسے بالوں میں کوئی پھول چنا کرتا ہے
گھر کے گلدان میں پھولوں سا سجا لیں تم کو
کیا عجب خواہش اٹھی ہے ہمارے دل کو
کر کے مُنا سا ہواؤں میں اچھالیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کے تم پر ہمیں پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھریں مار ہی ڈالیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلا لیں تم کو
ہے تمہارے لیے کچھ ایسی عقیدت دل میں
اپنے ہاتھوں میں دعاؤں سا اٹھا لیں تم کو
جان دینے کی اجازت بھی نہیں دیتے ہو
ورنہ مر جائیں ابھی مر کے منا لیں تم کو
جس طرح رات کے سینے میں ہے مہتاب کا نور
اپنے تاریک مکانوں میں سجا لیں تم کو
اب تو بس ایک ہی خواہش ہے کسی موڑ پر تم
ہم کو بکھرے ہوئے مل جاؤ، سنبھالیں تم کو

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: جویریہ ذکی......ڈونگہ بونگہ

غزل

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے
میں کسی کے دست طلب میں ہوں تو کسی کے حرف دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

عجب اعتبار و بے اعتباری کے درمیان ہے زندگی
میں قریب ہوں کسی اور کے مجھے جانتا کوئی اور ہے
میری روشنی تیرے خدوخال سے مختلف تو نہیں مگر
تو قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے
تجھے دشمنوں کی خبر نہ تھی مجھے دوستوں کا پتا نہیں
تری داستاں کوئی اور تھی مرا واقعہ کوئی اور ہے
کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے
جو میری ریاضت نیم شب کو سلیم صبح نہ مل سکی
تو پھر اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ یہاں خدا کوئی اور ہے

شاعر: سلیم کوثر

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

غزل

تیری آنکھوں کے جال میں آجاؤں گا میں
مجھ کو لگتا ہے تیری چال میں آجاؤں گا میں
زندگی بعد تیرے ہوتا تھی مشکل لیکن
یہ نہ سوچا تھا کہ اس حال میں آجاؤں گا میں
دیکھ کر اس کو مجھے یاد کرے گی دنیا
ایک دن اس کے خدوخال میں آجاؤں گا میں
کتنے موسم تھے جو دے کر مجھے طعنے گزر گئے
تم تو کہتے تھے کہ اک سال میں آجاؤں گا میں
سُر میں آجائے گا جیون ترے آجانے سے
ترے آنے سے کسی تال میں آجاؤں گا میں

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: فریدہ فری...... لاہور

غزل

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب بات میں تری بات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں
مشکل ہیں اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچۂ جاناں میں کیا ایسے بی حالات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

غزل

بدل چکی ہے ہر اک یاد اپنی صورت بھی
وہ عہد رفتہ کا ہر خواب ہر حقیقت بھی
کچھ ان کے کام نکلتے ہیں دشمنی میں مری
میں دشمنوں کی ہمیشہ ہوں ضرورت بھی
یہ جس نے روک لیا مجھ کو آگے بڑھنے سے
وہ میری بے غرضی تھی میری ضرورت بھی
میں اپنی بات کسی سے بھی کر نہ پاؤں گی
مجھے تباہ کرے گی یہ میری عادت بھی
یہ میرا عجب عجز کہ دل میں اسے اترنے دیا
یہ اس کا مان کہ مانگی نہیں اجازت بھی

کلام: شبنم شکیل

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

رقص

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں
ڈر سے لرزاں ہوں، کہیں ایسا نہ ہو
رقص گہ کے چور دروازے سے آ کر زندگی
ڈھونڈ لے مجھ کو نشاں پالے مرا
اور جرم عشق کرتے دیکھ لے
اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
رقص کی یہ گردشیں
ایک مبہم آسیا کے دور ہیں
کیسی سرگرمی سے غم کو روندتا جاتا ہوں میں
جی میں کہتا ہوں کہ ہاں
رقص گہ میں زندگی کے جھانکنے سے پیشتر
کلفتوں کا سنگریزہ ایک بھی رہنے نہ پائے
اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی میرے لیے
ایک خونی بھیڑیے سے کم نہیں
اے حسین و اجنبی عورت اسی کے ڈر سے میں
ہو رہا ہوں لمحہ لمحہ اور بھی تیرے قریب

جانتا ہوں تو مری جاں بھی نہیں
تجھ سے ملنے کا پھر امکاں بھی نہیں
تو مری ان آرزوؤں کی مگر تمثیل ہے
جو رہیں مجھ سے گریزاں آج تک
اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
عہد پیرانہ کا میں انساں نہیں
بندگی سے اس درو دیوار کی
ہو چکی ہیں خواہشیں بے سوز و رنگ و ناتواں
جسم سے تیرے لپٹ سکتا تو ہوں
زندگی میں جھپٹ سکتا تو ہوں
اس لیے اب تھام لے
اے حسین و اجنبی عورت مجھے اب تھام لے

شاعر: ن م راشد

انتخاب: مریم مرتضیٰ...... بہاولنگر

چارہ گر

اک چنبیلی کے منڈوے تلے
میکدے سے ذرا دور، اس موڑ پر
دو بدن پیار کی آگ میں جل گئے
پیار، حرف وفا
پیار، ان کا خدا
پیار، ان کی چتا
دو بدن
اوس میں بھیگتے، چاندنی میں نہاتے ہوئے
جیسے دو تازہ رو، تازہ دم پھول پچھلے پہر
ٹھنڈی ٹھنڈی چمن کی سبک رو ہوا
صرف ماتم ہوئی
کالی کالی لٹوں سے لپٹ گرم رخسار پر
ایک پل کے لیے رک گئی
ہم نے دیکھا انہیں
دن میں اور رات میں
نور و ظلمات میں
مسجدوں کے مناروں نے دیکھا انہیں
مندروں کے کواڑوں نے دیکھا انہیں
میکدے کی دراڑوں نے دیکھا انہیں
از ازل
تا ابد
یہ بتا چارہ گر تیری زنبیل میں
نسخۂ کیمیائے محبت بھی ہے
کچھ علاج و مداوائے الفت بھی ہے
اک چنبیلی کے منڈوے تلے
میکدے سے ذرا دور، اس موڑ پر
دو بدن پیار کی آگ میں جل گئے
چارہ گرہ

شاعر: مجی الدین

انتخاب: سدرہ شاہین...... پیر دوال

پہلی سی محبت

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
انگنت صدیوں کے تاریک، بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے؟
اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجیے؟
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: صباء عیشل...... بھا گووال

تجزیہ

میں تجھے چاہتا نہیں لیکن!

پھر بھی جب پاس تو نہیں ہوتی
خود کو کتنا اداس پاتا ہوں
گم سے اپنے حواس پاتا ہوں
جانے کیا دھن سمائی رہتی ہے
اک خموشی سی چھائی رہتی ہے
دل سے بھی گفتگو نہیں ہوتی
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی شب کی طویل خلوت میں
تیرے اوقات سوچتا ہوں میں
تیری ہر بات سوچتا ہوں میں
تیری ہر بات سوچتا ہوں میں
کون سے پھول تم کو بھاتے ہیں
رنگ کیا کیا پسند آتے ہیں
کھو سا جاتا ہوں تیری جنت میں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی احساس سے نجات نہیں
سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے
دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے
جس کو اتنا سراہتا ہوں میں
جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں
اس میں تیری سی کوئی بات نہیں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن

شاعر: جاں نثار

انتخاب: صوفیہ خان...... سعودی عرب

غمگساری

دوست مایوس نہ ہو!
سلسلے بنتے بگڑتے ہی رہے ہیں آخر
تیری پلکوں پہ سر اشکوں کے ستارے کیسے
تجھ کو غم ہے تری محبوب تجھے مل نہ سکی
اور جو زیست تراشی تھی ترے خوابوں نے
آج وہ ٹھوس حقائق میں کہیں ٹوٹ گئی
تجھ کو معلوم ہے میں نے بھی محبت کی تھی
اور انجام محبت بھی ہے، معلوم تجھے
انگنت لوگ زمانے میں رہے ہیں ناکام
تیری ناکامی نئی بات نہیں دوست مرے
کس نے پائی ہے بھلا زیست کی تلخی سے نجات
چار و ناچار یہ زہر اب بھی پیتے ہیں
جاں سپاری کے فریبندہ فسانے پہ نہ جا
کون مرتا ہے محبت میں سبھی جیتے ہیں
وقت ہر زخم کو، ہر غم کو مٹا دیتا ہے
وقت کے ساتھ یہ صدمہ بھی گزر جائے گا
اور یہ باتیں جو دہرائی ہیں میں نے اس وقت
تو بھی اک روز انہیں باتوں کو دہرائے گا
دوست مایوس نہ ہو

شاعر: احمد راہی

انتخاب: ہالہ سلیم...... کراچی

اندیشے

روح بے چین ہے اک دل کی اذیت کیا ہے
دل ہی شعلہ ہے تو یہ سوز محبت کیا ہے
وہ مجھے بھول گئی اس کی شکایت کیا ہے
رنج تو یہ ہے کہ رو رو کے بھلایا ہوگا
جھک گئی ہوگی جواں سال امنگوں کی جبیں
مٹ گئی ہوگی للک، ڈوب گیا ہوگا یقیں
چھا گیا ہوگا دھواں، گھوم گئی ہوگی زمیں
اپنے ہی پہلے گھروندے کو جو ڈھایا ہوگا
دل نے ایسے بھی کچھ افسانے سنائے ہوں گے
اشک آنکھوں نے پیے اور نہ بہائے ہوں گے
بند کمرے میں جو خط میرے جلائے ہوں گے
ایک اک حرف جبیں پر ابھر آیا ہوگا
اس نے گھبرا کے نظر لاکھ بچائی ہوگی
مٹ کے اک نقش نے سو شکل دکھائی ہوگی
میز سے جب مری تصویر ہٹائی ہوگی
ہر طرف مجھ کو تڑپتا ہوا پایا ہوگا
بے محل چھیڑ پہ جذبات ابل آئے ہوں گے
غم پشیمان تبسم میں ڈھل آئے ہوں گے
نام پر میرے جب آنسو نکل آئے ہوں گے
سر نہ کاندھے سے سہیلی کے اٹھایا ہوگا
زلف ضد کر کے کسی نے جو بنائی ہوگی

روٹھے جلووں پہ خزاں اور بھی چھائی ہوگی
برق عشووں نے کئی دن نہ گرائی ہوگی
رنگ چہرے پہ کئی روز نہ آیا ہوگا

شاعر: اطہر حسین

انتخاب: سمیہ عثمان...... کراچی

فاصلہ

رات آئی تو چراغوں نے لویں کم کردیں
نیند ٹوٹی تو ستاروں نے لہو نذر کیا
کسی گوشے سے دبے پاؤں چلی باد شمال
کیا عجب اس کے تبسم کی ملاحت مل جائے
خواب لہرائے کہ افسانے سے افسانہ بنے
ایک کونپل ہی چٹک جائے تو پھر جام چلے
دیر سے صبح بہاراں ہے نہ شام فردوس
وقت کو فکر کہ وہ آئے تو کچھ کام چلے
دھوپ اتری تو وہی شام غریباں جس میں
اپنے سینوں پہ مزاروں کا گماں ہوتا ہے
غم کبھی ملتے ہیں تو جیسے کوئی دولت مل جائے
لو کبھی چلتی ہے تو احسان سے سر جھکتا ہے
آخری آس بھی ٹوٹے تو بڑا لطف و کرم
ریت کے پیارے سے طوفاں کے جھکولے اچھے
آگ لگ جائے جو گھر کو تو چلو جشن ہوا
اپنے معمول کی اس راکھ سے شعلے اچھے

شاعر: مصطفیٰ حسین زیدی

انتخاب: رادو رفاقت علی...... دنیاپور

غزل

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ کچھ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا
رخصت ہے باغباں کہ ٹک اک دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ آجائے گا
تیغ جفائے یار سے دل سر نہ پھیریو
پھر منہ وفا کو ہم سے دکھایا نہ جائے گا
کعبہ اگر چہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
ظالم میں کہہ رہا تھا تو اس خو سے درگزر
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

شاعر: مرزا محمد رفیع سودا

انتخاب: رخسانہ اقبال...... خوشاب

غزل

ہر ایک بات نہ کیوں زہر سی ہماری لگے
کہ ہم کو دست زمانہ سے زخم کاری لگے
اداسیاں ہوں مسلسل تو دل نہیں روتا
کبھی کبھی ہو تو یہ کیفیت بھی پیاری لگے
بظاہر ایک ہی شب ہے فراق یار مگر
کہ تیر بن کے جسے حرف غم گساری لگے
ہمارے پاس بھی بیٹھو بس اتنا چاہتے ہیں
ہمارے ساتھ طبیعت اگر تمہاری لگے
فراز تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ
یہ کیا فرور وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

شاعر: احمد فراز

انتخاب: عرسہ پرویز

کوہستان دکن کی عورت

یہ ابلتی عورتیں اس چلچلاتی دھوپ میں
سنگ اسود کی چٹانیں آدمی کے روپ میں
عورتیں ہیں یا کہ ہیں برسات کی راتوں کے خواب
پھٹ پڑا ہے حسن پہ طوفاں خیز پتھریلا شباب
جسم ہیں کچھ اس قدر ٹھوس الحفیظ والامان
لیجیے چٹکی تو چھل جائیں خود اپنی انگلیاں
ان بنات کوہ کی کڑیل جوانی، الاماں
پتھروں کا دودھ پی پی کر ہوئی ہیں جو جواں
کیا خبر کتنے دنوں کی جوش پامالی ہوئی
ان اداؤں سے کہ ہیں طوفان کی پالی ہوئی

شاعر: جوش ملیح آبادی

انتخاب: دعا احمر...... پاکپتن

alam@aanchal.com.pk

شوخیٔ تحریر

حماد ذوالفقار

سورۃ یونس کی منتخب آیات کی تشریح

اللہ نے انسان کو پہلے پیدا کیا پھر اللہ ہی انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کو جزا دے اور کفر کرنے والے دردناک عذاب جھیلیں (آیت 4)

حقیقت کو دیکھ کر ایمان لانے میں امتحان کیسا؟ غور وفکر کرنے والے کے لیے تو کائنات کی ہر چیز مثلاً سورج کی روشنی اور حدت کے فوائد اور ہر ماہ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے تاریخوں کا تعین کرنے میں اللہ کی حکمت کی نشانیاں ہیں (آیت 6-5)

آخرت کے منکر دنیاوی زندگی میں مگن لوگ برائیوں میں مبتلا ہوکر جہنم رسید ہوں گے جبکہ ایمان لاکر نیک عمل کرنے والے جنت کی نعمتیں پاکر اللہ کی حمد وثنا کریں گے (آیت 9-7)

جب تک اور جہاں تک ایک رسول کی تعلیم پہنچے وہ سب اس کی امت ہیں جس کی پیروی ہی میں بھلائی ہے (آیت 47)

ہر امت کے لیے مقرر مہلت ختم ہونے پر انصاف سے اس کا فیصلہ کردیا جاتا ہے (آیت 49)

ظالم اللہ کے عذاب کو دیکھ کر اگر اپنی دنیا بھر کی دولت بھی فدیے میں دے کر عذاب سے بچنا چاہے تو بچ نہ سکے گا (آیت 54)

اللہ نے جو کچھ تمہیں بخشا ہے وہ تمہارا رزق ہے اس میں خود ہی حرام وحلال کا تعین نہ کرنے لگو (آیت 59)

آسمان کے بسنے والے ہوں یا زمین کے سب اللہ کی مخلوق ہیں لوگوں نے وہم وگمان سے شرک کرکے اپنے لیے جھوٹے معبود بنالیے (آیت 66)

حقیقت کو پانے کے لیے نبی کی سنو، اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرو مثلاً تمہارے کام کرنے کے لیے روشن دن اور آرام کے لیے پرسکون رات کا ہونا (آیت 67)

غلام سرور...... نارتھ ناظم آباد، کراچی

محبوب لوگ

وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں غصہ پینے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب لوگ ہوتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

سنہری باتیں

○ زندگی ہی میں سنتیں اپنالو کہ مرنے کے بعد اس کا موقع نہیں مل سکے گا۔

○ خاموشی عقلمندی کی علامت ہے۔

○ زیادہ باتیں کرکے آپ پچھتا بھی رہے ہوں گے کیا کبھی خاموشی نے بھی آپ کو ندامت میں ڈالا؟

○ باتونی شخص خواہ کتنا ہی نیک ہو لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوجاتا ہے۔

○ زیادہ باتیں کرنے والا اپنا اور دوسرے کا وقت بھی برباد کرتا ہے اور بارہا اس فضول گوئی کے سبب گناہ بھی سرزد کررہا ہوتا ہے ورنہ سننے والا تو بور ہو ہی جاتا ہے۔

سدرہ رحمان...... کھمبوڑیال، مدوکے شریف

لطیفہ

ایک دبلی پتلی بیوی نے اپنے پیٹو شوہر کو ایک دعوت میں بریانی کی آٹھویں پلیٹ بھر کر لاتے دیکھا تو شرمندہ ہوکر بولی۔

''آپ کو خیال نہیں آتا کہ لوگ آپ کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟''

''نہیں بیگم مجھے بھلا کوئی کیوں کہے گا۔'' شوہر نے اطمینان سے جواب دیا۔

''میں تو انہیں یہ بتا کر کھانا لا رہا ہوں کہ میری بیوی منگوا رہی ہے۔''

ثانیہ مسکان...... تحصیل گوجر خان

غلام قوم

غلام قوم کے معیار بھی عجیب ہوتے ہیں شریف کو بے وقوف، مکار کو چالاک، قاتل کو بہادر اور مال دار کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی...... زندگی تنویر خلیل

راز

مشہور فلسفی ابن طفیل نے ایک دن خوش ہوکر لوگوں کو بتایا

اے لوگو! میں نے وہ راز پالیا ہے، جس سے انسانی معاشرہ خوش و خرم رہ سکتا ہے ایک دوست نے دریافت کیا وہ کس طرح، ابن طفیل نے جواب دیا کائنات کی ہر چیز دوسروں کے لیے ہے درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتے دریا اپنا پانی خود نہیں پیتے یہ بہاریں یہ برساتیں یہ نغمے، یہ موجیں سب دوسروں کے لیے ہیں، بس وہی زندگی نظام کائنات سے ہم آہنگ ہوسکتی ہے جو دوسروں کے لیے ہو۔

جمیلہ اقبال طور...... جلال پور جٹاں گجرات

اچھی بات

یقین کی پختگی اور اخلاق کا حسن جس انسان میں ہو، وہ ایک ہی وقت میں خالق اور مخلوق دونوں کا محبوب بن جاتا ہے۔

غزالہ شوکت......

ذرا سوچیے

اذان کیا ہے اذان جب ہو تو ہمیں ہر کام چھوڑ کر اذان کو غور سے سننا اور اس کا جواب دینا چاہیے اذان جب ہوتی ہے تب ٹی وی کا والیوم بند کیا جاتا ہے پر نظریں ٹی وی پر ہی ہوتی ہیں دل کرتا ہے کہ اذان جلدی پوری ہوجائے ہم اپنی باتیں یا پروگرام جاری کریں کیا یہ اذان کا احترام ہے اذان ختم ہوتے ہی ہمیں اذان کا جواب دینا چاہیے تاکہ اپنی اپنی مصروفیت جاری کریں اذان ختم ہوتے ہی اذان کا جواب دیں تاکہ مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب ہو جب ہماری دعوت پر کوئی نہ آئے تو ہم ناراض ہوجاتے ہیں مگر اللہ کی طرف سے ہمیں روزانہ پانچ مرتبہ دعوت ہوتی ہے اور ہم اس کے گھر نہیں جاتے کیا اللہ ہم سے ناراض نہ ہوں گے پلیز نماز قائم کریں۔

نماز کی فکر کرو، بیلنس کی طرح۔ اذان سن کر اٹھو، ایس ایم ایس کی طرح۔ زندگی ہمیشہ نہیں رہے گی، نیٹ ورک کی طرح۔ نماز کو قائم کریں نماز چھوڑنا اللہ کو ناراض کرنا ہے کیا ہم اپنی زندگی کے ایک دن میں سے روزانہ 57 منٹ اپنے اللہ کے لیے نہیں نکال سکتے سوچیے اور نماز قائم کریں۔

نامعلوم...... نامعلوم

یادگار لمحے

دنیا ایک ٹرین کی طرح ہے جس کے مسافر ہم سارے ہیں نجانے کب وہ اسٹیشن آجائے جہاں عزرائیل ہمارے سفر کو ختم کرنے کے لیے کھڑا ہے نجانے کب وہ لمحہ اصل آجائے سفر اپنے اختتام کو پہنچ جائے لہٰذا اے انسان سب نے اس ٹرین پر سوار ہونا ہے اور اپنے اپنے اسٹیشن پر اترنا ہے پھر اپنی آخری منزل قبرستان تک پہنچا ہے جہاں منکر نکیر کے جواب دینا ہیں خدارا ہوش میں آجاؤ اعمال صالحہ کرکے اپنے رب کی رضا پاکر فلاح دارین پالو۔

شازیہ ہاشم...... کھڈیاں قصور

ذرا مسکراؤ

گاؤں کی سیر کے دوران ایک شہری نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے بڑا سا برتن دیوار پر رکھا ہوا تھا جس میں مرغیوں کا دانہ تھا وہ ایک مرغی کو ہاتھوں میں اٹھا کر برتن تک لاتا وہ کچھ دیر دانہ چگتی اس کے بعد دیہاتی اسے زمین پر چھوڑ کر دوسری مرغی کو اٹھا کر برتن تک لاتا وہ بھی دانہ چگ لیتی اسی طرح ہر ایک مرغی کو پیٹ بھرنے کا موقع دیتا یہ منظر دیکھ کر ایک شہری سے رہا نہ گیا وہ بولا اگر آپ یہ برتن نیچے رکھ دیں تو سب مرغیاں ایک ساتھ دانہ چگ لیں گی اس طرح کتنا وقت بچے گا۔

"وقت کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" دیہاتی نے بے پروائی سے کہا۔

مرغیوں کو کون سا کہیں جانے کی جلدی ہے۔

کنول خان...... موسیٰ خان

اچھی باتیں

❖ اگر انسان کا دل اور کردار خوب صورت ہو تو چہرے پر حسن نظر آتا ہے۔

❖ ہمیشہ سمجھوتا کرنا سیکھو کیونکہ تھوڑا سا جھک جانا کسی رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑ دینے سے بہتر ہے۔

❖ رشتے چاہے کتنے بھی برے ہوجائیں لیکن کبھی بھی انہیں مت توڑنا کیونکہ پانی چاہے کتنا بھی گندہ ہو پیاس نہیں تو آگ ضرور بجھا دیتا ہے۔

❖ لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

❖ دوسروں کو عزت دینا بھی سخاوت ہے۔

❖ جسے عیش میں خدا کی یاد اور طیش میں خدا کا خوف نہ رہے اس انسان سے دور رہو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

المیہ

کچھ لڑکیوں کے دل بنجر زمین جیسے ہوتے ہیں جن پر کبھی بارش نہیں برسی ہوتی اور وہ اپنے مجازی خدا سے اس محبت کی

بارش کی طلبگار ہوتی ہیں، شاید کبھی ان کی طرف سے دو بول پیار بھرے برسے اور ان کا دل بھی زرخیز ہو جائے سرسبز و شاداب ہو جائے ان کے دل میں بھی انمول جذبوں کے پودے اگ آئیں ان لڑکیوں کے دلوں میں کچھ امنگیں و خواہش جنم لیں لیکن کچھ مرد ایسی بنجر زمین کو اپنی تحویل میں تو لے لیتے ہیں پر ان پر توجہ و پیار کی پھوار برسانا بھول جاتے ہیں وہ لڑکیاں تاحیات اس خوش فہمی میں رہتی ہیں کہ کبھی نہ کبھی ان پر بارش برس کران کو نم یاب کردے گی اور وہ مکمل ہو جائیں گی، بے حس و جذبات سے عاری مرد بے خبری میں عمر گزار دیتا ہے اور عورت اپنے بنجر دل کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کر کے اپنی زندگی مکمل کر جاتی ہیں۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد، سندھ

مسکرایئے

ایک آدمی مسجد میں گیا وہاں جا کر پوچھا سچا مسلمان کون ہے ایک بوڑھے آدمی نے کہا کہ میں ہوں اس نے اپنی تلوار بلند کی اور بوڑھے آدمی کو پکڑ کر مسجد سے باہر لے گیا اور اس کے قدموں میں بکرا ذبح کیا پھر خون آلود تلوار کے ساتھ مسجد میں دوبارہ آیا اور پوچھا کہ تم میں سچا مسلمان کون ہے خون آلود تلوار دیکھ کر سب خاموش ہو گئے ان میں سے ایک آدمی نے کہا جی مولوی صاحب بڑے سچے مسلمان ہیں مولوی نے جھٹ جواب دیا نئی جی اے جھوٹ بول دا میں تو مسجد میں اعلان کرانے آیا تھا تین دن سے لائٹ نہیں آرہی۔

جویریہ دی...... ڈونگا بونگا

نہلے پہ دہلا

پٹھان مولوی سے وضو کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟

مولوی: نہیں ہوتی۔

پٹھان: ہو جاتی ہے کیوں نہیں ہوتی۔

مولوی: میں کہہ رہا ہوں ناں نہیں ہوتی۔

پٹھان: اور میں ابھی پڑھ کے آیا ہوں۔

بشریٰ کنول، مریم سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ

دانائی کی باتیں

❁ دوسروں کو تلقین کرنے سے بہتر ہے کہ خود اس پر عمل کرو، دوسرے خود ہی تمہاری طرف دیکھ کر سیکھ جائیں گے۔

❁ علم حاصل کر کے اپنے تک محدود نہ رکھو بلکہ اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔

❁ دوسروں سے حسد کرنا چھوڑ دو ہمیشہ خوش رہو گے۔

❁ دشمن اگر عقلمندی کی بات کرے تو اسے بھی غور سے سنو۔

❁ اگر تم اپنا علم وسیع کرنا چاہتے ہو تو اپنے حاصل کردہ علم کو دوسروں تک پہنچاؤ۔

❁ لوگوں میں صلح کرانے میں مت جھجکو۔

❁ کسی پر احسان کر کے نہ جتلاؤ۔

ثناء اعجاز...... ساہیوال

اداسی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا
بہت کچھ کر بھی لوں لیکن
کمی کیوں پھر بھی رہتی ہے
مری آنکھوں میں، لہجے میں
نمی کیوں پھر بھی رہتی ہے

فریحہ شبیر...... شاہ کلڈر

اقوال زریں

✦ خوش کلامی ایک ایسا پھول ہے، جو کبھی نہیں مرجھاتا۔

✦ صبر سے بڑھ کر کوئی چیز میٹھی نہیں۔

✦ روشنائی جلد خشک ہو جاتی ہے آنسو نہیں۔

✦ کیڑے آپ کو اس وقت کھاتے ہیں جب آپ مردہ ہوں لیکن غم آپ کو زندہ ہی کھا لیتے ہیں۔

✦ مشکل ترین کام بے کار رہنا ہے۔

انتخاب: نور فاطمہ...... کراچی

shukhi@aanchal.com.pk

حسن خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ابتدا ہے جو ارض وسماں کا مالک ہے نئے سال کے دوسرے ماہ میں ہم اللہ کے فضل سے داخل ہوگئے ہیں آپ بہنیں اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر حجاب کو سجانے سوارنے میں جو مدد ہماری کررہی ہیں اس پر ہم شکر گزار ہیں آپ سب کی نگارشات ہمیں ہر ماہ موصول ہوجاتی ہیں لیکن حسن خیال میں آپ بہنیں مصنفین کی تحریروں پر تبصرہ ضرور کریں تاکہ ہمارے ساتھ مصنفین کو بھی ان کی محنت کا حق موصول ہوجائے۔

اب بڑھتے ہیں آپ بہنوں کے تبصروں کی جانب جو حسن خیال میں ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

عائشہ پرویز صدیقی...... کراچی

ایک خوشبو کی طرح کوچہ روز وشب سے
جو دبے پاؤں گزرجائے، وہ سال اچھا ہے

گو سال 2016ء کسی خوشبو کی طرح تو نہیں گزرا، لیکن بہرحال گزر گیا مگر صد شکر کہ سارا سال رسالہ اور ہمارا گویا چولی، دامن کا ساتھ رہا ہے۔ 2017ء کا پہلا رسالہ "ہمارا سالنامہ" تھا جو 6 جنوری 2017ء کو آیا حجاب کی ساری خوب صورتی ماڈل کی نیلی نیلی آنکھوں میں سما گئی۔ پھر فہرست میں اپنا نام دیکھ کر دل بلیوں کی طرح اچھلنے لگا۔ مدیرہ کی "بات چیت" پر کان دھرا اور دل ہی دل میں عمل کرنے کی ٹھانی۔ "حمد ونعت" سے ایمان کو تازہ کیا۔ "ذکر اس پری وش کا" چاروں پریاں اچھی لگیں۔ "آغوش مادر" یاسمین نشاط نے بہت عمدہ لکھا اللہ پاک آپ کی امی کو جنت کے اعلیٰ مقام پر جگہ عطا کرے آمین۔ "پیا کا گھر" پڑھتے ہی بے ساختہ اپنے پیا کی یاد آئی۔ "سلسلے وار ناولز" دونوں رائٹرز بہت اچھے طریقے سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں زبان وبیان بھی بے حد دلکش اور دل چھو جانے والا ویلڈن۔ مکمل ناول "فضا مہکنے لگی" بہت ہی خوب صورت کہانی گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا آپ نے اور ساتھ ہی قارئین کے دل بھی جیت لیا کیا خوب صورت اور سچا جذبہ تھا شہریار کا۔ بابا نے بالکل درست فیصلہ کیا تھا واصق اور دریا کو ملانے کا۔ "گلاب رتوں کے خواب نگر" اس ماہ کی ٹاپ اسٹوری ہائے اللہ کتنا اچھا لکھا نائلہ طارق بہت دنوں کے بعد اتنی مزے کی کہانی پڑھنے کو ملی۔ قدم قدم پر قہقہے قدم قدم پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں اور تو اور میلک کا عشارب کے پیچھے چاقو لے کر بھاگنا ہاہاہا مزہ دے گیا اینڈ بھی شاندار سب کزنوں کی دوستی اور محبت لازوال۔ ناولٹ "وہ ایک ملکہ محبت" داوا آفندی اور ذومیر شاہ سے ایک سبق سیکھا محبت سوال نہیں کرتی ہمیشہ جواب مانگے گی اور کبھی آپ سے یہ بھی نہیں کہے گی کہ صرف میرے ہو کے رہو مگر کسی کا ہونے نہیں دے گی۔ صباحت رفیق آپ تو چھا گئیں۔ "زیاں" سیدہ ضوبار یہ اب میں آپ کے ناولٹ کی تعریف کے لیے الفاظ کہاں سے ڈھونڈوں؟ شاعری کا چناؤ، الفاظ کا انتخاب بھی کچھ بہترین۔ جس خوب صورتی سے شروع کیا اختتام بھی یونہی اثر انگیز ہونا چاہیے کیونکہ کوئی مقام ایسا نہیں گزرا جہاں میں بور ہوئی ہوں۔ "چلو زیست کو سمجھتے ہیں" حنا میری دوست پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک شاید میں نے آنکھ جھپکے بنا ہی پڑھا۔ وقت کتنا ظالم ہے یہ جو دکھائے وہ دیکھنا پڑتا ہے چاہے آپ کتنی ہی تکلیف میں کیوں نہ ہوں دوست کی سازش اور بے اعتباری سے بڑا دکھ شاید کوئی نہیں مرینہ کو تو دل چاہا کہ شازب کی پستول سے اڑادوں ہنمہ زہریلی ناگن دوست کے روپ میں۔ ویسے پولیس والے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے پر جب سے شازب کو پولیس وردی میں پڑھا اچھے لگنے لگے۔ افسانے اقبال بانو ہمیشہ جامعہ کی سیر کراتی آئی ہیں کیا کہوں "ہم جھوٹے ہیں" بالکل حقیقت کا منظر محسوس ہوا ہے شہپال اور زوار کے جذبات بہت خوب صورتی سے بیان کیے مگر کہیں تشنگی باقی تھی۔ "محبت اسم ہے ایسا" پورا افسانہ ہی دکھ کے ساتھ پڑھا جانے کیوں پڑھتے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا اختتام ٹریجک ہوگا مگر پھر بھی طلعت نظامی کی ایک بہترین تحریر لگی۔ "وطن نصیب ہے" حیا بخاری نے نور حرم کا بہت خوب صورت انداز میں نقشہ کھینچا ہے انوکھے اور منفرد انداز میں لکھی تحریر اچھی لگی۔ سباس آپی کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"دعوت" مجھے پسند آئی۔ عائشہ پرویز کی "سمجھوتا" میں صرف اتنا کہوں گی بعض مرتبہ رشتوں کو بچانے کے لیے سمجھوتا بہت ضروری ہوجاتا ہے۔ "نوید سحر" میں مائرہ جیسی حوصلہ مند لڑکیاں جو خود کو حالات کی نذر کرنے کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرتی ہیں تو یہ توکل پھر انہیں زندگی سہل بنانے میں معاون ہوتا ہے۔ باقی تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ آرٹیکل مریم نے معاشرے میں پائی جانے والی روشن خیالی کو حجاب کے ذریعے بہت اچھے سے پیش کیا۔ جیسا میں نے دیکھا پروین شاکر کو بہت اچھے سے دیکھایا۔ بزم سخن سب کی شاعری غضب کی تھی۔ کچن کارنر موسم سرما کی مناسبت سے مٹر گوشت بریانی کھا کر سرور آ گیا۔ آرائش حسن نہیں پڑھا کیونکہ میری سادگی ہی میرا حسن ہے۔ عالم میں انتخاب میں نادیہ آپی کا انتخاب دل کو بھایا بہت۔ شوخئ تحریر میں پروین افضل شاہین، فریحہ اور فاطمہ نے بہت پیارا لکھا۔ حسن خیال میں کوثر کے خیالات شاعری کی صورت میں ہم وزن اور جامع الفاظ پسند آئے۔ جویریہ جی آپ نے مجھے یاد رکھا بہت بہت شکریہ، وعدہ نہیں کرتی پر کوشش کروں گی کہ حجاب میں ہر ماہ حاضری دے کر آپ کی خواہش کا احترام کرسکوں۔ ہومیو کارنر اس ماہ کا میرے کام کا نہیں تھا۔ شوبز کی دنیا میں کجل علی پر غصہ آیا۔ ٹوٹکے خدیجہ احمد نے بڑی اچھی باتیں بتائیں۔ میری دعا ہے، مجھ سمیت حجاب سے وابستہ لوگوں کا نیا سال بہت کامیاب ہو اور خوشیوں سے بھرپور ہو آمین۔

حناء اشرف...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم اللہ پاک کے فضل و کرم سے آپ سب بالکل خیریت سے ہوں گے میں نے سوچا بہت عرصہ ہوا آپ سب سے کوئی گپ شپ نہیں ہوئی تو آغاز کیے ہی دیتے ہیں سب سے پہلے تو ان سب کو مبارک باد جن کی تحریریں جنوری کے آنچل، حجاب اور نئے افق کی زینت بنی ہیں۔ اس کے بعد آتے ہیں آپ سب کی طرف تو جناب کون کون ہمیں بھلا چکا؟ اور کس کو ہم یاد ہیں؟ آپ سب تو ہمیشہ میری دعاؤں میں شامل ہوتے ہیں۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی طرف۔ ارے یہ کیا اس بار تو بڑے خوب صورت نام ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ صدف آصف اور نادیہ فاطمہ کے نام تو ماشاء اللہ ہر ماہ ہوتے ہیں ان کے علاوہ شازیہ مصطفیٰ، نائلہ طارق، سباس گل، صباحت رفیق، عائشہ پرویز، حیا بخاری، اقبال بانو، طلعت نظامی، فصیحہ آصف، سمیرا ایاز، حرا قریشی، حریم الیاس، سویرا فلک، ایمان علی اور ساتھ میں یہ جو ننھا منا سا زیست کے عنوان سے ستارہ ہے یہ تو من کو خوب بھایا اور اس کی روشنی تو میری آنکھوں کو بھی بھلی محسوس ہو رہی ہے آ ہم۔ فی الحال مکمل ڈائجسٹ نہیں پڑھ سکی مگر اس بار تبصرہ بھی لازمی بھیجنا تھا سو جتنا جو پڑھا اس کی بات ہوجائے۔ شازیہ اور نائلہ کے ناولز سب سے پہلے پڑھے بھئی بہت خوب ہمیشہ کی طرح اچھا لکھا۔ نائلہ حجاب میں آپ کا سلسلے وار ناول شروع ہو رہا ہے۔ بہت بہت مبارک ہو ڈیئر ملکہ جی میرا مطلب ہے صباحت رفیق جی آپ تو چھا ہی گئیں بھئی دھوم مچا دی آپ نے تو ہیرو، ہیروئین کے نام بہت پیارے لگے۔ ملکہ جی آپ کا اور میرا ناولٹ ایک ساتھ آیا اس بات کی بہت خوشی ہوئی ہمیشہ یونہی اچھا اچھا لکھتی رہو، آمین۔ افسانوں میں سب سے پہلے عائشہ پرویز صدیقی کا افسانہ سمجھوتہ پڑھا، مختصر مگر جامع تھا عائشہ بہت اچھا لکھا آپ نے مجھے پسند آیا آپ کا افسانہ اچھی لڑکی سدا خوش رہو۔ سباس گل آپی کا افسانہ دعوت سبق آموز تھا جو بے حد پسند بھی آیا بہت خوب لکھا ڈیئر۔ حرا قریشی کی بات چیت کی نوک جھونک کو کافی انجوائے کیا خصوصاً گاڑی میں بند ہوجانا پھر بھی بات چیت نہ کرنا کھلکھلانے پر مجبور کر گیا۔ ایمان علی آپ کا پہلا افسانہ حجاب میں آیا مبارک ہو اللہ پاک مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔ اب تو ڈائجسٹ پڑھنے کا وقت بھی نہیں ملتا تبھی تو ہر ماہ حاضری نہیں دے سکتی۔ انشاء اللہ جیسے ہی فرصت ملی بھی ڈائجسٹ پر تفصیلی تبصرہ کروں گی۔ ایک اور بات سمیرا شریف طور صاحبہ سے جلد از جلد کوئی مکمل ناول لکھوایا جائے پہلے بھی کئی بار اپنی پسند بتائی میں نے مگر مجال ہے جو کوئی اثر ہوا ہو (ہی ہی ہی) بھئی ہم تو ایسے ہی ہیں جو فرمائش پوری نہ کی گئی تو خوب شور شرابا مچائیں گے اور دھرنا دیں گے، ساڈا حق ایتھے رکھ۔ سچ میں سمیرا آپ کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے مزید انتظار مت کروائیں۔ سیدہ غزل زیدی کدھر گم ہیں؟ نادیہ فاطمہ رضوی جب سے حجاب میں آپ کا سلسلے وار ناول شروع ہوا ہے آپ تو آنچل کو ہی بھول گئیں۔ فاخرہ گل کو بھی بہت مس کر رہی ہوں حجاب میں۔ ان شاء اللہ پھر آئیں گے تب تک کے لیے اجازت دیں۔
خوشیاں بانٹیں اور دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیں، اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر حنا! سیدہ غزل کو آپ مارچ کے آنچل میں پڑھ سکیں گی۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم پیاری باجی جوہی احمد اللہ پاک آپ کو خوش رکھے آمین۔ بات چیت میں قیصر آنٹی دعائیں دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی صحت کاملہ عطا فرمائے آمین حمد و نعت، امہات المومنین پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا، ذکر

اس پری وش کا جی آرزو ہم نے آپ کو پہچان لیا آپ کو جان کے بہت اچھا لگا آغوشِ مادر یا سمین نشاط آپ کے خیالات ماں کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی ماں تو ایسی ہے جو کبھی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی پیا کا گھر فہد غفار (نگہت غفار کے بیٹے) کی شادی میں جا کر بہت مزہ آیا ان کی شادی کی تصاویر بھی بہت اچھی لگیں سلسلے وار ناولز میں مجھے تو بس نادیہ فاطمہ کا ناول اچھا لگتا ہے۔ صدف آصف کا ناول بس سو سو ہی ہے اسے بس اب ختم کر دینا چاہیے مکمل ناول میں شازیہ اور نائلہ طارق آپ چھا گئے ہو افسانوں میں کوئی بھی اچھا نہیں لگا ناولٹ میں اس بار حنا اشرف آپ بہترین تحریر لے کر آئیں آپ کا یہ ناولٹ بہت اچھا لگا، اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ شوخی تحریر کی ہر تحریر بہت خوب لگی۔ شوبز کی دنیا کی خبریں بھی دلچسپ ہوتی ہیں کچن کارنر بھی خوب رونق لگی تھی اتنی ساری ڈشز شربت بریانی، سبزی ایک حلوہ کی کمی تھی وہ میں بھیج رہی ہوں شامل کرلیں، حجاب کے باقی سارے سلسلے اچھے لگے میری دعا ہے جس طرح سے آنچل نے ترقی کی ہے حجاب بھی اس سے زیادہ کامیابی کی منزلیں طے کرے حسن خیال میں گفٹ کی حق دار کوثر خالد ہونی چاہیے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اب اجازت۔ زندگی باقی رہی تو پھر آتے رہیں گے، اللہ حافظ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم جوہی اور اہل حجاب، جناب رجسٹر ختم شد ہے لہٰذا رسالہ 8 کو ملا اور صبح ہی موقع ذرا ساڈھونڈا خط لکھنے کو خط پوسٹ کرنے جائیں گے تو رجسٹر لائیں گے وقت بھی کم کم ملتا ہے حوض کوثر کی اشاعت پر نمازیں پکی کرنے کا سوچا تو صبح جتنی جلدی اٹھتے ہیں رات کو اتنی ہی جلدی بے ہوش ہوجاتے ہیں اور کھانا گھر والے کس سے مانگیں بنی تو خود بارہ گھنٹے پڑھا کر تھکی ہوتی ہے رسائل کی حوصلہ افزائی سے کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی بہت شکریہ، رشتہ نہیں توڑوں گی مگر تبصرہ...... اگر نماز پڑھوں گی تو نہ کرپاؤں گی ہاں اگر کہیں تو بنا پڑھے تبصرہ سرسری جائزہ سے جاری رکھ سکتی ہوں اس سے پہلے کہ عمر کی آخری گھڑی آئے مجھے نمازیں پکی کرنا ہیں اور قرآن لکھنے کی خواہش جانے کب پوری ہوگی پڑھنے میں تو بہت رواں ہوں، جویریہ وکی جو نعتوں سے عشق کرتا ہے اسے نہیں تو کسے دوں گی حوض کوثر، ابھی 60 کے قریب ہیں جو ایڈریس بھیجے گا اسے ختم ہونے تک بھیجوں گی ان شاء اللہ آسان طریقہ بتاتی ہوں میرا ایڈریس لے لیں گھر خط لکھ کر اپنا پتا فون نمبر لکھ بھیجیں تو مسئلہ حل کوثر خالد مکان نمبر 315 گلی نمبر 5 گیلانی محلہ جڑانوالہ فیصل آباد 0322-7940087 باقی جتنا پڑھا تبصرہ حمد و نعت زبان زدِ عام نعت کی طرز کے صدقے جاؤں، بات چیت، شمسی سال عیسوی کے بجائے اچھا لگا اب تو نماز پڑھ کر دعا کرتے ہیں اور وزیراعظم کو حوض کوثر بھی بھیج رہے ہیں اللہ جی تاثیر دکھائیں گے ان شاء اللہ شادی سر وے دلہن مجھے تو طیبہ شادی والی اچھی لگی فل میک اپ اف گھبراہٹ دونوں دلہنوں کو دعائیں طیبہ تم بھی لے لو حوض کوثر شادی پر تحفہ اگر چاہو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار حجاب سال نو مبارک نمبر حمیرا مغل کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے میں تو اس کے آرٹیفیشل ناخنوں پر ہی مرمٹی، سرورق دیکھ کر یہ شعر یاد آنے لگا۔

یہ تیرا حسن یہ بانکپن آج چاند کو بھی شرما گیا
چاند پڑ گیا سوچ میں اتنا حسین مکھڑا کہاں سے آ گیا

سلسلے وار ناولز اچھی طرح سے آگے بڑھ رہے ہیں ان کے علاوہ وہ ایک ملکہ محبت، ہم جھوٹے ہیں، دعوت، مانوس اجنبی، سرمایہ محبت اسم ہے ایسا، بجھوتہ پسند آئے آپی فریدہ جاوید فری آپ مایوسی والی باتیں نہ کیا کریں ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت یابی عطا فرمائے بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ کو میری اور میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کی زندگی بھی لگ جائے آپ جب مایوسی والی باتیں کرتی ہیں تو ہم بہت زیادہ اداس ہوجاتے ہیں، خدا حافظ۔

فریدہ فری...... لاہور۔ حجاب کیا ملا افسانوں کا گلدستہ مل گیا، ہماری فیورٹ دوستوں کے اکٹھے افسانے فصیحہ آصف نے کیا کمال کا افسانہ لکھا مانوس اجنبی لفظوں کا خوب صورت چناؤ ایک ایک لفظ میں موتی جڑے تھے سب تحریروں سے زیادہ اچھا مجھے مانوس اجنبی لگا مزہ آ گیا پڑھ کر، سباس گل نے مسکرانے پر بے اختیار مجبور کردیا خوش رہو واقعی دعوت کھا کر مزہ آ گیا وہ بھی مری ہوئی مرغیاں کھا کر میں تو پلاؤ وہ بھی مرغی کا کچھ زیادہ ہی کھا گئی ایسا ہی لکھتی رہو اقبال بانو کی تحریریں تو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہیں اور افسانے بھی لاجواب لگے ہم جھوٹے ہیں واہ کیا تحریر تھی فضا مہکنے لگی، وہ ایک ملکہ محبت، نوید سحر، محبت اسم ہے ایسا، میرے بھائی کی دلہن ایک

سے بڑھ کر ایک نگہت جی آپ کو فہد بیٹے کی شادی کی بہت بہت مبارکباد قبول ہو شادی کا احوال بے حد اچھا لگا اور دلہن اور دولہا کی بڑی سی اکٹھی تصویر ہوتی تو زیادہ اچھا لگتا میرے بھی دیور کے بیٹے کی شادی تھی ابھی تصاویر نہیں آئیں میں بھی لکھوں گی اچھا جی بازو میں بہت تکلیف ہے بس اتنا ہی لکھا جارہا ہے اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے اللہ حافظ حجاب کی تمام دوستوں قارئین رائٹرز کو دعا اور سلام پیار۔

ثناء فرحان...... ملتان۔ تمام بہنوں کو مصنفین سمت مجھ ناچیز کا خلوص و چاہت اور محبت سے بھرپور سلام قبول ہو، یوں تو پڑھنے لکھنے کا بے انتہا شوق ہے لیکن لکھنے کے لیے وقت چاہیے اور ابھی وقت بچی اور گھرداری کی نذر ہوجاتا ہے لیکن پڑھتی ضروری ہوں آنچل و حجاب تو باقاعدگی سے پڑھتی ہوں بس تبصروں میں کم ہی شامل ہو پاتی ہوں ورنہ دل کی نوکری زندہ باد، بھئی تبصرہ شامل جو وہاں ہوجاتا ہے اب اتنی خراب رائٹنگ بھی نہیں ہے میری جو ہی جی تھوڑی محنت کرلیا کریں (شکایت) ویسے اس بار ٹائٹل گرل دیکھ کر اس کی سوچ تک رسائی حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ آسمان کی نیلاہٹ آنکھوں میں سمائے ہونٹوں پر چپ کا قفل لگائے ہمیں اپنی سوچ تک پہنچنے میں کامیاب ٹھہری تھی، بھئی آئندہ ماہ سے نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول جو شروع ہورہا ہے اب یہ انتظار اس کے ساتھ ہمیں بھی کرنا تھا سو ہمارے تاثرات بھی اس سے ملتے جلتے ہی ٹھہرے، اب ناول کی پہلی قسط سے پہلے نائلہ کا مکمل ناول ہی پڑھ لیں یہ سوچ کر ہم اندر کی طرف بھاگے بات چیت تو پہلے ہی پڑھ چکے تھے) اس لیے ناول سے شروعات کی کیا کہوں نائلہ جی آپ کی پہلی تحریر سازِ من جو پچھلے سال آنچل کے صفحات پر سجی تھی اور میرے دل میں بھی اس کے بعد تمام تحریریں اپنی جگہ بناتی گئی اس تحریر کے بارے میں تھوڑی بات کرلوں لڑائی جھگڑے سے آپ کی تحریر گلاب رتوں کے خواب مگر شروع ہوئی اور تمام کہانی میں مجھے یوں لگا جیسے میرے سامنے ہی یہ سب کچھ ہورہا ہے خاص کر وہ مٹی کے تیل والا سین (آزما کر دیکھوں گی کوئی بچانے بھی آتا ہے یا......) عظام کا کردار اچھا لگا اس کے بعد شازیہ مصطفیٰ کی تحریر فضا مہکنے لگی پڑھی، پڑھنے کے بعد مجھے کچھ دیر کو ہی سہی اپنی آس پاس کی فضا مہکتی ہوئی ضرور محسوس ہوئی تھی آپ کا انداز تحریر بہت خوب صورت ہے یوں لگتا ہے جیسے پرانا ادب پڑھ رہی ہوں یا یوں سمجھ لیں کہ پرانے ڈائجسٹوں میں جیسی تحریریں ہوتی تھیں سچ میں ذہن فریش ہوجاتا ہے تھکاوٹ کا احساس کہیں آس پاس نہیں رہتا، اس لیے گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو سکون سے رات سب کے سوجانے کے بعد پڑھتی ہوں صباحت رفیق کو ہم نیٹ پر بھی پڑھتے ہیں لیکن ڈائجسٹ میں پڑھنے کا الگ مزہ ہے اور پڑھنے کا بھی وہ ایک ملکہ محبت کمال کی تحریر تھی چلو زیست کو سمجھتے ہیں حنا تم تو رنگ حنا کی طرح چھا گئی لڑکیوں کو اتنا بے وقوف نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے اتنا بڑا قدم اٹھالیں تحریر پڑھ کر مزہ آیا، افسانوں میں محبت اسم ہے ایسا طلعت جی نے الگ ہی موضوع کا انتخاب کیا ہے میں نے ایسا مریض بہت قریب سے دیکھا ہے میری پھوپو کا بیٹا تھا اللہ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے آمین، پچھلے سال اس کا انتقال ہوگیا تحریر پڑھ کر مجھے وہ یاد آتا رہا (طلعت جی ایسے لوگوں کا علاج ممکن ہے) ہم جھوٹے ہیں اقبال بانو کا نام ہی کافی ہے، تحریر شاندار اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی، سباس و فصیحہ آصف کافی عرصے بعد آئیں، دعوت پڑھ کر مزہ آیا، ایک اچھا سبق تھا فصیحہ نے بھی اچھا سبق دیا کہ ہمیشہ بڑوں کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا، ویسے بھی انسان کو اڑ جانا چاہیے، (یہ میری ذاتی رائے ہے) بات چیت حرا کی تحریر نے ہنسنے پر مجبور کردیا، ہم میاں بیوی بھی کبھی کبھی ایسے ہی ناراض ہوجاتے ہیں لیکن پھر بچی (رحمہ) صلح کراتی ہے، اب بولتی ہے اس لیے ورنہ پہلے ناراضگی تھوڑی طویل ہوتی تھی میرے بھائی کی دلہن بھی اچھی تحریر تھی سمجھوتہ بھی اچھی تحریر تھی لیکن عائشہ تھوڑا اضافہ اور کرتی باقی نوید سحر، سرمایہ اور خوابوں کی لگن بھی ٹھیک تھیں اس کے بعد ذکر اس پری وش یہ پہنچے اور چاروں بہنوں سے مل کر اچھا لگا، کوثر خالد کبھی میرے بارے میں بھی حجاب میں ہی کوئی بات یا دعا دے دیا کریں آپ سے تھوڑی ملاقات خواتین میں ہوچکی ہے حجاب یا آنچل میں بھی اس طرح شامل ہوں، ڈھیروں دعائیں آپ کے لیے آخر میں اتنا ہی کہوں گی کہ اللہ پاک حجاب کو مزید ترقی دے آمین، اللہ نگہبان۔

فائزہ بتول...... کراچی۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ امید ہے حسن خیال کی پیاری سی محفل میں ہمیں بھی خوش آمدید کہا جائے گا کہ ہم بھی اپنے حسین و نادر خیالات سے آپ کو مستفید کرنے جارہے ہیں جنوری کا شمارہ بھیگے بھیگے موسم میں ٹھنڈی و سرد ہواؤں کے سنگ موصول ہوا یا سال نو کا پہلا شمارہ اف ٹائٹل نے تو غضب کردیا کافی کا کپ ہاتھوں میں تھامے ساتھ ہی حجاب پر ایک نظر ڈالی لیکن اس ایک نظر نے تفصیلی جائزے پر اکسایا پیاری حمیرا مغل نیلی نیلی آنکھوں والی لڑکی سال نو پر بہت سی خوشیاں لے کر آئی، سب سے پہلے حمد و نعت سے روح و قلب کو معطر کیا مدیرہ آنی کی بات چیت سے نائلہ طارق کے ناول کے متعلق علم ہوا اور ایک

اور اضافہ اب جلدی سے پڑھنے کا انتظار ہے ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا ارے بھئی ہمارا نہیں حجاب کا بیان خوب صورت انداز میں چاروں پریوں کا احوال بیان کیا گیا سب سے ہی ملاقات بے حد اچھی لگی، آغوش مادر میں یاسمین نشاط کے سنگ ماں کی جدائی کے متعلق جان کر بے ساختہ پلکیں بھیگ گئیں اے اللہ ہمارے لیے آغوش مادر تاقیامت سلامت رکھنا آمین۔ پیا کا گھر واقعی جی مسز فہد غفار اور طیبہ نذیر دونوں کا اچھا لگا، مسز فہد آپ بہت کیوٹ لگ رہی ہو مسکراتے ہوئے سدا مسکراؤ، سلسلہ وار ناول نے فوراً ہی اپنی جانب توجہ مبذول کرلی دوسری طرف ہلکی ہلکی بوندا باندی نے بھی تیز دھواں دھار بارش کا روپ دھار لیا اور ہم بھی سرد موسم سے لطف اندوز ہوتے دل کے دریچے وا کرتے گئے اف سنی اور فائز کی محبت کا کیا بنے گا سائرہ کے خطرناک تیور سنی کبھی نہ ماننے کی نادیہ فاطمہ کہانی کو آگے بڑھاؤ تاکہ دلچسپی اور تجسس برقرار رہے، جمود کا شکار ہے کہیں سردی کی وجہ سے تو نہیں۔ مکمل ناول نائلہ طارق اور شازیہ مصطفیٰ دونوں کے ہی خوب رہے ناولٹ کی طرف دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے ضوباریہ کے ناولٹ نے اپنی طرف متوجہ کیا زیاں میں تلخ زندگی کے تلخ حقائق کو خوب صورتی سے کہانی میں سمویا ہے کوئی کتنا بھی اپنا ہو ماں کے مرتے ہی ہر کوئی بیگانہ بن جاتا ہے اب شدید مشکلات کا آغاز ہوجائے گا انیقہ اور ہادیہ کے لیے۔ ایک ملکہ محبت سے مل کر اچھا لگا سلطنت محبت کے بادشاہ اور ملکہ کے متعلق جان کر خوشی ہوئی لیکن دونوں ہی ضد کے پکے تھے اور بالآخر سمجھ آ ہی گئی کہ اصل بادشاہ تو ارض و سماں کا خالق ہے جس کی دسترس میں کل جہاں ہے۔ حنا اشرف نے بھی خوب لکھا افسانوں میں گیارہ افسانے سب ہی نام پڑھ کر خوشی ہوئی اور پھر آغاز اقبال بانو سے ہی ہوا، بے حد اچھا لگا حرا ڈیئر بات چیت بند کر کے جو بات چیت اور محبت آپ نے دکھائی واہ بہت خوب، ایسے ہلکے پھلکے موضوعات پر مرتب ہونے چاہیں تاکہ بوجھل ذہن خوشیوں کے چند پل حاصل کر سکے، طلعت نظامی محبت کے اسم کی تاثیر سے آگاہی بخشتی نظر آئیں تو حیا بخاری طلن کو مقدر کر ہی دیا سباس گل کی دعوت سب کے سنگ ہم نے بھی اڑائی خیالی دنیا میں بھئی ایک اچھا پیغام تھا مانوس اجنبی موضوع اگرچہ پرانا لیکن انداز اچھا تھا خوابوں کی لگن سال نو کے حوالے سے، بہت خوب کاوش آپ کا انداز بیاں بہت پسند آیا، ایک معمولی سے شک کی بنا پر زندگی برباد کی لیکن عقل آ ہی گئی گئی۔ ایمان علی اور عائشہ پرویز کے افسانے بھی اچھے تھے حریم الیاس نے بھی لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی ویسے عموماً پہلوئے حور میں لنگور ہوتا نہیں یہ تو صرف محاورہ ہے کیونکہ آج کل لڑکی بھی اپنے برابر کا ہی پسند کرتی ہے، بہرحال یہ سب اللہ کی مرضی ہے کسی کو خوب صورت کر دیتے ہیں تو کسی کو خوب سیرت عطا کرتے دونوں ہی اس کی عطا کردہ ہیں دیگر سلسلے بھی اچھے لگے اللہ عزوجل حجاب کو مزید ترقی و کامیابی عطا فرمائے اور سالہا سال ہمارا اور آپ کا ساتھ برقرار رہے آمین۔

عنبر فاطمہ...... کراچی۔ السلام علیکم! آنچل سے نئے افق اور نئے افق سے حجاب تلک آپ کی ہر کاوش ہی بہترین لگی وہی بات ہے کہ

پہلے تھے دل پھر دل سے جاں اور جاں سے جاناں ہوگئے

ہماری زندگی کے ماہ و سال اور آپ کے ادارے کی ان کاوشوں کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے بچپن ہی سے آنچل جو تھاما (کہ اپنی پھوپو جانی کو پڑھتے پایا) تو لڑکپن میں نئے افق کی سیر کرتے اب جوانی میں حجاب ہی ہمارا بہترین ساتھی ہے۔ اسلامی معلومات کے خزانوں پر مشتمل سرچشمہ ہدایت کا جھرنا نفس امارہ کی طہارت کا سبب بنتا ہے تو مستقل سلسلے بھی بہترین ہیں کہانیوں کی بات کرلیں تو سلسلہ وار ناول دونوں ہی ٹھیک جارہے ہیں البتہ دل کے دریچے زیادہ اچھی کاوش ہے مکمل ناول شازیہ مصطفیٰ کا بہت پسند آیا جبکہ نائلہ طارق کے ناول میں ہیرو ہیروئن کے نام کافی یونیک سے تھے پہلے بھی سنے نہیں ویسے ساتھ میں مطلب بھی لکھ دیا کریں تاکہ ہمارے ناقص علم میں اضافہ ہو سکے اب باری آتی ہے ناولٹ کی تو ناولٹ میں زیاں حقیقت کا ترجمان ہے صباحت رفیق نے بھی اچھا لکھا۔ افسانوں کی بہار دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا اور سب سے پہلے ہی اقبال بانو کا نام جگمگاتا دیکھ کر وہاں پہنچ گئے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہت خوب مختصر مگر موثر طلعت نظامی بھی اب بے حد خوب صورتی کے ساتھ افسانہ قلمبند کرتی ہیں اور ایک خوب صورت پیغام اپنے انمٹ نقوش چھوڑ دیتا ہے حیا بخاری کی تحریر بھی پسند آئی اور سباس گل نے دعوت کے ذریعے دعوت تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا اب کچھ بات چیت حرا قریشی کی بات چیت کے متعلق ہوجائے طربیہ انداز میں ہلکے پھلکے موضوع کے ساتھ خوب انصاف کیا اور بیگم صاحبہ چپ کا روزہ رکھنا بے حد پسند آیا آئندہ بھی ایسے موضوعات پر لکھتی رہنا دیگر افسانے بھی اچھے تھے حریم

الیاس کو بھائی کی دلہن مل گئی نے مسکرانے پر مجبور کردیا دنیا کی تلخ حقیقتوں کو نظر انداز کر کے چند پل خوشیوں کی سیر کرائے اچھا لگا دیگر مستقل سلسلے سب ہی لاجواب تھے۔ ویسے تو آپ کا رسالہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔لیکن ہماری چند تجاویز کو زیر غور لے آئیں تو آپ کے رسالے کو یقیناً چار چاند مزید لگ جائیں گے، پہلی تجویز تو یہ ہے۔

آپ ہی سرورق پر ذرا غور کیجیے
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

سابقہ سرورق پر براجمان ماڈل، ماڈل کم بعض اوقات تو گھسی پٹی پنجابی فلموں کی ہیروئن معلوم ہوتی ہے جبکہ سرورق پر جدت و ندرت وقت کا تقاضا ہے، اور اب جاکر یہ تقاضا اس ماہ پورا ہوا ہے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ موقع کی مناسب سے کوئی مقابلہ ضرور کرایا کیجیے مثلاً عید بقر عید کوئی ڈش مقابلہ آپ کے رسالے کی زینت بڑھا دے گا یا پھر ناولٹ یا بہترین افسانہ قارئین سے رائے لے کر منتخب کرلیں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ آپ کو سفرنامہ کا سلسلہ بھی شروع کرلینا چاہیے تاکہ ہم باحجاب (آہم)۔ لڑکیاں بھی اس بہانے دیس بدیس کی سیر کرلیں۔

ملالہ اسلم...... خانیوال۔ السلام علیکم ہر دلعزیز جوہی احمد صاحبہ اور تمام رائٹرز و قارئین کو پیار و دعا کے ساتھ ملالہ اسلم کا محبتوں اور چاہتوں سے لبریز سلام قبول ہو، امید ہے آپ سب اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے مگر ملالہ حجاب اور آنچل کی ٹیم سے ناراض ہے، ناراضگی کی وجہ میرا تعارف آپ نے اتنا انتظار کے بعد بھی آنچل میں نہیں لگایا خیر کوئی گل نہیں تسی تے گریٹ او، جی اپنا تعارف لیٹ پڑھا سب سے پہلے میں قیصر آرا آپی اور پوری آنچل ٹیم کا شکریہ ادا کروں گی، اتنے ماہ غیر حاضر رہی مگر یاد کسی نے بھی نہیں کیا اس لیے آج پھر ہم اپنی موجودگی کا احساس دلوانے خود آ گئے کس ماہ کے شمارے پر تبصرہ کروں؟ جنوری کا ٹائٹل دل کو بھایا مگر بہت دیدہ زیب نہیں تھا سر فہرست نظر ڈالی کچھ نئے نام نظر آئے (واہ جی واہ حجاب تے پورے پاکستان تے چھا گیا بہت کم عرصے میں) حجاب نے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا، میری فرینڈ زیبا امانت آنچل پرانے سے پرانے بھی اکٹھے کر کے لے جاتی تھی اس کو میں نے مشورہ دیا ایک بار حجاب پڑھو مگر وہ اگنور کردیتی تھی، جون کے شمارے میں میرا تعارف آیا تو اس نے پڑھنے کو مانگا بس جی اس کے بعد زیبا امانت، ملالہ سے پہلے بک اسٹال پر انٹری مارتی ہے ہمیں تو انتظار رہتا ہے مگر انتظار بھی بڑی تکلیف دیتا ہے نہ کرایا کرو، اوہ سوری بات ہورہی تھی تبصرے کی تو جی جناب مدیرہ صاحبہ سے تھوڑی بات چیت کی ہماری کم علمی کا ادراک ہوتا ہے، بہت سی معلومات، معاشرتی مسائل اور معاشرتی ماحول میں پائے جانے والے مسائل و مشکلات پر باریک بینی سے غور و فکر کرنے پر ان پہلو کا حل ملتا ہے حمد و نعت سے مستفید ہوتے ہوئے بہت ہی ایسی باتیں پڑھی جن سے دل و روح کھل مشعل ہوئی۔ "ذکر اس پری وش کا" یہ تتلیاں تو حجاب کی جان ہوتی ہیں نظر دوڑانے سے پتا چلا یہاں تو بہت سی کلیاں رنجہ فرما ہیں کسی کے خیالات اور احساسات کو سمجھا جائے۔ تحریریں سب زبردست تھیں' کسی ایک کا نام نہیں لے سکتی۔ سب ہی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ نادیہ فاطمہ اور صدف آصف تو کمال لکھ رہی ہیں۔ طلعت نظامی نے بہت متاثر کیا۔ سدا خوب صورت۔ اس کے ساتھ اجازت اللہ حافظ۔

اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ رب تعالیٰ ہماری مشکلیں آسان کردے وطن عزیز کو تاقیامت قائم رکھے آمین۔

ناقابل اشاعت:

شب گزیدہ سحر پردیس ہے اندھے لوگوں کا حیی الفلاح بے فکریاں زندگی تم ہو تو ال آسیب زدہ۔

قابل اشاعت:

میں تیرے سیپ کا موتی' محبت راستہ ہے میں تینوں سمجھاواں کی آزاد آواز۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیو گائیڈ

طلعت نظامی

امراض اطفال

(Diseases of Infants)

ننھے بچے اپنی تکلیف کا اظہار کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں اس لیے جب انہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو ان کے چہرے، زبان، پاخانہ، پیشاب وغیرہ کو دیکھ کر ہی تکلیف کا اندازہ لگایا جاتا ہے صحت کی حالت میں بچہ چین سکون اور آرام سے رہتا ہے لیکن مرض کی حالت میں وہ بے چین ہوتا ہے اس لیے اسے بے چینی سے نجات دلانے کے لیے ہر وقت دوا دینے کے بجائے اس کی اور والدہ کی غذا کی اصلاح پر توجہ دینی چاہیے تندرست بچہ غذا کے استعمال کے بعد سو جاتا ہے یا کھیلتا رہتا ہے لیکن جب بچہ دودھ پینے کے بعد بھی روتا رہے اور اس کے منہ کے قریب بل پڑ جائیں یا اس کا پاخانہ بدبودار ہو تو سمجھ لیں کہ اس کے پیٹ میں خلل ہے۔

بچہ کا بخار:

اس بخار کا حملہ عموماً بارہ گھنٹہ سے لے کر چھتیس گھنٹوں تک ہوا کرتا ہے۔ اکثر بخار کا حملہ بعد دوپہر یا شام کو ہوا کرتا ہے۔ پہلے سردی لگتی ہے اس کے بعد جلد، جسم، گرم ہو کر خشک ہو جاتی ہے نبض سخت، بھری ہوئی اور تیز چلتی ہے تنفس تیز اور پیشاب تھوڑا اور رنگین اس لیے فوری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اگر بچہ متواتر آہیں بھرتا رہے تو سمجھنا چاہیے کہ کچھ نہ کچھ جسم پر ضرور نکلے گا۔

اسباب مرض:

نمی یا سردی میں رہنا، گرمی یا سردی کا یکا یک بڑھ یا گھٹ جانا، بھیگے ہوئے کپڑوں کا پہننا، ناقص یا ناکامی غذا کا کھانا، اندرونی یا بیرونی چوٹ کا آنا۔

ضروری ہدایات:

آرام سے بستر پر چپ چاپ پڑا رہنے دینا چاہیے تھوڑا تھوڑا پانی ابال کر ٹھنڈا کر کے بار بار دینا مفید ہوا کرتا ہے اس سے بچہ کو پسینہ آنے میں مدد ملتی ہے بخار کے دوران دودھ ایک اعلیٰ اور ضروری غذا ہے۔

علاج:

ایکونائٹ خشک اور گرم ہو بخار کی وجہ سرد ہوا کا لگنا یا ٹھنڈک ہو پیاس زیادہ، نبض تیز۔

بیلا ڈونا:

اجتماع خون سر کو، آنکھیں ابھری ہوئیں اور سرخ بچہ نیند میں اچانک چونک پڑے۔

اینٹم کروڈم:

جب بخار بوجہ بدہضمی شروع ہو گیا ہے، بچہ کی زبان پر سفید سی تہہ جمی ہو، بخار رات کے وقت زیادہ دھوپ لگنے سے بخار شروع ہو جائے ساتھ تے بھی آتی ہو۔

سلفر:

اندرونی اعضا میں اجتماع خون کا خطرہ ہو، ایکونائٹ کے بعد اس دوائی کو دینا چاہیے۔

کیمو میلا:

تیز چڑ چڑی طبیعت خصوصاً جب بچے دانت نکال رہے ہوں، بچہ ہر وقت روتا رہے ایک رخسار سرخ دوسرا زرد، پیاس زیادہ اس کے علاوہ نکس وامیکا، آرسنیکم علامت کے مطابق دی جا سکتی ہے۔

بچے کا دست (Infantile Diarrhoea)

بچوں کے دست کی وجہ انتڑیوں میں کسی خراش کرنے والی چیز کی موجودگی ہوا کرتی ہے جب ماں کا دودھ کم ہو تو بھی دست آنے شروع ہو جاتے ہیں ایسی حالتوں میں یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ کوئی اور گائے وغیرہ کا دودھ انہیں دیا جائے ایک اچھی صحت کا دودھ پینے والا بچہ چوبیس گھنٹوں میں تین سے لے کر چھ بار اجابت کرتا ہے جب پاخانہ

بغیر بو کے ہو تو کسی خطرہ کا احتمال نہیں کرنا چاہیے لیکن برخلاف اس کے جب بچہ کا پاخانہ پتلا ہو جائے رنگت کسی زرد یا جھاگ دار مادہ اس میں پیدا ہو کر بودار بنا دے تو ایسی حالتوں میں مناسب علاج ضرور ہوا کرتا ہے یہ مرض شیر خوار بچوں میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے اور ہر سال ہزاروں بچے اس مرض سے مر جاتے ہیں۔

ایکو نائٹ۔

جب یکا یک بہت مقدار میں دست آنے لگیں ساتھ بخار اور سخت بے چین ہو، منہ خشک پیاس۔

پوڈو فائیلم۔

پانی کی طرح زرد رنگ والے اسہال جو کچھ کھانے یا دودھ پینے کے فوراً بعد شروع ہو جائے، بچہ دانتوں کو رگڑنے اور سر اِدھر اُدھر مارے۔

اپی کاک۔

سادہ اسہال کی یہ دوائی ہے جب بچہ کو زور لگانا پڑے اور پاخانہ کے ہمراہ خون بھی ہو جب کہ زیادہ کھانے کے باعث دست لگ جائیں موسم گرما کے دست۔

وراٹرم ایلبم۔

اسہال بکثرت اور پانی کی طرح آتے ہوں، ساتھ قے ہو، نقاہت بہت زیادہ ہو، پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ آئے۔

فام سفورس۔

اسہال مزمنہ میں دی جائے جبکہ بچہ دبلا پتلا ہو آنکھوں اور جلد جسم کا رنگ زردی مائل ہو، کمزور بہت ہو اور سینہ کے امراض ہوں۔

ضروری ہدایات۔

بچہ کو بار بار دودھ نہیں پلانا چاہیے، البیومن واٹر (انڈے کی سفیدی کا پانی) تھوڑا مقدار میں دینے سے اسہال بند ہو جاتے ہیں اگر ماں دودھ پلائے تو ماں کو ثقیل غذا جیسے مٹھائی، اچار، پکوڑوں، امرود، کھیرا، ککڑی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دانت نکالنا (Teeting)

عموماً پیدائش کے پانچ یا چھ ماہ کے بعد بچوں میں دانت ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں اگر بیرونی صفائی، کھلی ہوا اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہو تو دانت نکلنے پر کوئی خاص تکلیف پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہوا کرتا، اگر بچہ کمزور ہو تو دانت نکلنے پر تکلیف زیادہ ہوتی ہے بعض اوقات اس عرصہ میں دست آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بخار، کھانسی، چڑچڑاپن اور کمزوری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

علاج۔ مرکیورس۔

رات کے وقت بخار زیادہ ہو جائے دست سبز رنگ کے خون کی آمیزش والے مروڑ زیادہ پیاس زیادہ اور پسینہ بکثرت، مسوڑھے، سوجے ہوئے ان میں سے رال ہر وقت بہتی رہے۔

برائی اونیا۔

منہ، زبان، ہونٹ، خشک، ساتھ بخار، بچہ بے حس و حرکت پڑا رہے خشک کھانسی۔

آرسنیکلیم۔

بچہ کی جلد زرد، پیاس زیادہ لیکن تھوڑا تھوڑا پانی ایک وقت پیے دست بدبودار پانی پینے کے فوراً بعد قے کرے۔

کمکریا کارب۔

خنازیری مزاج والا بچہ، دودھ ہضم نہ ہو جما ہوا دودھ بذریعہ قے خارج ہو پیٹ پھولا ہوا۔

فنکاروں پر تنقید

موسیقار نیاز احمد نے کہا ہے کہ ڈرامہ ایک آرٹ ہیں جس میں پرفارم کرنے والے معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں یہ بات انہوں نے ڈرامہ ''کس نے دل توڑا ہے'' کی اسکرپٹ تقسیم کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ نیاز احمد نے کہا کہ لکھنے والے ہمیشہ معاشرے کے عکاس کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں میں موسیقار ہوں اور نغمے تحریر کرتا ہوں۔ فنکاروں کو ڈرامہ یاد کرنے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور ٹائم پر ریہرسل کو کیا جائے۔

پی ٹی وی کے ڈرامے

چیئرمین پی ٹی وی عطا الحق قاسمی کی ہدایت کے باوجود کراچی مرکز کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی کسی پروگرام کا پائلیٹ تیار نہیں کرسکا۔ تفصیلات کے مطابق چیئرمین پی ٹی وی کراچی مرکز کے چار وزہ دورے پر جہاں پروگراموں کی بہتری کے لیے ہدایات دیں تھیں وہاں انہوں نے پرائیویٹ پروڈکشنز کے ڈراموں کے بجائے پی ٹی وی کے تیار کردہ ڈرامے تیار کرنے کے احکامات دیے تھے لیکن کئی ماہ گزرنے کے باوجود کسی بھی ڈرامے یا میوزک کا پائیلٹ نہ بن سکا۔

میوزیکل شو

فنکارہ عیشا منی نے کہا ہے کہ اس بار پرفارمنس کے تمام ریکارڈ توڑ دوں گی کراچی کے شائقین نشہ پیار دا میوزیکل شو میں مست ہوجائیں گے۔ عیشا منی نے کہا کہ میرے نام سے 29 جنوری کو فلیٹ کلب میں ہونے والے میوزیکل شو بیگم عیشا نشہ پیار دا ڈانسنگ شو میں کراچی کے شائقین کے لیے ڈانس کے نئے آئٹمز کی تیاری شروع کردی ہے جس میں پنجابی اور اردو سونگ شامل ہیں انہوں نے کہا کہ کراچی ایک سال کے بعد آرہی ہوں (زبردستی) اس لیے ڈانس کے مختلف آئٹمز تیار کیے جارہے ہیں شائقین کو ضرور پسند آئے گئے۔ (اللہ اللہ کرو بی بی)

بھارتی فلموں کی نمائش

حکومت پاکستان نے بھارتی فلموں کی نمائش پر پابندی عائد کررکھی ہے جس کی وجہ سے سینماؤں کا بزنس بھی دس فیصد تک رہ گیا ہے یہاں یہ بات قابل ذکر ہے بھارتی فلم دنگل لگانے کے لیے انتظامات کرلیے گئے تھے لیکن وفاقی حکومت نے فلم کی نمائش کی اجازت نہیں دی، جبکہ پاکستانی فلموں کی نمائش نہ ہونے کے برابر ہے اور جو فلمیں ریلیز بھی ہورہی ہیں ان کا بزنس نہ ہونے کے برابر ہے جہاں ایک طرف ہمارے فنکار اپنی فلموں کی کامیابی کا راگ الاپ رہے ہیں وہیں سینما مالکان کا کہنا ہے کہ اگر ملکی فلموں کی لگاتار نمائش اور معیاری ہوئی تو باکس آفس پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ (کیا واقعی)

تھوڑا جی لے

فلمساز مہتاب اکبر راشدی اور مصنف ہدایتکار رافع راشدی کی پہلی فلم تھوڑا جی لے 20 جنوری کو نمائش کردی گئی ہدایتکار رافع چوہدری نے میڈیا سے گفتگو میں کہا ہے کہ فلم میں محبت اور دوستی کو اجاگر کیا گیا ہے انہوں نے فلم میں شامل نئے فنکاروں کی پرفارمنس کو حوصلہ افزا قرار دیا اور کہا کہ شائقین کے لیے یہ نئے سال کا تحفہ ہوگی فلم کی موسیقی صہیب راشدی نے ترتیب دی۔

چین آئے نہ

ہدایتکار سید نور کی نئی فلم ''چین آئے نہ'' کی شوٹنگ کا شیڈول تیار کرلیا گیا ہے اور مذکورہ فلم کی عکسبندی کے پہلے مرحلے میں آؤٹ ڈور فلمبندی کی جائے گی فلم مقررہ مدت میں مکمل کی جائے گی کراچی میں ''چین آئے نہ'' کی شوٹنگ ایک ماہ جاری رہے گی جس کے بعد فلم کا یونٹ لاہور جائے گا اور وہاں بعض مناظر فلمبند کیے جائیں گے فلم میں عادل مراد اور سحرش خان مرکزی کردار کررہے ہیں جبکہ فلم کی کاسٹ میں اداکار ندیم، مصطفی قریشی، بہروز سبزواری، عتیقہ اوڈھو، دانش نواز اور صائمہ نور ہیں (تاکہ فلم کامیاب ہو جائے ورنہ پیسہ وصول ہوجائے)

میں چور نہیں

اداکار و ہدایتکار ساحر لودھی نے بالآخر مصنف

وہدایتکار پرویز کلیم کی فلم ''دل فقیر'' کے گانے کی چوری کے الزام کی بھرپور انداز میں تردید کردی ہے انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ میں پرویز کلیم جیسے لیجنڈ مصنف وہدایتکار کو فلم کے گانے بھلا کیسے چوری کرسکتا ہوں (صرف غیر ملکی گانے) اور ان دنوں میرے اوپر اس فلم کے گانوں کی چوری کے الزامات درست نہیں واضح رہے کہ فلمساز جاوید وڑائچ نے بھی اپنی فلم غنڈہ ٹیکس کے گانے چوری کرنے پر ساحر لودھی کے خلاف پاکستان فلم پروڈیوسرز ایسوسی ایشن کو درخواست دے دی ہے علاوہ ازیں پرویز کلیم نے بھی قانونی کارروائی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

ہم کس گلی جارہے ہیں

خواتین کی کچھ باتیں پرسنل ہوتی ہیں لیکن اب ملک کے مختلف ٹی وی چینلو پر سب سے زیادہ پسند کیے جانے والے ریلیٹی شو "مس ویٹ پاکستان" نے ایک دلچسپ موڑ اختیار کرلیا (ہمارا معاشرہ کس موڑ پر جارہا ہے) اس ہفتے نشر ہونے والی قسط میں کراچی کی فضہ رضوی کو ووٹنگ کے ذریعے عوام سے ملنے والی رائے کے بعد وائلڈ کارڈ انٹری سے نوازہ جائے گا۔ اکتوبر 2016 میں شروع ہونے والے ریلیٹی شو "مس ویٹ پاکستان" میں فضہ رضوی بھی شریک تھیں جنہیں دوسرے نمبر پر پروگرام سے باہر کردیا گیا تھا اور اب ان کی اس پروگرام میں دوبارہ انٹری سرفہرست ٹاپ فور کے سیمی فائنل لسٹ لاراڈوال، سارا ہجری، زرتاب بانو اور زینب راجہ کے ساتھ کی جارہی ہے۔ مس ویٹ پاکستان کے ریلیٹی شو کا سنسنی خیز ایپسوڈ 7 جنوری 2017 کو ہم ٹی وی آن ایئر ہوگا۔ تیزی سے مقبولیت پانے والے شو کو قومی سطح پر پذیرائی حاصل ہورہی ہے، ایڈونچر سے بھرے شو کا اختتام گرینڈ فنالے پر ہوگا جس کا انعقاد کراچی میں کیا جائے گا، اس گرینڈ فنالے میں ان پانچوں میں سے کسی ایک خوش نصیب کے سر پر "مس ویٹ پاکستان" کا تاج رکھا جائے گا۔

مہرالنساء آئی لب یو

فلمساز حسن ضیا اپنی نئی فلم مہرالنساء آئی لب یو کے نغمات کی ریکارڈنگ کے لیے ممبئی روانہ

ہوگئے (فلم کی کامیابی کے لیے کچھ تو کرنا ہے) اس فلم کے نغمات گلزار نے لکھے ہیں دریں اثنا معروف ماڈل آمنہ الیاس سے بھی فلم میں آئٹم سانگ کے لیے معاہدہ ہوگیا ہے اور اس کا شیڈول تیار کیا جارہا ہے فلم کے گانے بھاتی گلوکاروں کی آوازوں میں ریکارڈ کیے جائیں گے فلم کی کاسٹ میں دانش تیمور، ثنا اور جاوید شیخ مرکزی کردار میں آرہے ہیں۔

سنتوش کمار کی نواسی

فلم ٹی وی کی اداکارہ سحرش خان نے کہا ہے کہ آج کل ملکی فلموں کی کامیابی کی خبریں سن کر خوشی محسوس ہورہی ہے (کس سے سن رہی ہیں؟) اوراب ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے 30 سال قبل والا فلمی دور واپس آرہا ہے (وہی اداکار تو فلموں میں کام کررہے ہیں اداکارائیں تو......) ایک انٹرویو میں سحرش خان نے کہا کہ کراچی ان کے لیے نیا نہیں۔ فلمسازوں کو چاہیے کہ وہ اچھے سبجیکٹ پر فلمیں بنائیں واضح رہے کہ سحرش خان سنتوش کمار کی نواسی ہیں اور وہ خصوصی طور پر کراچی آئی تھیں۔

پاکستانی فلمیں

اداکار ندیم نے کہا ہے کہ فلم انڈسٹری کی رونقیں لوٹ رہی ہیں اور ملکی فلموں کا مورال بھی بلند ہورہا ہے۔ بھارتی فلموں کی بندش سے پاکستانی فلمسازوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ معیاری فلمیں بنانے کی طرف توجہ دینی چاہیے انہوں نے فلمسازوں کو اچھے موضوعات پر فلمیں بنانے کا مشورہ دیا۔ (اچھے موضوعات کہاں سے آئیں گے) انہوں نے سید نور کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ ایسے باصلاحیت ہدایتکار پر ہمیں رشک ہونا چاہیے۔

کہیں تو کامیابی ہو

ملک کی نامور ماڈل واداکارہ لائبہ خان نے فنکاروں کی نمائندہ تنظیم ایشین آرٹ کونسل میں شمولیت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ فنکاروں کی فلاح وبہبود کے لیے درد رکھنے والے اسلم محمود دہلوی کے اس مشن میں شامل ہوکر خوشی محسوس کررہی ہوں، میری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ ایسے منفرد کام کروں جو رہتی دنیا تک یاد رکھیں جائے، اس حوالے سے محنت بھی کررہی ہوں، اور میں خود ایک فنکار ہوں مجھے معلوم ہے کہ فنکار کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے (پھر بھی فنکار ہیں) اس حوالے سے میں فنکاروں کی نمائندہ تنظیم ایشین آرٹ کونسل کا حصہ بنی ہوں، اپنے سینئرز کا بہت زیادہ احترام کرتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ عزت ملتی ہے (کسے سینئرز کو؟) انہوں نے کہا کہ فن ایک سمندر ہے جس کی کوئی تہہ نہیں ہوتی ابھی سیکھنے کے مراحل میں ہوں (تیرا کی؟) خود کو کبھی مکمل فنکارہ نہیں سمجھتی (افسوس) حال ہی میں ویڈیو سونگ میں ماڈلنگ کی ہے جو عنقریب مختلف چینلو پر نشر کیے جائینگے۔ اس کے علاوہ فیشن انڈسٹری میں بہت زیادہ مصروفیات ہیں، اپنی مکمل توجہ ماڈلنگ کی

جانب مرکوز رکھی ہوئی ہے، ڈراموں میں آفرز ہوتی رہتی ہیں جلد ڈراموں میں بھی باقاعدگی سے نظر آؤنگی۔ (بس بھی کردیں سر درد کی دوا کیوں بن رہی ہیں؟) فیشن کی دنیا میں منفرد شناخت بنانے جدوجہد کررہی ہوں، جس کے لیے محنت سے آگے بڑھ رہی ہوں فیشن انڈسٹری میں سوچ سے زیادہ پذیرائی مل رہی ہے، میرا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں (سفید جھوٹ) میرا الگ اسٹائل ہے کسی سے حسد نہیں کرتی ہوں۔ (اففف)

ہم ٹی وی اور آپ

IFLIX اور ہم ٹی وی نیٹ کے درمیان معاہدہ طے پاگیا ہے، جس کے تحت IFLIX پاکستان میں ہم ٹی وی مقبول ترین ٹی وی شوز کو اپنے انٹرنیٹ ٹی وی سروسز کے ذریعے پاکستان سمیت دنیا بھر میں IFLIX کے ناظرین کو یہ مقبول ترین ٹی وی شوز پیش کرسکے گا، یاد رہے کہ IFLIX انٹرنیٹ ٹی وی سروسز کے ذریعے ناظرین دنیا بھر کی معروف فلموں سمیت مقبول ترین ڈرامے اور دیگر تفریحی مواد اپنے گھر یا جہاں بھی وہ چاہیں براہ راست اپنے ٹی وی، موبائل فون، ٹیبلیٹ یا لیپ ٹاپ پر دیکھ سکیں گے۔ اس موقع پر IFLIX گروپ کے چیف کانٹینٹ آفیسر James Bridges کا کہنا تھا کہ مقامی ٹی وی چینلو کے فروغ میں آئی فلکس کا کردار نمایا ہے، اور ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان میں ہم ٹی وی کے ساتھ ہماری شراکت داری اس فروغ میں سنگ میل ثابت ہوگی، ان کا کہنا تھا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہم ٹی وی کے مقبول ترین اور ایوارڈ یافتہ مقامی ڈرامے ہماری ٹاپ بین الاقوامی اور مقامی کونٹینٹ میں شامل ہونے جارہی ہے جسے دنیا بھر میں ہمارے ممبرز نہ صرف اپنے گھروں پر بلکہ جہاں وہ چاہتے ہیں دیکھ سکیں گے۔ اس موقع پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ہم ٹی وی نیٹ لمیٹڈ کے چیف اسٹریٹجی آفیسر حسن جاوید کا کہنا تھا کہ اس معاہدے کے تحت پاکستان سمیت دنیا بھر میں موجود آئی فلکس صارفین جلد ہم ٹی کے 50 کے قریب معروف ٹی وی شوز اور ایوارڈ یافتہ ڈرامے جس میں "بن روئے، اڈاری، من مائل، زرا یاد کر، پاکیزہ، گل رعنا، مان، کیسے تم سے کہوں، قید تنہائی ، دل مضطر، میرے قاتل میرے دلدار، من وسلویٰ، شناخت اور کدورت سمیت وصل، اور بہت سے ڈرامے شامل ہیں سے لطف اندوز ہوسکیں گے۔ حسن جاوید کا کہنا تھا کہ معیاری انٹرٹینمنٹ کے فروغ میں ہم ٹی وی نیٹ ورک کا کردار ہمیشہ صف اول کے ٹی وی کے طور پر رہا ہے، آئی فلکس کے ساتھ ہمارے اس معاہدے کا مقصد ہمارے معیاری انٹرٹینمنٹ کو دنیا بھر کے شائقین میں متعارف کرانا ہے، اور ہمیں امید ہے کہ IFLIX ہمارے اس مقصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرے گا۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

گھریلو ٹوٹکے

﴿۞﴾ اگر مرغی شوربے والی پکانی ہو تو اسے پکانے سے دس پندرہ منٹ لیموں کا رس اور سرکہ لگا کر رکھ دیں، پھر گھی میں تل کر مصالحہ ڈال کر پکائیں۔

﴿۞﴾ تھوڑی سی املی پانی میں بھگودیں، تھوڑی دیر بعد جب املی نرم ہوجائے تو ہاتھ سے خوب مل لیں اور اس املی والے پانی سے برتنوں کو دھویئے اور خوب رگڑیں، برتن چمک اٹھیں گے۔

﴿۞﴾ کثرت استعمال کے بعد پلاسٹک کے برتنوں اور بنکوں پر کچھ داغ پڑ جاتے ہیں اور چکنائی جم جاتی ہے اس کے لیے ایک بڑے سے ٹب میں برتنوں کے حساب سے دو بڑے چمچے کپڑے دھونے والا سوڈا ڈال کر برتن اس گرم پانی میں بھگودیں۔ نتائج حیران کن ہوں گے۔

﴿۞﴾ ہاتھی دانت سے بنی ہوئی مصنوعات اکثر زرد پڑ جاتی ہیں، ایسی چیزوں کو شیشے کے مرتبان میں رکھ کر سورج کی شعاعوں کے سامنے رکھ دیں۔ ان کی زردی ختم ہوجائے گی۔

﴿۞﴾ پیاز کوٹ کر سونگھنے سے سر کا درد ختم ہوجاتا ہے۔

﴿۞﴾ پودینے کی ڈنڈیاں یا لیموں کے چھلکے کپڑوں اور کتابوں میں رکھنے سے کیڑے ختم ہوجائیں گے۔ موسم گرما میں تکیہ میں اگر تھوڑا سا کافور ملا دیا جائے تو اس سے تکیہ ٹھنڈا بھی ہوگا اور کھٹمل بھی نہیں پڑیں گے۔

﴿۞﴾ بارش کے موسم میں گھر میں لوبان کی دھونی ضرور دیں، اس سے سیلن ختم ہوجاتی ہے۔

﴿۞﴾ بیڈ شیٹ کو کلف لگا کر بچھانے سے سلوٹیں نہیں پڑتیں، اور زیادہ دن صاف رہتی ہے۔

﴿۞﴾ اگر کپڑوں پر چکناہٹ لگ جائے تو اس پر خوب پاؤڈر چھڑک کر استری کرلیں اور پھر واشنگ پاؤڈر سے دھولیں۔

﴿۞﴾ بعض دفعہ مہندی ہلکی رہتی ہے، جب مہندی سوکھ کر جھڑ جائے تو اس پر پان میں استعمال ہونے والا چونا لگالیا جائے۔ سوکھنے کے بعد ہاتھ دھولیں۔ یا لونگ کو توے پر ڈال کر ہاتھوں کو دھواں دیں تو مہندی کا رنگ تیز ہوجائے گا۔

﴿۞﴾ مصنوعی زیورات کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کو خوشبو سے بچائیں اور پلاسٹک کی تھیلی میں رکھیں اس طرح یہ کالے نہیں ہوتے۔

﴿۞﴾ مہندی ہاتھوں پر بہت اچھی لگتی ہے لیکن مہندی اگر کپڑوں پر لگ جائے تو جان عذاب میں آجاتی ہے ایسے دھبوں کو گرم دودھ میں آدھے گھنٹے کے لیے رہنے دیجیے، مہندی کے دھبے فوراً غائب ہوجائیں گے۔

﴿۞﴾ اگر دروازوں کے قبضے بجنے لگیں اور ان میں دراڑ پیدا ہونے لگتی ہے تو ایک معمولی پنسل کو خراب شدہ حصوں پر رگڑیں پنسل کا گریفائٹ لبریکینٹ کا کام انجام دے گا۔

﴿۞﴾ موتیا اور چنبیلی کے پودوں کی جڑ میں اگر آپ لسی، چھاچھ ڈالیں یا دودھ کی دیگچی دھو کر اس کا پانی ڈالیں تو بہت پھول آتے ہیں۔

﴿۞﴾ چونے کو انڈے کی زردی میں حل کرکے اس سے شیشے کے ٹوٹے ہوئے گلاس کو جوڑا جاسکتا ہے۔

قالین کے داغ دھبے

اگر آپ کے قالین پر داغ دھبے لگے ہوں تو ذیل میں دیے گئے چھ طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ استعمال کیجیے اور داغ دھبوں سے نجات پایئے۔

روشنائی کے دھبے:

کپڑے کے ایک ٹکڑے کو گرم پانی میں ڈبو کر قالین کا وہ حصہ صاف کریں، جہاں روشنائی کا دھبا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس جگہ کو الکحل یا تھنر (THINNER) سے رگڑ دیں۔ دھبا چند منٹ میں صاف ہوجائے گا۔

تیل اور چکنائی کے داغ:

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد، صائمہ اکرام، عُشنا کوثر سردار، اشفاق احمد
نمرہ احمد، سعدیہ عابد، نبیلہ عزیز، نسیم حجازی
فرحت اشتیاق، عفت سحر طاہر، فائزہ افتخار، عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو، تنزیلہ ریاض، نبیلہ ابر راجہ، ہاشم ندیم
نگہت سیما، فائزہ افتخار، آمنہ ریاض، مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ، سباس گُل، عنیزہ سید، مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ، رُخسانہ نگار عدنان، اقراء صغیر احمد، علیمُ الحق
رفعت سراج، اُمِ مریم، نایاب جیلانی، ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حنا ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اگر قالین پر تیل اور چکنائی کے داغ پڑ گئے ہوں تو اس جگہ پر نمک، کھانے کا سوڈا بھٹے کا آٹا ملا دیں۔ اسے فوراً ہی نہ رگڑیں۔ مذکورہ چیزوں کو جذب ہونے کا وقت دیں۔ اس کے بعد اسے صاف کر دیں۔

چائے یا کافی کا دھبہ:

قالین سے چائے یا کافی کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے گرم پانی میں سفید سرکہ ملائیں اور اسے دھبوں پر لگا دیں۔ مناسب وقفے کے بعد ٹشو پیپر سے رگڑ کر صاف کر دیں۔ دھبے دور ہو جائیں گے۔

پھلوں کے رس کے داغ:

تھوڑی سی شیونگ کریم انگلی پر لگا کر اس جگہ لگا دیجیے، جہاں قالین پر پھل کا رس گر گیا ہو۔ تھوڑا وقفہ دے کر اسفنج کے ایک ٹکڑے کو گرم پانی میں ڈبو کر قالین کو صاف کر دیں۔

جانوروں کے پیشاب کے دھبے:

جانوروں کا پیشاب خشک ہونے پر نظر نہیں آتا، لہٰذا اسے تیز روشنی میں دیکھیے۔ اگر قالین پر کسی پالتو جانور نے پیشاب کر دیا ہو تو جگہ پر چاک سے نشان لگا دیں۔ پھر داغ دھبے دور کرنے کے لیے صفائی کے پاؤڈر میں گرم پانی ملا کر اسے صاف کر دیں۔ تھوڑی سی دیر میں قالین چمک اٹھے گا۔

کیچڑ کے داغ:

اگر قالین پر کیچڑ کے داغ لگ گئے ہوں تو کیچڑ کے خشک ہونے کا انتظار کیجیے، اس کے بعد صفائی کے پاؤڈر سے ان داغوں کو صاف کر دیں۔ اگر قالین اس کے باوجود صاف نہ ہو تو سوڈا لگا کر صاف کپڑے سے رگڑ ڈالیں۔ یہ عمل اس وقت تک کرتے رہیں، جب تک داغ صاف نہ ہو جائیں۔

مفید ٹوٹکے

استری صاف کرنے کا طریقہ:

بجلی کی استری کو اگر زنگ لگ جائے تو اخباری کاغذ پر نمک لگا کر اس پر رگڑنے سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

کپڑے دھونے کے لیے:

کپڑے دھونے سے پہلے ان کے بٹن زپ وغیرہ بند کر دیں تاکہ وہ آپس میں نہ الجھیں۔ کپڑوں کو بے رنگ ہونے سے بچانے کے لیے انہیں الٹا کر کے دھوئیں اور سکھائیں۔ پہلی بار گہرے رنگ کے کپڑے دھوتے وقت ٹھنڈے پانی میں نمک ملا لیں اس سے کپڑوں کا رنگ پکا ہوتا ہے۔ گہرے رنگ کے کپڑے جو کئی بار دھلے ہوں ان میں چمک لانے کے لیے بھی یہ عمل موزوں ہے۔

ہیضہ:

لیموں اور پیاز کا رس ملا کر پینے سے ہیضے میں افاقہ ہوتا ہے۔ پودینے کا رس پینے سے ہیضہ ختم ہو جاتا ہے۔ جائفل کا جوشاندہ پینے اور لونگ پانی میں اُبال کر پینے سے ہیضے میں لگنے والی پیاس ختم ہو جاتی ہے پیاز کے رس میں چٹکی بھر ہینگ ملا کر آدھے گھنٹے بعد پی لینے سے ہیضے میں شفا ملتی ہے۔

کلونجی سے موٹاپے کا یقینی علاج:

موٹاپا دور کرنے کے لیے نیم گرم پانی میں کلونجی کا باریک سفوف کر کے اسی کے برابر کالی مرچیں ملا لیں اور اس کے ساتھ شہد اور ایک لیموں کا رس صبح نہار منہ پئیں۔ کلونجی زائد چربی کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ شوگر کنٹرول کرنے میں بھی مددگار ہے۔

بوتلوں کی صفائی:

بوتلوں کی صفائی کے لیے بوتل میں تھوڑا سا واشنگ پاؤڈر اور ایک انڈے کا چھلکا کچل کر بوتل کے منہ میں ڈال دیں اور بوتل کو ہلائیں۔ پھر یہ سب اُلٹ کر باہر نکال دیں اور دھو کر صاف کر لیں۔

سفید کپڑوں کی پیلاہٹ دور کرنا:

سفید کپڑوں کی پیلاہٹ دور کرنے کے لیے کپڑوں کو دھونے کے بعد پانی میں تھوڑا سا لیموں نچوڑ لیں اب اسی میں کپڑے کھنگالیں اور نچوڑ کر سکھائیں؛ جب ریشمی سفید کپڑے کھنگالیں تو سفید سرکہ یا نمک ملا لیں اور سائے میں خشک کریں۔

ایمان فاطمہ......کراچی